Editor

"MOHSAN-UL-QAUM," MOHAMMAD ALI RAUNAQ.

Annual Subscription Rs. [illegible] Per Copy As. -4-.

القریش

امرتسر

مصور

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۷ء

جلد ۲۳ —————— نمبر ۲۰۱

فہرست مضامین

۷۸۶

قصیدہ دُعائیہ

جو خاقانِ زماں، شہریارِ والا دودماں، سلطان ابن سلطان، اعلیٰ حضرت ہز اگزالٹیڈ ہائی نس نظام الملک آصف جاہ فرمانفرمائے دکن حرسہا اللہ عن الشر والفتن کی بارگاہ قدسی اساس میں سلور جوبلی کی تقریب سعید پر پیش کرنے کے لئے ارسال کیا گیا۔

جس نے نورِ عدل سے عالم کو روشن کر دیا
اور روایاتِ جہانگیری کو ہے تازہ کیا

علم کی نہریں بہا دیں جس نے سارے ملک میں
راہیں بڑھنے کی سجھا دیں جس نے سارے ملک میں

جس کا نصب العین ہو بہبودئ خاص و عوام
جائے جس کے در سے کوئی بھی نہ بے نیلِ مرام

جس کے دل کی ہو خوشی ہر دم رعایا پروری
بارِ غم ہو جس کے دل پر ایک دل کی ناخوشی

رشکِ صد کسریٰ ہو جس کی اک حکومت کا نظام
مثلِ خور[1] جس کے مراحم سب پہ ہوں یکساں مدام

غیرتِ جمشید ہو جس کی صدا شان و شکوہ
جس کے در پر دست بستہ ہوں خلائق کے گروہ

آج کل وہ ہے جہاں میں ایک سلطانِ دکن
جس کے دم سے بڑھ رہی ہے دمبدم شانِ دکن

میر عثمان علیخاں دیں پناہ اور جم نشاں
غیرتِ پیرانِ تدبیر میں ہے ہمت میں جواں

جس کے جشن جوبلی کی ہے مچی عالم میں دھوم
آسماں دیتا مُبارک ہے زمیں کو چُوم چُوم

زشمولِ خود بشادی ملک را گوید برار
شادماں شو، از دلت حسرت بعیش اندر برآر

ہو گیا ہے تہنیت خوانوں میں القریش
کر سکے اس بزم میں تا نوش وہ بھی جامِ عیش

اخلوص قلب ہردم ہے یہی اپنی دُعا
جشن ایسے بیسیوں ہی انکو دکھلائے خدا

سلطنت اتنی بڑھے ہوں بحر و بر زیرِ نگیں
ہو موافق آسماں محکوم ہوں اہلِ زمیں

خدا شہزادگان را خرّم و مسرور دار
ملک را از جلوۂ شاں دائما پر نور دار

خاندانِ آصفیہؔ را زِ جشن جوبلی
روز افزوں باد یا رب عز و شان فرہی

[1] خورشید

"دُعا"

تیرے حضور ہے میری یہ التجا مولا
تو اپنی شانِ کریمی ذرا دکھا مولا

میں سادہ دِل ہوں فریبوں کا یہ زمانہ ہے
شرِ فریب جہاں سے مجھے بچا مولا

ترے کرم پہ دو عالم میں آس ہے میری
نہیں ہے تجھ سے بڑا کوئی آسرا مولا

میں چھوڑ کر ترے دَر کو بھلا کہاں جاؤں
میں تیرا بندہ ہوں تو ہے مِرا خدا مولا

ہزار خون کے آنسو رُلائے مجھکو فلک
نگہ ہے اک تری اس درد کی دَوا مولا

مجھے تو لطف سے رحمت کے سائے میں لے لے
کہ پا سکے نہ کبھی مجھکو اِبتلا مولا

تری پناہ میں آکر خطر ہو کیوں مجھکو
تو ٹال سکتا ہے آئی ہوئی بلا مولا

میں آگرا ہوں ترے در پہ چھوڑ کر سب کو
کہ ہے یہی مری ہستی کا مدعا مولا

کیا ہے خون مری آرزو کا گردوں نے
عطا ہو خون تمنّا کا خوں بہا مولا

طفیل سرورِ کونین اپنی رحمت سے
قبول شاکرِ محزوں کی کر دُعا مولا

شاکر صدیقی

"ناظرینِ القریش سے"

کرمی مولانا غلام معین صاحب شاکر القریش سے خاص نسبت محبت رکھتے ہیں آپ ہمیشہ سال نو کی تقریب پر تہنیتی اشعار کی ترسیل سے مشکور فرمایا کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ذیل کی نظم موصول ہوئی ہے جنوری کی اشاعت معرض التواء میں ہونے کی وجہ اس اشاعت میں شائع ہوتی ہے۔ ناظرین کرام توجہ خاص ملاحظہ فرماویں۔ شاکر صاحب نے اپنے قیمتی خیالات کے اظہار سے القریش کی توسیع اشاعت کی دعوت بھی دی ہے۔ جس کیلئے ہم آپکے بدل سپاس گذار ہیں۔ رونق

لیجئے اے ناظرین پہلے سلام القریش — دیکھئے پھر غور سے دم بھر نظام القریش
یوں تو ہم میں شیخ بھی قرشی بھی اور سید بھی ہیں — پر نظر آتے نہیں ان میں کرام القریش
بے توجہی سے ہماری روشنی کے دور میں — تیرہ تر شام غریباں سے ہے شام القریش
"بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک" — آپ کا دامن نہ ہوگا خود کنام القریش

رک تو یہ سکتا نہیں راہِ صحافت میں کبھی — کیونکہ ہے رونق کے ہاتھوں میں زمام القریش
فرض لیکن آپ پر یہ ہے کہ جان و دل سے آپ — قوم کی خاطر کریں عہدِ قیامِ القریش
روح پھونکی قوم میں اس نے ہے اپنے سوز سے — اور زندہ قوم کے دم سے ہے نامِ القریش
اپنے ہاتھوں میں اگر تعمیر اس کی آپ لیں — دم میں ہمدوشِ ثریا ہو یہ بامِ القریش
اس ادا سے مہرباں اس کو چلائیں تا کہ خود — کھب سکے چشمِ صحافت میں خرامِ القریش
اس گھڑی سمجھوں گا میں ہمدم فلک منزل ہے یہ — آپ کے دل میں بنا جس دم مقامِ القریش
رام کر لے وہ جہاں کو سحر سوز و ساز سے — سید و قرشی اگر ہو جائیں رامِ القریش
گویا پھر شیرازہ بندِ قوم ہوگا دوستو — ہو گیا برہم اگر اب انتظامِ القریش
خوف کے معرض میں ہے گو زندگی اس کی مگر — آپ کی ہمت ہے خلاقِ دوامِ القریش

ہم نوا میں نے سنی یہ سالِ نو کی راگنی — ہو رہا تھا جب کہ میں سرشارِ جامِ القریش
رکھ کے شاکر سر پہ تاجِ ضوفشانِ اخلاص کا
۱۹۳۶ + ۱ = ۱۹۳۷
کاش سنتی قوم سب صادق پیامِ القریش

شاکر صدیقی

بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء

جلد ۲۷ —————— نمبر ۱ و ۲

شذرات

سال گذشتہ کو سیاسی نقطہ نظر سے کافی اہمیت حاصل ہے۔ دول یورپ کی سیاسی پیچیدگیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔ ذیل میں ہم ۱۹۳۶ء کے ان اہم ترین واقعات کو بالترتیب درج کرتے ہیں۔ جو دول عالم کی سیاسیات میں ایک نمایاں تبدیلی کا موجب ہوئے ہیں۔

جنوری میں اطالیہ اور حبشہ کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔

فروری۔ فرانس اور روس کے درمیان معاہدہ پر دستخط ثبت کر دیئے گئے۔

مارچ۔ جرمنی نے معاہدہ ورسائی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رائن میں اپنی افواج بھیجنی شروع کر دیں۔ اور وہاں پر اپنے استحکامات شروع کر دیئے۔

اپریل۔ میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا جسے ہندوستان کی سیاسیات میں کافی اہمیت حاصل ہوئی۔

مئی۔ اطالیہ نے حبشہ کو فتح کر لیا۔

جولائی۔ ترکی اور دول یورپ میں یہ سمجھوتہ ہوا کہ درِ دانیال کی حفاظت کے لئے ترکی نئے سرے سے قلعوں کی تعمیر کر سکتا ہے۔

اگست۔ مصر اور انگلستان کے مابین ایک نئے معاہدہ کے متعلق گفت و شنید شروع کی گئی۔

اگست۔ ہسپانیہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

ستمبر۔ جرمنی نے اپنی نوآبادیات پر دوبارہ قبضہ کرنے کیلئے صدائے احتجاج بلند کی۔

اکتوبر۔ جرمنی اور اطالیہ میں اتحاد ہو گیا۔

دسمبر۔ ایڈورڈ ہشتم مسز سمپسن کے لئے برطانیہ کے تخت سے علیحدہ ہو گئے۔

———

اعلحضرت شہریار دکن کے مراحم خسروانہ کی بارش بلا امتیاز مذہب و ملت تشنہ کامان کی کشت امید کی آبیاری کرتی ہے۔ ایکے اعتراف سے کسی مجال انکار نہیں۔ ریاست حیدرآباد ہی ہندوستان کی وہ ریاست ہے۔ جہیں فرقہ پرستی کے جراثیم ہندو سبھائیوں کی کوششوں کے باوجود نشو و نما نہیں پا سکے۔ کیونکہ تاجدار دکن کی حکومت کی نگاہیں رعایا کے فرد بشر پر خواہ وہ کسی مذہب، فرقہ یا قوم سے تعلق رکھتا ہو یکساں انداز میں اٹھتی ہیں۔ اور ہر شخص کے ساتھ مساوی سلوک کیا جاتا ہے حال ہی میں اعلیٰ حضرت نے ریاست حیدرآباد کے ہریجنوں کی تعلیمی ترقی کے لئے تین لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم منظور فرمائی ہے۔ اس روپیہ سے ہریجنوں کے لئے دو سو اسکول جاری کئے جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ مبارک اقدام ہندوستان کے تمام علقوں میں مستحسن قرار دیا جائیگا۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت نے اپنی غریب رعایا کی تعلیم کی طرف جس طرح توجہ فرمائی ہے۔ وہ حکومت ہند اور دوسری ریاستوں کیلئے قابل تقلید ہے۔ لیکن ہندو مہاسبھا کے بھائی پرمانند کے اخبار "ہندو" نے اعلیٰ حضرت کی اس غریب نوازی کو شک اور شبہ کی نگاہ سے دیکھ کر اپنے دل کے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

ریاست حیدرآباد کی گورنمنٹ تبلیغ کیلئے بہت بدنام ہو چکی ہے۔ دہلی کے خواجہ حسن نظامی اور مولانا شوکت علی وغیرہ مبلّغوں کو وہ فراخدلی سے روپیہ دیتی ہے۔ یہ بات اکثر بیان کی جاتی ہے۔ اس لئے اگر ہریجنوں کے لئے نئے اسکول اس مطلب کے لئے کھولے جا رہے ہیں۔ کہ ان کے اندر اسلام کا پرچار کر کے ان کو تبت کیا جائے۔ تو کوئی سمجھدار شخص بھی اس تحریک کی مذمت کئے بغیر نہ رہے گا۔" ہندو" کی اس کمینہ ذہنیت کا جواب دینا ہمارا مقصد نہیں۔ جس کا مظاہرہ اوپر کی چند سطروں میں بخوبی کیا گیا ہے۔ بلکہ ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ فرقہ پرست ہندوؤں کا آرگن ایک مستحسن فعل کو بھی مذموم کہہ دینے میں باک نہیں کرتا۔ اور محض اس لئے کہ اس خوبی کی نسبت ایک مسلمان سے وابستہ ہے۔ کیا اس ذہنیت کے افراد ہندوستان کے مستقبل کیلئے فال نیک قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ خدا معلوم یہ لیسے لوگ کب اپنی ذہنیتوں کو بدلیں گے۔ اور کب ہندوستان کی آبادیاں انسانی خصوصیات سے مستفید ہونگی۔ اگر ہندوستانی فرقہ پرستی کی دلدل میں پھنسے رہے۔ تو وہ تمام پروگرام اور اسکیمیں ناکارہ ثابت ہو جائیں گی۔ جن کو ہندوستان کی ترقی کا ضامن کہا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس اہم مسئلہ پر ہندوستانی غور کریں۔ اور سوچیں کہ اعلحضرت کو بلحاظ سلطان دکن و برار ہونے کے جیسے ہندوؤں، سکھوں مسلمانوں کی ترقی منظور ہے ویسے ہی ہریجنوں کی ترقی بھی مطلوب ہے۔ اور وہ بغیر تعلیم کے ناممکن ہے۔ اسلئے بلحاظ رعایا پروری و ہمدردی بنی نوع انسان اعلیٰ حضرت نے ایک رقم کثیر ان کی بہتری و بہبودی کے لئے خرچ کردی ہے۔ اس پر مخالفین کا اعتراض نہایت لغو اور غلط ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت اور ریاست دکن و برار کے مخالفوں کو نیک اعمال اور حسن بیانی کی توفیق بخشے (آمین)

انتخابات کی وبا جب بلائے بے درماں کی طرح ملک پر چھا جاتی ہے۔ تو بڑی بڑی فہیم و عقیل اور دانشمندوں کی عقل چکرا جاتی ہے۔ کچھ جلب منفعت کے غلام ہو کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ جنبہ داری کی اندھی تقلید کے دیوانے بچے سے بوڑھے تک اور بے سمجھ سے دانا تک سب کے سب اس رو میں اس طرح بہنے لگتے ہیں کہ ساحل کی خبر تک نہیں رہتی۔ اور جب یہ وبا اپنے پورے اثرات کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اور دوڑ دھوپ وسے دسے کی تلاطم خیزیاں گذر جاتی ہیں۔ تو رفتہ رفتہ حواس بجا ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک عرصہ کے بعد دماغ ٹھکانے ہوتے ہیں۔ اور کارزار الیکشن کے نبرد آزماؤں کو اپنے مخصوص گوشوں میں سر دے کر اپنی بیوقوفانہ حرکات پر غور و فکر کا موقعہ ملتا ہے۔ تو اپنی نادانیوں کی عریاں تصویریں کے معائنہ سے جھینپ کے رہ جاتے ہیں۔ کاش انسان اس موقعہ پر انسانیت سے کام لینے کی کوشش کرے۔ اور ملک و ملت کے مفاد کے پیش نظر اس دور ابتلا میں اتنا فاتر العقل نہ ہو۔

انتخابات کی وبا کا یہ دور جو حال ہی میں ختم ہوا ہے۔ گذشتہ تمام ادوار سے نازک و نرالا، دلچسپ اور حیران کن گذرا ہے۔ اصلاحات جدیدہ کی شاہد رعنا سے ہمکنار ہونے کیلئے ہر شخص بے تابانہ اس گرداب عظیم میں کودا۔ ممبر بننے اور ممبر بنانے کیلئے جائز و ناجائز مناسب و نامناسب حرکات کا مظاہرہ کرنے پر تل گیا۔ جلب زر نے عہد و پیمان اور ایمان الایمان تک سے بے پروا کر دیا۔ اور جنبہ داری میں دوست دوست سے بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے جدا ہو گیا۔ عین حقیقت ہے کہ بیٹا باپ کے آداب سے بے نیاز ہو کر اس کے مخالف مساعی پر کمربستہ ہو گیا۔ رشتہ داروں اور دوستوں میں کھلم کھلا باپ کی غلط روی اور بیوقوفی پر تقریر کرتا اور اپنے امیدوار کو ممبری کا بہترین حقدار ثابت کر کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ اور باپ بیٹے کی نافرمانی اور گستاخی کے راگ الاپ کر دوڑوں سے اپنے امیدوار کو ووٹ دینے کی عاجزانہ درخواست کرنے پر مجبور ہوا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کسقدر عبرت اور شرم کا مقام ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

امرتسر کے شہری حلقہ سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کامیاب ہوئے۔ ان کا جلوس کامرانی دو کانگرسی کامیاب ممبروں کی معیت میں نکالا گیا۔ جلوس پر اینٹوں اور پتھروں کی بارش کی گئی۔ اور زندہ باد و مردہ باد کے نعروں سے فضائے آسمانی گونجی۔ مخالفین نے نوحے پڑھے۔ اور موافقین نے دعائیہ و ثنائیہ نغمے گائے۔ اور ستائش و نیائش کے پھول برسائے۔

ڈاکٹر صاحب کے جلوس میں ابتری پیدا کرنے کی تمام ذمہ داری مجلس احرار کے حواریوں پر ڈالی جاتی ہے اخبارات میں بڑی شد و مد کے ساتھ اس پر شذرے لکھے جاتے ہیں۔ اور سخت مذمت کی جاتی ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا۔ کہ آخر اس پتھر بازی اور نوحہ خوانی کی علت کیا ہے۔ ہم احراری نہیں۔ ہمارا نکتہ نگاہ ہمیشہ احرار کے خلاف رہا ہے۔ لیکن اس موقعہ پر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے

کہ جلوس میں فتنہ و شر پیدا کرنے کے ذمہ دار خود ڈاکٹر صاحب کے وہ حامئتی ہیں۔ جنہوں نے ایک لڑکے کو بازار سے خرید کردہ سفید داڑہی لگا کر احرار کے ایک قائد کے بھروپ میں کہڑا کرکے اسے جوتے لگائے گئے۔ ہمیں وثوق کے ساتھ معلوم ہوا ہے۔ کہ اس طریق سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی نقل اتاری گئی۔ اور اعلانیہ ایک شریف مسلمان کی ذلت و رسوائی روا رکہی گئی۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو ہمارے نزدیک اس سے زیادہ اشتعال انگیز اور شرمناک حرکت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد حواریان احرار جو بہی کرتے تھوڑا تہا۔ کیا افسوس اور کمال افسوس کا مقام نہیں ہے کہ تہذیب و تمدن کے اس دور میں اس قسم کی بعید از شرافت حرکتوں کا مظاہرہ عین شائستگی پر محمول کیا جائے

خدا جانے مسلمانوں کو کب ہوش آئیگا۔ اور اپنے نیک و بد اور مفاد و مضار پر عاقلانہ غور کرنے کے کب قابل ہونگے۔ کیا ایسی حرکات دیگر مذاہب کے پیروان سے بہی سرزد ہوئیں ؟ اگر نہیں تو کیا یہ مسلمانوں کے لیئے شرم و عبرت کا مقام نہیں ؟

اسی پر بس نہیں بلکہ ڈاکٹر کے جلوس کامرانی کا پرچم لہرانے والوں میں سے بعض نے اپنے بدن کو گھنگرووں سے آراستہ کیا اور فحش اور گندی بولیوں کے ساتھ سر بازار ہنگڑا کرتے سر بازاروں سے گذرتے ہوئے جلوس کے ساتھ شامل ہونے ڈاکٹر صاحب کی عزت کا راز مضمر پایا۔ ایک جنازہ بنایا گیا اور اس پر ستبرہ کیا گیا۔

شیخ حسام الدین صاحب سے ہمیں لاکہ اختلاف ہو ان کی ناکامی پر ہمیں ہزار مسرتیں ہوں۔ مگر یہ کہاں کی شرافت و تہذیب ہے۔ کہ ہم کھلم کھلا نام لے لیکر گالیاں دینے کیلئے جلوس مرتب کریں۔ ان کے مکانوں کے دروازوں پر کہڑے ہو کر دلخراش حرکات کا مظاہرہ کریں۔ جس جلوس کا مقصد ہی دل آزاری ہو، اور جس میں عملاً اس قسم کے لغویات کا مظاہرہ کیا گیا ہو۔ اس پر اینٹیں اور پتھر برسائے جانے کا گلہ کیوں ؟

ہمیں ان موقر اخبارات اور ان کے معتبر نامہ نگاروں کی ذہنیت پر اس لیۓ افسوس ہے۔ کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے جلوس کے علمبرداروں کی حرکات کو پس پردہ رکھنے کی سعی کرتے ہوئے کبھی شیخ محمد صادق صاحب کے حامیوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور کبھی احراریوں پر۔ ہمیں احرار سے سخت اختلاف ہے۔ لیکن حق حق ہے اور اظہار حق ہر حق پسند انسان کا فرض ہے۔ اور اس کیلیئے ہمیں سب و شتم کی پروا نہیں۔ خدا مسلمانوں کو ہدایت دے۔ اور دیدۂ بینا عطا کرے۔ تاکہ وہ صراط مستقیم دیکھ سکیں۔ آمین۔

اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کا جشن سیمین حسب پروگرام کے مطابق شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ ۱۳ فروری یکم ذوالحجہ سے شروع ہے۔ لاکہوں تشنہ کامان مراد اس تقریب سعید پر اپنی کشت امید پر فیض عثمانی کی بارش کے متمنی ہیں۔ دعا ہے کہ خدائے تبارک و تعالیٰ اس تقریب کو اعلیٰحضرت خسرو دکن، شاہی خاندان اور رعایائے حیدرآباد و برار اور مسلمانان ہند کیلیئے خیر و برکت خوشحالی و فارغ البالی کا موجب کرے۔ آمین!

تذکرۂ برادری

ذیل میں ایک پونچھی درد مند قوم کا مکتوب
بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے۔ ناظرین کرام بالعموم
اور قصندین قریش پونچھ کشمیر بالخصوص توجہ
سے ملاحظہ فرمائیں۔

رسالہ القریش ہندوستان کے لاکھوں قریشی افراد کی خدمت کر رہا ہے۔ لیکن پھر بھی مالی مشکلات کی مصیبت میں مبتلا ہے قریش خاندان کے حالات سے تواریخ ازمنہ قدیم بھری پڑی ہیں پہلے جہالت پر شرافت۔ نجابت۔ بہادری۔ جوانمردی۔ سخاوت مہمان نوازی۔ دریادلی۔ ایثار اور قربانی اس قوم کی خاص صفت تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ کے انقلاب سے یہ سب اوصاف قریباً مفقود ہو رہے ہیں۔ بزرگان سلف تو جنگجوئی کے اوصاف رکھتے تھے۔ اب قدیمی وضعداری تو باقی نہیں۔ مگر خفیف باتوں پر باہمی مقدمہ بازی کی چپقلش اور کش مکش ضرور ہے۔ جہاں رشک تھا وہاں حسد کام کر رہا ہے۔ ہندوستان کے قریش اگر ہمت کریں تو کئی روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات پندرہ روزہ و ماہوار رسائل جاری کرا سکتے ہیں۔ لیکن علمی مذاق کا اس خاندان میں یوماً فیوماً فقدان ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ سب کچھ ہونا ایک خواب موہوم ہے۔ صرف ایک رسالہ القریش ہے۔ جسکی توسیع اشاعت کی بجائے اعتراض کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ کہ اسکی قیمت تین روپیہ سالانہ بہت زیادہ ہے۔ اور زندہ قوموں کے رسائل سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ جن کی اشاعت ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ اور انھیں ایڈیٹر صاحبان کے اشتہارات کتب و حکمت وغیرہ کے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اور دیگر کمپنیوں کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس چند رسالے آتے ہیں ان کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ ایک روپیہ دو آنہ اور دو روپیہ ہیں۔ جن میں مدیر صاحبان کتب۔ اور دواؤں کے اشتہارات دیتے ہیں۔ بلکہ بعض صاحبان تو ایک ایک تعویذ کی دس روپیہ نقد چہرہ شاہی اجرت لیتے ہیں۔ پھر فرمائیے کہ ایسے رسالے جو قومی خدمت نہیں کرتے۔ ان کی غرض وغائت اشتہار بازی ہی ہے۔ اور چند رہستوں کے خیالات کے وہ مرقع ہوتے ہیں۔ اور کثیر الاشاعت ہیں وہ اپنی مثال آپ تو سوا روپیہ یا دو روپیہ قیمت کہیں کم ہے۔ وہ قومی رسالے نہیں ہوتے۔ قومی رسائل واخبارات جو زندہ قوموں کے ہوتے ہیں۔ ان کا نظام قابل رشک ہوتا ہے۔ اور ان کی آواز جاندار ہوتی ہے۔ حکومت ان کی ہر آواز پر لبیک کہتی ہے۔

تعجب نہیں بلکہ مقام حیرت ہے۔ کہ قریشی صاحبان اس روشنی اور ترقی کے زمانہ میں جبکہ قومی شعور شروع ہے کیوں خاموش ہیں۔ بلکہ زندہ درگور کہا جائے۔ تو بجا ہے یا مُردوں سے شرط لگا رکھی ہے۔ جبکہ ہر طرف سے یہ صدا گونج رہی ہے۔ ع

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اس قوم کا صرف ایک رسالہ ہے۔ جس میں منتشر برادری کو اتحاد کا سبق سکھلایا جاتا ہے۔ انہیں زندہ رہنے کے

گرُ بتلائے جاتے ہیں۔ خودداری کے اوصاف بیان ہوتے ہیں۔ وہی رسالہ حیات دممات کی کش مکش میں ہے۔
یہ رسالہ القریش ہے

شہزادہ آزاد۔ جس کا اصلی نام برکت علی مراسی سمبڑیالوی ہے۔ وہ پونچھ آیا۔ اس نے مراسیوں میں پروپیگنڈا کیا۔ کہ وہ قریشی ہیں۔ سبز باغ دکھلائے اور ایسی گپیں ہانکیں کہ زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ غریب مراسیوں کے احساسات اور جذبات ملاحظہ ہوں۔ کہ کسی نے کڑاکڑاتی سردی میں لوئی بیچی۔ کسی نے لحاف اور کسی نے برتن۔ مرغی کے انڈے بیچ کر اس ٹریبیٹو (بلا نوش) کو یکے بعد دیگرے ہزاروں روپوں کا سلوک کیا۔ وہ بھی ہر سہ ماہی کو موٹر پر سوار ہو کر پونچھ میں بلائے بے درماں کی طرح نازل ہوا کرتا تھا۔ آخر ایک ...... لے اڑا۔ اور غریب مراسی اس کے چندہ سے بچے۔ یہ ایک غریب مفلس وقلاش مراسیوں کی خودداری اور قربانی ہے۔ لیکن بڑے بڑے قریش صاحبان رئیس اور امرا اور متمول موجود تو ہیں۔ لیکن ایک قومی خادم کی قومی رسالہ کی اعانت کرنے میں یا تو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ یا انتہائی بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ سخاوت کرنا اہل قریش کا حق تھا۔ مگر افسوس اب نہیں ہے۔ امید ہے کہ میری اس صدا کو کامیاب کیا جائیگا۔ ورنہ صدا بصحرا ہونے کا تو امکان تو ہے ہی

(ایک کوہستانی از برفستان پونچھ)

"انتشار قومی کی المناک داستان" کے زیر عنوان نومبر کی اشاعت میں جو مراسلت شائع ہوئی ہے۔ وہ حقائق پر مبنی ہونے کی وجہ سے خراج تائید حاصل کر چکی ہے۔ اکثر حضرات نے ان حالات کی اصلاح کی بشدت ضرورت محسوس کی ہے۔ اور قومی تنظیم کی اسے اولین کڑی تسلیم کرتے ہوئے ناظرین القریش سے استدعا کی ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے احباب کو اس اہم قومی ضرورت کی جانب توجہ دلائیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر اس رد کا تواتر اسی طرح کارفرما رہا۔ تو کنبوں اور قبیلوں کی شکل بالکل تبدیل ہوجائیگی۔ اور خونی ونسبی تعلقات کا رشتہ منقطع ہوجائیگا۔

مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی سجادہ نشین جو اس سلسلہ میں بکمال فکرو تدبر واقع ہوئے ہیں۔ نے اس موضوع پر ایک بسیط مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ جو اس اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔ ناظرین بنظر تعمق ملاحظہ فرمائیں اور اصلاح حالات کیلئے عملی قدم اٹھانے کی توفیق پائیں۔

فاضلکا کے مجوزہ اجلاس کے التوا در التوا کے متعلق استفسار کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ اور ہمارے لئے گونم شکل دگرنہ گونم شکل کی کیفیت بنی ہوئی ہے۔ داعیان چپ سادھے خاموش پڑے ہیں۔ اور یوں ہے کہ گویا احساس ہی نہیں۔ پیر علی احمد صاحب سیکرٹری پیہم مساعی کی تکان سے بیدل ہو گئے ہیں۔ فیروزپور کے مقتدر قریشی حضرات ذاتی مصروفیات میں قومی ضروریات کو یکسر فراموش کرچکے ہیں۔ اس غیر متوقع بے حسی نے مذبذبین بین ذالک کا نقشہ قائم کر دیا ہے۔ کتنا عظیم الشان قومی مفاد لاپرواہی کی نذر کیا جارہا ہے۔ کیا پیر عطا محمد صاحب رئیس اور پیر حاجی محمد عبدالحق صاحب رئیس سرانواں کچھ عملی توجہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے؟

"القریش" کی اشاعت میں توسیع ہونے کی بجائے افسوسناک طریق پر کمی ہو رہی ہے۔ جنوری کے بچاس فیصدی واپس آگئے ہیں۔ اور یہ فرزندان قریش کی قومی امور سے بے اعتنائی کا بیّن ثبوت ہے۔ قومی تنظیم و شیرازہ بندی کے لئے بہی خواہان قوم کا فرض تو یہ تھا۔ کہ وہ اپنے رسالہ کی وسعت اشاعت میں اسقدر سعی کرتے کہ ہر فرد قوم قومی آرگن کا ممد و معاون ہو جاتا۔ اور قوم کی آواز بلند و بالا ہو جاتی۔ وہ زر اعانہ کی ادائیگی سے جی چرانے لگے ہیں۔ اور مختلف حیلوں سے وی پی واپس کر کے قومی آواز کو اور پست کرنے کا موجب ہو کر قومی مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں

مختلف حکومتوں کے تصادم اور جنگ کی افواہیں ضروریات زندگی پر نمایاں اثر انداز ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں طباعت و مطبوعات سے متعلقہ سامان بھی گراں ہو رہا ہے۔ کاغذ کی گرانی ابھی سے روح فرسا ہو رہی ہے۔ زمیندار ایسے کثیر الاشاعت اخبارات نے اپنی قیمتوں میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔ القریش کی قیمت میں اضافہ کا قطعی خیال نہیں۔ اور نہ اس کے معاونین اس کے متحمل ہونے کے لئے تیار ہونگے۔ مگر اتنا تو ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی اعانت کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اور توسیع اشاعت میں کوشش کی جائے۔ کیا احباب توجہ فرمائیں گے۔ اور جن حضرات کے کسی وجہ سے وی پی واپس آگئے ہیں وہ اپنا اپنا زر چندہ بصیغہ منی آرڈر ارسال کر کے مشکور کریں گے؟

مکرمی قاضی غلام مصطفےٰ صاحب سکنہ رمداس (امرتسر) نے آخر اس بات کی ٹھنی اور قطعی فیصلہ کے لئے کہ "قاضی" کوئی قوم نہیں بلکہ ایک عہدہ ہے۔ استقرار حق کا دعوےٰ دائر کر دیا ہے۔ یہ مقدمہ سردار گورچرن سنگھ صاحب سب جج بہادر امرتسر سماعت کریں گے۔ سردار صاحب نیک دل، شریف الطبع عادل اور منصف مزاج واقع ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ وہ مدعی کو اپنے دعوےٰ کے مکمل ثبوت بہم پہنچانے کا موقع دیتے ہوئے منصفانہ طریق پر اس کا فیصلہ صادر کریں گے۔

مدعی کے پاس ایسی مصدقہ دستاویزات موجود ہیں جن میں ان کے بزرگوں کی قومیت قریشی درج ہے۔ مثل حقیت بندوبست ۱۹۱۱-۱۲ء ہیں جس کی باضابطہ نقل انہوں نے عرضی دعویٰ کے ساتھ شامل کی ہے۔ انکی قومیت قریشی درج ہے۔ اجرائے ایکٹ انتقال اراضی سے قبل کی دستاویزات جو انہیں ورثتہً پہنچی ہیں۔ ان میں بھی قومیت قریشی تحریر ہے ان کی رشتہ داریاں بھی صحیح النسب قریشیوں سے ہیں۔ علاقہ کے اکثر معززین ذاتی طور پر واقف ہیں۔ کہ مدعی خاندان قریش سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر کہیں انکی قومیت قاضی تحریر ہو گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا۔ کہ "قاضی" ایک قوم ہے۔ اور مدعی قریشی نہیں۔ امید ہے کہ قاضی صاحب اپنے اس دعوئی میں بلا تکلف کامیاب ہونگے۔

ناظرین کرام اس سلسلہ میں اگر کوئی صاحب قانونی یا کسی اور قسم کی امداد کر سکتے ہوں۔ تو دریغ نہ کریں۔

جن معاونین کرام کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ بحیثیت قومی ایثار اپنا زرچندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکور فرماویں۔ اور توسیع اشاعت کی کوشش

برار پر اقتدار عثمانی

کی

مزید صراحت

یار وفادار سلطنت برطانیہ اعلیٰحضرت خسرو دکن اور تاجدار برطانیہ ملک معظم کے مابین

خط وکتابت

"برار پر خسرو جہاں پناہ کی قیادت وسیادت تسلیم کرنے کے متعلق اعلیٰحضرت حضور نظام اور ملک معظم کے مابین خط وکتابت سے جو مزید صراحت و وضاحت ہوئی ہے۔ وہ عامۃ الناس کی واقفیت کیلئے جریدۂ غیر معمولی کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ ناظرین القریش کی واقفیت کے لئے بلفظہٖ درج ذیل کی جاتی ہے"

بحکم عالیجناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بالقابہم پیشکار وصدر اعظم باب حکومت سرکار عالی۔

بتعمیل فرمان اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی فرمنیہ ۲ ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۵ھ معاہدہ برار مؤرخہ ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۳۶ء اور اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی کے خاندانی لقب شاہی میں لفظ "برار" کے اضافہ اور حضرت ولی عہد بہادر کو عطائے لقب ہز ہائنس پرنس آف برار کے متعلق جو خط وکتابت اعلیٰحضرت بندگانعالی مدظلہم العالی و سابق ملک معظم و ہز ایکسلنسی وائسرائے و گورنر جنرل ہند کے مابین ہوئی۔ اسکو معہ ترجمہ پبلک کی اطلاع کیلئے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

حیدر نواز جنگ (صدر المہام متعلقہ امور دستوری)

بخدمت لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔سی۔ایس آئی۔جی۔بی۔ای نظام حیدرآباد (دکن) میرے معزز و ذی قدر دوست۔

ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کی جانب سے مجھے حکم ہوا ہے۔ کہ دربار معاہدہ جدید مؤرخہ ۲۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو برار کے آئندہ نظم ونسق سے متعلق ہے۔ میں یور اگزالٹیڈ ہائنس کو اس غرض سے مخاطب کروں۔ کہ صورت حال واضح اور اس طرح آئندہ اس غلط فہمی کا سدباب ہوجائے ہز مجسٹی نہیں چاہتے۔ کہ معاہدہ میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں۔ جس سے اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے۔ یا بطور اس کے لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک فرمائیں۔ جو اس صورت میں برار کے

مابعد کے انتظام کیلئے ہوں۔ تاہم اس غرض سے کہ شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ہز میجسٹی اس امر کی صراحت کر دینا مناسب خیال فرماتے ہیں۔ کہ وہ اس معاہدہ میں اس صاف و صریح سمجھوتہ پر شریک ہو رہے ہیں۔ کہ اگر آئیندہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہو جائے۔ تو ہز میجسٹی کو اختیار ہوگا۔ کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت میں یا اس کے تکمیل پانے تک نظم و نسق برار کیلئے باوجود کسی امر کے جو تہ ناموں بابت ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اس کے برخلاف ہو۔ ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں۔ قائم کریں۔ اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں۔ لیکن مجھے یہ واضح کر دینے کا حکم ہوا ہے۔ کہ اس سے نہ تو یور اگزالٹیڈ ہائینس کے برار پر اقتدار اعلیٰ کا تسلیم کیا جانا سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے اس وقت یور اگزالٹیڈ ہائینس تحت عہدناموں موجودہ مستفید ہو رہے ہیں۔ کسی طرح متاثر ہونگی۔ اور نہ ہز میجسٹی یور اگزالٹیڈ ہائینس کی رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائینگے کہ نظم و نسق برار کیلئے کوئی انتظام کسی ایسے بنیاد پر قائم کریں۔ جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو۔ جو اس وقت قائم ہے۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس کی جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اسکا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

دستخط لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل ہند

تحریر شملہ ۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

یور اکسیلنسی۔ میرے علاقہ برار کے باتباع معاہدہ جدید آئیندہ نظم و نسق کے متعلق یور اکسیلنسی کے مکتوب مؤرخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے وصول ہونے کا میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔

مجھے اس مرحمت آمیز لحاظ کا احساس ہے۔ جس کی بنا پر ہز میجسٹی کنگ امپررنے نہیں چاہا۔ کہ معاہدہ میں کوئی ایسی چیز درج کی جائے۔ جس سے اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے۔ یا بطور اس کے لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک کئے جائیں۔ جو اس صورت میں میرے علاقہ برار کے مابعد کے انتظام کے لئے ہوں میں بخوبی واقف ہوں کہ ہز میجسٹی اس معاہدہ میں اس صاف و صریح سمجھوتہ پر شریک ہوئے ہیں۔ کہ اگر آئیندہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہو جائے۔ تو ہز میجسٹی کو اختیار ہوگا۔ کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت میں یا اس کے تکمیل پا لینے تک میرے علاقہ برار کے نظم و نسق کیلئے باوجود کسی امر کے جو تہ نامہ جات بابتہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اس کے برخلاف ہو ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں۔ اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں۔ میں اس امر سے بھی واقف ہوں۔ کہ اس سے نہ تو میرے علاقہ برار پر میرے اقتدار اعلیٰ کا کما حقہ تسلیم کیا جانا سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے میں اس وقت تحت عہدنامہ جات موجودہ مستفید ہو رہا ہوں۔ کسی طرح متاثر ہونگی۔ اور نہ ہز میجسٹی میری رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے۔ کہ میرے علاقہ

برار کے نظم و نسق کے لئے کوئی انتظام کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں۔ جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو۔ جو اس وقت قائم ہے۔

میں ہوں یور ایکسیلنسی کا مخلص دوست

(دستخط) میر عثمان علی خاں۔ ۲۲۔ نومبر ۱۹۳۶ء

بخدمت لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔سی۔ایس۔آئی۔جی۔بی۔ای نظام آف حیدر آباد اینڈ برار۔

میرے معزز و ذی قدر دوست۔

میں بڑی مسرت کے ساتھ یور اگزالٹیڈ ہائینس کی خدمت میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کا موسومہ ہز امپیریل میجسٹی ملک معظم و شہنشاہ کشور ہند کا ملفوفہ خط ارسال کرتا ہوں۔ جس میں ہز امپیریل میجسٹی نہایت درجہ اطمینان اس معاہدہ کی نسبت ظاہر فرمایا ہے۔ جس کی رو سے علاقہ برار کا نظم و نسق باوجود اس کے کہ علاقہ مذکور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ ہی کے تحت رہے گا۔ جس کی توثیق معاہدہ مذکور سے ہوئی ہے۔ اس طریقہ کے بموجب جو قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا ہے۔ ممالک متوسط کے ساتھ جاری رہے گا۔

ہز امپیریل میجسٹی نے اس موقع سے استفادہ کر کے علاقہ برار پر یور اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف اس طرح فرمایا ہے۔ کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس کے خاندانی لقب شاہی میں حیدر آباد کے ساتھ برار کو شامل اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے ولی عہد کو ہز ہائینس دی پرنس آف برار کا لقب عطا فرمایا۔ جو یور اگزالٹیڈ ہائینس کے جانشینوں کے ولی عہد کا بھی لقب ہوگا۔

ہز امپیریل میجسٹی کا مکتوب اس دوستی کی ایک نمایاں علامت ہے۔ جو سلطنت برطانیہ اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے نامی گرامی خانوادہ کے مابین اسقدر عرصہ سے قائم ہے۔ اور میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کی خدمت میں نہائت گرمجوشی کے ساتھ ہز امپیریل میجسٹی کے اس نشان الطاف کی تہنیت پیش کرتا ہوں۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس کی بلحاظ یار وفادار سلطنت برطانیہ جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

(دستخط) لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل ہند

نئی دہلی ۷۔ نومبر ۱۹۳۶ء

بخدمت لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔سی۔ایس۔آئی۔جی۔بی۔ای نظام آف حیدر آباد اینڈ برار۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس

مجھے یہ معلوم کر کے نہائت درجہ اطمینان ہوا کہ ہز ایکسلنسی دی وائسرائے اینڈ گورنر جنرل نے

میری جانب سے اور خود یور اگزالٹیڈ ہائنس نے اس معاہدہ پر دستخط ثبت کر دیئے ہیں۔ جس کی رو سے علاقہ برار کا نظم ونسق باوجود اس کے کہ علاقہ مذکور یور اگزالٹیڈ ہائنس کے اقتدار اعلیٰ ہی کے تحت رہے گا۔ جس کی توثیق معاہدہ مذکور سے ہوئی ہے۔ اس طریقہ کے بموجب جو قانون حکومت ہند بابت ۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا ہے۔ ممالک متوسط کے ساتھ جاری رہے گا۔

مجھے خوشی ہوئی۔ کہ میں اس موقعہ سے استفادہ کر کے علاقہ برار یور اگزالٹیڈ ہائنس کے اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف اس طرح کروں۔ کہ یور اگزالٹیڈ ہائنس کے خاندانی لقب شاہی میں حیدر آباد کے ساتھ برار کو شامل کیا جائے۔ اور یور اگزالٹیڈ ہائنس کے ولی عہد کو ہز ہائنس پرنس آف برار کا لقب عطا کیا جائے۔ جو یور اگزالٹیڈ ہائنس کے جانشینوں کے ولی عہد کا بھی لقب ہوگا۔

میں امید کرتا ہوں۔ کہ یور اگزالٹیڈ ہائنس عرصہ دراز تک صحت و اقبال سے لطف اندوز ہونگے۔ اور میں آپ کے مخلص دوست اور شہنشاہ کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

(دستخط) ایڈورڈ - آر - آئی ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

یور ایکسلنسی۔ میں یور ایکسلنسی کے خریطہ مؤرخہ ۷ر نومبر ۱۹۳۶ء کے وصول ہونے کا بڑی مسرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔ جس کے ساتھ ہز امپیریل مجسٹی کنگ امپرر کا مکتوب روانہ فرمایا گیا ہے۔

یہ امر میرے لئے دشوار ہے۔ کہ میں کافی طور پر اس کا اظہار کروں۔ کہ ہز امپیریل مجسٹی کنگ امپرر کے اس مرحمت آمیز پیام سے جو ان کے مکتوب میں درج ہے۔ میں کسقدر مسرور ہوا ہوں۔ اور کس درجہ اس نمایاں اعزاز کی قدر کرتا ہوں۔ کہ ہز مجسٹی نے میرے خانوادہ کو اس کے خاندانی لقب شاہی میں حیدر آباد کے ساتھ برار کو شامل کر کے اور میرے ولی عہد کو ہز ہائنس دی پرنس آف برار کا لقب دے کر جو میرے جانشینوں کے ولی عہد کا بھی لقب ہوگیا۔ عطا فرمایا ہے۔

میں یور ایکسلنسی کو یقین دلا سکتا ہوں۔ کہ میں کسی اور چیز کی اتنی قدر نہیں کرتا جتنی کہ اس دوستی کی قدر کرتا ہوں۔ جو حکومت برطانیہ اور میرے خاندان کے مابین اسقدر عرصہ سے قائم ہے۔ اور جس کو اب دوبارہ اس نشان الطاف کے ذریعہ سے نمایاں کیا گیا ہے۔ جو ہز مجسٹی کنگ امپرر نے میرے خانوادہ کو عطا فرمایا ہے۔

میں یور ایکسلنسی کا بھی اس تہنیت کے لئے جو یور ایکسلنسی کے مکتوب میں مرقوم ہے۔ نہایت خلوص سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اس کی بہت وقعت کرتا ہوں ونیز اس ہمدردانہ طرز عمل کے لئے جو یور ایکسلنسی اور یور ایکسلنسی کی حکومت نے اختیار کیا جس کی وجہ سے برار کے متعلق گفت وشنید کا یہ خوشگوار نتیجہ برآمد ہوا ہے

میں ہوں یور ایکسلنسی کا مخلص دوست

(دستخط) میر عثمان علیخاں - ۲۲ر نومبر ۱۹۳۶ء

یور امپیریل مجسٹی۔ میں یور امپیریل مجسٹی کے عنایت نامہ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کا جسکو ہز ایکسلنسی [illegible]

وائسرائے بہادر نے پاس روانہ فرمایا ہے۔ وفادارانہ مخلصانہ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر میری انتہائی مسرت کا موجب ہے۔ کہ یور امپیریل مجسٹی نے میرے علاقہ برار میرے اقتدار اعلیٰ کا اسقدر بین طریقہ پر اعتراف اور اس کی کماحقہ توثیق اس معاہدہ میں فرمائی ہے۔ جس پر حال میں ہز اکسیلنسی وائسرائے و گورنر جنرل نے یور امپیریل مجسٹی کی جانب سے دستخط کئے ہیں۔ نیز یہ امر میرے اور میرے جانشینوں کے کمال اطمینان کا باعث ہوگا۔ کہ یور امپیریل مجسٹی نے بہ فرط الطاف و مراحم میرے خاندانی لقب شاہی میں حیدرآباد کے ساتھ برار کو شامل اور میرے ولیعہد کو ہز ہائینس دی پرنس آف برار کا لقب عطا کر کے جو میرے جانشینوں کے ولیعہد کا بھی لقب ہوگا۔ میرے علاقہ برار پر میرے اقتدار اعلیٰ کا مزید اعتراف فرمایا ہے۔ یہ ایک اہم علامت اس سررشتہ کی ہے۔ جو تاج برطانیہ و نظام آف حیدرآباد کے بین ایک زمانہ دراز سے قائم ہے۔ اور میں یور امپیریل مجسٹی کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اس سررشتہ کی بہت قدر ہے میں یور امپیریل مجسٹی کے مخلص دوست اور یار وفادار سلطنت کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

(شرحد دستخط) میر عثمان علی خاں
۲۴ر نومبر ۱۹۳۶ء

سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے۔ کہ آئندہ سال ہندوستان میں دربار تاجپوشی منعقد نہیں کیا جائے گا۔ اور اس التوا کے متعلق یہ دلیل دی گئی ہے۔ کہ خلاف توقع حالات نے حضور ملک معظم کو طویل عرصہ کیلئے برطانیہ میں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ یورپی حکومتوں کی موجودہ سیاسی کشمکش کا خطرناک مرحلے پر پہنچ چکی ہے۔ جس سے کوئی فرض شناس حکمراں ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہ سکتا۔ لیکن ہندوستان میں جشن تاجپوشی کے التوا کا مسئلہ دوسری حیثیت رکھتا ہے جس وقت انعقاد دربار کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت سے آج تک یورپ کے سیاسی حالات میں کوئی حیرت انگیز تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ متوقع جنگ کے قرائن بدستور ایک موہوم صورت میں نظر آرہے ہیں۔ اس لئے التوا کے دربار کا اعلان حیرت و استعجاب پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس سلسلے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔

ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ تاجدار دکن اگلے سال کے آغاز میں بغرض حج مکہ مکرمہ روانہ ہو جائینگے۔ آپ عراق، عرب، شام اور فلسطین کے مقدس مقامات کی زیارت کا بھی عزم رکھتے ہیں۔ حضور نظام پہلی بار ممالک غیر کو تشریف لیجا رہے ہیں۔ آپ کے ہمراہ مشہور علماء بھی ہونگے۔

حکومت حیدرآباد کے محکمہ تجارت نے سال گزشتہ کے متعلق جو تجارتی اعداد و شمار مرتب کئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریاست کی تجارت کو گذشتہ سالوں کی نسبت بہت فروغ ہوا۔ وارنگل میں دری بنانے والے کارخانہ کی تجارت کو جو صدیوں سے اپنے کام کیلئے مشہور ہے خاص ترقی ہوئی۔ سگریٹ، بسکٹ، سینٹ، شیشی کی تجارت کو روز افزوں [illegible]

انتشار قومی کا علاج

تکمیل شجرہ نسب کی اہمیت

دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں اصلاحی امور سے چڑ ہے۔ ان کے سر کے خول میں عجب غرور و نخوت و تکبر کا مواد بھرا ہے۔ اور وہ کسی نیک و اصلاحی بات کو خاطر میں نہیں لاتے بعض نے یہ نعمت غیر مترقبہ ورثہ میں پائی ہے۔ اور بعض ناک بھوں چڑھانے کے ذاتی اوصاف کی وجہ سے ہی عادی ہو گئے ہیں۔

نومبر کی اشاعت میں ایک دردانگیز خط انتشار قومی کی المناک داستان کے زیر عنوان ایک مراسلت شائع ہوئی ہے جس میں مراسلہ نگار نے چند حقائق پیش کرتے ہوئے تبیلہ و کنبہ دار اصلاح و تنظیم کو قومی شیرازہ بندی کی اولین کڑی قرار دیا۔ اور ناظرین القریش سے عموماً اور متعلقین خاندان چوہدری والہ سے خصوصاً اپیل کی کہ وہ دیگر تعلقات کے ساتھ ساتھ اپنے خونی تعلقات کو بھی تازہ رکھنے کی جانب توجہ دیں۔ اصلاحی امور سے شغف رکھنے والے حضرات اور معقول پسند طبائع نے اسے پسند کیا۔ اور سدسے تائید بھی بلند کی۔ لیکن بعض کی طبع نازک پر یہ نیک مشورہ گراں گذرا۔ ہمیں

افسوس کے ساتھ معلوم ہوا۔ کہ ایک شخص اصلاح نے اپنی خود پسندی اور رعونت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس تجویز پر آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ اور مراسلہ نگار اور مجھے کوس کر دل کی بھڑاس نکالنے میں کمال بزرگی سمجھا۔ انسان اپنی طبیعت کے خلاف واقعات پر برہم ہونے کا عادی ہے۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں۔ کہ اس قادر و توانا کے سامنے اس کی ساری تدبیریں ہیچ اور بیکار ہیں۔ اسکی سرکشی نہ آسمان کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے۔ اور نہ زمین کا کرّہ بدل سکتی ہے سیاہ کمر بند لگا لینے سے شہ سواری کے جوہر حاصل نہیں ہوا کرتے۔ نخوت کی آگ میں جلنا اور دوسروں کا باپ دادا کو گالیاں دینا قرین شرافت نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

نومبر کے القریش میں "انتشار قومی کی المناک داستان" کے تحت عنوان جو مراسلہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مودت فی القربیٰ یعنی رشتہ داری کا لحاظ عرب میں بالعموم اور قریش میں بالخصوص مسلم تھا۔ چنانچہ اس کا شاہد قرآن ہے۔ جب قریش تبلیغ اسلام

پر رسول اللہ صلعم کے دشمن جان بن گئے۔ تو حضور کو رب العلمین کی طرف سے ارشاد ہوا۔ کہ ان سے کہو کہ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی پ۲۵ع۴ یعنی میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ مگر رشتہ ناطہ کی محبت تو قائم رکھو۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرابت داری کا لحاظ قریش میں مسلّم تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ مخالفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارادہ قتل کی جرأت نہیں کر سکے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا۔ کہ بنی ہاشم انتقامی جنگ برپا کر دینگے۔ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ کہ انہیں معلوم ہوا۔ کہ میرے یتیم بھتیجے کو ابوجہل نے سخت سست کہا ہے۔ آپ فوراً اس کے پاس پہنچے۔ اور بے تابانہ اپنی کمان اس کے سر پر مار کر اسے زخمی کر دیا۔ اور پھر جذبہ ہمدردی سے مشرف با سلام بھی ہو گئے۔ مگر افسوس آج قریش میں جوہر مودت فی القربٰے مفقود ہے۔ تنظیم کس طرح ہو۔

میں جس برادری سے متعلق ہوں۔ وہ حضرت عبدالجلیل جوہڑ شاہ نوگی لاہوری عظم اللہ تعالیٰ داماد سلطان بہلول لودھی کی اولاد میں سے ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ اور ضلع شیخوپورہ کے چودہ گاؤں میں قریباً سولہ ہزار گھماؤں اراضی کی مالک ہے۔ ان کے مملوکہ دیہات کے نام یہ ہیں۔

رتہ پیراں۱۔ رتیاں۲۔ کوٹلی پیراں۳۔ بھٹو۴ قلعہ ستیا شاہ۵۔ باغ دھیسر۶۔ قریشیاں والہ۷۔ نبی پور پیراں۸۔ گنجی پیراں۹۔ پنڈی۱۰۔ بھگوتی۱۱۔ پیر کوٹ۱۲۔ سوہنہ اور ادگی۱۳۔ چلالیہ۱۴ (تحصیل شکر گڑھ) اتنے رقبہ کے مالک اولاد کے مورث اعلیٰ کی عظیم الشان خانقاہ کا آباد رکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ میں نے کئی سال ہوئے ایک تنظیمی کمیٹی "ہاشمی ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھی تجویز ہوئی کہ مالیہ سرکاری کا ۱/۲ خانقاہ کی آبادی کیلئے نکالا جایا کرے۔ اور مریدوں کے ایک مشترک موضع رتیک دھیدو) کے نذرانے بھی اسی مد میں شامل کر دیئے جایا کریں۔ مگر افسوس کسی نے ایک سال بھی اس تجویز پر عمل نہ کیا۔ چونکہ میری نیت بخیر تھی۔ اسلئے میں نے کوشش جاری رکھی، میرے ماموں صاحب، چچا صاحب۔ پھوپھی صاحبہ اور چند احباب نے ہاتھ بٹایا۔ اور خانقاہ کی شکستہ مسجد از سر نو تعمیر ہو گئی۔ اور ریختہ مقامات بھی مرمت ہو گئے۔ میرے اس خلوص کا میرے خال محترم پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب مرحوم پر (جو ۱۹۳۲ء میں بعمر ۷۵ سال واصل بحق ہوئے) خاص اثر ہوا۔ اور آپ بزرگوں کے مزارات کی آبادی اور مسافر پروری کیلئے بھٹے وڈ اور لاہور میں دو لاکھ مالیت کی جائداد وقف کر کے مجھے متولی مقرر کر گئے۔ خیراہ اللہ تعالیٰ

اس سال باقاعدہ طور پر بعہدہ تولیت مامور ہو کر میں نے لاہور میں حضرت عبدالجلیلؒ کا عرس کیا۔ اور تمام برادری کو دعوت دی۔ کہ اپنے مورث اعلیٰ کی خانقاہ پر مجتمع ہوں۔ مگر سوائے میرے بھائی، بھتیجوں اور دوستوں کے کوئی اہل برادری نہ آیا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اکیلا نامی اتنی جائداد کا منتظم کیوں ہوا۔ حالانکہ اسلامی طریقہ یہی ہے۔ کہ مسلمانوں میں سے ایک امیر ہونا چاہیئے۔ اسی طریقہ پر حضرت

ابوبکرؓ امیر ہوئے۔

پھر حضرت عمرؓ۔ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ اگر چاہے تو دیگر اہل الرائے سے مشورہ طلب کرے۔ پھر اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے کے متعلق کیا۔ سلطنت برطانیہ کا نظام بھی یہی ہے۔ کونسل ایک بل کو پاس کر سکتی ہے۔ مگر اس کا نفاذ گورنر کے اختیار میں ہوتا ہے میرا اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ ہر برادری اتفاق کر کے اپنا ایک امیر مقرر کرلے۔ جو نہایت دیانتداری سے معمولی جھگڑوں کا تصفیہ کیا کرے۔ نیز اپنے قریبی اور بعیدی بھائیوں کا شجرہ مرتب کرے۔ اور سال میں ایک دفعہ ضرور اپنے مشترک مورثِ اعلیٰ کے عرس پر مجتمع ہوا کریں۔ اور اس طرح محبت و مودۃ بڑھائیں۔

شجرہ مرتب نہ ہونے کا بُرا نتیجہ یہ ہے۔ کہ بھائی بھائی کو نہیں پہچانتا۔ اور عصبات و اعمام ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں۔ سر ظفر علی خاں ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ کا ایک ہونہار بھتیجا ڈاکٹر محمد فاضل ایم بی۔ بی ایس بڑا ملنسار نوجوان تھا۔ افسوس وہ تین ماہ ہوئے۔ ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔ اس نے اپنے سگے بنی اعمام کی نااقارب شناسی کی دو عجیب مثالیں بتائی ہیں۔ پہلی یہ کہ میرے ایک مرزائی چچا کا بیٹا میرے والد صاحب سے ملنے آتا رہا۔ مگر مجھ سے کلام نہ کرتا تھا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ شائد اس کے مزاج کی رفتار ہی کچھ ایسی ہو گی۔ ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا۔ بھائی مجھے معاف کرنا۔ آج پتہ لگا ہے۔ کہ میں اور آپ رشتہ دار ہیں۔ دوسری مثال اسی کا ایک اور بنی عم اپنے چچا کی خدمت میں فیروزپور حاضر ہوتا ہے اور چچا صاحب ملنے پر فرماتے ہیں۔ کہ میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔ جب وہ بتاتا ہے۔ کہ میں آپ کے بھائی صفدر کا بیٹا اکبر ہوں۔ تو پھر چچا کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ یتیم میرا سگا بھتیجا ہے۔ جسے دوسرے چچا میرزا محمد اعظم بی۔ اے نے پالا ہے۔ اور اب وہ معقول روزگار پر ہے۔

یہ صورت حالات کسقدر روح فرسا ہے اور اپنوں میں اتنی بیگانگت کتنی دلخراش ہے۔ مجھے شجرے مرتب کرنے کا خبط ہے اور میں نے اس مقصد کے لئے کئی دور دراز سفر کئے ہیں۔ اور عنقریب اپنے خاندان کی ایک مکمل تاریخ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو دوسری برادریوں کیلئے مثال ہو گی۔ وما توفیقی الا باللہ

میرے خیال میں شجرہ پدری و مادری تعلقات کا مظہر ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ میں نے بعض جگہ نسب نامہ مطبوعہ میں واضح کیا ہے۔ اس طرح شجرہ مرتب کرنے سے ذوالارحام رشتہ دار بھی معلوم ہو سکینگے مثلاً میں جب اپنا شجرہ مرتب کرونگا۔ تو بتاؤنگا کہ میری نانی صاحبہ ہمارے مورث اعلیٰ کی اولاد سے نہ تھیں۔ اور ان کے ذریعے لاہور میں سر ظفر علی خاں مولوی عبدالحمید صاحب ایم۔ اے انسپکٹر اور مرزا عبدالرب صاحب ایم۔ اے جج ہمارے

کس طرح رشتہ دار ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ جب ہمارے رسول اکرم فداہ امی و ابی کی رشتہ دار عورتوں کے نام درج کتب ہیں۔ تو ہماری ماؤں دادیوں اور نانیوں کے جن کے وجود سے ہماری تخلیق ہوئی۔ کیوں گمنامی میں فنا ہو جائیں۔ پردہ اجسام کے لئے ہے اسماء کے لئے نہیں۔ بہرحال شجرہ کی شکل ایسی ہونی چاہیئے۔
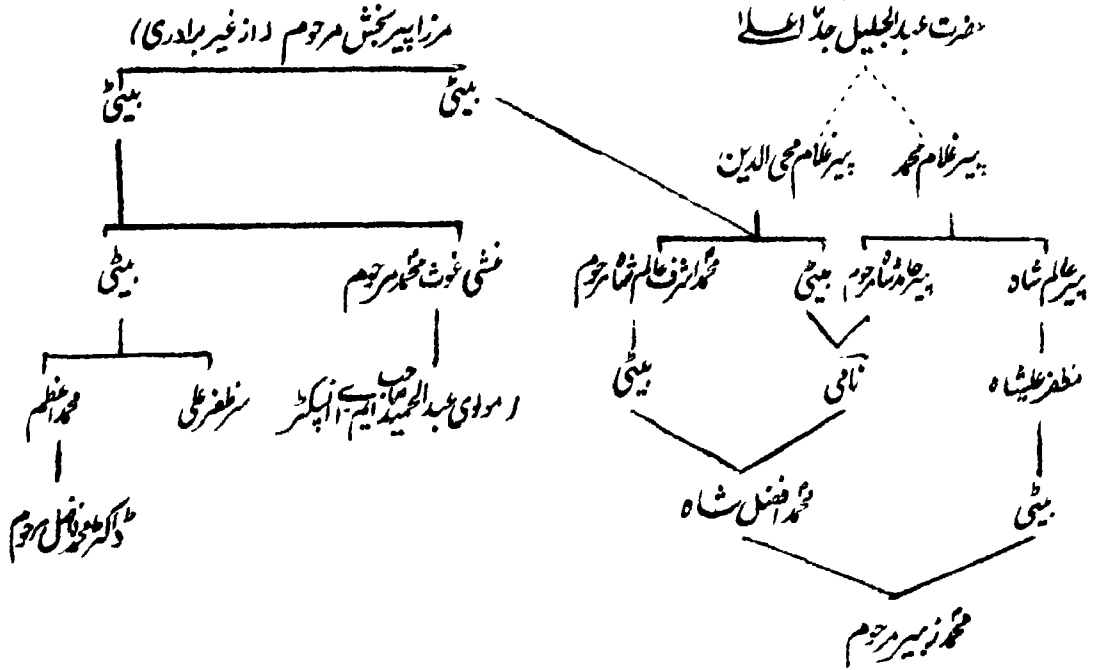
عزیز نظیر کے قیمتی خیالات کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ قبیلہ وکنبہ وار اصلاح کی شدید ضرورت ہے مولانا غلام دستگیر صاحب نامی کی ترتیب شجرہ نسب کی تجویز کا میں مداح و موید ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے خاندانی نسب نامہ کی ترتیب شروع کر دی ہے۔ اس میں خاندانی تاریخی کوائف کے علاوہ متقدرین خاندان کے مختصر وقائع زندگی بھی شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ خدائے تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے میں اس میں کامیابی حاصل کرونگا۔ بعض صدیقی خاندانوں کا بالاجمال ذکر بھی ہوگا۔ میرے خاندان سے متعلق حضرات کا فرض ہے۔ کہ وہ اس اہم خاندانی ضرورت میں عہدہ برا ہونے کے لئے میری امداد فرمادیں۔ اور وہ صرف یہ کہ جن حضرات کے پاس کوئی قابل ذکر تاریخی حوالے اور پرانی قابل تذکرہ دستاویزات موجود ہوں۔ بغرض اندراج مجھے ان کی نقول بہم پہنچا دیں۔ اور بس۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر فرد خاندان کے حالات پر اپنی معلومات کے موافق خامہ فرسائی کر دی جائے گی۔ اور یہ نسب نامہ بجائے خود اپنے خاندان کا ایک شاندار مرقع ہوگا۔ جو تاریخی حیثیت سے ایک عدیم النظیر یادگار ہوگی۔

روفق

سیرۃ اولیاء

از جناب ظہور احمد صاحب

حضرت ابوبکر صدیق جب اسلام سے مشرف ہوئے
تو آپ کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں۔ یہ رقم آپ نے کپڑا
کی تجارت سے حاصل کی تھی۔ جب مدینہ کی ہجرت کا وقت
آیا۔ تو آپ کے پاس صرف پانچ ہزار اشرفیاں باقی تھیں۔ یہ کل رقم
آپ نے غریب نومسلموں کی مہمانی و اعانت اور مسلمان غلاموں
کو خرید کر آزاد کرنے میں صرف کی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے
ہمسایہ کے جنازہ پر نماز کیلئے تشریف لیگئے۔ لوگ متوفی کی
تعریف کر رہے تھے۔ اور ہر شخص کی زبان پر تھا۔ کہ وہ بہت
اچھا آدمی تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہوتا۔ کہ مخلوق
اس سے اس درجہ خوش ہے۔ تو میں اس کے جنازے میں کبھی
شریک نہ ہوتا۔ کیونکہ جب تک آدمی منافق نہیں ہوتا۔ اس
وقت تک مخلوق اس سے خوش نہیں ہوتی۔

ایک دن حضرت سفیان نے ایک جوان کو دیکھا۔ کہ
حج فوت ہوجانے پر اس نے ایک آہ کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں
نے چار حج کئے ہیں۔ میں تجھے دیتا ہوں۔ ان کے بدلے میں
یہ آہ تو مجھے دیدے۔ اس نوجوان نے کہا منظور ہے۔ اس
دن رات کو حضرت سفیان نے خواب میں دیکھا۔ کہ ان سے
کہا جا رہا ہے۔ کہ تم نے ایسا سودا کیا ہے۔ جسے اہل عرفات
میں تقسیم کردو۔ تو سب تونگر ہو جائیں۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ کو حضرت عبداللہ
مبارک سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ سالہا سال کے بعد ایک
دن اتفاق سے حضرت عبداللہ تشریف لائے۔ امام صاحب
کے فرزند نے انکے آنے کی اطلاع کی۔ آپ نے ملنے سے انکار
کیا۔ فرزند نے عرض کیا۔ کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ
آپ کو عرصہ دراز سے جس دولت کی تمنا تھی۔ جب وہ دروازہ
پر آئی۔ تو اسے کیوں ٹھکرا دیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں ڈرتا ہوں
کہ کہیں ان کے اخلاق کا گرویدہ نہ ہو جاؤں۔ اور پھر مفارقت
کا صدمہ اٹھانا پڑے۔ اس لئے چاہتا ہوں۔ کہ عمر بھر ان
کے اشتیاق میں رہوں۔ تاکہ پھر ایسے عالم میں ملاقات ہو
جہاں جدائی کا اندیشہ نہ ہو۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک
دن میں حضرت ابوالحسن نوری رح کے پاس گیا۔ میں نے انہیں
مراقبہ میں دیکھا۔ حالت یہ تھی۔ کہ ان کے کسی موئے بدن
کو بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔ جب ملاقات ہوئی۔ تو میں نے
ان سے کہا۔ کہ مراقبہ کا یہ بہترین طریقہ آپ نے کس سے
سیکھا۔ حضرت ابوالحسن نے فرمایا۔ کہ بلی سے۔ کیونکہ جب
وہ کسی چوہے کے سوراخ پر بیٹھتی ہے تو مجھ سے کہیں زیادہ

ساکن و مستغرق ہوتی ہے۔

حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ کو ستر ہزار درہم میراث میں ملے تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔ کھجور کے بوریے بنتے تھے۔ اور یہی انکا ذریعہ معاش تھا۔ ایک دن حضرت یوسف نے حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ کو اس مضمون کا خط لکھا۔ کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا دین دو حبوں کے عوض بیچ ڈالا۔ یعنی بازار میں تم کوئی چیز خرید رہے تھے۔ تم نے دوکاندار سے تخفیف چاہی اور اس نے تمہاری بزرگی و پرہیزگاری کی بنا پر اصل قیمت سے دو حبہ کم دیئے۔

حضرت ابو عمر نے عہد کیا تھا۔ کہ چالیس سال تک راضی برضا رہیں گے۔ اور اپنی طرف سے کسی بات میں تغیر نہ چاہیں گے۔ اس واقعہ پر عرصہ دراز گذر گیا۔ ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ایسی بیمار ہوئیں۔ کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی۔ ان کے شوہر عبدالرحمن سلمی نے جو وقت کے امام تھے کہا۔ کہ اگر تمہارے والد کنارہ دار دہ ہو جائیں۔ تو تم کو ابھی شفا حاصل ہو سکتی ہے۔ مریضہ نے متعجب ہو کر اس اجمال کی تفصیل پوچھی۔ انہوں نے سارا ماجرا بیان کر کے فرمایا۔ کہ اگر تمہارے والد اپنا عہد توڑ کر خدا سے دعا مانگیں تو تم شفایاب ہو سکتی ہو۔ مریضہ آدھی رات کے وقت اپنے والد کے پاس گئی۔ اور طالب دعا ہوئی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ میرے عہد کو بیس سال گذر چکے ہیں۔ عہد کا توڑنا گناہ ہے پس مجھے گناہ میں مبتلا نہ کرو۔ تم اگر آج بچ گئیں۔ تو چند روز کے بعد مر جاؤ گی۔ اور جس کو مرنا ہے اس کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ لڑکی نے کہا۔ کہ میں جاتی ہوں۔ اور غالباً صبح تک نہ بچ سکوں گی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تمہارے جنازے کی نماز آ کر پڑھوں گا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ مریضہ صبح ہوتے ہی تندرست ہو گئی۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بیس سال بعد تک زندہ رہی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے افلاس کی تعلیم ایک حجام سے حاصل کی۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں میرے پاس کچھ نہ تھا۔ کہ میں ایک حجام کے پاس جو ایک شخص کا خط بنا رہا تھا گیا۔ اور میں نے کہا کیا تم خدا واسطے میرا خط بنا دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ اور اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ جس شخص کا خط بنا رہا تھا۔ اسے ناتمام چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوا مجھے بٹھایا۔ اور میرے سر کو بوسہ دیا۔ اور پھر میرا خط بنایا۔ اس کے بعد مجھے ایک پڑیہ دی۔ جس میں کچھ سکے تھے۔ مجھ سے کہا۔ کہ ان کو اپنی ضرورت میں صرف کرو۔ میں نے اپنے دل میں نیت کی۔ کہ سب سے پہلے مجھے جو فتوح ہو گی۔ وہ اس درویش کو دونگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں میرے پاس بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی آئی۔ میں وہ تھیلی حجام کے پاس لے گیا۔ اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا۔ کہ تم کو خدا سے شرم نہیں آتی۔ کہ مجھ سے تو تم نے یہ کہا۔ کہ خدا واسطے میرا خط بناؤ۔ اور اب معاوضہ دیتے ہو۔ کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے خدا واسطے کام کر کے معاوضہ لیا ہو۔

خیالات و مشاہدات

(از جناب ظہور احمد صاحب)

اگر ناجائز کاموں میں کامیابی حاصل ہو جائے تو مغرور نہ ہو۔ کیونکہ تم انجام سے بے خبر ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص کسی کو نقصان پہنچا کر جو روپیہ حاصل کرے گا وہ مسرتوں میں صرف ہوگا۔ اور باعث رنج و غم نہ بنے گا کسے معلوم ہے کہ ناجائز وسائل سے حاصل کئے ہوئے ایک مکان میں جبری مکین کو خوشی کے ساتھ رہنا نصیب ہوگا کون دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ بے ایمانی اور فریب دہی کے ساتھ جو عزت حاصل کی گئی ہے۔ وہ کسی نہ کسی دن ذلت سے مبدل نہ ہوگی۔ اگر دنیا انجام کار سے واقف ہو۔ تو کبھی ناجائز وسائل کی طرف التفات نہ کرے۔

اگر ایک شخص لکھ پتی ہو۔ اور اسے ہر طرح کی فارغ البالی حاصل ہو تو تم اسے بالیقین کامیاب کہو گے لیکن زندگی کے آخری حصہ میں اسکا تمول افلاس سے بدل جائے تو اس کی زندگی ایک ناکام زندگی سمجھی جائیگی اگر ایک شخص کو خدا نے چند لائق بیٹے اور بیٹیاں دی ہیں تو دنیا اسے خوش قسمت سمجھے گی۔ لیکن اولاد جوانی میں رحلت کر جائے تو اسے بدقسمت کہا جائیگا ان مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ کامیابی اور ناکامی انجام پر منحصر ہے۔ اور وہی شخص حقیقی طور پر کامیاب کہا جا سکتا ہے۔ جو انجام کی بنا پر کامیاب ہو۔ لوگ

بعض آدمیوں کو دنیوی معاملات میں کامیاب دیکھ کر ان کی خوش حالی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور ان کا دل چاہتا ہے۔ کہ ہم بھی ایسے ہی خوش حال ہوتے۔ لیکن انجام کی طرف سے وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دنیا میں اسوقت صدہا ایسے کامیاب لوگ ہیں۔ جو انجام کے لحاظ سے بالکل ناکام ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے صرف اس شخص کی زندگی کامیاب ہے۔ جس کا خاتمہ بخیر ہو۔ انسان کیسی ہی کامیاب زندگی بسر کرے۔ لیکن انجام کی حیثیت سے وہ ہیچ ہو تو اس کی نسبت وہ شخص کہیں اچھا ہے۔ جو تمام عمر ناکام رہے لیکن اس کا انجام بخیر ہو۔

آب تولید کے متعلق بعض اطباء کی رائے ہے کہ خون کے چالیس قطروں سے ایک قطرہ بنتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ خون کے اسی قطروں سے ایک قطرہ تیار ہوتا ہے۔ لیکن مشاہدہ بتاتا ہے۔ کہ خون کے ساتھ کچھ روح کا عنصر بھی اس طلسمی قطرہ میں شامل ہوتا ہے اور کم از کم یہ بات تو لازمی ہے۔ کہ تمام بدن کے خون سے یہ جوہر تیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اخراج کے وقت لذت کی سرمستیاں تمام بدن کو محسوس ہوتی ہیں اور از سرتاپا ہر عضو بدن دریائے نشاط میں غرق نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آب تولید کا ایک قطرہ

بڑھتے بڑھتے انسانی مجسمہ میں بدل جاتا ہے۔ چونکہ انسان کی خلقت ایک ایسی چیز سے بنی ہے۔ جو تمام بدن کا جوہر ہے اس لئے اولاد کی بے چینی سے والدین کا بے چین ہونا لازمی ہے۔ اور اولاد کی موت سے ایک ایسی خاص تکلیف اور ایک ایسا خاص غم دل کو محسوس ہوتا ہے۔ جو تمام غموں اور تکلیفوں سے بالاتر ہے۔

چند اشخاص کے درمیان تعلقات قائم رہنا اس وقت تک دشوار ہے۔ جب تک وہ ایک شخص واحد کی حیثیت میں نہ آجائیں۔ اور ایک دوسرے کے رنج و مسرت سے یکساں متاثر نہ ہوں۔ آقا اور ملازم کے تعلق کو دیکھو دونوں کی غرض مختلف ہے۔ آقا خدمت چاہتا ہے۔ اور ملازم روپیہ۔ فرض کرو۔ کہ ملازم بیمار ہوگیا۔ آقا کو اس کی بیماری کی پروا نہیں۔ وہ تو خدمت چاہتا ہے۔ اور خدمت کے سلسلہ میں کسی مانع کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح فرض کرو۔ کہ آقا دیوالیہ ہوگیا۔ ملازم کو اس کی تہیدستی سے تعلق خاطر نہیں وہ اپنی تنخواہ چاہتا ہے۔ اور تنخواہ کا رکنا اسے کسی طرح گوارا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کبھی اتحاد پیدا نہیں ہوسکتا۔ اتحاد کی صورت یہ ہے۔ کہ دونوں ایک دوسرے کی خوشحالی و بدحالی سے متاثر ہوں اگر آقا پر مصیبت نازل ہو تو ملازم سمجھے کہ اس پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ اور اگر ملازم کسی آفت میں مبتلا ہوجائے تو آقا محسوس کرے۔ کہ اس کے بازو بیکار ہوگئے ہیں اگر لوگ دلوں کو خود غرضی اور مفاد پرستی کی آلودگی سے پاک کریں۔ تو اس طرح کے تعلقات کا پیدا ہوجانا دشوار نہیں۔

جس کو غور و فکر کی عادت ہے۔ اس کے لئے دنیا کے تھیٹر۔ بائیسکوپ اور دوسرے کھیل تماشے سب بیکار ہیں۔ چشم بصیرت کے کھلتے ہی ہر طرف نئے مناظر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور ایسے ایسے طلسمات نظر آتے ہیں۔ کہ انسان کی عقل ان کی تہ تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ جب تم گھر میں خاموش بیٹھے ہو۔ تو اپنے فرصت کے اوقات میں ان باتوں پر غور کرو۔ ذرات کی پیوستگی، دیواروں کا توازن۔ چھتوں کا اپنی خدمات صبر و سکون کے ساتھ بجالانا نہیں ایک تماشے سے کم معلوم نہ ہوگا۔ آسمان کی نیرنگیاں تاروں کی نورافشانی۔ ماہ و مہر کی درخشانی ایک متفکر آنکھ کیلئے کچھ کم باعث دلچسپی نہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اپنی حالت پر غور کرو۔ یہ اعصاب کا جادو یہ حواس کا طلسم۔ یہ نبض اور قلب کی دائمی حرکت اپنی جگہ پر غور و فکر کے لئے بہترین دعوت پیش کرتی ہے۔ اور بے اختیار زبان پر یہ شعر آجاتا ہے کہ ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

دنیا جس شخص کے خیر مقدم کے لئے طیار نہیں تم جانتے ہو۔ وہ کون ہے۔ وہ سست آدمی ہے۔ جو رات دن بیکار رہنا چاہتا ہے۔ اور کسی کام کیلئے

آمادہ نہیں سست اور بیکار رہنے والے لوگ نہ صرف اپنے لئے بلکہ ان لوگوں کیلئے جن کے ساتھ وہ معاشرت رکھتے ہیں ایک عذاب ہیں۔ محنتی اور مستعد آدمی کبھی بیکار نہیں رہتا۔ اگر وہ غریب ہے تو کبھی مفلس نہیں ہوتا۔ اور محنت ہمیشہ اسکی ضروریات کی کفالت کرتی ہے۔ اگر امیر ہے تو کبھی مقروض اور مشکلات میں گرفتار نہیں ہوتا۔ محنت اور مستعدی ہمیشہ اس کی معاون اور خبرگیر رہتی ہے۔ اگر وہ اپنے گھر میں ہے۔ تو گھر کا ہر شخص اس کی موجودگی سے خوش ہے۔ اور جانتا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت وہ کام آئیگا۔ اگر وہ کہیں مہمان جاتا ہے۔ تو میزبان کیلئے باعث راحت و سکون ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر جگہ وہ اپنی قوت بازو سے لوگوں کے کام آتا ہے۔ اسکے برخلاف سست اور کاہل اشخاص اگر اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ تو گھر کے تمام ممبروں کیلئے آفت جان ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر کہیں مہمان جاتے ہیں تو بلائے ناگہان سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ سستی یا کاہلی و مستعدی و سرگرمی تمام تر ہمارے ارادہ پر موقوف ہے۔ ہم اپنے آپ کو جیسا چاہیں بنا سکتے ہیں۔ بیوقوف لوگ سمجھتے ہیں کہ محنت سے آدمی تھک جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے محنت سے روح میں بالیدگی، بدن میں تر و تازگی اور اعصاب میں بیداری پیدا ہوتی ہے۔ البتہ بیکار رہنے سے روح پژمردہ، بدن مضمحل اور اعصاب خوابیدہ ہو جاتے ہیں اور اسی حالت کا دوسرا نام موت ہے۔

(بقیہ صـ۱۷) کے متعلق کوئی ہدائت یا وصیت نہیں کی۔ آپکے پاس مال کی کوئی رسید موجود نہیں۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے۔ کہ ہم آپ کو مال واپس کریں۔ راد ہے شام نے جو کچھ اندوختہ چھوڑا ہے۔ وہ اس کی بیوی بچوں کی ملکیت ہے۔ سردار بیگ نے اپنے سوال کا مایوسانہ جواب سننے کے بعد خاموشی کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ اب کوئی صورت نہ تھی۔ کہ وہ زیادہ عرصہ تک بمبئی قیام کرتا۔ اس کی تمام امیدیں خاک میں مل چکی تھیں تجارتی حلقوں میں اب اسکا اتنا اثر نہ تھا۔ کہ وہ مستقل طور پر اپنی دکان کو آراستہ کر سکتا۔ اس کے پاس جو اندوختہ تھا۔ وہ دوکان کی پیشگی کرایہ اور ضروری سامان میں صرف کر چکا تھا اس تمام سامان کو فروخت کرکے وہ بمبئی سے وطن کو واپس چلا گیا لیکن [illegible] دو تین سال تک جاری [illegible] کے بعد سردار بیگ [illegible] میں جا گرا تھا جس سے وہ ابھرا تھا۔ اس سے یہ بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی۔ کہ مرفع الحالی کے زمانہ میں اس نے کوئی معقول رقم اپنے وطن کو نہیں بھیجی ورنہ اس مصیبت کے زمانہ میں وہ کچھ کام آتی۔ اس کی کامیابی سے لوگ جسقدر متحیر تھے اسقدر اسکی ناکامی سے متاثر نہ تھے۔ جب وہ اپنے حلقہ احباب میں بیٹھکر اپنے معاملات پر گفتگو کرتا تھا۔ تو موضوع سخن تدبیر و تقدیر کے متعلق ہوتا تھا۔ اس کے احباب جانتے تھے کہ وہ اسکا قائل نہیں ہے کہ تمام انسانی ارادے تقدیر کے پابند ہیں۔ اور وہ [illegible] تسلیم نہیں کرتا کہ تقدیر کی مساعدت کے بغیر [illegible] [illegible] کو بھی حرکت میں نہیں لا سکتے [illegible] [illegible] میں اس سے پوچھا گیا [illegible] کہ تقدیر کے متعلق اب تمہارے خیالات کیا ہیں؟ [illegible]

نشیب و فراز

(از ترجمان فطرت مولانا سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری)

تعلیم کا اثر فطرت انسانی کے لحاظ سے ہر شخص پر مختلف ہوتا ہے۔ بعض لوگ تعلیم پاکر مغرور ہو جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ ہماری طرح ہمہ داں اور صاحب فضل و کمال کوئی نہیں۔ بعض لوگ لکھ پڑھ کر منکسر المزاج بن جاتے ہیں۔ اور تعلیم ان کو یقین دلاتی ہے۔ کہ ابھی تم نے کچھ نہیں سیکھا۔ اور ابھی تم کچھ نہیں جانتے۔ اور دنیا میں تم سے بڑھکر ہزاروں قابل اشخاص موجود ہیں۔ اسی طرح تعلیم بعض لوگوں کو تقدیر کا قائل بناتی ہے۔ اور ان کے دل میں یہ اعتقاد راسخ ہو جاتا ہے۔ کہ انسان اور اس کی کوششیں بالکل ہیچ ہیں۔ مشیت کے بغیر نہ مسرت ممکن ہے۔ اور نہ غم۔ اور اگر تقدیر میں نہ ہو تو انتہائی کاوش و کاہش کے باوجود انسان ناکام رہتا ہے۔ بعض لوگ لکھ پڑھ کر تقدیر کو ایک لفظ بے معنی خیال کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ تدبیر و کوشش سے انسان ہر مقصد میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ مرزا غفار بیگ کے صاحبزادے میاں سردار بیگ بھی اسی خیال کے آدمی تھے۔ انہوں نے جب صوبہ جات متحدہ کے ایک مشہور کالج سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ تو یہ خیال دماغ میں لیکر گھر کو واپس آئے کہ ملازمت ان کی کنیز ہے۔ تجارت ان کی خانہ زاد ہے۔ اور کامیابی ان کی پرستار ہے۔ جب تک عمل کا موقع نہیں آتا اس وقت تک انسان کیلئے اپنے عقائد و خیالات کی جانچ دشوار ہے۔ وہ کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ میاں سردار بیگ کے والد ریلوے میں ساڑھے تین سو روپے ماہوار کے ملازم تھے۔ اور اس لئے انہیں عملی زندگی کی طرف قدم اٹھانے میں زیادہ عجلت درکار نہ تھی۔ والدین کو ان کے گریجوایٹ بننے کا انتظار تھا۔ اور نتیجہ شائع ہوتے ہی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایک جگہ بات چیت پہلے سے پختہ ہو گئی تھی۔ دن گذرے راتیں گذریں۔ اور بالآخر وہ مبارک لمحہ آگیا۔ کہ میاں سردار بیگ پچاس ہزار معہ دو دینار سرخ کے موجل وعدے پر ایک خوبصورت دلہن اپنے گھر میں لے آئے۔ اس خوشنما حادثہ کے بعد انکی زندگی اتنی آزاد نہ رہ سکی جتنی ان کو امید تھی۔ اور سب سے بڑھکر تفکرات کا سرچشمہ یہ تھا۔ کہ ایک اتفاقی غلطی کی بنا پر ان کے والد کی تنخواہ میں سو روپے کی تخفیف ہو گئی۔

(۲)

اب ضرورتوں نے سردار بیگ کو حصول زر کی طرف توجہ دلائی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ڈپٹی کلکٹری ایک چٹھی کے لکھنے پر مل جائیگی لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ تحصیلداری اور پھر نائب تحصیلداری کیلئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد پولیس کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن وہاں بھی کامیابی موہوم نظر آئی۔ ان کوششوں میں ناکام رہکر اب سردار بیگ کا مشغلہ یہ تھا۔ کہ انگریزی اخبارات بالخصوص پائنیر میں وہ وانٹڈ کے کالم کو پڑھتے تھے اور اسامیٔ ضرورت کے پتے نوٹ کر کے درخواستیں بھیجتے تھے

بمقدور جد و جہد کے بعد کسی نہ کسی ملازمت کا مل جانا دشوار نہ تھا۔ لیکن قدرت کو ان کے اس غلط خیال کی تردید منظور تھی۔ کہ انسان جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس لئے انہیں کوئی ملازمت نہیں ملی۔ اور ان پریشانیوں میں دو سال کی طویل مدت بسر ہو گئی۔ اب حالت یہ تھی۔ کہ مرزا غفار بیگ کی آمدنی خانگی ضروریات اور بالخصوص بہو بیٹے کی مستقل زندگی کیلئے ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ اور ہر شخص سردار بیگ کی بیکاری کو محسوس کر رہا تھا۔ آخر ایک دن سردار بیگ کے خسر مرزا ماہرخ نے کہا۔ کہ میاں تم کب تک اس طرح بیکار بیٹھے رہوگے۔ اگر ملازمت میسر نہیں آتی۔ تو کاروبار ہی کی سلسلہ جنبانی کرو۔ میں تمہیں دو تین ہزار روپے کی مدد دے سکتا ہوں۔ اس کے ذریعہ سے کوئی تجارت شروع کرو۔ یہ ممکن ہے کہ آمدنی کم ہو بیکار رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مرزا ماہرخ کا مشورہ اگرچہ ہمدردی پر مبنی تھا۔ لیکن ساتھ ہی ان کی گفتگو سے یہ بھی پایا جاتا تھا۔ کہ سردار بیگ کی بیکاری سے ان کی بیٹی کی خواہش اور ضرورتیں پامال ہو رہی ہیں۔ اور اس پامالی کو وہ پسند نہیں کرتے۔ سردار بیگ نے اپنے خسر کو تو کوئی تلخ جواب نہیں دیا۔ لیکن درحقیقت اسے ان کی گفتگو سے بہت ناگواری پیدا ہوئی۔ اور ساتھ ہی اس کا یہ جذبہ از سر نو مشتعل ہوا۔ کہ انسان کوشش سے ہر مقصد میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

(۴)

سردار بیگ نے اپنے فوری اشتعال کو ضائع نہیں کیا۔ اور اس سے یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ ترک وطن کا ارادہ کر دیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ اگر تم میری امداد کیلئے آمادہ ہو تو میں اپنی اور اپنے ساتھ تمہاری زندگی کو بڑی حد تک کامیاب بنا سکتا ہوں۔ اس نے کہا۔ میں اور امداد؟ میں اگر کوئی خدمت کر سکتی ہوں۔ تو اس کیلئے آپ حکم دیجئے۔ انشاءاللہ فوراً تعمیل کرونگی۔ شوہر پرست بیوی کے یہ الفاظ سنکر سردار بیگ کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے کہا۔ کہ میں صرف دو باتوں کا خواستگار ہوں۔ ایک کاروبار میری سمجھ میں آیا ہے۔ اور اس کیلئے میں بمبئی کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ میری عدم موجودگی میں تمہیں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا ہوگا۔ لیکن یہ تکالیف عارضی ہیں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ آئندہ فلاح و سرسبزی کی توقع پر تم ان کو گوارا کر لوگی۔ یہ میری پہلی خواہش ہے۔ اور دوسری خواہش یہ ہے۔ کہ میں اپنے سفر و کاروبار کیلئے پانچسو روپیہ چاہتا ہوں۔ بیوی نے کہا آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں ہر طرح کی تکلیف اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔ اور میرے خیال میں تو اس کے سوا کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی کہ میں آپ سے جدا رہونگی۔ روپیہ کا انتظام بھی کچھ دشوار نہیں۔ میں اباجان کو خط لکھکر منگوا لیتی ہوں۔ سردار بیگ نے کہا۔ کہ یہ بات مجھے منظور نہیں۔ میں اس معاملہ میں نہ اپنے والد سے امداد لینی چاہتا ہوں۔ نہ تمہارے والد سے۔ بیوی نے یہ سنکر کہا۔ لیکن پھر کیا تدبیر کی جائے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میرا کوئی زیور فروخت کر کے یا رہن رکھ کر اپنی ضرورت پوری کر لیجئے۔ سردار بیگ نے بے اختیار ہو کر بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ ہاں یہی تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کو زیور جان و دل سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ لیکن شریف عورتیں شوہر سے بھی کچھ زیادہ

بجنوب سمجھتی تھیں۔ نوجوان عورت نے زیور کا صندوقچہ شوہر
کے سامنے رکھدیا۔ سردار بیگ نے حسب ضرورت کے
طلائی زیور گرو رکھ لئے۔ اور شام کو اس کی جیب میں مصارف
سفر کیلئے پانچسو روپے کے نوٹ موجود تھے۔

(۴)

سردار بیگ روپیہ کا انتظام کرکے بیوی کے سوا
کسی پر اپنا ارادہ ظاہر کئے بغیر بمبئی روانہ ہوگیا۔ بمبئی پہنچکر اس
نے پندرہ روپے ماہوار پر ایک چھوٹا سا کمرہ حاصل کیا۔ اس
نے ایک میز اور چند کرسیاں بھی بہم پہنچا لیں۔ "دی ایسٹ
اینڈ ویسٹ" امپورٹ ایکسپورٹ کمپنی" کے نام سے لیٹر پیپر
وغیرہ چھپوائے۔ اور اس کے بعد اپنا کام شروع کر دیا۔
اس نے "بازار جرنل" اور ڈائریوں سے کافی معلومات حاصل کرکے
یورپ و امریکہ کے مختلف کارخانوں سے خط و کتابت کا سلسلہ
قائم کیا۔ چند روز کی کوشش میں بہت سے کارخانوں کی
ایجنسیاں مل گئیں۔ لیکن اجنبیت اور بے مائیگی کی وجہ سے
وہ چنداں فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اگر بخت و اتفاق اس کا
ساتھ دیتے۔ اور مشیت کو یہ منظور نہ ہوتا۔ کہ وہ چند روز
تک مشکلات اور مغالطوں میں مبتلا رہے۔ وہ حیران تھا۔ کہ روپیہ
پیشگی ادا نہ کرنے کی حالت میں مال کیونکر منگائے۔ اگر اس کے پاس
کوئی جائداد یا مال یا مال تجارت کفیل کرنے کیلئے ہوتا۔ تو
وہ بآسانی بینک سے معاملہ کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا بھی نہ تھا۔
[illegible] تھا کہ خوش قسمتی سے اس کا ایک
ہم جماعت [illegible] ایک کامیاب بینک کا منیجر ہوکر بمبئی میں وارد
ہوا [illegible] انہوں نے سردار بیگ کے رکے ہوئے کاروبار کی
[illegible] بحال کر دیا۔ سردار بیگ نہایت ذہین۔ طباع
معاملہ فہم اور صاحب نظر تھا۔ اس نے کارخانوں سے
آئے ہوئے ایسے نمونے انتخاب کئے جو اس کے خیال میں
ہندوستانی مذاق کے موافق تھے۔ اور بازار میں ہاتھوں ہاتھ
قبول کئے جا سکتے تھے۔ بینک کی ذمہ واری پر اس نے پہلے
پہل جرمنی سے دس ہزار کا مال منگوایا۔ مال کے نمونہ بازار
میں دکھا کر اس کی نکاسی کے متعلق پہلے سے اطمینان حاصل
کر چکا تھا۔ چنانچہ مال آتے ہی عجلت کے ساتھ فروخت ہو
گیا۔ اور اس الٹ پھیر میں اسے دو ہزار کا منافع ہوا۔
سردار بیگ نے منافع کی رقم بینک میں جمع کر دی۔ اور
مختلف کارخانوں سے مال منگانا شروع کیا۔ چونکہ اس کی
نظر صحیح تھی۔ اور پبلک مذاق سے وہ اچھی طرح واقف تھا
اس کے منگائے ہوئے مال کے فروخت ہونے میں کوئی دقت
نہیں ہوتی تھی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اسے بعض موقعوں
پر نقصان بھی برداشت کرنا پڑا۔ اور اس کا باعث یا تو یہ
تھا۔ کہ مال نمونہ کے مطابق نہ تھا۔ یا جن تاجروں کیلئے وہ
مال منگایا گیا تھا۔ انہوں نے وقت پر اس کے لینے سے
انکار کر دیا۔ لیکن ان نقصانات کے باوجود سردار بیگ
کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب تھی۔ اور اپنے اندر آئندہ
ترقی کے نمایاں آثار رکھتی تھی۔

(۵)

کاروبار کی سلسلہ جنبانی کو ابھی دو سال کا زمانہ
نہیں گذرا تھا۔ کہ سردار بیگ کی مالی حالت تعجب انگیز اور
قابل رشک حدوں تک پہنچ گئی۔ اس کے تصرف میں کچھ
پچاس ہزار سے زیادہ رقم تھی۔ جسے زیادہ عرصہ تک
بیکار رکھنا اس نے مناسب نہیں خیال کیا۔ اور بازار

میں ایک شاندار دکان ایک مقامی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا۔ اسے درآمد و برآمد کے ندخیز کام کی طرح دکانداری میں بھی کافی منفعت ہوئی۔ وہ اپنے اس کامیاب زمانہ میں کبھی بادوطن میں آیا۔ ان کامیابیوں نے اس کی حیثیت میں نمایاں تبدیلی کر دی تھی۔ اور اس کے ساتھ کنبہ کا بالکل برباد ہو گیا تھا۔ بیکار لوگ اس سے معاش کے وسائل پوچھتے تھے۔ اور جن لوگوں کے پاس کچھ اندوختہ تھا۔ وہ دریافت کرتے تھے کہ اسے کسی کام میں لگا کر وہ کیونکر دولتمند بن سکتے ہیں۔ غرض وہ اس عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا جو زرداری و تمول کے ساتھ مخصوص ہے۔ بمبئی کے وہ تمام تاجر جو دوسرے شہروں سے آ کر تجارتی سلسلے سے بمبئی میں شکونت پذیر تھے۔ اس کی ترقیوں کو حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دنیا متعجب تھی۔ لیکن سردار بیگ کو اپنی کامیابی پر خود بھی حیرت نہ تھی۔ اس کا یہ عقیدہ روز بروز راسخ ہوتا جاتا تھا۔ کہ انسان کے لئے اپنے ارادوں میں کامیاب ہونا لازمی ہے۔ اور ہر جد و جہد کا خوشگوار نتیجہ نکلتا۔ وہ اس طرح یقینی سمجھتا تھا۔ جس طرح دو اور دو کی میزان چار کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس کا یہ مغالطہ ایک حد تک درست بھی تھا۔ کیونکہ جب سے اس نے بمبئی کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ مخلوط مالی و کامیابی نے اس کی رفاقت نہیں چھوڑی تھی۔ جس کی بدولت تجارتی حلقوں سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس کی دکان ہر طرح کے بیش قیمت اسباب سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے سامنے ایک درخشاں مستقبل رکھتا تھا۔

(۴)

اسوقت جبکہ ہر صبح سردار بیگ کیلئے مسرتوں کا ایک نیا مژدہ لے کر ضیا فگن ہوتی تھی۔ اور ہر شام اپنے اندر تسلی بخش نتائج کا ایک سلسلہ رکھتی تھی۔ آسمان نے اپنے قدیم دستور کے مطابق ایک نیا رنگ بدلا۔ اور زمانہ نے اپنے حسب عادت کروٹ لی۔ تجارتی دنیا میں ایک انقلاب عظیم رونما ہوا۔ کاروبار فیل ہونے لگے۔ درآمد و برآمد کی کثرت اور قیمتوں کے جزر و مد نے معاملات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ کامیابیاں ناکامیوں سے بدل گئیں۔ سردار بیگ بھی ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ لین دین کی ایسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اور اسوقت جبکہ حالات میں ناگوار تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ وہ دوسروں کے مطالبوں میں ایسا گھرا ہوا تھا۔ کہ دکان کا تمام سرمایہ ان کے لئے کافی تھا۔ جو لوگ تجارتی نشیب و فراز سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں۔ کہ تجارت خواہ بڑے پیمانہ پر ہو خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو۔ ایک چکر کا نام ہے جب تک یہ چکر قائم رہتا ہے۔ تاجر کی تمکین و خودداری اور ساکھ قائم رہتی ہے۔ اور اس چکر کی رفتار میں جہاں فرق آیا۔ بڑے سے بڑا تاجر اپنا تمام وقار کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ تجارتی حالات کے بدلتے ہی سردار بیگ کی حالت بھی بدل گئی۔ چند روز میں تجارتی مطالبات نے ڈگرگوئی کی صورت اختیار کی اور اس نوجوان گریجوایٹ کو جو کوشش و تدبر کے سوا کسی غیبی فیصلہ اور کسی باطنی طاقت کا قائل نہ تھا سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ سردار بیگ کیلئے اس زمانہ کا ہر لمحہ نزاکتوں سے لبریز تھا۔ اس کیلئے دن کا ہر حصہ یہ خطرہ رکھتا تھا۔ کہ سرکاری عمال تمام اسباب تجارت کو اپنے

قبضہ میں لے آئیں۔ وہ اس فکر میں تھا۔ کہ مصیبت کی اس گھڑی سے پہلے دوکان کا مال کسی دوسری جگہ منتقل کردیں لیکن بظاہر ایسی کوئی صورت پیش نظر نہ تھی۔ کہ سکون و احتیاط کے ساتھ اس کارروائی پر عمل کیا جائے۔ اسی مایوسانہ غور و خوض میں وہ نازک وقت آپہنچا۔ جس کا پہلے سے اندیشہ تھا۔ اب احتیاط اور حفظ ماتقدم کیلئے رات کے صرف چند گھنٹے باقی تھے۔ سردار بیگ دوکان اور گودام کا مال محفوظ رکھنے کی تمام تدابیر میں ناکام رہ کر آخر الامر ایک نئے منصوبے کو عمل میں لانے کیلئے آمادہ ہوا۔ اس نے اپنے دفتر کے ہیڈ کلرک کو بلایا اور کہا" راد ہے شام، تم ایک سال سے میرے ہاں کام کر رہے ہو۔ میری طبعیت سے واقف ہو جو حالات اس وقت درپیش ہیں۔ وہ تم سے مخفی نہیں ہیں میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں۔ کہ سچائی کے ساتھ اس کا جواب دو۔ سوال یہ ہے۔ کہ میں کسی معاملہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں یا نہیں" راد ہے شام اگرچہ غریب آدمی تھا۔ لیکن نہائیت ایماندار اور متدین تھا۔ وہ اپنی وفاداری و شریف الطبعی کی بنا پر آقا کی بربادی و مصیبت سے بہت متاثر تھا۔ اس نے دلی خلوص کے ساتھ سردار بیگ کو یقین دلایا۔ کہ وہ ہر طرح اعتماد کے قابل اور ہر خدمت کے لئے تیار ہے۔

(۷)

راد ہے شام کی گفتگو سے مطمئن ہو کر سردار بیگ نے گودام کی کنجیاں اس کے سامنے پھینکدیں۔ اور کہا۔ کہ سورج نکلنے سے پہلے اخفا و احتیاط کے ساتھ گودام و دکان کا تمام قیمتی سامان تم اپنے مکان پر اٹھا کے لے جاؤ۔

راد ہے شام نے خاموشی و خوش اسلوبی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ دوسرے دن سے ڈگریوں کے اجراء کی کارروائی شروع ہوئی۔ لیکن اہل مطالبہ اور قرضخواہوں کی تمام کوششیں بیسود تھیں۔ بے چینیوں کا سلسلہ تقریباً ایک سہ ماہی تک قائم رہا۔ اس کے بعد سردار بیگ اپنے وطن کو چلا گیا۔ تاکہ فضا بالکل پرسکون ہو جائے۔ اب اس کا ارادہ تھا۔ کہ ایک دوسرے نام سے کاروبار کی سلسلہ جنبانی شروع کرے۔ چنانچہ وہ چند ماہ کا زمانہ وطن میں بسر کر کے بمبئی کو واپس ہو گیا۔ اس ارادہ کے مطابق اس نے ایک دوکان کرایہ پر لی۔ تجارتی اسباب کی طرف سے وہ بے فکر تھا۔ کیونکہ کم از کم ایک لاکھ روپے کا سامان اس نے راد ہے شام کے مکان میں رکھوایا تھا۔ ان کاموں سے فرصت پاکر وہ راد ہے شام کے مکان پر گیا تاکہ اس سے اپنی امانت واپس لے۔ لیکن یہ معلوم کر کے وہ ششدر رہ گیا۔ کہ ایک ماہ قبل راد ہے شام کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے راد ہے شام کی بیوی سے اپنے اسباب کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا۔ کہ میں اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ میرے بڑے بھائی متوفی کے بعد گھر کے منتظم ہیں تمام لین دین ان کے اختیار میں ہے۔ اس معاملہ کے متعلق آپ ان سے گفتگو کریں۔ چنانچہ سردار بیگ نے دوسرے دن راد ہے شام کی بیوی کے بھائیوں سے اپنے مال کی واپسی کے لئے کہا۔ اور ان کا جواب سنکر اسکی رہی سہی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

(۸)

انہوں نے کہا۔ کہ ہمیں راد ہے شام نے آپکے مال

میری سرگذشت

(نمبر ۴۴)

علاقہ کچھی سنہ ۷۱۲ء سے لیکر سنہ ۱۰۲۵ء تک خلفائے بنی امیّہ اور خلفائے عباسیہ بغداد کے زیرِ حکومت رہا۔ تین سو سال کی مسلسل شاندار فرمانروائی کے دوران میں اموی اور عباسی خلفاء نے سرزمینِ کچھی کو بشمول سندھ نہ صرف بلحاظ مذہب بلکہ امن وانتظام۔ تمدن ومعاشرت اور عادات و مذاق بھی عرب کی ایک خوبصورت اور دل لبھانیوالی تصویر بنا دیا تھا۔ تاریخی حقائق وشواہد کو سامنے رکھتے ہوئے بیساختہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو گہرا اثر خلفائے قریش نے اپنی سہ صد سالہ کی عدیم المثال کی حکمرانی میں یہاں ڈالا۔ افغانوں اور مغلوں کی پانچسو سالہ حکومت بھی ہندوستان پر نہیں ڈال سکی۔

ہندوستان میں آج مسلمان ۲۵ فیصدی سے زائد نہیں۔ مگر بخلاف اس کے بہیئتِ مجموعی بلوچستان بھر میں ۹۳ فیصدی۔ اور علاقہ کچھی سراواں۔ جھالاواں اور کچھی میں ۹۷ فیصدی مسلم آبادی ہے۔ یہی نہیں بلکہ صوبۂ سندھ کی ۳۴ ½ لاکھ آبادی میں سے ۲۵ لاکھ مسلم آبادی ہے گویا ۷۵ فیصدی مسلمان۔ ان اعداد وشمار کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ جس سپرٹ سے خلفائے قریش نے کام لیا۔ اگر مسلم سلاطینِ ہند بھی اسی سپرٹ سے کام لیتے تو نہ صرف ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ مختلف ہوتی بلکہ حالت بھی کچھ اَور ہی ہوتی۔ اور اسلام ہندوستان کا ملکی مذہب بن گیا ہوتا۔ جیسا کہ ایران۔ افغانستان اور بلوچستان میں۔

کچھی بشمولِ سندھ کی فتح کے بعد اسلام کے نامور ہیرو غازی محمد بن قاسم ثقفی (رحمۃ اللہ علیہ) نے عدل وانصاف کیلئے جو ضابطہ جاری کیا۔ اس کے رو سے قاضی الوقت اہل اسلام کے جھگڑوں کو شرع کے موافق فیصل کرتا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو دعاوے ہوتے اس کو بھی قاضی ہی شرع کے مطابق چکاتا۔ البتہ ہندوؤں کے باہمی تنازعات جو زناکاری۔ وراثت اور داد وستد کے متعلق ہوتے۔ پنچائت مقرر ہو کر صورت انفصال پاتے پنچائت سسٹم کے برقرار اور جاری رکھنے سے خلفائے قریش نے جس بے تعصبی اور کمال فیاضی کو اپنی ہندو رعایا کے ساتھ روا رکھا۔ دنیا کی تاریخ میں وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔ کیونکہ اس طریق سے عدیم النظیر رواداری کے ساتھ ہندو رعایا کو ایک قسم کی لوکل سیلف گورنمنٹ کے حقوق اور اختیارات عطا کر دیئے۔ جس کے نتیجہ میں ان کی قومی شیرازہ بندی کی زنجیر عہد اسلام میں مستحکم اور مضبوط ہو گئی۔ اور قریش فرمانرواؤں کا یہ اتنا بڑا احسان ہے۔ کہ اگر دنیا سے انصاف اٹھ نہیں گیا۔ تو بلوچستان اور سندھ کے ہندوؤں کی گردنیں ہمیشہ اسلام کے سامنے جھکی رہنی چاہئیں۔

اگرچہ صدیاں گذر چکیں۔ کہ اس ملک سے

حکومت قریش ختم ہو چکی۔ لیکن بایں ہمہ میں نے زمانہ حال میں بھی بحیثیت سررشتہ دار۔ بحیثیت "جانشین" اور بحیثیت مستوفی لین دین کے سینکڑوں مقدمات میں جن میں ہندو مدعی ہوتے اور مسلمان مدعا علیہ۔ بغیر کسی خارجی تحریک یا اثر و دباؤ کے ہندوؤں کو برضا، و رغبت خود فیصلہ کے لئے رجوع بہ شریعت کرتے دیکھا۔ اور یہ نتیجہ ہے۔ اس دستور العمل کا جو انفصال دعاوی کیلئے آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں فتح سندھ کے بعد عرب فرمانرواؤں نے جاری کیا تھا۔ جن دنوں علاقہ کچھی کی نیابت ہائے ڈاڈھر اور بھاگ کی زمام حکومت بحیثیت مستوفی میرے ہاتھ میں تھی۔ تو اسوقت بھی کچھی کی نیابتوں میں اسی دستور العمل کا متذکرہ بالا اثر کارفرما تھا۔ جو بنی امیہ کے ایام فرمانروائی کی درخشاں یادگار ہے۔

علاقہ کچھی میں جہاں جہاں بڑے قصبات ہیں وہاں پر ہندوؤں کی پنچائت بھی قائم ہے۔ جو ان کے تجارتی اور تمدنی معاملات کی نگہداشت کے لوازم سرانجام دیتی ہے۔ پنچائت کے صدر کو "مکھی" کہا جاتا ہے۔ نائب صدر "چودھری" اور باقی ارکان "پیلڑیں" (معتبر) کہلاتے ہیں۔

جزیہ جس کو کچھی کے ہندوؤں کی اصطلاح میں بطور "غلط العام" جیجہ کہا جاتا ہے۔ چند قبائلی علاقوں کے علاوہ خان قلات کی نیابت ہائے۔ گنداواہ بھاگ۔ لاہڑی۔ اور ڈاڈھر میں اُن ہندوؤں پر جو اسلام کے دور اول میں بزمانہ جنگیں یہاں سکونت پذیر تھے۔ مقرر ہوا تھا۔ اور اب نسلاً بعد نسل عائد چلا آتا ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون کے رو سے ایسے ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمے تھی۔ اور ہے۔ لیکن بعد میں آنے والے ہندو جزیہ سے مستثنٰی رہے۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں جب میں نیابت بھاگ میں "جانشین" تھا۔ تو بھاگ کے ہندوؤں پر صاف ۵۵ روپے سالانہ رقم جزیہ مقرر تھی۔ لاہڑی میں ماہوار ۱۲۵ روپیہ۔ گنداواہ میں قریباً ۹۰ روپے۔ اور ڈاڈھر میں ۶۳ روپیہ۔ یہ اسلامی ٹیکس ہر ایک نیابت میں بتوسط مکھی یا مسوکردہ ہندوؤں کے ذریعے وصول کیا جاتا ہے۔ اور اب تک بنی امیہ کے عہد حکومت کی پرعظمت یاد کو تازہ رکھے آتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ میر نصیر خان اعظم (خان قلات) جزیہ کی آمدنی حج پر جانے والوں کے زادِ راہ پر خرچ کیا کرتے تھے۔ مگر اب یہ جزو مالیہ ہے۔ جسے خزانہ میں داخل کیا جاتا ہے۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ)

تاکید اکید

متذکرہ برادری کے زیر عنوان ایک قابل توجہ مراسلت شائع ہوئی ہے۔ ناظرین کرام تم اسے متوجہ خاص ملاحظہ فرمائیں۔

القریش امرتسر

بابت ماہ مارچ ۱۹۳۷ء

جلد ۱۲ ——————— نمبر ۳

فہرست مضامین

۴۵۶

"القُریش"

(از خامہ حضرت خیال ہاشمی لاہور)

رازدار "لقنطوا" ہے رازدانِ القریش
ترجمانِ "جاھدو" ہے ترجمانِ "القریش"

قصرِ استبداد پر ہوتا ہے لرزہ سا بپا
کوندتی ہے جب حسام خونچکانِ "القریش"

اہلِ باطل کیا تجھے اس بات کی بھی ہے خبر
زینتِ بام ثریا ہے نشانِ "القریش"

حرمتِ شاہِ عرب پر کٹ گیا پروانہ وار
ہو گیا جو آشنائے داستانِ "القریش"

تلخئ ایامِ ناہنجار کی پروا نہیں
سیدِ ابرار ہوں جب پاسبانِ "القریش"

زینتِ دنیائے ہست و بود ہے اسکا وجود
مرجعِ شاہ و گدا ہے آشیانِ "القریش"

قوم کی بگڑی بنانے میں نہ کیوں ہو پیش پیش
حضرتِ رونق ہوں جب روحِ روانِ "القریش"

خطاب بہ تاجدار دکن (خلد اللہ ملکہٗ)

(از جناب مرزا بیضا خاں مردی ایرانی)

میر عثماں اے شہِ گیتی ستاں
عدل تو مشہور چوں نوشیرواں

ماحی کفر و ضلالت ذاتِ تو
حامیٔ دیں دستگیر بیکساں

زیر فرمانِ تو باشد بحر و بر
بر قلوب خلق ہستی حکمراں

چشمِ دوراں ہم نظیرِ تو نہ دید
چوں تو ہرگز نیست پیدا تھر ماں

تاج شاہی تو قبائے خسروی
راست بر بالایت اے صاحبقراں

بر سریر سلطنت باشی مدام
مسند آرا با شکوہِ عزّ و شاں

از قدومِ تو بود رشکِ بہار
ملک ہند آں گلشن جنّت نشاں

راست باشد گر ترا خوانم بہشت
نوق دار و خاک تو بر آسماں

سرزمینِ ہند اے باغِ جناں
مسکنِ حوری و ماوائے بتاں

دعوتِ نظارہ باشد چشم را
نازنیناں، گلرخاں، زہرہ وشاں

گر کنی انصاف در دہر ست کم
ہمچو من نازک خیال و نکتہ داں

ذاتِ من امروز فردِ روزگار
نیست چوں من شاعرِ رنگیں بیاں

بشگفانم از زمینِ شعر گل
بزم را یکسر کنم باغِ جناں

چوں شوم آمادہ از بہر مصاف
خامہ گردد در کفم تیغ و سناں

اے شہنشہ نذرِ بیضا ہم پذیر
بہرِ تو آوردہ گنجِ شائگاں

ہاں خدا دائم نگہدار و ترا
تاکہ باشد ایں زمین و آسماں

شہریارِ دکن و برار

(از قلم حقیقت رقم حضرت ابوالاثر جالندہری)

ادب اے قلم، بزم سلطاں ہے یہ
درِ میر عثماں علی خاں ہے یہ

وہ عثماں کہ ہے شہریارِ دکن
بہار آفرینِ بہارِ دکن

وہ عثماں کہ ہے شاہِ شاہانِ دہر
پناہِ سیاست پناہانِ دہر

وہ عثماں کہ ہے آج صاحبقراں
مثیلِ جہانگیر و شاہِ جہاں

وہ عثماں کہ جس کی جلالی ہیب
زمانے میں ہے مثلِ اورنگ زیب

یہی تاج شاہوں کا سرتاج ہے
یہی شاہ ہے جس کے سر تاج ہے

یہی سلطنت ہے کہ جس کا وقار
ہے تہذیب اسلام کی یادگار

اسی سے مفخّر ہے فرماں دہی
اسی کو مقدّر ہے ظلِّ الٰہی

یہی ہے وہ درگاہِ عالیجناب
کہ جس سے ہے سارا جہاں فیضیاب

عراق و عرب، مصر و ایران و روم
نہیں کس جگہ اس سخاوت کی دھوم

مسلمان پر در ہے اس کی نگاہ
کردیں داد ہے یہ شہِ دیں پناہ

ہے بنیادو جماعِ ملّت یہی
امامت کا اک نقطۂ مرکزی

یہی شاہ ہے وقف ہے جس کی ذات
پئے مسجد سرورؐ کائنات

جلد ۲۴ —————— نمبر ۳

شذرات

خاقانِ زماں، شہریار والا دودمان، سلطان ابن سلطان، نظام الملک آصف جاہ، رفعت و شوکت پائیگاہ، قدر قدرت اعلحضرت، ہز اگزالٹیڈ ہائینس سر میر عثمان علیخان انار اللہ برہانہٗ ۱۹۱۱ء میں اورنگ نشین حکومت ہوئے۔ پچیس سالہ دور فرمانروائی میں جہاں پناہ نے رعایا کی خوشحالی و فارغ البالی کیلئے ایک اولی العزم تاجدار کی حیثیت سے جو عملی اقدام فرمائے۔ وہ کسی مزید صراحت و وضاحت اور تشریح و توضیح کے محتاج نہیں۔ معارف نوازی زراعتی ترقی، مردم شناسی اور حسن سلوک میں آپ اپنی نظیر ہیں۔ اللّٰہم زد فزد۔

۱۴ فروری ۱۹۳۷ء کا یوم مبارک آپ کے جشن سیمین کا دن تھا۔ اور یہ تقریب اس خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ افتتاح پذیر ہوئی کہ سبحان اللہ آپ لازوال دولت اور شاہی خزانوں پر قادر ہونے کے باوصف سادہ زندگی پسند فرماتے ہیں۔ اس لئے بذریعہ خاص فرمان واجب الاذعان اعلان فرمادیا گیا تھا۔ کہ اس تقریب پر غیر ضروری اخراجات سے احتراز روا رکھا جائے۔ تاکہ غربا و یتامیٰ اور مساکین و مستحقین کی امداد اور ملک کے علمی و مذہبی اداروں کی اعانت ہو سکے۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ بارگاہ گیتی پناہ سے اس تقریب پر کوئی تشنہ کام گوہر مقصود سے دامن مراد پر کئے بغیر نہیں پھرا۔

۱۷ فروری کا وہ مخصوص دن تھا۔ جبکہ اعلحضرت ظل سبحانی نے تہنیتی مراسلات و سپاسنامجات اور تحائف و ہدایائے قبول فرمائے۔ اور ارکین سلطنت و عمائدین دولت کی خدمات پر تبصرہ فرماتے ہوئے ان کے کارہائے نمایاں کی تعریف فرمائی

جہاں پناہ کی رعیت پروری، نصفت شعاری بذل و بخشش داد و دہش کرم فیاضی اور رواداری و مصلحت اندیشی نے بلاتمیز مذہب و ملت ہر فرد مملکت کے دل میں گھر کیا ہوا ہے۔ اور ہر شخص کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے والہانہ عقیدت ہے۔ اسلئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بارگاہ گیتی پناہ میں تبریک و تہنیت کے تار و مراسلات ارسال کئے گئے تھے۔ جن کے پیش ہونے پر آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا

اس موقعہ پر ہر مسلم و غیر مسلم جماعت و ادارہ نے متفق اللسان مکہ معظم تاجدار برطانیہ سے وفادارانہ التجا کی۔ کہ ذات ہمایوں" یار وفادار سلطنت برطانیہ" تاجدار دکن و برار کو "ہز مجسٹی" کے شایان شان خطاب سے مزید تشکر و امتنان کا موقع دیں۔ اور رعایائے برطانیہ کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اس جائز خواہش کو شرف قبولیت دینے سے دریغ نہ فرمادیں۔

اب اقتضائے" وفا" اور رعایا نوازی یہ ہے کہ دولت برطانیہ اپنی رعایا کی اس متفقہ تمنا کو پورا کرنے میں مزید تاخیر و توقف سے کام نہ لے۔

خدائے برتر و اکبر عز اسمہٗ و سبحانہٗ اعلحضرت حضور نظام اور شاہی خاندان کو اپنے حفظ امن میں رکھے۔ اور دولت و اقبال میں روز افزوں ترقی عطا کرے۔

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

علمائے دکن کے سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے اعلحضرت حضور نظام فرمانروائے دکن و برار نے فرمایا۔ کہ

میں اسلام کا صحیح معنی میں پیرو ہوں۔
اور اسلام ہی کی خدمت میں اپنی زندگی
بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میری دلی تمنا ہے۔
کہ اسلام کے حلقہ اطاعت میں مجھے موت آئے

اعلحضرت کے ان ارشادات میں محبت اسلام کا وہ صحیح احساس موجود ہے۔ جو گدائے بینوا سے لے کر سلطان ذی وقار تک کے دل کو گرما رہا ہے۔ اور ایک مسلمان حکمران ایک ایسی خالص مذہبی جماعت کو مخاطب کرتے وقت انہیں خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ جو اس کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اسلام کا نام سنتے ہی "پرتاپ" کے شذرہ نویس کے ہوش و حواس قائم نہیں رہے۔ وہ "حق آیا اور باطل کی شکست کھانا پڑی" کی عملی حقیقت ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ کہ:۔

حضور نظام نے یہ جواب ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک والئی ریاست کی حیثیت میں دیا ہے۔ اسلئے اگر وہ "اسلام کی خدمت" کی بجائے یہ کہہ دیتے کہ انکی یہ خواہش ہے۔ کہ وہ اپنی رعایا کی بہبودی اور اس کی خدمت میں اپنی عمر گذار دیں۔ تو یہ الفاظ تمام طبقوں کے لئے زیادہ خوشنودی اور کشش کا موجب ہوتے۔

خدا جانے "پرتاپ" کا اس انوکھی منطق سے مطلب کیا

ہے اعتراض کی نامعقول نوعیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ معترض اپنے نظریہ کو خود بھی نہیں سمجھ سکا۔ اس میں شک نہیں کہ حضور نظام کے سایہ حکمرانی میں تمام قومیں آباد ہیں۔ لیکن کوئی مسلمان فرمانروا غیر مسلم رعایا پر حکومت کرتے وقت اپنے ذاتی معتقدات سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص ہر حالت میں اپنے ذاتی مذہب کا احترام کرنے پر مجبور ہے۔ اس کی حاکمانہ حیثیت چاہے کتنی ہی وسیع ہو۔ لیکن وہ اپنے ذاتی مذہب کے دائرہ کو اس وسعت میں مدغم نہیں کر سکتا۔ اسلئے حضور نظام کے ارشادات کسی اصول سے بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتے "پرتاپ" کو شائد معلوم نہیں کہ شہنشاہ برطانیہ کے سایہ حکمرانی میں تقریباً تمام مذاہب کے پیرو کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں۔ لیکن عیسائیت کی طرف سے انہیں "حامی دین مسیح" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور اس خطاب پر کبھی "پرتاپ" یا اس کے دوسرے بے بصیرت دوستوں کو زبان اعتراض کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور حضور نظام نے محبت اسلام کے جذبہ کا اظہار کیا۔ تو "پرتاپ" کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہندو اخبارات اسلام دشمنی کے جوش میں اصول و مسلمات کی بھی پروا نہیں کرتے۔ "پرتاپ" کے اس بے معنی تعرض کی حیثیت اس لغویت سے زیادہ نہیں۔ جیسے کوئی سرپھرا مسلمان یہ کہہ دے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس لئے اس ملک کے مہاراجہ صاحب حکمران ہونے کی حیثیت میں اپنا نام "سر ہری سنگھ" نہیں رکھ سکتے۔ یہ ہندو ہونے کی علامت ان کی ذاتی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

مسلمانوں کی ملی ضروریات سے بے پرواہی ان کی تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی کا سبب ہوئی ان کے تعلیم یافتہ و ناتعلیم یافتہ نوجوان بیکاری و بے روزگاری کے ہاتھوں ناکام و تلخ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں فکر و تدبر کا مادہ ناپید و نابود ہونے لگا۔ ان کی اقتصادی و معاشی حالت روزافزوں پست ہوتی گئی۔

اس کمی کو بارہا متفکر و مدبر، دردمند حضرات نے محسوس کیا۔ اور چاہا کہ اس کا کماینبغی سد باب ہو جائے لیکن حالات نے مساعدت نہ کی۔ اور ملی مفاد کی یہ اہم تجویز ہر بار تخیل کے احاطہ میں محیط رہکر دماغ سے محو ہو جاتی رہی۔ اور ملت دمبدم مغاک ضلالت میں گرتی گئی۔

دو سال ہوئے پنجاب کے چند مدبرین نے اس خیال کو جامۂ عمل پہنانے کیلئے بزم مشاورت قائم کی۔ تجاویز تلب قرطاس پر آئیں۔ مگر دوں ہمتی سد راہ ہوئی۔ اور کوئی نیک نتیجہ اخذ ہوئے بغیر لحد فراموشی میں دفن ہوگئیں "خلافت" اور "احرار" مسلمانوں کی دردمند نمائندہ جماعتیں ہونے کے باوصف اپنے زمانۂ عروج میں اور اس وقت جبکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ اس اہم قومی ضرورت کی جانب متوجہ نہ ہو سکے۔ بلکہ جو کچھ ہاتھ آیا غیر ضروری امور کی نذر کرتی رہیں

مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے بیت المال روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام نے اس کی شدید

تاکید فرمائی ہے۔ ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے صدقات وخیرات کی رقوم بیت المال میں جمع کرنے میں تساہل کیا۔ اسلام نے ان پر حد شرعی مقرر کی۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبرؓ ایسے نرم مزاج اور حلیم الطبع خلیفہ نے ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ فرمایا۔

اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مالی و اقتصادی فرومائگی کی وجہ سے ہر میدان میں پسماندہ ہیں۔ قیام بیت المال کی ازبس ضرورت تھی۔ مسرت کا مقام ہے کہ امام الہند مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے اس ملی ضرورت کی جانب توجہ معطوف کی ہے۔ اخباری اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ گذشتہ دنوں مولانا نے نہایت شاندار طریق پر بیت المال کا افتتاح کیا۔ کلکتہ کے متعدد رئیس شریک افتتاح تھے۔ انہوں نے گہری دلچسپی اور انتہائی سرگرمی کا اظہار کرتے ہوئے بیشقدر رقوم پیش کیں چنانچہ زائد از اٹھارہ ہزار روپیہ اسی وقت جمع ہو گیا یقین کیا جاتا ہے۔ کہ مستقبل قریب میں بیت المال کا سرمایہ لاکھوں تک پہنچ جائے گا۔ صاحب ثروت حضرات کا فرض ہے۔ کہ وہ بیت المال کی فراخدلی کے ساتھ اعانت کریں۔ کہ ملت اسلامیہ کو گریوہ ترقی پر لے جانے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں۔ کہ ان کے عروج کا بڑا سبب تنظیم زکوٰۃ وصدقات بھی تھا اور اگر آج بھی وہ زکوٰۃ اور صدقات کو منظم طریق پر ادا کرنے کی عادت ڈال لیں۔ تو وہ پھر ممتاز ہو سکتے ہیں اور ان کی بے شمار کمزوریاں رفع ہو سکتی ہیں۔

ان حالات میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں اسلامی بیت المال قائم کر کے اسلامیان کلکتہ پر ان کی بہبود و فلاح اور ترقی کی راہ کھول دی ہے۔ خدا کرے مسلمانانِ کلکتہ اس معتبر اور مفید تحریک کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ اور ان کا یہ بیت المال پورے بنگال کے مسلمانوں کی قومی ضروریات کی کفالت کا اہل ہو سکے۔ اور یہ تحریک اتنی وسعت پذیر ہو۔ کہ سارا ہندوستان اور ہندوستان کے تمام مسلمان اس کی اہمیت سمجھ جائیں۔ اور ہر مقام اور ہر جگہ پر باقاعدہ اسلامی بیت المال قائم ہو جائیں۔ اور وہ اس روح کے ماتحت کام کرنے لگ جائیں۔ جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔

ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد بالقابہٗ وزیرِ اعظم باب حکومت حیدرآباد دکن اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اور آپ کی جگہ نواب سر اکبر حیدری بالقابہٗ کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ جنکو خرد و دانش فکر و تدبر میں بہرۂ وافر ودیعت ہوا ہے۔ آپ کی بہترین شخصیت سے دولت آصفیہ کو فوائدِ عظیمہ حاصل ہوئے ہیں حیدرآباد دکن کی اصلاح و فلاح اور ترقی و خوشحالی میں آپکا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔ استرداد برار میں جو خدمات آپنے انجام دی ہیں۔ وہ دولت آصفیہ کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھی جائینگی۔ گذشتہ دنوں جوبلی ہمایونی کی تقریب پر اعلیٰحضرت شہریارِ دکن نے آپکی خدمات کو موزوں الفاظ میں سراہا ہے امید ہے کہ صدرِ اعظم باب حکومت کی حیثیت سے آپ حیدرآباد دبرار کیلئے گوناگوں برکات کا موجب ہونگے۔ ہم اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے پر آپکی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں

جوبلی ہمایونی

یکم ذوالحجہ ۱۳۵۵ھ ۱۲ر فروری ۱۹۳۶ء کا یوم سعید حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے لئے گوناگوں خیر برکت اور انتہائی مسرت کا دن تھا۔ جبکہ بلدہ حیدرآباد عروس رعنا کی طرح جوبلی ہمایونی کی تقریب مبارک کو شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ منانے کیلئے سجایا گیا تھا۔ یہ دن تاریخ حیدرآباد بلکہ تاریخ دنیا میں اپنی بوقلمونیوں کی وجہ سے نمایاں جگہ پائے گا۔ اور ابدالآباد تک یادگار رہے گا۔ اس روز سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیٰحضرت تاجدار دکن و برار کا پچیس سالانہ جشن حکمرانی جس ترتیب سے منایا گیا اس کی تفصیل اخبارات سے یوں معلوم ہوتی ہے۔

رسم افتتاح اسی اسلامی شان کے ساتھ انجام دی گئی۔ جیسا کہ خدا کے ایک ادنیٰ بندہ کی طرف سے ہونی چاہیے۔ یعنی اعلیٰحضرت تمام امتیازی شان و شوکت کی طرف سے نظریں پھیر کر باغ عامہ کی مسجد شاہی میں تشریف لے گئے۔ جہاں اعلیٰحضرت نے سب سے پہلے نماز شکرانہ اور پھر عام مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ اس وقت اعلیٰحضرت کے خاص احکام کے مطابق کسی قسم کا اہتمام و انتظام نہ تھا۔ اعلیٰحضرت جس وقت مسجد میں تشریف لائے۔ تو عام مسلمانوں میں مل گئے۔ اپنی غریب رعایا کے افراد کے ساتھ صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ یہ وقت اسلامی مساوات کا عجیب نظارہ پیش کر رہا تھا۔ خانۂ خدا میں اعلیٰحضرت نے بڑے مجمع کی تعظیم و تکریم کی ممانعت کر دی تھی کیونکہ اعلیٰحضرت خدائے واسع کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے تھے۔ جہاں امیر و غریب شاہ و فقیر سب برابر ہیں۔ نماز دوگانہ ادا کرنے کے بعد اعلیٰحضرت فتح میدان میں تشریف لائے۔

اعلیٰحضرت کی آمد سے قبل تمام امرائے سلطنت و افسران افواج و کشوری اور مہمانان اپنی اپنی نشستوں پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی زرق برق پوشاکیں عجب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ میجر جنرل ہز ہائینس شہزادہ اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار کمانڈر انچیف افواج باقاعدہ دولت آصفیہ معہ اسٹاف کے تمام افواج کی کمان کر رہے تھے جبکہ ٹھیک وقت اعلیٰحضرت مع شہزادی نیلوفر تشریف لائے۔ تمام امرائے سلطنت اور مہمانوں نے تعظیم دی اس کے بعد اعلیٰحضرت جھروکہ شاہی میں تشریف فرما ہوئے۔ پرچم آصفی لہرایا گیا۔ اور حیدرآباد کا قومی ترانہ بینڈ نے بجایا۔ توپخانہ نے توپیں سر کیں۔ اور پیدل سپاہ نے سلامی کی باڑھیں چلائیں۔ اس کے بعد سپاہ نے مارچ پاسٹ شروع کیا۔ مارچ پاسٹ کے وقت جہاں افواج آصفیہ سے اس دلی مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ جو اس موقعہ پر قدرتاً ہونی چاہیئے۔ وہاں فوج کی عسکری تنظیم اور ترتیب کا عمل نمونہ بھی سامنے آ جاتا تھا۔ ہر سپاہی ہشاش بشاش تھا۔ اس کی رفتار میں چستی و مستعدی

پائی جاتی تھی۔ عربی افواج کی بیداری اور فطری بہادری کے جوہر ان کے چہروں سے ظاہر تھا۔ بریڈ ۲ رسالے۔ ۲ پیدل پلٹنیں۔ ۲ توپخانے۔ ایک ٹرانسپورٹ سیکشن۔ ایک بٹالین بے ضابطہ افواج اور جمعیتہ نظامیہ محبوبیہ کی عربی سپاہ۔ حضور نظام کے خاص جیشی محافظ دستہ پر مشتمل تھی۔ عربی دستہ کی پوشاک عجیب دلکش نظارہ پیش کر رہی تھی۔ ان کے رنگ برنگ کے لامال مرصع عبائیں اور سفید جبیں دیکھ کر زمانہ سلف کے مجاہدین کا تصور آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ اس کے بعد پیلی نیلی وردیاں والے وہ محافظ دستے تھے۔ جو شہزادگان والاشان سے متعلق تھے۔ اس کے بعد شاہی جیشی حفاظتی دستہ تھا جس کی سفید پوشاک تھی۔ پھر گولکنڈہ انفنٹری تھی جو نیلی پگڑیاں باندھے اور سفید گنیں زرق برق وردی پہنیں سینہ تان کر چل رہی تھیں۔

مارچ پاسٹ کے بعد تمام افسران افواج شہزادہ اعظم جاہ بہادر کمانڈر انچیف کے پیچھے صف بستہ ہو گئے اور ہز اگزالٹڈ ہائنس کی خدمت میں شہزادہ موصوف نے افواج کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا۔ اور خراج عقیدت ادا کیا۔ جس کا اعلیٰحضرت نے موزوں الفاظ میں جواب دیا۔

اس کے بعد رسالہ کی طرف سے نذر عقیدت پیش کی گئی۔ پھر عربی دستوں نے اپنے کمانڈر کے زیر احکام سلامی دی۔ عرب دستے عربی قومی اور جنگی ترانہ بجا رہے تھے۔ پھر عرب بے ضابطہ افواج کے کمانڈر نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں عربی زبان میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اعلیٰحضرت کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ جس کے ہر فقرہ پر باآواز بلند تمام افواج آمین کہتی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس وقت کی تقریب کے ختم کا اعلان ہوا۔ اعلیٰحضرت تاجدار دکن و برار مراجعت فرمائے کنگ کوٹھی مبارک ہوئے۔ جن کے بعد تمام افسران و وزراء سلطنت اور امرائے دولت آصفیہ کی روانگی ہوئی۔ تمام شہر کی آئینہ بندی کی گئی ہے۔

اعلیٰحضرت تاجدار دکن کو ملک معظم اور وائسرائے ہند کی مبارکبادیاں

میں یور اگزالٹیڈ ہائی نس کی سلور جوبلی کے جشن کے اس موقع کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور آپ کے عہد حکومت کے پچیس سال کی تکمیل پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور آپ کی ذات اور آپ کی مملکت کی آئندہ فوز و فلاح کے لئے مخلصانہ تمنائیں رکھتا ہوں۔

جارج۔ آر۔ آئی۔ امپیریم

وائسرائے ہند کا پیغام یور اگزالٹیڈ ہائینس اپنے بست و پنج سالہ عہد حکومت کی تکمیل پر میری بہت مخلصانہ مبارکبادیاں قبول فرمائیں۔ اور میں آپ کی ذات اور آپ کے خاندان اور آپ کی مملکت کی آئندہ فوز و فلاح کے لئے بہترین تمنائیں رکھتا ہوں۔

دربار شاہی ۱۸ فروری کی شب میں باغ عامہ کو دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ جوبلی ہال جو اسی مقصد کیلئے تیار ہوا ہے۔ اور جس کے متعلق اسٹیسمین لکھتا ہے کہ وہ ایشیا کی بہترین عمارت ہے۔ جو مغل اور مور طرز تعمیر پر بنائی گئی ہے۔ اسے اس طرح آراستہ کیا گیا تھا کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں

۱۴ فروری کی شب کو تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ نے اس جگہ دربار عام منعقد فرمایا۔ باغ عامہ کے درخت رنگ برنگ کے قمقموں سے جگمگا رہے تھے۔ جوبلی ہال بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ باغ کی نہریں اور فوارے بجلی کی چمک اور فلڈ لائٹ کی دمک سے عجیب کیفیت اور نظارہ پیش کر رہے تھے۔ آداب شاہی مغل زمانہ کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ جوبلی ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے کمرۂ استقبال آتا ہے۔ اس کے بعد ہال روم پھر دیوان عام جو قلعۂ معلےٰ دہلی کی طرح سنگ مرمر کا تیار کیا گیا ہے۔ جس کی دیواروں پر سنہری نقوش بنائے گئے ہیں۔ دیوان عامہ میں شہ نشین پر سنہری مرصع تخت رکھا ہوا ہے۔ جس پر اعلیٰحضرت جلوس فرمانے والے تھے۔ چاروں طرف حیدر آباد کے وزراء ممبران کونسل۔ روساے عظام۔ جاگیردار۔ راجگان اور پھر دوسری ریاستوں کے مہمانانِ عظام۔ افسرانِ فوج۔ انگریز مہمان اپنی اپنی زرق برق پوشاکوں میں موجود تھے۔ پھر علمائے کرام سفید علبائیں زیب تن کئے متانت و وقار سے اپنی اپنی جگہ تشریف فرما تھے۔ اعلیٰحضرت کے حبشی محافظ دستے کے لانبے قوی ہیکل جوان سفید مرصع پوشاکیں پہنے سجے سجائے کھڑے تھے۔

اعلیٰحضرت کی آمد ٹھیک ۹ بجے اعلیٰحضرت تاجدار دکن وبرار دربار ہال میں بشکل جلوس جلوہ افروز ہوئے۔ جلوس میں سب سے آگے چار اعلیٰ افسران پولیس تھے۔ پھر اعلیٰحضرت کے مصاحبین خصوصی اس کے بعد ملٹری سیکرٹری۔ درمیان میں اعلیٰحضرت ان کی معیت میں پرنس آف برار شہزادہ والاشان معظم جاہ بہادر۔ ان کے بعد اراکین کونسل آف اسٹیٹ۔

سب سے پہلے اعزازی دستے نے سلامی دی۔ بینڈ نے دولت آصفیہ کا قومی ترانہ بجایا۔ تمام درباری مجرئی بجا لائے۔ مگر تمام شان وشوکت کے مظاہرے میں اعلیٰحضرت کی ذات گرامی اس سادگی کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جسے اعلیٰحضرت پسند فرماتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نہایت سادہ لباس زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔

تخت پر جلوس جس وقت اعلیٰحضرت نے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ حیدر آباد کے سب بینڈ نے پھر حیدر آباد کا قومی ترانہ بجایا۔ تمام حاضرین دربار نے تعظیم کے لئے سر جھکا دیئے۔ اعلیٰحضرت کے جلوس فرمانے کے بعد

سپاسنامہ خیر مقدم ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر یمین السلطنت کرشن پرشاد بہادر صدر اعظم باب حکومت اپنی جگہ سے آگے تشریف لائے۔ اور شہ نشین کے زینہ کے قریب آلۂ جہیر الصوت کے قریب آکر آپ نے ۱½ کروڑ رعایا کی طرف سے اپنے محبوب فرمانروا کی خدمت میں سپاسنامہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ سپاسنامہ اردو میں تھا۔ اور ۶ ہزار الفاظ پر مشتمل۔ جسے ہز اکسیلنسی نے ۴۰ منٹ میں ختم کیا۔

اس عرصہ میں تمام درباریوں پر خاموشی طاری رہی اور آداب شاہی کی وجہ سے کوئی شخص تالیاں نہ بجا سکا۔ ورنہ ناممکن تھا۔ کہ اعلیٰحضرت کی رعایا پروری کے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ انہیں سن کر نعرہ ہائے تحسین نہ بلند ہوتے۔

ایڈریس میں عرض کیا گیا تھا۔ کہ ہم سرکار عالی

کے ایک کروڑ ۴۰ لاکھ افراد بلحاظ مذہب وملت متفقہ
طور پر اعلیحضرت کی جشن سیمیں مبارک کے
موقع پر اپنے دلی اخلاص کے ساتھ ہدیہ مبارکباد پیشکش سلطانی
کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ظل سبحانی کا ۲۵ سالہ عہد معدلت
گستر برکت امن وامان۔ ترقی و مدارج کا زمانہ رہا ہے
اس عہد مبارک کی بہترین یادگاریں ہیں۔

ریزیڈنسی علاقہ کی واپسی اور صوبہ برار پر اعلیٰ
حضرت کے حقوق شاہی کا تسلیم کیا جانا ہے۔ نیز اس
طویل عہد مبارک میں حدود سلطنت آصفیہ میں باہمی روا
داری کا دور دورہ رہا۔ اور رعایا کے ہر فرد نے کامل
آزادی کے ساتھ اپنی قومی ترقیوں کی منازل طے کیں۔
پھر اعلیٰحضرت نے اپنے عہد مبارک میں انتظامات سلطنت
اور بہبودی ملکی کو جس تدبر اور انہماک سے انجام دیا۔
اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اعلیحضرت نے مجالس
انتظامیہ مقرر فرما کر نظام حکومت کو بہتر بنا دیا۔ اور
حکومت کے اہم شعبے صدر اعظم اور دیگر وزراء کے
سپرد کئے۔ پھر ایڈریس میں دولت آصفیہ کی فارغ
البالی، حکومت کے مالی استحکام۔ اسٹیٹ بنک کے قیام
بجٹ کی شعبہ وار تقسیم نوٹوں کے اجراء محکمہ مالیات کا
قیام تجارت۔ صنعت وحرفت وزراعت آبپاشی نقل
وحمل کے ذرائع میں لاثانی ترقیوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

اس کے بعد ہز ایکسیلنسی مہاراجہ بہادر نے ملک
کی جدید سیاسی دور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
ان سیاسی اصلاحات۔ فیڈرل دستور کا تذکرہ کیا
تھا۔ جو عنقریب ہندوستان میں رائج ہونے والا ہے
مہاراجہ صاحب موصوف نے فرمایا۔ کہ اعلیحضرت
کی وفادار رعایا کیلئے یہ امر اطمینان کا سبب ہوا۔
کہ ہماری حکومت کا مقصد یہ ہے۔ کہ دولت آصفیہ
اسوقت تک فیڈریشن میں شامل نہ ہوگی۔ جب تک
کہ وہ اس سے مطمئن نہ ہو جائے۔ کہ حیدرآباد کے
موجودہ ذرائع محاصل میں سے ایک اہم ترین حصہ بھی
فیڈریشن میں شامل ہونے کے بعد ضائع نہ ہوگا۔ اور
یہ کہ اس وقت تک جو اندرونی آزادی اور خاص حقوق
و مراعات حاصل ہیں۔ انہیں بالکل چھوا تک نہ جائے۔

سپاسنامہ کے اختتام کے بعد ہز ایکسیلنسی مہاراجہ
سرکشن پرشاد نے ایک خوبصورت چھوٹا سا طلائی چتر
شاہی نذر کیا جس کی قیمت ۲۵ ہزار تھی۔

نطق ہمایوں ایڈریس کے اختتام پر اعلیٰ حضرت نے
تخت شاہی سے کھڑے ہو کر ایک جوابی تقریر فرمائی
یہ تقریر فصیح و بلیغ اردو میں تھی۔ جس کے دوران میں
ہز اگزالٹیڈ ہائینس نے ۴۰ لاکھ روپیہ مالیانہ میں معافی
کا اعلان فرمایا۔ اعلیحضرت نے اپنے وفادار وزیر اعظم مہاراجہ
سرکشن پرشاد اور نواب سر اکبر حیدری ممبر مالیات کی
مساعی جمیلہ کا اعتراف فرماتے ہوئے انہیں مبارکباد دی۔

تصفیہ برار اور جدید کل ہندی دستور کے
ساتھ حیدرآباد کے طرز عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے
اعلیحضرت نے فرمایا۔ کہ میں مسئلہ برار کے تصفیہ سے
مطمئن ہوں۔ نیز ان گفتگوؤں سے مطمئن ہوں۔ جو
موجودہ سیاسی تبدیلیوں کے متعلق ہوئی ہیں۔

اور ان کوششوں سے مطمئن ہوں - جو حیدرآباد کے اندر موجودہ اصولوں اور مملکت کی خصوصیات کے تحفظ کے لئے ہو چکی ہیں - اور ہو رہی ہیں - جن کے لئے میں مزید تفصیلات میں نہیں جاؤنگا -

اپنی تقریر میں اعلیحضرت نے کاشتکاروں کی مشکلات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا - کہ میں اور میری حکومت کسانوں کی اقتصادی اور سوشل ترقیوں کے لئے خاص دلچسپی رکھتے ہیں - مجھے اپنی رعایا کے غریب کاشتکار طبقہ سے بے انتہا محبت ہے - میں یہ اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں - کہ میری حکومت نے سفارش کی ہے - کہ لگان اور تقاوی کی باقیات میں ۴۰ لاکھ کی معافی دی جائے - میں اسے منظور کرتا ہوں -

اعلیحضرت نے دولت آصفیہ کے مالی استحکام پر پورا اظہار اطمینان فرمایا اور اس کے لئے سر اکبر حیدری کی تعریف کی - پھر اعلیحضرت نے ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد کی خدمتگزاریوں کا تذکرہ فرمایا - اور شاہی تقریر کے اختتام پر دربار برخاست ہوا -

جریدۂ غیر معمولی اعلیحضرت قدر قدرت فخر سلطنت مصلح حکومت، محب ملت، مطلوب رعیت مدظلہ العالی کا پیام میمنت فرجام خیر خواہان اور جاں نثاران دولت کے نام بالفاظ ذیل جریدۂ غیر معمولی مطبوعہ یکم ذوالحجہ ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا ہے -

آج کے دن میں اپنے حق میں مبارک و مسعود خیال کرتا ہوں - کہ الحمد للہ والمنہ از روئے ۱۸۹۶ء میں اپنی عمر کے (۵۰) منازل طے کر چکا ہوں - جس میں سے کامل (۲۵) سال میرے دورِ حکومت کے مہتم بالشان واقع ہوئے ہیں - اور اس عرصہ مدت میں میں نے اپنے فرائض منصبی کا جو کہ ایک والیٔ ملک سے تعلق رکھتے ہیں - اپنی بساط کے موافق انجام دیا ہے - چنانچہ مسرت و بہجت اس سلسلہ میں ہر طرف دکھائی دے رہی ہے - یہ خاص اسی کا سبب ہے - دوسری طرف میری عزیز رعایا و برایا نے اس خاص مدت میں جو غیر متزلزل طریقہ پر بہی خواہی و خیر سگالی کا ثبوت دیا ہے - وہ بلا شک آپ اپنی نظیر ہے - جس کو نہ میں صرف قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں - بلکہ تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا - اللّٰہم زد فزد

الی اصل درگاہ مجیب الدعوات سے ملتجی ہوں کہ وہ جب تک اس بارِ گراں کو میرے کمزور دوش پر رکھنا پسند کریگا - تو اس کے ساتھ ہی مجھ کو اس کا متحمل بنانے میں فراخدلی سے کام بھی لیتا رہیگا تاکہ میں مخلوق خدا کی خدمت کما حقہ ادا کر کے اپنے ملک و خاندان کے لئے ایسی یادگار چھوڑ جاؤں جو کہ میری آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے باعث صد فخر و نازش و قابل تقلید بن سکے -

زیادہ دعا و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والسلام علیکم بالمجد والتکریم -

---

جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا لازمی ہے -

"مینجر"

۵۹۶

حضور نظام اور برار

(جناب اصغر حسین خاں نظیرؔ - لدھیانہ)

ساقی بہ پاس خاطرِ دلدادۂ برار
ساغر نظر فروز کن از بادۂ برار

پیمانہ و سبو لب جوئے چمن بیار
دریاد شہریار برار و دکن بیار

آصف فروشکوہ زپروردگار یافت
شاہِ دکن سیادت ملکِ برار یافت

اے خطۂ برار بہ ایام خود بہ ناز
تا آسماں رسید سرت از درِ نیاز

خنداں جبیں زحلقۂ آلام آمدی
تو زیر سایۂ شہ اسلام آمدی

تذکرۂ برادری

"انتشار قومی کا علاج" کے تحت مخدومی پیر
غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی سجادہ نشین نے تکمیل شجرہ
نسب کی ضرورت و اہمیت پر فاضلانہ طریق پر خامہ فرسائی
کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ کہ مودت فی القربےٰ کا یہی ایک
وسیلہ ہے۔ اور خاندانوں کے تحفظ نسب سے محفوظ رہنے کا
یہی ایک ذریعہ عزیز نظیر نے جو دردمندانہ صدا بلند کی
اگرچہ بعض کوتاہ اندیش حضرات کو وہ ہضم نہیں ہوئی۔
مگر بات ضرور پتے کی تھی۔ مولانا نامی کا مضمون گذشتہ
اشاعت میں درج کرتے ہوئے ہم نے اس کے تحت
اعلان کر دیا تھا۔ کہ ہم نے اپنے خاندانی نسب نامہ اور
تاریخی کوائف کی ترتیب شروع کر دی ہے جن حضرات
کے پاس قابل اندراج تاریخی ذخیرہ موجود ہو۔ وہ ارسال
کر کے مشکور فرمائیں۔ مقام مسرت ہے۔ کہ معاملہ فہم اور
نکتہ سنج حضرات نے توجہ فرمائی ہے۔ خود ہمارے پاس
کافی مواد موجود تھا۔ اس لئے بہت سی ترتیب ہو چکی
ہے۔ اور اسے جلد ختم کرنے کی سعی کی جائے گی۔ لہٰذا
احباب ترسیل حالات میں عجلت فرمائیں۔

ایک پونچھی کرم فرما جن کے دل میں درد کا بحر ذخار
لہریں لے رہا ہے مختلف قابل اشاعت مراسلات اور
مضامین میں عباسی سرداران پونچھ کی توجہ "القریش"
کی اعانت و امداد کی جانب معطوف کرا چکے ہیں۔ گذشتہ
اشاعت میں آپ کا ایک درد بھرا مراسلہ "تذکرہ برادری"
کے تحت شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے مطبوعہ مراسلات
مشائخ علیہ حضرات کی نظروں سے بھی گذرتے ہیں۔
لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے۔ کہ ان پر عملی توجہ نہیں
دی جاتی۔ ہمیں عباسی سرداران پونچھ کی قومی حمیت سے
اس بے رخی کی قطعی توقع نہ تھی۔ امید ہے کہ وہ اپنے
قومی جریدہ کی توسیع اشاعت کی جانب متوجہ ہو کر
ایک اہم قومی فریضہ سے عہدہ برا ہوں گے۔

مکرمی پیر امیر علیشاہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ
انتشار قومی کی دردناک داستان کے تحت ایک
درد انگیز خط، مطبوعہ نومبر ۱۹۳۶ء اور "انتشار قومی
کا علاج" مندرجہ فروری ۱۹۳۷ء دونوں میری نظر
سے گذرے۔ بغور مطالعہ کیا۔ نظیر صاحب نے اول الذکر
مضمون میں جو دردناک حقائق بیان فرمائے ہیں۔ اور
نامی صاحب نے اس مہلک مرض کا جو علاج تجویز کیا ہے
لاریب وہ ہی خواہان قوم کے دردمند قلوب کو گرمائے
بغیر نہیں رہ سکتے۔ شجرہ کی ترتیب و طباعت اگرچہ
مشکل نہ ہونے کی صورت میں مشکل ہے۔ اور اتنا مشکل
نہیں۔ کہ نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی ایک فرد محنت و کاوش
سے اس خدمت میں عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ
دوسری بات جو امیر قوم کے متعلق فرمائی ہے۔ پیروں

کی اس قوم میں کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ جہاں ہر گھر میں کئی پیر موجود ہوں۔ وہاں قوم کا ایک امیر کیونکر ہوگا۔ اور یہ پیر صاحبان کب گوارا کریں گے کہ کسی امیر کو تجویز کریں۔ اور پھر اس کے تابع فرمان بھی ہوں۔ چھوٹے موٹے تنفیوں کے فیصلوں کا بھی اسے اختیار دیں۔ اور پیکے سے تعمیل ارشاد پر بھی آمادہ ہو جائیں۔ معاف رکھئے گا۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

قومی ضروریات کے پیش نظر اور محترم مدیر القریش کے تنظیمی مشوروں سے ایک دن جنون تنظیم جو ہوا میں نے اپنے نواح کی برادری کو دعوت جلسہ دی۔ بڑی تکلیف فرمائی۔ تشریف لے آئے۔ جب اصلاحی اور تنظیمی امور پر تذکرہ ہونے لگا۔ تو ایک نے اپنے تقسیم اراضی کے تصفیہ کی داستان چھیڑ دی۔ بٹواری کو کوسا۔ حصہ داران پر آوازے کسے۔ دوسرے نے تنبول کی عدم وصولی کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اور اس میں ایک ایک کا کچا چٹھا پیش کرنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا بھائی یہ سب عدم تنظیم کی وجہ سے ہی اگر برادری منظم ہو۔ اس کا کوئی مرکز ہو۔ تو یہ تصفیے نہایت آسانی کے ساتھ طے ہو سکتے ہیں۔ اتنے میں پیر صاحب حقہ لیکر ایک طرف ہو گئے۔ اور فرمایا۔ کہ میاں تنظیم تو حکومتوں سے نہ ہو سکی۔ خدا سے نہ ہو سکی۔ کوئی کام ہوتا تو بلاوا بھی دیتے۔ گویا پیر صاحب کے لئے قومی تنظیم کے مسئلہ پر غور کوئی کام ہی نہ تھا۔ جس کیلئے انہیں بلاوا دیا گیا۔ اور وہ توجہ دینے کی زحمت برداشت کرتے۔ ادہر پیران فیروز پور ہیں۔ کہ جلسہ کا اعلان کرتے ہیں۔ ایک نہیں دو نہیں کئی ماہ تک القریش کے اوراق قومی اجلاس کی اشتہارات مزین ہوتے ہیں۔ صدارت کی تجاویز تکمیل پاتی ہیں۔ لیکن نتیجہ ؟ وہی ڈھاک کے تین پات۔ اب نہ داعی اور نہ استقبالیہ کمیٹی۔ نہ وہ معلن اور نہ مشتہرین۔ خدا اس قوم پر رحم کرے۔ محترم بھائی صاحبان اس صاف بیانی پر مجھے معاف فرمائیں۔ کیا اسی برتے پر عروج و ارتقا اور اصلاح قوم کی امیدیں وابستہ ہیں۔ جی چاہتا ہے۔ کہ بہت کچھ لکھوں۔ اور دوائر دل بخت قوم پر پر کھول کر رکھ دوں۔ مگر کوئی دل پسیجنے والا بھی ہو۔ قومی درد لاعلاج ہوتا جاتا ہے۔ اپنی اپنی پگس میں سب گراہ رہے ہیں۔ مگر کوئی چارہ کار نہیں۔

گر یہی ہے اس گلستاں کی ہوا
شاخ گل اک روز جھونکا کھائیگی

قومی ضروریات کے پیش نظر کوشش کی گئی تھی۔ کہ فاضلکا کے مقام پر ایک قومی اجلاس منعقد کیا جائے ریاست بہاولپور۔ منٹگمری۔ فیروزپور۔ ملتان۔ امرتسر جالندھر مقامات کیلئے فاضلکا ایک سنٹر تھا۔ جہاں بآسانی اجتماع ہو سکتا تھا۔ فخر قوم عالیجناب کرنل مقبول حسن صاحب بالقابہ وزیر حضوری اعلیحضرت والئے بہاولپور نے صدارت بھی قبول فرمالی تھی۔ واقعات بالتفصیل ساتھ ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں یہ اجلاس اگر منعقد ہو جاتا تو قوم کے لئے گوناگوں فوائد کا موجب ہو سکتا تھا۔ اور ایک ایسے سلسلہ کے

قیام کی توقع تھی۔ جس سے بہر نوع مفید اور بہترین نتائج
مرتب ہو سکتے۔ لیکن احساس کے فقدان سے داعی
حضرات کو ذاتی ضروریات کی الجھنوں میں اس قومی
ضرورت سے بالکل بے پروا ہو گئے۔ اور ہوتے ہوتے
جوش عمل سرد ہو گیا۔ جس کا ہمیں سخت صدمہ اور کمال
ملال ہے۔ مقتدرین سرانواں اور معتمدین فیروزپور توجہ
فرمائیں۔ تو اب بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا ہے۔ کہ
ان کے خون میں کچھ حرکت پیدا کر دے۔

بلاشبہ حضرات قریش کی یہی کیفیت ہے۔ جو
پیر امیر علی شاہ صاحب نے فرمائی ہے۔ اور بعض افراد
تو ایسے ہیں۔ جنہیں ہر اصلاحی مسئلہ سے چڑ ہے۔ خدا
ہدایت دے اور حامی و مددگار ہو۔ آمین!

سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلیٰحضرت
حضور نظام تاجدار حیدرآباد و برار کے جشن سیمین کی
تقریب سعید کے سلسلہ میں ۱۷ فروری ۱۹۳۷ء کو دفتر
القریش میں قومی مرکز ندوۃ القریش کی مجلس عاملہ کا
اجلاس صبح دس بجے منعقد ہوا۔ صدر مجلس (مدیر القریش)
نے جہاں پناہ کے پچیس سالہ دور فرمانروائی پر ایک جامع
تقریر فرمائی۔ حیدرآباد اور قلمرو دے آصفیہ کی گوناگوں
ترقیوں پر ایک بسیط تبصرہ کیا۔ اور برار پر مورخانہ
دبصرانہ روشنی ڈالی۔ عالم پناہ کی معارف نوازی،
عدل گستری رعایا پروری اور رواداری پر وہ نظمیں پڑھیں
جو جریدہ القریش (جوبلی نمبر) مطبوعہ دسمبر میں شائع
ہو چکی ہیں۔ آپ کے بعد چیف سیکرٹری (شبلی) صاحب
نے تبریک و تہنیت کی ان تمام قرار دادوں کو دہرایا
جو ۱۵ نومبر ۱۹۳۶ء کے اجلاس عام میں بالاتفاق
منظور ہوئیں۔ اور القریش میں شائع ہو چکی ہیں۔
شہنشاہ معظم دولت برطانیہ سے وفادار رعایا ہونے
کی حیثیت سے پر زور التجا کی گئی۔ کہ وہ "یار وفادار
سلطنت برطانیہ" اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ
وسلطنتہٗ کو "ہز مجسٹی" کا شایان شان خطاب دے کر
ہمیں تشکر و امتنان کا موقع دیں۔

قرار دادوں کی نقول اخبارات کو بغرض اشاعت
اور شہنشاہ معظم دولت برطانیہ اور اعلیٰحضرت ظل سبحانی
حضور نظام کی خدمات جلیلہ میں بصیغہ تار ارسال کرنے
کی تجویز منظور ہوئی۔ اور تجویز ہوا۔ کہ رات کو چراغاں
کیا جائے۔ اور مجلس کی طرف سے غربا و مساکین میں
کھانا تقسیم کیا جائے۔

القریش "جوبلی نمبر" کو کسی خاص اہتمام سے
شائع کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ اور نہ اخراجات اس
بات کے متحمل ہو سکتے تھے۔ کہ اسے عکسی تصاویر اور
دیگر لوازم کے ساتھ شائع کیا جاتا۔ تاہم مسرت کا
مقام ہے۔ کہ قدردانان القریش نے اسے بہت پسند
کیا ہے۔ اور اس کی ترتیب پر حوصلہ افزا خطوط کی
ترسیل سے ہماری عزت افزائی کی ہے۔ جس کے لئے
ہم ان کے بدل مشکور ہوں۔ مکرمی ناظر حسین صاحب
دہلی سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "جوبلی نمبر" عام اخبارات
کے مخصوص نمبروں کی طرح ضخیم تو نہیں۔ لیکن اس

کے مضامین اتنے جامع اور مستند معلومات پر مشتمل ہیں کہ کویا کوزہ میں دریا ہے۔ محترم رفیق احمد صاحب علوی اور امین الدین صاحب ہاشمی نے اسی قسم کے الفاظ سے "جوبلی نمبر" پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

جن معاونین کرام کا سال خریداری فروری اور مارچ میں ختم ہوتا ہے۔ وہ از رہِ حمیت قومی اپنا اپنا زرِچندہ سال آیندہ کے لئے بذریعہ منی آرڈر ارسال کرکے مشکور فرماویں۔ جن احباب کے وی پی گذشتہ جنوری میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے واپس آگئے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے بذریعہ خطوط زرچندہ بصیغہ منی آرڈر ارسال کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ بعض احباب کی رقوم موصول ہوگئی ہیں۔ اور بعض کی ہنوز باقی ہیں۔ وہ توجہ فرمائیں۔ اور اپنے قومی رسالہ کی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے مزید یاددہانی یا جدید وی پی کی انتظار نہ فرماویں۔ اپنی رقوم ارسال فرمائیں اور توسیع اشاعت کی مزید مساعی سے ایک قومی فریضہ سے عہدہ برا ہوں۔

بعض قلمی معاونین مقاصد کے خلاف منظوم و منثور مضمون ارسال فرماتے رہیں۔ اکثر طویل اور بے ربطگی ہوتے ہیں۔ اور اس پر عدم اندراج کی شکایت بھی ہوتی ہے۔ ایسے احباب کو واضح رہنا چاہیئے۔ کہ ایک قومی اور اصلاحی رسالہ میں عشقیہ نظمیں مخرب اخلاق فسانوں کی اشاعت کی گنجائش ممکن نہیں۔ احباب اس قسم کے مضامین کی ترسیل کی زحمت نہ کیا کریں۔

مصری نوجوانوں کے مذہبی رجحانات

ہمیں یہ خبر سنکر بیحد مسرت ہوئی ہے۔ کہ مصر کے نوجوان مذہب کی طرف آتے جا رہے ہیں۔ اور سیاسی بیداری کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب مذہب کی اہمیت کو بہت زیادہ محسوس کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اس بات کے بیحد خواہشمند ہیں۔ کہ حکومت کے تمام آئین و ضوابط مذہب کی روشنی میں وضع ہوں۔ پچھلے ہفتہ انہوں نے ایک عظیم الشان جلسہ میں اپنی دلی آرزوؤں کو شہد عام پر پیش کیا۔ اور ایک نمائندہ کمیٹی اس قسم کی بنائی جو سلطنت کے آئین کو مذہب کے مطابق بنانے کیلئے اپنی سفارشات پیش کرے۔ اس اجلاس میں یہ بھی متفقہ طور پر طے پایا کہ کمیٹی کی رپورٹ اتفاقاً پارلیمنٹ کے پاس بھیجی جا اور ان سے پرزور مطالبہ کیا جائے۔ کہ وہ اسے منظور کریں۔

اس کمیٹی کی تشکیل کے علاوہ نوجوانان مصر نے الفاروق الاول شاہ مصر کے حضور میں ایک عرضداشت بھی روانہ کی۔ اور لکھا کہ مصر کے ہزارہا نوجوانوں کا یہ اجتماع عظیم متفقہ طور پر اعلیحضرت کی خدمت میں اس بات کی درخواست کرتا ہے۔ کہ اعلیحضرت آزاد مصر کے آئین سلطنت کی اساس اسلامی شریعت کے اصولوں پر رکھیں۔

نوجوانان مصر کی اسلام سے یہ شیفتگی اور محبت اس صورت میں اور زیادہ قابل داد اور مستحق ستائش ہو جاتی ہے جبکہ ہم یہ دیکھ رہتے ہیں۔ کہ انکا ماحول اس قسم کے جذبات کی پرورش

۵۶

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
در نبشت است پند بر دیوار

(۱)

اگر خدا نے تجھکو سر دیا ہے۔ اور اس سر میں فہم وادراک کا مسکن ہے۔ تو حق و باطل کی تمیز پیدا کر اور ان لوگوں کو راہِ حق دکھا۔ جو خود دیکھنے سے معذور ہیں۔ اگر تو اپنے سر کو سرافراز دیکھنا چاہتا ہے تو سچے سجدے میں سر جھکا دے وقفِ نیاز ہو جا

(۲)

اگر خدا نے تجھ کو آنکھیں دی ہیں۔ تو ان کو دیکھنے سکھا جا دیکھا کی تمیز پیدا کر اور ان نظاروں سے پرہیز کر جن کا نتیجہ تیرے ضمیر کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایسے مناظر نہ دیکھ جنہیں تیرا مذہب اور اخلاق خوب نہیں سمجھتے اور جن سے دوسروں کے حقوق کی پامالی اور تیری روحانیت کے فنا ہونے کا خطرہ ہے۔

(۳)

اگر خدا نے تجھ کو کان دیئے ہیں تو ایسی آوازوں سے دور بھاگ جن سے تیری روح مجروح ہوتی ہے ایسی باتیں نہ سن۔ جن سے تیری معصومیت کے پاش پاش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ دوسروں کے متعلق ان الفاظ کو سننے سے احتراز کر جو اپنے متعلق روا نہیں رکھ سکتا۔

(۴)

اگر خدا نے تجھ کو زبان دی ہے۔ تو یاد رکھ زبان دنیا میں نہایت خطرناک چیز ہے۔ بتیس دانتوں کی نگرانی بتا رہی ہے۔ کہ زبان کے لئے کتنی سخت گیری کی ضرورت ہے۔ یاد رکھ کہ تیرے الفاظ جنہیں تو فضا میں منتشر ہوتا دیکھ لیتا ہے۔ در حقیقت ایک قسم کے بیج ہیں۔ جو ایک خاص وقت کے بعد خوبصورت پھولوں اور بدنما کانٹوں کی صورت میں اپنے نتائج کے ساتھ تیرے راستہ کو خوشگوار اور تکلیف دہ صورت میں تیرے سامنے لاتے ہیں۔ زندگی کی مختلف منزلوں میں تیرے الفاظ تیرے ساتھ رہتے ہیں۔ [illegible] پرہیز کر لیسے الفاظ سے جو تیرے لئے تکلیف دہ ثابت ہوں۔ کسی پر بے جا الزام نہ لگا۔ نکتہ چینی سے درگذر۔ غیبت سے پرہیز کر اور کسی شخص کے متعلق [illegible] حاضری میں ان الفاظ کو نہ دہرا جو اس کی [illegible] دہرانے کو تیار نہیں۔ اپنی زبان کو راست گوئی کی تعلیم دے۔ اور جس قدر الفاظ تو سنتا ہے۔ ان میں سے [illegible] بول اس لئے کہ کان دو ہیں اور زبان ایک۔

اگر تجھ کو خدا نے ہاتھ دیئے ہیں، تو [illegible]

"وحدت سوال" بنا کر ان کی توہین نہ کر۔ تیرے ہاتھ تیری روزی کے ضامن ہیں۔ ان کو جائز اور حلال طریقے سے استعمال کر۔ مظلوموں کی حمایت کر۔ بیکسوں کی دستگیری۔ والدین کی خدمتگزاری۔ بزرگوں کے پاؤں دبا۔ اور خوردوں کے سر پر ہاتھ۔ یتیموں اور بیواؤں کی امداد کر، اپنے مذہب کی حفاظت کر۔ اپنے مذہب کے دشمنوں سے انتقام نہ لے۔

(۶)

اگر تجھ کو زمانے دل دیا ہے۔ تو اس دل کو خدا ترسی سکھا۔ دل خدا کا مسکن ہے۔ اس لئے اس میں ایسے خیالات نہ رہنے دے۔ جن سے دل کی معصیت فنا ہوتی ہے۔ پہلو میں دل رکھ۔ صاحب بننے کی کوشش کر اور بنی نوع انسان کے حقوق کی پامالی نہ کر۔ اپنے دل کو دلسوزیاں سکھا۔ ہمدردی کی تعلیم دے۔ اور دوسروں کے دکھ درد میں کام آ۔ محبت کا شعلہ اپنے دل کی خلوت میں مشتعل کر۔ اور اپنی روح کو بیدار کرے۔ اپنے دل کو خون بنا سکھا۔ آنسوؤں میں منتقل ہونے کی ہدایت کر اور ان آنسوؤں کے مہین پردے سے جمال یار کی نیرنگیاں دیکھ۔

اگر تو اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔ تو میں تجھے یقین دلاتا ہوں۔ کہ تو نے صحیح انداز سے ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کیا جو تجھے دی گئی تھیں۔ اٹھ اور اولین فرصت میں اپنے فرائض کا احساس کر۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تیرا منتظر ہے۔ اور تیری ہمنوائی پر کمربستہ۔

(شمس الدین کیفی)

انتخاب الاخبار

لنڈن۔ ۹ر مارچ۔ برطانی ایوان عام میں پوسٹ ماسٹر جنرل نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ کہ شاہ جارج ششم کی تصویر والے ٹکٹ جشن تاجپوشی یکم تیار ہو جائینگے۔ پہلی دفعہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ کروڑ ٹکٹ بنائے جائینگے۔ نیز جشن تاجپوشی کے یادگار ٹکٹوں کا مسئلہ بھی جو عام ٹکٹوں سے بڑے ہوں گے۔ خاص توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ (برطانی لاسلکی

نوجوان روس کو جنگی تربیت دینے کے لئے

یکم فروری سے ماسکو میں کیمیاوی جنگ کی تربیت دینے کیلئے

یکم فروری سے ماسکو میں کیمیاوی جنگ کے طریقوں کا مظاہرہ ایک بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا ہے۔ دو لاکھ طلباء اس مظاہرہ میں شرکت کر رہے ہیں۔ ان مظاہروں کے لیڈر کرنل کیرد لو نے اعلان کیا۔ کہ عورتوں کو کیمیاوی جنگ کی تعلیم دینا بہت لازمی ہو گیا ہے۔ کیونکہ اغلب ہے۔ کہ روس کے تمام نوجوان مرد کو سرخ فوج میں بھرتی ہونا پڑے گا۔

سیّد الشہداء کی شہادت

(از جناب مولینا محمد عظیم صاحب)

سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت سے بہت سی مفید اور قیمتی باتوں کا سبق اہل دنیا کو دیا۔ اور سچ پوچھئے تو اپنے نانا جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ کی جیسی پاک تصویر آپ نے عملی رنگ میں دکھائی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔

ثابت قدمی۔ آپ نے باوجودیکہ ایک بڑے زبردست دشمن سے مقابلہ تھا۔ تمام دوست و احباب سمجھاتے تھے۔ ابو واقد لیثی، جابر بن عبد اللہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ عبد اللہ ابن عباس بھی بہت سمجھاتے تھے۔ مگر ثابت قدمی و اولو العزمی کا وہ پاک نمونہ دکھایا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر سے خاموش ہے۔

توکل و اخلاص۔ آپ نے باوجود اکیلے ہونے کے اپنے معدودے چند ساتھیوں کے شہید ہو جانے کے بعد وہ شجاعت و بہادری دکھائی کہ دشمنوں کے دل کانپ گئے۔ مخالفوں کے لشکر کو درہم برہم کر دیا دشمن لاکھوں کی تعداد میں ہوں۔ اور ایک شخص ان کے نرغہ میں گھرا ہوا ہو۔ تو ایسے موقع پر کسی بہادر کا تمام دشمنوں کا مقابلہ کرنا کیا کچھ شجاعت و بہادری ہے اللہ اللہ یہ سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام ہی کا حصہ تھا۔ کہ آپ نے ثابت کر دیا۔ کہ بہادر کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔

استقلال۔ آپ نے استقلال و استقامت اور خدا تعالیٰ پر توکل و اخلاص کا وہ سبق سکھایا۔ کہ جس کی مثال ڈھونڈنی امر محال ہے۔ ایسے موقعہ پر کہ آپ کے حق ہو گیا ہے۔ اور حقانیت اٹھ گئی ہے۔ لیکن میں حق پر مرنے کو سعادت جانتا ہوں۔ اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو جرم و شقاعت سمجھتا ہوں۔ (احیاء العلوم) سچ ہے ؎

سر داد و نداد دست در دست یزید
واللہ کہ بنائے لا الٰہ است حسین

صبر و رضا۔ شکر و تسلیم تو آپ کی شہادت کے خاص جزو ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے صابر و شاکر پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے خدا کے بندے مقام شکر و تسلیم میں پہنچے۔ مگر جس اعلیٰ مقام پر آپ پہنچے۔ اس کی نظیر انبیاء علیہم السلام کے حالات میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ ننھے ننھے بچوں کا العطش کی فریاد کرنا۔ شیر خوار صاحبزادے حضرت علی اصغر کا آپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دینا کیا کچھ کم حوصلہ شکن بات تھی۔ مگر واہ رے آپ کا صبر و شکر آپ نے ان مصیبتوں پر بھی صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ دیا۔ اور لکھا ہے کہ آپ نے اپنے پیارے بیٹے کی نعش کو زمین پر رکھ کر بیٹے کے خون ناحق سے رنگین

ہوجانے والے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا۔ اور آسمان کی
طرف سر اٹھا کر فرمایا۔ پروردگار! حسین اب بھی صابر ہے
اور تیری مرضی پر راضی۔ مختصر یہ کہ آپ کی شہادت اس قسم کے
بہت سے مفید اور عملی سبق اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس قدر اس واقعہ
کی یاد تازہ رہے۔ کاش اسی قدر اگر اس سے مسلمان فائدہ اٹھاتے
اور عبرت اور سبق سیکھتے تو آج دنیا میں ان کی عزت و عظمت
ہوتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم انحطاط پذیر ہوتی
ہے۔ اور اس سے آثار ترقی مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ تو
وہ ان ممتاز خصوصیات سے دستبردار ہو جاتی ہے جنہوں
نے کبھی اس کو بام ترقی پر پہنچایا تھا۔ اور ان کو اس طرح
کھو بیٹھتی ہے جس طرح وہ کبھی اس قوم میں تھیں ہی نہیں
زمانہ نے اسلام پر بھی کلیہ کو صادق کر دکھایا۔ مسلمان
جو صدیوں کی غفلت کے بعد کچھ بیدار ہوئے ہیں۔ تو
انہوں نے ترقی کے لئے وہ راہ اختیار کی ہے۔ جو اغیار
و اجانب نے اپنے مذہبی مقاصد کے لحاظ سے تیار کی تھی۔
کاش مسلمان اسی واقعہ شہادت امام حسینؓ پر غور کریں۔
کہ دنیا کا کوئی مشہور شخص آپ سے بڑھ کر ہمت و جوانمردی
شجاعت و بہادری، توکل و اخلاص، صبر و رضا، استقلال
و استقامت، ثابت قدمی، والوالعزمی، امر بالمعروف
پابندی نماز و اطاعت حق، حق پر مرنا، اور راہ خدا میں جان
دینا، دنیا سے بے رغبتی وغیرہ امور میں بڑھ کر مثال کر سکتا ہے

حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاک خصائل
و عادات جو ان کو اپنے نانا جناب حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثۃً پہنچے تھے۔ ان میں سے
انتقام کے درگذر کرنے، رحم و عفو سے کام لینے کا یہ
حال تھا۔ کہ اس زہر کے اثر سے جو دشمنوں نے آپ کو
دھوکے اور فریب سے کھلایا تھا۔ یہ حال ہو گیا تھا۔ کہ
آپ کا جگر اور آپ کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دستوں
کے ذریعہ نکلتی تھیں۔ اس سخت تکلیف و مصیبت اٹھانے
کے بعد جب آپ کا وقت وصال قریب آیا۔ تو چھوٹے بھائی
حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے۔ اور آپ نے
آکر پوچھنا شروع کیا کہ بھائی! مہربانی فرما کر آپ مجھ کو بتلادیں
کہ آپ کو کس نے زہر پلایا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا
حسین کیا تم اس کو مارنا چاہتے ہو؟ حضرت امام حسین علیہ السلام
نے فرمایا۔ کہ "ہاں" بیشک میں اس کو مارونگا۔ آپ نے
فرمایا۔ کہ لَئِنْ كَانَ صَاحِبِيَ الَّذِي أَظُنُّ اللّٰهُ أَشَدُّ نِقْمَةً
وَاِنْ لَمْ يَكُنْهُ مَا اُحِبُّ اَنْ تَقْتُلَ بِي بَرِيئًا (سر الشہادتین)

ترجمہ:- (اے حسین) اگر میرا وہی قاتل ہے۔ جو
میرے گمان میں ہے۔ تو اللہ تعالی بڑا بدلہ لینے والا ہے۔
اور اگر وہ قاتل نہیں جس پر میرا گمان ہے۔ تو میں نہیں چاہتا
کہ تم بے گناہ کو میرے واسطے مارو۔

اللہ اکبر آپ کس قدر پاک اخلاق کے مالک تھے ؎

واہ کیا علم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہوا
پھر بھی ایذائے ستمگر کے روادار نہیں

کاش ہم مسلمان بجائے فرضی ماتم کرنے کے ان کے
پاک اخلاق سے پورا پورا سبق سیکھ کر اسلامی صداقت
کے اخلاق کا زندہ نمونہ بنیں۔ تاکہ ہماری ہمسایہ قومیں
جو روحانیت کی پیاسی ہیں۔ اسلامی چشمۂ حیات سے
سیراب ہونے کے لئے آگے بڑھیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

وزارت پنجاب کی جدید تشکیل

ابکے الیکشن جسقدر ہنگامہ خیز ہوا ہے۔ اسکی اجمالی کیفیت گذشتہ اشاعت کے ایک شذرہ میں ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ہر امیدوار جو میدان مقابلہ میں آیا۔ اپنی موہوم امیدوں پر اندھا دھند زر نقد خس و خاشاک کی طرح بکھیرتا ہوا وزارت کی عروس زیبا سے ہمکنار ہونے کے لئے بیتابانہ سعی و جہد میں مصروف عمل تھا۔ اور خوشامد، چاپلوسی، انکساری و عاجزی کے مظاہرہ میں اپنے مدمقابل پر فوقیت لیجانے کے لئے ساعی، قدرت کی حمایت اور قسمت کی مساعدت سے جو اپنے حریفوں کو پچھاڑتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے وہ آتش شوق تیز گردد کا مجسمہ بن کر شاہد رعنا کی انتظار کھینچنے لگے۔ آخر نوشتۂ تقدیر نمایاں ہوا۔ تو لوح پیشانی پر نقوش ذیل مرتسم نظر آئے۔ یعنے

نواب سکندر حیات خاں

سردار بہادر سردار سندر سنگھ

راؤ بہادر چودھری چھوٹو رام

نواب زادہ ملک خضر حیات خاں ٹوانہ

میاں عبدالحی ایڈوکیٹ

مسٹر منوہر لال بیرسٹر ایٹ لاء

ششش معتمدین کو قلمدان وزارت تفویض ہوئے۔ حکومت کا نظم و نسق ان کے ہاتھ ہوگا۔ انتہا پسند جماعتوں کے نزدیک یہ انتخاب بہترین انتخاب نہیں۔ بعض اخبارات نے اس پر خوب لے دے کی ہے۔ اور انتخاب کو بعض حیثیتوں سے غیر انسب قرار دیا ہے۔ اگر رقابت مذہبی کو طریق کار میں مداخلت نہ ہوئی تو ہمارے خیال میں یہ انتخاب ہر حالت اور ہر حیثیت میں رعایا کیلئے مفید رہے گا۔ نواب زادہ ملک خضر حیات خاں ٹوانہ اور میاں عبدالحی ایڈوکیٹ اگرچہ نئے ہیں۔ لیکن ان کی ذاتی قابلیت فرائض مفوضہ میں بطریق احسن عہدہ برا ہونے کی ضمانت ہے۔ نواب سر سکندر حیات خاں گورنری کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ انہیں حکومت کی مشینری سے کام لینے کا بہترین تجربہ ہے۔ سردار سندر سنگھ، چودھری چھوٹو رام کے بھی تجربہ سے عامتہ الناس واقف ہیں۔ ان میں حسن تدبر سے کام لینے کا سلیقہ موجود ہے۔ رہے مسٹر منوہر لال، اگر یہ وہی صاحب ہیں۔ جن سے رعایا کے ایک طبقہ کو پہلے بھی شکایات رہی ہیں تو ان کیلئے ضروری ہوگا۔ کہ وہ ذرا توجہ فرمائیں۔ اور حسن عمل سے شکایت کا موقعہ نہ آنے دیں۔

اخبارات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ ممبران فرقہ آرائی میں مصروف ہیں، کانگرسی و غیر کانگرسی کا سوال زوروں پر ہے۔ اگر کھینچا تانی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تو ممکن ہے کہ باہمی کشمکش انہیں کوئی مفید کام کرنے کی مہلت نہ دے۔ اور جن مقاصد کا ڈھول پیٹتے وہاں گئے ہیں۔ سب کے سب دھرے رہ جائیں۔ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

سیرۃ الاولیاء

(از ظہور احمد)

ایک دفعہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک منکر حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ وجود باری تعالیٰ کی نسبت ایک سوال کرتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ فلاں غار میں میرا ایک دوست رہتا ہے وہ تمہارے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ منکر مشتاق ہو کر اس غار میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک خطرناک اور ہول انگیز اژدہا بیٹھا ہوا ہے۔ اژدہے کو دیکھ کر منکر کے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ اور اس طرح خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگا۔ کہ اپنی جوتیاں بھی چھوڑ دیں۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ کہ کیوں بھائی تم ایک مخلوق کو دیکھ کر اسقدر ڈر گئے۔ خالق کی حقیقت کا نقاب اٹھے۔ تو تمہارا کیا حال ہو۔ بہتر ہے کہ اب سوال کی عادت چھوڑ دو۔

حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ جب مکہ معظمہ تو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نے پوچھا کہو ابراہیم معاش کے معاملہ میں کیا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ کہ اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہوں، اور اگر نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں۔ حضرت شفیقؒ نے فرمایا۔ کہ ہماری گلی کے کتوں کا بھی یہی قاعدہ ہے۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ حضرت پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ کچھ مل جاتا ہے۔ تو ایثار کرتے ہیں۔ اور نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم بیتابانہ اٹھے۔ حضرت شفیقؒ کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ واللہ آپ استاد ہیں۔

حضرت شافعیؒ صنعا سے مکہ تشریف لائے۔ تو آپ کے پاس دس ہزار اشرفیاں تھیں۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کی جائداد خریدنی چاہیئے۔ اور بعض نے کہا۔ کہ نہیں بکریوں کی تجارت کرنی چاہیئے۔ حضرت نے یہ سب کچھ سنا اور اشرفیاں لے کر مکہ کے باہر میدان میں بیٹھ گئے۔ جو شخص آتا تھا۔ اسے مٹھی بھر اشرفیاں دے دیتے تھے۔ چنانچہ ظہر کی نماز تک کچھ باقی نہیں رہا۔

حضرت حارث محلبی رحمتہ اللہ علیہ کے والد کا جب انتقال ہوا۔ تو انہوں نے تیس ہزار اشرفیاں ترکہ میں چھوڑ دیں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اس مال کو بیت المال میں داخل کر دو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ آپ وارث ہیں۔ اسے اپنے تصرف میں کیوں نہیں لاتے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ میرا باپ "قدری" تھا۔ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ (قدری اس امت کے مجوس ہیں) پس میرا باپ مجوسی ہوا۔ ایک دوسری حدیث ہے۔ کہ مسلمان مجوس کا وارث نہیں ہوتا۔ پس میں اس مال کا وارث نہیں ہوں۔

سزائے عمل

(از ظہور احمد)

۱

حوصلہ مندی اور قوت تدبیر یہ دو ایسی صفتیں ہیں کہ جب کسی شخص میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ ان سے کام بھی لینا چاہتا ہے تو دنیا میں ہلچل ڈال دیتا ہے اب تو دنیا ہی بدل گئی۔ لیکن اگلے زمانہ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ حوصلہ مندی اور جوڑ توڑ کی بدولت ایک آدمی ترقی کرکے بادشاہ بن بیٹھتا تھا۔ اور زمانہ اسکے سامنے سر اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اب لوگ بادشاہ تو نہیں بنتے لیکن لیڈر، دولتمند اور ذی عزت حیثیت سے کامیاب ضرور بن جاتے ہیں۔ میاں سعید جن کے واقعات کسی تغیر و ترمیم کے بغیر اس وقت سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ نہایت طباع اور نہایت حوصلہ مند واقع ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم بہت معمولی تھی۔ والدین کے سایہ سے بچپن ہی میں محروم ہوگئے تھے۔ اس لئے اچھی تربیت نصیب نہیں ہوسکی۔ یتیمی کی حالت میں انہیں ایک قریبی رشتہ دار نے پرورش کیا اور ہوش سنبھال کر وہ بالکل آزاد ہوگئے خاندان کے بزرگوں نے چاہا کہ وہ کوئی ملازمت اختیار کریں۔ لیکن دس پندرہ روپے کی نوکری کو جو محدود قابلیت کی بنا پر انہیں مل سکتی تھی وہ نہایت ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے شہر کے چند بگڑے ہوئے دولتمند نوجوانوں میں ان کی نشست و برخاست تھی اور چونکہ یہ بہت دلچسپ بذلہ سنج اور اعلیٰ درجہ کے رفیق بزم تھے اس لئے جہاں جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے۔ بعض تفریحوں کے سلسلے میں کچھ رقم بھی انہیں ہاتھ آجاتی تھی۔ جو ان کی نیشن ایبل تن پوشی کے لئے بالکل کافی تھی۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے کے تفکرات سے وہ بالکل آزاد تھے اور درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست" پر ان کا عمل تھا۔ آدمی خوش صورت دار اور جامہ زیب تھے اور اس لئے جو لوگ ان کی زندگی سے واقف نہ تھے وہ انہیں اپنے گھر کا رئیس اور خوش حال آدمی خیال کرنے پر مجبور تھے۔ میاں سعید نے جب شباب کی منزل میں قدم رکھا تو انہیں کمانے کا خیال پیدا ہوا لیکن ملازمت، تجارت اور دنیا کا کوئی کام ان کے بس کا نہ تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ... انہیں مل جائے اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ چوری اور نقب زنی سے تو انہیں نفرت تھی۔ البتہ اگر ڈاکوؤں کا کوئی گروہ انہیں مل جاتا تو ضرور اس کے ساتھ ہو لیتے لیکن کبھی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا۔ دولتمند کی صحبت بھی انھوں نے اسی امید پر اختیار کی تھی لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ طبقہ عموماً تنگدل اور مطلب پرست اور بے فیض ہوتا ہے۔ اور دولتمند دوستوں سے ان کو اتنا فائدہ بھی نہیں پہنچتا جو غریب اور متوسط الحال ...

والوں سے ممکن ہے۔

۲

میاں سعید اپنے طمع و تاڑکے ساتھ دولت کی جستجو میں مصروف تھے اور صرافہ میں چاندی سونے کے ڈھیر دیکھ کران کے لئے ضبط و صبر دشوار ہو رہا تھا کہ ایک دن انہیں اپنے ایک دوست کی ضرورت سے سفر کا اتفاق ہوا۔ مسافرخانہ میں اُنہوں نے دیکھا کہ ایک دولتمند لالہ جی منیب صاحب تین ہزار کی تین تھیلیاں لے کر اسی جگہ جا رہے ہیں۔ جہاں ان کو جانا تھا۔ یہ بھی منیب جی کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے منیب جی اپنے ایک رشتہ دار سے کہہ رہے تھے کہ اس روپے کی ہنڈی کرانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ایسے ہی نکال لے جاؤں گا۔ کئی روپے کی بچت ہوگی اور جب روپیہ میرے سامنے موجود رہے گا۔ تو ڈر کس بات کا ہے منیب جی کے رشتہ دار نے جواب دیا کہ جیسا تم مناسب سمجھو لیکن یہ خیال رہے کہ شراب پی کر گھر سے نکلے ہو۔ ذرا ہوشیار رہنا۔ منیب جی نے ہنسکر جواب دیا کہ بے فکر رہو۔ میاں سعید نے بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ گفتگو سُنی اور فوراً پارسل آفس میں جا کر تین چار ہزار کی ہنڈی حاصل کر لی۔ جب گاڑی آئی۔ تو منیب جی کے قلی کو اپنا بستر بھی دے دیا اور منیب جی اس خیال سے کہ قلی کی آدھی مزدوری رہ جائے گی کچھ معترض نہیں ہوئے۔ الغرض گاڑی میں اسباب رکھا گیا۔ میاں سعید نے جھٹ جیب سے ایک اٹھنی نکال کر قلی کے حوالے کی اور منیب جی اس فیاضانہ روش سے بہت خوش ہوئے

میاں سعید نے گاڑی سے اتر کر قلی کا نمبر نوٹ کر لیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھے تین گھنٹہ کا سفر تھا جو بات چیت میں معلوم بھی نہیں ہوا۔ جب گاڑی منزل مقصود کے پلیٹ فارم پر ٹھہری تو میاں سعید نے قلی کو آواز دی۔ قلی گاڑی کے اندر آ گیا۔ انہوں نے اپنا بستر اس کے حوالے کیا اور روپے کی تھیلیوں کی طرف اشارہ کیا جو ایک میلے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھیں۔ منیب جی اس خیال سے معترض نہیں ہوئے کہ شاید یہاں بھی قلی مشترکہ ہوا اور انہیں مزدوری نہ دینی پڑی۔ لیکن جب قلی نے منیب جی کا باقیماندہ سامان نہیں اٹھایا۔ اور میاں سعید کے پیچھے روانہ ہوا تو وہ گھبرا کر گاڑی سے اترے اور شور کرنے لگے کہ بھئی روپیہ لے کر کہاں چلے۔ ٹھہرو ٹھہرو۔ لیکن میاں سعید نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور اپنی رفتار کو بدستور قائم رکھا۔

۳

منیب نے ایک ہنگامہ برپا کیا۔ پولیس، ریلوے اہلکار اور مسافروں کا مجمع ہو گیا۔ بے چارہ نے بہت کوشش کی لیکن سب نے اس کو جھوٹا بنایا۔ جس کے دو سبب تھے۔ ایک یہ کہ اس کے پاس بلٹی نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ میاں سعید تیرہ ہزار کی رقم لے کر اپنی فرودگاہ پر چلے آئے منیب جی نے پولیس میں رپٹ لکھوائی، لالہ جی کو تار دیا مقدمہ بھی ہوا۔ لیکن مطلق کامیابی نہیں ہوئی اور روپیہ نہایت آسانی کے ساتھ میاں سعید کو ہضم ہو گیا۔ اب سعید کو فکر ہوئی کہ اس روپے کے ذریعے سے تجارت اور

کے ذریعے سے تمول حاصل کرنا چاہیئے۔ بڑے غور و خوض کے بعد انہوں نے اینٹ چونے کا روز گار اپنے لئے پسند کیا لیکن تین ہزار کی رقم ایک کامیاب بیوپار کے لئے ناکافی تھی۔ اس لئے ان کو شریک کی جستجو ہوئی وہ کسی ہوشمند محنتی اور عملی شخص کی شرکت کے متمنی نہ تھے۔ بلکہ ایک ایسے شریک کی تلاش تھی جو آنکھ کا اندھا اور گانٹھ کا پورا ہو۔ جوئندہ یابندہ آخر کار ایک صاحب سے ان کے تعلقات پیدا ہوئے جو ایک بڑی جائداد موقوفہ کے متولی تھے۔ متولی صاحب کو سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن انہوں نے دو ڈھائی سال کی تولیت میں پندرہ بیس ہزار کی رقم ناجائز طور پر پس انداز کر لی تھی۔ اور چاہتے تھے کہ اس رقم کو کسی کاروبار میں لگائیں لیکن ٹرسٹیوں کے خوف سے وہ بذاتِ خود کوئی کاروبار یا کسی بڑے سرمایہ کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور جستجو میں تھے کہ ایک معتمد شریک کے ذریعہ سے جدو جہد کی دنیا میں در آئیں۔

۴

میاں سعید کو متولی صاحب کے خیالات معلوم ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ان کی نظر میں ایک ولی کی طرح نیک متدین اور مخلص ثابت کر دیا اپنے آپ کو ایسا بے لوث ظاہر کیا۔ اور اپنے مقصد کو اس قدر چھپایا کہ متولی صاحب خود ہی ان سے کاروباری شرکت درخواست کی بالآخر طے ہو گیا کہ پانچ پانچ ہزار سے کام شروع کیا جائے۔ متولی صاحب نے پانچ ہزار کی رقم میاں سعید کے حوالے کر دی ان کے پاس صرف تین ہزار تھے۔ لیکن تین ہزار کا پانچ ہزار بن جانا دماغ کی چند گردشوں اور قلم کی چند جنبشوں پر موقوف تھا۔ بہرحال کام شروع کیا گیا۔ خوش قسمتی اور حسن انتظام سے پہلے گھان میں مال بہت اچھا تیار ہوا۔ اور پہلے سال اس قدر سرمایہ کے باوجود دس ہزار کا منافع ہوا۔ جس میں سے میاں سعید نے پانچ ہزار کی رقم الگ کر کے باقی ماندہ پانچ ہزار میں سے ڈھائی ہزار متولی صاحب کی خدمت میں پیش کئے انہوں نے اس قدر رقم کو بھی بہت مغتنم سمجھا۔ کیونکہ اس حساب سے نصف زر اصل ایک ہی دفعہ وصول ہو گیا۔ میاں سعید نے متولی صاحب کو ترغیب دی کہ اب کے کام ذرا وسیع پیمانہ پر شروع کیا جائے۔ اور دس دس ہزار کی رقم لگائی جائے۔ متولی صاحب نے اس صلاح کو منظور کر لیا۔ ڈھائی ہزار روپے منافع کے اور ساڑھے سات ہزار روپے مزید وقتاً فوقتاً میاں سعید کی نظر کر دئے۔ اس قدر وصولیابی کے بعد میاں سعید کی حالت نمایاں فرق ہو گیا اور متولی صاحب سے ان کے تعلقات خراب ہونے لگے اور آخر کار دعا سلام بھی موقوف ہو گئی۔ متولی صاحب کے لئے میاں سعید کی بے ایمانی پر صبر کے سوا کچھ چارہ کار نہ تھا۔ کیونکہ عدالتی چارہ جوئی کے لئے تیار ہو کر اپنے دائمی مفاد اور اعتماد کو باطل نہیں کر سکتے تھے

۵

اب میاں سعید" کارخانہ خشت و آہک" کے بلا شرکت غیرے مالک تھے۔ دو تین سال کی الٹ پھیر

میں انہوں نے چالیس ہزار روپیہ کمایا۔ اینٹ اور
چونہ تو گھر کا ہی تھا۔ ایک موزوں مقام پر ایک قطعہ
اراضی خرید کر مکان بنایا۔ ایک ٹم ٹم بھی ان کی سواری
میں رہنے لگی۔ اور رفتہ رفتہ وہ ایک ایسی پوزیشن میں
آگئے کہ شہر کے اعلیٰ درجہ میں یہ سوال پیدا ہونے
لگا کہ یہ کون شخص ہے۔ اب ان کو شادی کی فکر ہوئی
لیکن ان کا خیال تھا کہ کوئی خوبصورت اور متمول لڑکی
ملنی چاہئے ان دو اوصاف کے سوا ذات پات اور
دوشیزگی و بیوگی کی کوئی قید نہیں تھی۔ آخر کار انہوں
نے میر جعفر حسین پنشنر کا گھر تاکا جنہوں نے پولیس کی
ملازمت میں کئی لاکھ روپے کی جائداد پیدا کی تھی اور
ان کی اکلوتی لڑکی اس جائداد کی وارث تھی۔ میر جعفر حسین
کا انتقال ہو چکا تھا۔ لڑکی اپنی والدہ اور چچا کی سرپرستی
میں تھی۔ میاں سعید نے اپنا پیام بھیجا۔ لیکن لڑکی کے
چچا صفدر حسین نے انکار کر دیا۔ میاں سعید کو اس واقعہ
سے نہایت قلق ہوا اور انہوں نے اپنے دل میں
فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہوگا۔ اس لڑکی کو ضرور
حاصل کریں گے۔ ایک ششماہی تک وہ خاموش بیٹھے
رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک باقاعدہ اسکیم بنا کر
کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے دوسرے شہر کے
ایک غریب ملنے والے کو کچھ رقم بطور معاوضہ خدمات
دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا نام جعفر حسین
اور اپنی بیٹی کا نام قدسیہ ظاہر کرے اور اپنے متعلقین
سمیت۔ چنانچہ وہ اس کے حسب ہدایت یہاں آکر قیام کرے
جب اس انتظام سے مطمئن ہوئے تو انہوں نے جعفر حسین
کے لئے میر جعفر حسین مرحوم کا مکان کرایہ پر لیا یہ ان کا
دوسرا مکان تھا۔ اور مکان مسکونہ سے ملا ہوا تھا۔ میاں
سعید کے حسب ہدایت جعفر حسین نے صفدر حسین
اور اس کی بیوی نے میر جعفر حسین مرحوم کی بیوی سے
کافی ربط ضبط پیدا کر لیا۔ چند روز کے بعد میاں سعید کا
پیام پہنچا اور چند روز میں معاملات طے ہو گئے۔ اسی
اثنا میں جعفر حسین کو جبکہ وہ نکاح کی تاریخ مقرر کر چکا
تھا اور سب انتظام ہو چکا تھا مصنوعی طور پر یکایک
باہر جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے میر صفدر حسین
سے نہایت منت و سماجت کے ساتھ یہ خواہش کی کہ
اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کی لڑکی کے نکاح
کا انتظام کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کار خیر سمجھ
کر اس ذمہ داری کو قبول کر لیا:

۶

میاں سعید نے نہایت خوبصورت دعوتی رقعے
چھپوائے جن کا مضمون یہ تھا کہ بتقریب نکاح محمد سعید
آپ تشریف لائیں اور سب کے ساتھ خانہ عروس
یعنی دولت خانہ میر جعفر حسین صاحب پنشنر مرحوم
تک تکلیف گوارا کریں۔ یہ دعوتی رقعے بڑی کثرت
سے تقسیم کئے گئے۔ اور تقریباً دو سو شخص کا جلوس ہمراہ
لے کر میاں سعید نکاح کے لئے روانہ ہوئے۔ میر صفدر حسین
نے تہذیب و شائستگی کے ساتھ مہمانوں کا خیر مقدم
کیا آرام سے بٹھایا۔ نکاح پڑھایا گیا اور مبارکباد کے
بعد شرکا منتشر ہو گئے اور میاں سعید بھی اپنے احباب
کے ساتھ مکان کو چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد

جعفرحسین اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس آیا اور اس
نے میرصفدرحسین کی تکلیف فرمائی کا نہایت شکریہ
ادا کیا اور چند روز قیام کرکے متعلقین کو ہمراہ لے کر
شہر سے چلا گیا۔ میرصفدرحسین کو نہ اس کے اصلی
نام و وطن سے آگاہی تھی اور نہ یہ معلوم تھا کہ وہ
کس مقصد سے یہاں آیا۔ اور کیوں چند روز رہ کر
چلا گیا۔ میاں سعید نے تمام شہر میں یہ مشتہر کر دیا
کہ ان کا نکاح میرجعفرحسین کی صاحبزادی سے ہوگیا
ہے بعض لوگوں نے میرصفدرحسین سے بھی بیان کیا
لیکن انہوں نے یہ کہہ کر کہ جس لڑکی کا نکاح ہوا ہے
اس کے باپ کا نام بھی سید جعفرحسین ہے۔ بات
وہیں پر ختم کر دی۔ ان واقعات پر جب چھ ماہ کا زمانہ
گذر گیا تو ایک وکیل کے ذریعہ سے میاں سعید نے
میرصفدرحسین اور ان کی بھاوج کے نام ایک رجسٹرڈ
نوٹس ارسال کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ سے
بارہا رخصت کے لئے کہا گیا۔ لیکن آپ نے بے سبب
ٹال دیتے ہیں۔ لہذا آپ کو آخری طور پر اس نوٹس
کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ میری منکوحہ کو
ایک ہفتہ میں رخصت کر دیجئے۔ ورنہ عدالتی چارہ
جوئی اختیار کی جائے گی۔

۷

اس نوٹس نے میرجعفرحسین کے گھر میں ایک
تہلکہ برپا کر دیا۔ میرصفدرحسین نہایت نیک مزاج
بے شر زمرنجاں مرنج آدمی تھے۔ حتی المقدور جھگڑوں
سے پاک رہتے تھے۔ نوٹس دیکھ کر میاں سعید کی تمام
پیش بندیاں اور چالاکیاں ان کی سمجھ میں آگئیں
انہوں نے وکیلوں سے مشورہ کیا اور بالاتفاق یہ طے
ہوا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور جب عدالتی کارروائی
کا موقع آئے تو سچے حالات من وعن بیان کر دیئے
جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا نوٹس پر ایک ماہ گذرنے
کے بعد عدالت میں باقاعدہ مقدمہ دائر ہوگیا میاں
سعید کی طرف سے تقریباً پچاس گواہ پیش ہوئے جو
جو نکاح میں شریک ہوئے تھے۔ قاضی صاحب کا رجسٹر
پیش ہوا۔ میرصفدرحسین کی طرف سے بے حد کوشش
کی گئی۔ وکلاء اور بیرسٹروں نے جان لڑا دی لیکن
فیصلہ میاں سعید کے حق میں ہوا اپیل بھی بے سود
ثابت ہوئی اور آخرکار معاملہ اس طرح طے ہوا
کہ نہایت خاموشی سے میاں سعید کے ساتھ لڑکی
کا نکاح پڑھا دیا گیا اور اُسے رخصت کر دیا گیا میاں
سعید کو اپنی کامیابی پر ناز تھا۔ لیکن اُن کی اس جرأت
و جسارت سے تمام شہر کانپ اٹھا اور بڑے بڑے
مدبران کا لوہا مان گئے میاں سعید کی یہ جبری بیوی
قدسیہ نہایت پاکیزہ رو اور خوش خو تھی۔ وہ چند روز میں
اس کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تمام دنیا بھول گئے
ان کا دماغ دنیوی کشاد و بست کے لئے ایسا موزوں
تھا کہ وہ لاکھوں روپیہ کما سکتے تھے۔ لیکن قدسیہ
نے ان کے دل کو قناعت سے مالامال کر دیا اور انہوں
نے بالکل خانہ نشین ہوکر زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیا۔

۸

میاں سعید نے چند روز کے بعد اپنا کارخانہ

بیس ہزار روپے کو فروخت کر دیا۔ ان کے پاس پچاس ہزار سے کچھ زیادہ رقم نقد موجود تھی یہ کل رقم انہوں نے بینک میں جمع کر دی۔ تقریباً چار سو روپیہ ماہانہ سود کی آمدنی تھی۔ ادھر پانچ سو روپے ماہوار بیوی کی جائداد سے ملتا تھا اور اس قدر رقم دو آدمیوں کی عیش و عشرت کے لئے ضرورت سے زیادہ تھی۔ میاں سعید عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے اور دونوں جہان سے فارغ تھے کہ یکایک زمانہ نے کروٹ لی اور آسمان نے رنگ بدلا شادی کو سات ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ ایک دن رات کے وقت یکایک بیوی کو درد کی شکایت ہوئی۔ شکایت لمحہ بہ لمحہ ترقی کرتی گئی۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں کا مجمع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ اسقاط کا درد ہے بہتیری کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی اسقاط ہو گیا اور ساتھ ہی مریضہ شدید بخار میں اور اس کے بعد سرسام میں مبتلا ہو گئی۔ ۱۱ دن اسی حالت میں گذر گئے تھے۔ کہ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا میاں سعید کی آنکھوں میں دنیا تاریک تھی۔ صدمہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ اس سانحہ کے دوسرے دن اطلاع ملی کہ جس بنک میں ان کا روپیہ تھا اس نے دیوالہ نکال دیا۔ ان واقعات نے میاں سعید کا دل الٹ دیا۔ انہوں نے گھر کا ساز و سامان اور مکان فروخت کر کے چھ سات ہزار کی رقم حاصل کی اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت و ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ؎

۹

بمبئی پہاں سے آگے بڑھ کر ریل میں ایک گورے کیساتھ معمولی سی بات پر ہشت مشت ہو گئی۔ یہ جان سے بیزار ہو رہا تھا۔ مزاج اعتدال پر نہ تھا۔ انہوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نے پیش قبض نکالی انہوں نے چاقو سے سنبھالا وہ تو دھمکا ہی رہا تھا انہوں نے حملہ کر دیا خون کا ایک فوارہ اُبلا اور آنتیں باہر نکل پڑیں۔ اتفاق سے اگلا اسٹیشن ایک بڑا اسٹیشن تھا مسافروں نے ریلوے اہلکاروں سے خبر کی۔ پولیس نے قاتل حراست میں لے لیا مسافروں کے بیان قلبند ہوئے۔ باقاعدہ مقدمہ چلا۔ میاں سعید نے کسی خبر بھی نہیں کی اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی اور چند روز میں بلاد اسلام کا مسافر اپنی منزل مقصود کی جگہ کالے پانی پہنچا دیا گیا۔

دل درین پیرزن عشوہ گر دہر مبند
کیں عروسے ست کہ در عقد بسے داماست

"چچلبدی کی اصلاح الرسوم" کے ایک اشتہار پر گذشتہ دو اشاعتوں میں تبصرہ کرتے ہوئے کارپردازان انجمن کو حقائق کی روشنی میں کچھ مفید ترین مشورے دئے گئے تھے۔ تدبر و تفکر کا اقتضا یہ تھا کہ ان پر کچھ غور ہوتا اور کچھ عمل۔ مگر غلط فہمی سے مطالب و معانی کچھ اور لے گئے ہیں۔ لہٰذا آئندہ اشاعت میں کچھ پھر سپرد قرطاس کرنے کی سعی کی جائیگی متعلقہ حضرات انتظار فرمائیں ؎

تلخیٔ گفتار

میرے ایک ملاقاتی ہیں۔ پانچ چھ سال سے واقف ہوں اور حیرت زدہ ہوں کہ کیونکر ملاقات ہوگئی اور کیونکر اب تک اس کا سلسلہ قائم ہے ان کو لوگ منشی صاحب کہکر مخاطب کرتے ہیں۔ اور میں بھی اسی لفظ کے ساتھ ان کا تعارف کرتا ہوں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کی پیشانی غصّہ کی موجوں سے پاک ہو۔ میں نے ان کے لبوں پر نہ ترشنے والی مونچھوں کے زیر سایہ کبھی مسکراہٹ کے آثار محسوس نہیں کئے موصوف کے گفتگو کرنے کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ قدرت نے ہر شخص کی زبان عضلات، و اعصاب۔ اور گوشت سے نہیں بنائی ہے۔ بلکہ بعض اشخاص کو زبان کی بجائے سنکھیا کی ڈلی اور اندرائن کی ایک ڈالی بھی عنایت کی گئی ہے۔ اجنبی آدمی پر تو منشی صاحب سے گفتگو کرتے وقت وہ کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ جو ملیریا کے بیماروں پر کونین مکسچر کے پینے سے ہوسکتی ہے لیکن جو لوگ اپنے کام و زبان کو ان تلخیوں کا خوگر بنا چکے ہیں ان پر کچھ کم اثر ہوتا ہے۔

وہ میرے پاس کبھی نہیں آئے۔ لیکن میں جب کبھی نفس کی اصلاح چاہتا ہوں۔ اور نخوت و تمکنت کو زہر دینا چاہتا ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں جب میں انہیں سلام کرتا ہوں تو وہ سر سے پاؤں تک مجھے دیکھ کر اپنے سر کو اتنی جنبش دیتے ہیں کہ اگر میری نظر تیز نہ ہو تو میں اسے محسوس نہ کرسکوں وہ مجھ سے کبھی نہیں کہتے کہ بیٹھ جاؤ۔ لیکن میں بیٹھ جاتا ہوں اب گفتگو شروع ہوتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں۔ مزاج شریف؟ اور اس کا جواب یہ سنتا ہوں کہ "مزاج تو امیروں اور نوابوں کے پاس ہوتا ہے۔ یہاں مزاج کہاں" حالانکہ اس طویل جواب کی جگہ وہ الحمدللہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مخاطب پر اعتراض نہ کرنا اور تحمل سے اس کی تواضع نہ کرنی ان کی فطرت کے خلاف ہے۔

اگر کوئی کام کر رہے ہوں اور سہواً میری زبان سے نکل جائے کہ "کہئے جناب کیا ہو رہا ہے" تو قیامت کا سامنا کرنا پڑے اس کے جواب میں وہ یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ کچھ نہیں۔ ایک خط لکھ رہا ہوں۔ کھانا کھا رہا ہوں" وغیرہ بلکہ ان کی پیشانی معمول سے زیادہ پر شکن ہوجائے گی۔ وہ تیز نگاہوں سے مجھے دیکھ کر سر جھکا لیں گے اور پھر فرمائیں گے کوئی اندھا اس طرح کا سوال کرے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن آنکھیں ہوتے ہوئے ایسے سوالات اچھے نہیں معلوم ہوتے کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ نے اپنے مطبوعہ مواعظ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی دوست سے ملنے گئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ جواب آیا کہ وہ موجود

۱۳۵۶ھ

القریش امرتسر

بابت ماہ اپریل ۱۹۳۷ء

جلد ۲۲ —————— نمبر ۴

فہرست مضامین

غارِ حرا

بڑا ہے مرتبہ غارِ حرا کا طور سینا سے
ہمالہ کی بلندی سے بھی اونچا ہے وقار اسکا

کوئی محبوب بے ہمتا رہا ہے جلوہ گر اسمیں
قیامت تک نہ بھولیگا وہ دورِ زرنگار اسکا

عبادت کیلئے اسمیں رسول پاک آتے تھے
کبھی تھا باعثِ زینت عرب کا تاجدار اسکا

بہت مرغوب تھی غارِ حرا کی جنکو تنہائی
بڑھایا ہے انہوں نے احترام و افتخار اسکا

اسی جا پر بندھی پہلے پہل تمہید قرآں کی
کہ اِقرا باسمِ ربکَ الذی ہی شاہکار اسکا

اِسی کی تیرگی میں نورِ وحدت کی ضیاء پاکر
مہِ یثرب درخشاں کر گئے لیل و نہار اسکا

یہیں پر نورِ عرفاں کی ہوئی حضرت پہ ارزانی
چمک اُٹھا فروغِ نور سے قرب و جوار اسکا

خزانے کھل گئے ان پر یہیں علمِ لدنی کے
ہے نازاں اپنی خوش بختی پہ بخت کامگار اسکا

خدا کی رحمتیں صبح و مسا اسپر برستی ہیں
ہے روز افزوں ترقی پر جہاں میں افتخار اسکا

الٰہی کب یہ آنکھیں دید سے اسکی منور ہوں
کئے رکھتا ہے مضطر اپنے دل کو انتظار اسکا

لگائیں اپنی آنکھوں سے بنائیں حرزِ جاں اسکو
زہے قسمت ملے ہم کو اگر گرد و غبار اسکا

عنایت اللہ خاں

۱۹۸۶ء

القریش امرتسر

بابت ماہ اپریل ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ ——— نمبر ۴

شذرات

اکتوبر گذشتہ کے افتتاحیہ اور نومبر کے ایک شذرہ میں چھجلبدی کی "انجمن استیصال" کے تناسخی گرداب اور حیات بعد الممات کے وقائع پر تبصرہ کرتے ہوئے چابکارانِ استیصال کو مخلصانہ مشورہ دیا گیا تھا کہ۔

"انجمن گری سے طوائف الملوکی کی بدعت کی ترویج سے احتراز کریں۔ اگر ذوق لیڈری وشوق رہنمائی پورا کرنا ہی مقصود ہے۔ تو گرد و پیش کے حالات کی اصلاح سے فضا سازگار بنا کر غیر متزلزل قوت ارادی اور غیر متحرک عزائم سے میدان عمل میں آئیں اور حیات و ممات کا مسئلہ چھیڑ کر قوم سے مذاق نہ کریں"!

ان درد مندانہ مشوروں کو فدایانِ استیصال نے مخالفت و حرفگیری پر محمول کیا۔ ان کی طبع نازک پر یہ رائے گراں گذری۔ اور وہ غور و فکر کی بجائے ناک بھوں چڑھا کر غم و غصہ میں الجھ کے رہ گئے۔

ہمیں معتبر و موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۳ مارچ کو ایک شادی کی تقریب پر دلدادگانِ استیصال نے اپنی ناکامی کی علت اسی مشورہ کو ٹھیرایا ہے جس میں انہیں عزم و ثبات، استقلال و ہمت، معاملہ فہمی و دور اندیشی، اخوت و مروت، ژرف نگہی و موقعہ شناسی اور تحمل و برداشت سے کام لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

چھجلبدی کے رہنمایانِ استیصال کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ قوموں کا بننا بگڑنا ان کا عروج و زوال افراد قوم کی متفقہ کاوش و کوشش اور متحدہ سعی و عمل پر موقوف ہوتا ہے۔ جس قوم کے افراد اتحاد عمل

کے خوگر نہ ہوں۔ جن کی طبائع خودستائی، خود بینی او خود نمائی کی تابع ہوں۔

جنہیں ذوق قیادت اور شوق سیادت میں قومی مفاد کا لحاظ نہ ہو۔ قومی وقار کو طوائف الملوکی کی نظر کرنے سے احتراز روا نہ رکھیں۔ وہ قوم کے اصلاحی وارتقائی مقاصد میں نہ کبھی فائز المرام ہوئے اور نہ ہوں گے۔

پھجلبدی کے ایک دو نوجوانوں کی انگیخت پر ۱۹۳۰ء میں "انجمن اصلاح القریش" کی طرح ڈالی گئی۔ قرب و جوار کی برادری کے مختصر سے اجتماع میں جو کارروائی ہوئی اسے زیور طباعت سے مزین کرکے عامۃ الناس اور حکومت پر واضح کر دیا۔ کہ ماشاء اللہ یہ قوم اسقدر متحد العمل ہے کہ بیک وقت بخانہ بخانہ انجمنیں معرض شہود میں لانیکی قدرت رکھتی ہے۔

رپورٹ مذکرہ میں پبلک کے سامنے ایسا مواد پیش کیا گیا۔ جو برادری کی انتہائی ذلت و خفت کا باعث بنا اور عوام کو استہزا کا موقعہ ہاتھ آیا۔ ناتجربہ کار اور نئے ولولوں کے متوالے قائدین نے اپنی تعداد او قابلیت سے اپنی مستورات کی فیشن پرستی منظر عام پر عریاں کرنے اور مردوں کو دختر فروشی کا ملزم گردانتے سے دریغ نہ کیا۔ ان دیوانگان اصلاح نے اپنی بھونڈی طرز تحریر میں برادری کو اسقدر رسوا کر دیا۔ کہ اس کے خیال سے ہر فہمیدہ انسان عرق ندامت میں غرق ہو جاتا ہے۔

طالبان اصلاح کا اولین فرض یہ ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ ذاتی منافع کی کما حقہٗ اصلاح کے بعد دعوت و تبلیغ کے میدان میں قدم رکھا کرتے ہیں۔ جب تک میدان ہموار اور حالات مساعد نہ ہو جائیں۔ وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے۔ جو برعکس نام نہند زنگی کا فور کا مصداق ہو۔ لیکن تجربہ شاہد ہے۔ کہ پھجلبدی کے نوجوانوں کے سامنے پارٹی بازی۔ گروہ سازی۔ فرقہ آرائی اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ضرار کھڑی کرنے کے سوا کوئی مقصد نہ تھا۔ وہ اپنے قرب و جوار کے افراد برادری کو جداگانہ سلک میں غیر مستحسن طریق پر منسلک کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مستقبل میں برادری کا ایک حصہ بدن کے عضو معطل کی طرح کٹ کے رہ جائیگا۔

اور حکومت اور عوام میں ان انجمنوں کی کوئی قدر و قیمت نہ رہے گی۔ گھر گھر کی ڈفلی اور خانہ خانہ کی میلادیں کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔ اور رسوم کا استیصال کرتے کرتے قومی مفاد کا "استیصال" ہو جائے گا۔ اور پھر بغلیں جھانکنے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔

قومی جماعتوں کا قیام بچوں کا کھیل نہیں۔ اس میدان میں اترنا اور کامیابی کے قدم بڑھاتے ہوئے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر پرچم ظفر مندی لہرانے کی سعادت حاصل کرنا آسان نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمیں کسی کے غم و غصہ اور کسی قسم کے سب و شتم کی پروا نہیں، قومی مفاد کے لئے حقائق پیش کرنے سے ہم کبھی نہیں رک سکتے۔ پھجلبدی میں کسی قومی انجمن کا نام قوم کے لئے سخت نقصان رساں ہے اور قومی وقار کے لئے مزید کاری کا موجب

ایک طرف مراسیوں کی جمعیۃ القریش اور دوسری طرف قصابوں کی "قریش کمیونٹی" صحیح النسب قریشیوں کو کچھ کم نقصان پہنچانے کا سبب نہیں ہوئی۔ کہ اس پر اور انجمنیں پیدا کرنے کی سعی کی جائے۔ اگر کسی وجہ سے چھجلبدی کے دلدادگان قیادت خاموش نہیں رہ سکتے تو وہ کسی قومی مرکز سے الحاق پر غور کر کے اصولی طریق سے ایک شاخ کی شکل میں اس تمنا کو پورا کرنے کی سعی کریں

ہم ان امور پر درد دل کے ساتھ انجمن مذکور کے متعلقہ فہمیدہ ہوشمند اور مدبر حضرات کو دعوت دے چکے ہیں۔ اور پھر عرض کرینگے۔ کہ وہ قوم پر رحم کریں۔ اس کے مفاد طوائف الملوکی کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔ اور دنیا کو مذاق و استہزا کا موقعہ نہ دیں۔ انجمن کے قیام اور عہدہ داروں کے انتخاب میں کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں ہکتی۔ جب تک کہ ثبات قومی و استقلال کے ساتھ ایک مضبوط و مستحکم چٹان کی طرح حوادث کے مقابلہ کے لئے نہ جم جائیں۔ اور اتحاد عمل و اشتراک مساعی کے حصول کے لئے ذاتی آسائشوں کو خیرباد نہ کہدیا جائے۔

چھجلبدی کی خود مختار انجمن کا وجود کوئی مستحسن و مفید اقدام نہیں لہذا اس کے خاتمہ کا بلا تاخیر اعلان کر دینا قومی مفاد کیلئے ازبس ضروری ہے۔ اگر اس کے کارکن اور عہدہ دار ان پرخار وادیوں کے عبور کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تو ہم انہیں بطیب خاطر اور بخلوص قلب دعوت دیتے ہیں۔ کہ وہ آئیں اور "ندوۃ القریش" جس نے قوم کی نہایت اہم اور ٹھوس خدمات دی ہیں کی زمام انتظام اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور قومی تنظیم و شیرازہ بندی کیلئے مناسب اقدام کریں۔ استیصالِ رسوم کا مقصد بھی اس کے ساتھ ساتھ پورا ہو جائیگا۔ وباللہ التوفیق ؁

افغانستانِ جدید کی حیرت انگیز ترقیات کے متعلق ایک انگریز سیاح کا مقالہ لندنی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ حالاتِ سفر سپردِ قلم کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"ہم آج تک یہی سمجھتے رہے ہے۔ کہ زمانہ نے افغانستان کو تہذیب و تمدن کی دنیا سے بہت دور پھینک دیا ہے لیکن جب مجھے اس ملک کے مختلف گوشوں میں پھر کر اس کے عہد ترقی پر نظر ڈالنے کا موقع ملا۔ تو مجھے یقین ہوگیا۔ کہ غلط فہمی نے میرے دماغ کو خلاف واقعہ اندازہ لگانے کے قابل بنا دیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ افغانستان ہر لحاظ سے ایشیا کے کسی متمدن ملک سے پیچھے نہیں"

اس کے بعد سیاح مذکور افغانستان کی فوجی ترقی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ:۔

مجھے بتایا گیا تھا۔ کہ افغانستان کی آزادی قدرتی اسباب کی مرہون منت ہے۔ کیونکہ اس کا محل وقوع ہی اسے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ افغانستان جدید کی فوجی تنظیم اور حربی قوت بھی حفاظت و مداخلت کی ضامن ثابت ہو چکی ہے۔ حسن اتفاق سے بادشاہ افغانستان کو ایسے رفقاء میسر آئے ہیں۔ جو ان کے قریبی رشتہ دار ہونیکے

باعث حکومت کی ذمہ داریوں کو ضرورت سے
زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ اوران کی قومی قابلیت
عملی تربیت کے تمام مراحل طے کر چکی ہے۔
ان کی مساعی کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج افغانستان
قومی اعتبار سے ایشیاء کی بڑی بڑی
طاقتوں میں شمار ہونے کے قابل ہو رہا ہے

یہ ہیں وہ خیالات جو ایک ایسے شاہدات وتحقیقات کا نتیجہ ہیں۔ جو لسانی، مذہبی اور سیاسی اعتبارات سے ملت افغانیہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا۔ اس غیر جانبدارانہ بیان سے یہ حقیقت روشنی میں آجاتی ہے کہ عہد حاضر کا افغانستان واقعی ترقی وعروج کی طرف جا رہا ہے۔ اور موجودہ نظام حکومت ملک کی خارجی و داخلی سیاسیات کو فلاح واصلاح کے جس قالب میں ڈھال چکا ہے۔ حسن تدبر اور خوش انتظامی کا شاندار نتیجہ خیال کیا جاتا ہے۔ سیاح مذکور کی یہ غلط فہمی واقعات کی رو سے یہ غلط فہمی کہلانے کی مستحق نہیں۔ کہ آج سے نہیں پینتیس برس پہلے کا افغانستان واقعی تہذیب و تمدن کی دنیا سے بڑی حد تک خارج ہو چکا تھا۔ لیکن آج اس کی ترقی سے تہذیب وتمدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو رہی ہے۔ اگر حکومت راہ فلاح پر اسی طرح گامزن رہی تو وہ دن دور نہیں۔ جب یہ ملک جس کی تہذیب افروز روایات سے تاریخ کا دامن جگمگا رہا ہے۔ دوبارہ تمدن و ترقی کے علمبردار اعظم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئیگا۔

پانی پت میں ہولی کے موقع پر جو حادثہ فاجعہ رونما ہوا۔ اس کی وجہ سے مسلمانان ہند بہت زیادہ پریشان ومضطرب ہیں۔ ہم اس وقت اس حادثہ کی تفصیلات کو دہرا کر مسلمانوں کے زخم ہائے جگر پر نمک چھڑکنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصود صرف یہ ہے۔ کہ اس وقت اس حادثہ کے نتائج واثرات کے طور پر مسلمانوں کے جذبات بیحد مجروح ہو چکے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے۔ کہ گولی چلانے والوں نے آئینی حدود سے نہ صرف تجاوز کیا ہے بلکہ گولی بلا ضرورت چلائی ہے۔ عوام کے دماغوں میں اس قسم کی ذہنیت اور تاثر کا موجود ہونا حکومت اور مفاد عامہ کے حق میں بہت زیادہ مضر ہے۔ اور ضرورت اس بات کی متقاضی ہے۔ کہ حکومت جہاں تک جلد ممکن ہو سکے تلافی مافات سے مسلمانوں کے مجروح جذبات کو تسکین دے۔ ہمارے خیال میں آئینی طور پر مسلمانوں کے جذبات کو تسکین بخشنے کے اس وقت دو ہی طریقے ہیں۔

ایک تو آزاد تحقیقات کہ اس سے اصل واقعات اور اصل مجرموں کا پتہ چل جائیگا۔ اور دوسرے شہداء کے پسماندوں اور مجروحین کی امداد۔ اور ان کے قلوب کی تسلی وتشفی۔

ان حالات میں اگر حکومت یہ دونوں چیزیں کر گذرے۔ تو ہمیں قوی امید ہے۔ کہ پانی پت کے مسلمان بھی مطمئن ہو جائیں گے۔ اور حکومت کی امن دوستی و رعایا پروری کا ثبوت بھی ملجائیگا۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت پنجاب اس طرف بہت جلد توجہ کریگی۔

اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو روکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیگی۔

سورج گڑھ کی آمدہ خبریں مظہر ہیں۔ کہ وہاں کے ۱۴ سو مسلم مہاجرین کا ایک مکتوب شائع ہوا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریاست جے پور کے بعض حصوں کے نظام حکومت کی بنیادیں وحشت و بربریت پر استوار ہیں۔ اور بعض رئیس وہ ظالمانہ طرز عمل اختیار کر چکے ہیں۔ جن کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ سورج گڑھ کے مسلمانوں کے مذہبی و شہری حقوق محفوظ نہیں۔ ان کی مسجدوں کی توہین حکام کا دلپسند مشغلہ ہے۔ ان کی جائدادیں ضبط کی جا چکی ہیں۔ ان پر ملازمتوں کے دروازے بند ہیں۔ ان کی فریاد و فغاں کا بے پروائی کی ہنسی سے استقبال کیا جاتا ہے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں اشتعال انگیز الفاظ کہے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے۔ کہ جو مسلمان رئیس ریاست کے سامنے لب فریاد کھولتا ہے۔ اس کو ہولناک سزا دی جاتی ہے۔

ان مظالم و شدائد سے تنگ آکر سورج گڑھ کے ۱۴ سو مسلمان ہجرت کر آئے ہیں۔ اور انکی بیکسی و بیچارگی درد مند انسانوں کو خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی ریاست جے پور کے ایک حصہ میں مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز کر دیا گیا تھا۔ اور وہ اپنے اشتعال و اضطراب کو عملی صورت میں لانے کے بجائے ریاست سے ہجرت کر آئے۔ تھے۔ ہم نہیں جانتے کہ حکومت نے کن مصالح کی بنا پر رؤسائے جے پور کو اس درجہ آزادی دے رکھی ہے۔ کہ وہ آئے دن مسلمانوں پر روحانی جسمانی تشدد کرتے رہتے ہیں۔ اور حکومت سیادت کا ڈھول پیٹنے کے باوجود ان کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اگر اسلامیان سورج گڑھ ظلم و تشدد سے تنگ آکر مایوسی کے اس مرحلے پر پہنچ جاتے۔ جہاں موت و زندگی کے درمیان صرف لفظی فاصلہ رہ جاتا ہے۔ تو اسی غافل حکومت کی تمام قوتیں رئیس کی حمایت پر متحرک ہو جاتیں۔ لیکن رئیس کی ان حرکات کا محاسبہ نہیں کیا جاتا۔ جو عوام کو شورش انقلاب کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

عدل و انصاف کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ ریاست ہائے ہند کے ایجنٹ کو اسلامیان سورج گڑھ کی مظلومانہ بے بسی پر توجہ کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کی ہر جگہ اور ہر پہلو بدترین حالت ہو رہی ہے۔ مگر کمال بدقسمتی ہے۔ کہ مسلمان نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور نہ تنظیم ملی کی فکر

اربابِ تسلیم و رضا

مرزا بیضا خاں مروی ایرانی

شیوۂ ما ہست تسلیم و رضا || داد ایں تعلیم شاہِ کربلا

شاہِ دیں با وصف آں عز و وقار || انکسار و حلم کرد اختیار

تشنہ لب آں مالکِ کوثر بماند || حلقِ مظلومے تہِ خنجر بماند

مردِ عرفاں بود بے ریب و گماں || عظمتش در رمزِ عرفانی نہاں

اُسوہ اش ما را دلیلِ راہ بس || بر زباں بیضاست الا اللہ بس

سُرخیِ خوں را بہ رُخ غازہ کنیم || یادِ آں مظلوم را تازہ کنیم

مرحبا اے سرفروشاں مرحبا

نامِ اسلام است زندہ از شما

تذکرۂ برادری

"انتشار قومی کی المناک داستان" کے عنوان سے میں نے عریضہ ابلاغ خدمت کیا تھا۔ جو "القریش" مطبوعہ نومبر میں "ایک دردناک خط" کے تحت شائع ہوا۔ مجھے توقع ہی نہیں۔ یقین واثق تھا۔ کہ بزرگان خاندان چوہدری والہ ان دردناک حالات کی اصلاح کے لئے کچھ حرکت کریں گے۔ صبر آزما طریق پر انتظار کرنے کے بعد میں افسوس کے ساتھ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ روشنی بیداری اور تگ ودو کے اس زمانہ میں بھی اس خاندان پر وہی حالت طاری ہے۔ آہ! اس دردناک آواز پر بھی کسی فرد خاندان کا خون حرکت میں نہیں آیا۔

پچھلے دنوں مجھے تھوڑے سے وقت کیلئے امرتسر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ تبادلہ خیالات کے لئے آپ کے دفتر میں پہونچا۔ آپ کی ملاقات سے تو محروم رہا۔ لیکن ادھر ادھر سے اتنا ضرور معلوم ہوا۔ کہ بعض کج فہم خود بین اور نخوت پسند طبائع کو یہ صاف صاف باتیں شاق گذریں اور انہوں نے اس پر ناک بھوں چڑھائے ہیں مجھے اس ذہنیت پر رہ رہ کر افسوس آتا ہے۔ آہ! جس خاندان کے افراد کی بےحسی کا یہ عالم ہے۔ اس سے اصلاح کی توقع ہیجڑا دل سے مرادیں کے مترادف ہے۔

میں مخدومنا حضرت پیر غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی سجادہ نشین کے احساسات کی تعریف کرتا ہوں ان کا اصلاحی لٹریچر مجھے اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے آپ نے میرے اس خط سے متاثر ہوکر "انتشار قومی کا علاج" کے عنوان سے جو سطور سپرد قرطاس کی ہیں وہ قابل غور ہیں۔

مجھے آپ کے اس نوٹ کی مطالعہ سے مسرت ہوئی۔ جو آپ نے "انتشار قومی کا علاج" کے تحت خاندانی نسب نامہ معہ تاریخی حالات کی ترتیب کے متعلق درج کیا ہے۔ خدائے عزوجل آپ کو توفیق عطا کرے میں چاہتا تھا۔ کہ "درد انگیز خط" کے سلسلہ میں کچھ اور بھی سپرد قلم کروں۔ مگر متعلقین خاندان کے تدبر، تفکر، نے برعکس نام نہند زنگی کا فور کا رنگ پیدا کرکے زبان قلم ساکت کردی ہے۔ خداوند کریم اس شوریدہ بخت خاندان پر اپنا فضل وکرم کرے

سوختہ جگر، نظیر

قاضی غلام مصطفےٰ ساکنہ رماس (امرتسر) کا انعقاد استقرار حق، دربارہ اس کے کہ "قاضی" کوئی قوم نہیں۔ بلکہ ایک عہدہ ہے۔ سردار گورچرن سنگھ صاحب جج امرت سر کی عدالت سے سردار شیوچرن سنگھ صب جج کی عدالت میں منتقل ہوگیا ہے۔ خانصاحب پنجاب کے ایک مشہور، مقتدر، معزز اور منصف مزاج خاندان کے جلیل القدر فرد ہیں۔ ہمیں آپ سے انصاف ودادرسی کی پوری توقع ہے۔

مدعی اپنے پاس ایسی مصدقہ دستاویزات رکھتا ہے۔ جن میں اس کے بزرگوں کی قومیت قریشی درج ہے۔ مثل حقیت بندوبست سال ۱۹۱۲ء کی باضابطہ نقل جو عرضی دعوے سے شامل کی گئی ہے۔ میں اسکی قومیت صاف طور پر "قریشی" درج ہے۔ اجرائے ایکٹ انتقال اراضی سے قبل کی دستاویزات جو ہمیں درشتہ پہونچی ہیں شاہد ہیں کہ مدعی قوم قریش سے ہے ان کی رشتہ داریاں صحیح النسب قریشیوں سے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ خانصاحب کے عدل و انصاف سے مدعی ضرور متمتع ہوگا۔

مولانا غلام ربانی صاحب بھکر سے تحریر فرماتے ہیں کہ قومی تنظیم کے سلسلہ کی ابتدائی کڑی جو ہونی چاہئے تھی۔ اس کی جانب ہنوز توجہ نہیں دی گئی۔ قومی اجلاس میں تعویق در تعویق کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ اس اہم ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اگر کوئی قادر الکلام صاحب از رہ حمیت قومی سعادت سے یہ فرض انجام دینے کے لئے میدان میں آجاتے۔ اور وہ پنجاب کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے جلسوں کا اہتمام کر کے قومی تنظیم پر تقریر فرماتے۔ تو یقیناً تنظیمی پروگرام کا بہت سا حصہ مکمل ہو جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ قریش کی موجودہ بیجسی ایسا ہمدرد اور ایثار پیشہ انسان پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ کہ اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص خواہ وہ فارغ البال اور ضروریات زندگی سے بے نیاز ہی کیوں نہ ہو۔ اپنا آرام وچین سفر کی صعوبتوں کے نذر کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ تاہم یہ ہو سکتا تھا کہ کوئی معقول و موزوں ہستی مناسب معاوضہ پر حاصل کر لی جاتی۔ میرے خیال میں اب بھی اس طریق عمل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور تنظیمی سلک کی پہلی کڑی یہی ہے۔ لہذا میں قومی جماعت کے کارکن حضرات کی خدمت میں عرض کرونگا۔ کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں ادہر توجہ معطوف کریں۔"

رائے صائب اور تجویز معقول ہے۔ محترم مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ پیشتر ازیں اس پر عمل ہو چکا ہے۔ سفیر کے علاوہ دو سال ہوئے خود ہم عازم سفر ہوئے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ امرتسر سے پشاور تک کے نواح میں پھر گئے۔ مگر سوائے تکلیف اور کوفت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ گذشتہ اشاعت کے "تذکرہ برادری" میں پیر امیر علی شاہ صاحب کا مکتوب ملاحظہ فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ

تنظیمی جنون کے ازالہ کے لئے ایک روز برادری کو دعوت جلسہ دی۔ خدا خدا کر کے چند احباب نے تکلیف فرمائی۔ اور تشریف لے آئے۔ اور نشستند و گفتند و برخاستند پر معاملہ ختم ہو گیا۔ آپ اس مکتوب کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ تو آپ کی تسلی ہو جائے گی۔ وہ کونسا پاپڑ ہے جو اس قوم کی اصلاح کے لئے نہیں بیلا گیا۔

فاضلکا کا جلسہ بھی تو اسی دور کی ایک کڑی تھی۔ جو دو سال کی کشاکش سے اتنی گھس گئی کہ اب

ٹوٹ ہی تو گئی۔ رؤسائے سرانوالاں لٹے اور دیگر متقدرین قوم بیٹھ گئے۔ بودلہ حضرات بیدار ہوئے تو چشتی بزرگان سوگئے۔ اور نوبت بایں جارسید کا معاملہ بن گیا۔

انشاء اللہ تعالیٰ پھر غور ہوگا۔ اور آپ کی رائے کی قدر کی جائیگی۔ دیکھیں خدائے تبارک وتعالےٰ کو کیا منظور ہے۔ خدا توفیق دے اور اپنا فضل و کرم شامل حال کرے۔ آمین !

پیر احسان الٰہی صاحب اس استقرار یہ دعوے کا فیصلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ جو مراسیان پونچھ نے عدالتی قریشی تسلیم کئے جانے کے لئے وہاں کی کسی عدالت میں دائر کر رکھا تھا۔ معزز ناظرین القریش میں سے کوئی صاحب اس کے مفصل کوائف سے اطلاع دینے کی تکلیف فرمائیں۔ اگر ممکن ہو تو مکمل نقل کی ترسیل سے مشکور کریں۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کہ عدالت نے کن دلائل و وجوہ کی بناپر اس انکے دعویٰ کی تردید و تائید کی ہے۔ قریشی برادران پونچھ توجہ فرمائیں۔

پنجاب کے متقدر، تعلیم یافتہ، برسر روزگار قریشی حضرات کی ایک مفصل و مکمل فہرست مطلوب ہے ناظرین القریش سے استدعا ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے شہر قصبہ و قریہ کی مطلوبہ فہرستیں مرتب کرکے ارسال فرمائیں۔ بعد کوشش کی جائے۔ کہ ولدیت، اصل سکونت، عہدہ، تنخواہ، زمیندارانہ حیثیت، تعلیمی قابلیت خاندانی خدمات، ذاتی خدمات، موجودہ جائے رہائش وغیرہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ فہرست میں آسکیں۔

عباسی سرداران چھپاٹی اور قریشی برادران پونچھ کی عنان توجہ اس مراسلت کی جانب معطوف کرائی جاتی ہے۔ جو فروری کے القریش کے تذکرۂ برادری میں ایک پونچھی دردمند قوم کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ ہم پونچھ کے دردمندان قوم کی حمیت قومی سے متوقع ہیں۔ کہ وہ قومی دبہبود کے پیش نظر اپنے قومی جریدہ کی توسیع اشاعت کے لئے تابحد امکان سعی کرکے عند اللہ ماجور و عند القوم مشکور ہونگے۔ قومی ضروریات کا اقتضا یہ ہے۔ کہ اس کی آواز میں بلندی و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہر فرد قوم اپنے قومی جریدہ کی اعانت و امداد کے لئے تل جائے۔ اور اس کی آواز کو گوش ہوش سے سنے اور اس پر عامل ہونے کی توفیق چاہے اس سلسلہ میں ہمیں بہی خواہان قوم سے عملی توجہ کی توقع ہے۔ خانصاحب سردار محمد اکرم خاں رئیس چھپاٹی سردار فضل داد خانصاحب ریٹائرڈ انسپکٹر رئیس چھپاٹی قریشی نور محمد صاحب تحصیلدار، اور ڈاکٹر محمد حیات خاں صاحب میڈیکل افسر اپنی اس قومی ضرورت کی جانب توجہ معطوف کرینگے ؟ صدیقی خاندان چوہدریالہ کا نسب نامہ کی ترتیب ہو رہی ہے۔ قریباً آدھا کام ختم ہوچکا ہے۔ چونکہ کتابی شکل اور تاریخی حیثیت سے ترتیب دیا جارہا ہے۔ اس لئے اسمیں ہر شخص کے کچھ نہ کچھ حالات زندگی دیئے جارہے ہیں خاندان سے متعلقہ احباب اپنے اپنے حالات جلد از جلد بھجوادیں۔

فرخندہ بنیاد حیدرآباد

مجلس انتظامی اساتذہ اور طلبہ نے قدیم مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن کی جانب سے بارگاہ خسروی میں "شمس الملت والدین" کا لقب پیش کیا ہے۔ جس کو حضور خسرو دکن و برار نے قبول فرمالیا۔

شمس الملتہ والدین سلطان العلوم تاجدار دکن دام اللہ اقبالہٗ و اجلالہٗ نے براہم خسروانہ دائرۃ المعارف علماء و مستشرقین کی استدعا پر علماء و مشائخ جامعہ ازہر کے خیر مقدم کی تقریب پر حسب ذیل پیام تاریخی حیثیت میں دیا ہے۔

علماء جامعہ ازہر ہماری سلطنت کے ایک قدیم علمی ادارہ دائرۃ المعارف کا معائنہ کر رہے ہیں۔ جس نے اپنی علمی و ادبی شہرت تمام ممالک و امصار میں قائم کر دی ہے اس کی اہم مطبوعات اور تحقیقات جدیدہ کی اشاعت نے ہماری سلطنت کا علمی وقار پیدا کر دیا ہے۔

پس میں ان خدمات علمیہ کی دل سے قدر کرتا ہوں دائرۃ المعارف کو جن کتب خانوں سے مستفید کیا ہے۔ ان کی عزت کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ مجلس دائرۃ المعارف اس سے زیادہ اہم مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے دائرہ علم و عمل کو وسیع کرے گی۔ ساتھ ہی میں تمام ان علمی ادارات کو بنظر استحسان دیکھتا ہوں جو ہندوستان اور دیگر ممالک میں احیاء علوم و فنون کے لئے قائم ہیں۔ کیونکہ علم و تعلیم کی اشاعت ہمارا ایک اہم نصب العین ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ہز ہائینس پرنس آف برار والا شان حضرت ولیعہد بہادر نے "مجلہ عثمانیہ" کے جشن سیمین نمبر" کے ذریعہ ملک کے نوجوانوں کو ایک بصیرت افروز پیام سے مشرف فرمایا ہے جس سے آپکی بیدار مغزی و روشن خیالی کا اظہار ہوتا ہے

"اعلیٰحضرت بندگان عالی مدظلہٗ العالی کے سلور جوبلی کے مبارک و مسعود موقع پر نوجوانان حیدرآباد کو میرا یہ پیام ہے۔ کہ سب سے پہلے ہم سب کو خداوند عالم کی بارگاہ میں سر بسجود ہو کر باری تعالیٰ جل شانہٗ کے اس بے پایاں فضل و کرم کا شکر بجا لانا چاہیئے۔ کہ اس نے حضرت ظل سبحانی خسرو دکن آصفجاہ سابع کے عہد میمنت مہد کے پہلے بست و پنج سال ایسی خیر و خوبی اور افضال و برکات سے گذارے جس کی نظیر اس پر آشوب زمانہ میں دوسرے ممالک میں کم ہے۔ اور اس زریں عہد میں ایسی ایسی ترقیوں کے ذرائع عطا فرمائے۔ جس سے حیدرآباد کا نام نہ صرف ہندوستان میں بلکہ اقطاع عالم میں مشہور ہوا۔ اس کے بعد میں نوجوانان ملک کو مخاطب کر کے یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ خواہ وہ سپاہی ہوں یا سویلین ملازم سرکار ہوں۔ یا آزاد پیشہ۔ غرض جو کچھ ان کا ذریعہ معاش ہو۔ ان میں ہر ایک کو یہ تصور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ اس معنی میں ایک سپاہی ہے۔ کہ ہر وقت اور ہر لحظہ وہ اپنے ملک اور مالک کی خدمت

صدر نشین مسلم تعلیمی کانفرنس کے ارشادات

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا خطبہ صدارت

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے جو تقریر فرمائی ہے۔ اس میں انہوں نے موجودہ تعلیم کے نقائص پر روشنی ڈالتے ہوئے ثانوی تعلیم کے متعلق بصیرت افروز تصریحات فرمائی ہیں۔ اس خطبہ صدارت کے مطالعہ سے قارئین کرام اندازہ کریں گے۔ کہ ماہر تعلیم نے طالب علم کی زندگی کو کس طرح اجتماعی زندگی کا جزو لائیفک قرار دیا ہے۔ اور نظر حاضر کے اس غلط نظریہ کی کس خوبی سے تردید فرمائی ہے۔ کہ تعلیم کی غرض صرف پیٹ پالنا ہے:۔

تعلیم اور تمدنی زندگی ہر جماعت اپنے وجود کو قائم رکھنے۔ اپنے ماضی کی تحصیلات کو محفوظ کرنے اور ان میں حسب ضرورت تبدیلی اور اضافہ کرنے کا اہتمام اپنی تعلیمی کوششوں ہی سے کرتی ہے۔ اپنی آنے والی نسلوں کی ذہنی نشوونما کا کام اپنے موجودہ تمدن کی چیزوں سے لیتی ہے۔ نوخیز دماغ ان چیزوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو ان کی خفتہ ذہنی قوتیں بیدار ہوتی ہیں۔ اور تربیت پاتی ہیں۔ اور یوں تربیت پاکر اس متاع تمدنی میں اضافہ کرنے اور اسے بدلنے کی صلاحیت بھی اپنے اندر پیدا کرتی ہیں۔ تعلیم نام ہی اس کا ہے۔ کہ متعلم کے کل قوائے جسمانی و ذہنی کی تربیت کرکے ان میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ اور اسے تمدنی زندگی کے کل شعبوں کا محرم بناکر اس میں اپنی استعداد کے مطابق حصہ لینے کے لئے تیار کیا جائے۔ لہذا تعلیمی نظام کی تشکیل اسی وقت ممکن ہے۔ کہ جماعت کے سامنے کوئی تمدنی نصب العین موجود ہو

جدید تعلیم کا نصب العین اکثر کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی جدید تعلیم جو سرکاری محکمہ تعلیم کی پابند اور مقلد ہے۔ کوئی نصب العین نہیں رکھتی۔ مگر میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔ نصب العین کے وجود کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ معین الفاظ میں قلمبند ہو تعلیم دینے والوں تعلیم کا انتظام کرنے والوں۔ تعلیم دلانے والوں کے ذہن میں اس کا ہونا اور ان کے عمل سے اس کا اظہار کافی ہے۔

ہاں! تو یہ نصب العین یہ تھا۔ کہ اس ملک کے مسلمانوں میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کے افراد کی معتد بہ تعداد اپنا پیٹ پال لے، سرکاری نوکریاں پا پاکر آرام چین اور ہاں تھوڑی سی حکومت کے ساتھ زندگی کے دن کاٹنے کے قابل ہو جائے اچھا ہے یہ چند افراد اپنی خوشحالی کا معیار جسقدر بڑھالیں اتنی ہی قوم خوشحال سمجھی جائے۔ اس راہ میں جو کانٹے ہوں۔ وہ ہر طرح

کم کی جائیں۔ مستقبل کے مشتبہ منصوبوں سے حال کی یقینی بہرہ مندیوں میں ہرج نہ ہو۔ اور قومی آخرت کا تصور انفرادی دنیا کے عیش میں خلل نہ ڈالنے پائے۔ معاشر بدل جائے۔ اپنی پرانی معاشرت بری ہے۔ اور بری اس لئے ہے۔ کہ ایک با اقبال صاحب اقتدار قوم کی معاشرت سے مختلف ہے۔ سیاست سے بے تعلقی رکھی جائے۔ اس لئے کہ انفرادی ترقی و ترفع کے لئے اپنی جماعت کے سیاسی اقتدار کی ضرورت کچھ بہت واضح نہ تھی۔ حکومت کی جو شکل بھی ہو بس وہ امن قائم رکھ سکے۔ محکوموں کے معاملا باہمی میں انصاف کر سکے۔ نوکریاں دے۔ چند افراد کو مراتب بلند تک پہنچا سکے۔ کہ اس کا کام نکلے۔ اور ہماری عزت بڑھے۔ مذہب اکہ صدیوں اس جماعت کی زندگی کا مرکز رہ چکا تھا۔ چھوٹتا تو کیسے ضرور قائم رکھا جائے۔ مگر اس طرح کہ دوسرے ارادوں میں بھی مانع نہ ہو۔ اور ترقی کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے۔ معاملات پر، کہ اہل دنیا سے متعلق ہیں۔ اس کی تعلیمات اور ان کی حکمتوں کو زیادہ نہ ابھارا جائے۔ چپ چپاتے دوسرے زیادہ ترقی یافتہ، اہل دنیا کے اسالیب عمل کو اختیار کر لیا جائے البتہ عقائد و عبادات پر زبانی زور رہے اور عملاً رخصت اور حیل، احساس مذہبیت کے باب میں خود فریبی کے لئے مذہب کے ان حصوں پر جو اوراد و نفل ہیں۔ عقلی بحثیں اور فلسفہ و حکمت سے تطابق کی کوششیں بھی ہوتی ہیں تو مضائقہ نہیں۔

اس نصب العین کے حصول کے لئے جو نظام تعلیم کارآمد ہو سکتا تھا۔ وہ وجود میں آگیا۔ بہت کچھ حصول کی مدد سے کچھ کچھ اپنی کوشش سے اس نظام تعلیم کے پیش نظر ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا تھا۔ کہ نوجوان لکھنا پڑھنا سیکھ کر سرکاری ملازمت حاصل کر لیں۔ اپنا پیٹ پال لیں۔ معاشرت میں مغربی نمونوں کی بھلی بری نقل اتار سکیں۔ مذہب کے سرے سے منکر تو نہ ہوں مگر اس کی حیات بخش اور زندگی پرور قوت سے محروم رہیں۔ تو ہرج نہیں۔ سیاست کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہیں، شخصی مفاد کی خاطر قوم کا نام لینے کی ضرورت پڑی۔ تو یہ ہنر زمانہ خود سکھا دیگا۔ یعنی تعلیم عبادت تھی۔ چند جزوی ہنر مندیوں سے طاعت شعار کی چند عادتوں سے انفرادی معاشی خوشحالی کے لئے مسابقت اور مقابلہ کے رجحانات سے۔

ہم نے جو تعلیمی ادارے خاص مسلمانوں کیلئے بنائے اور ان میں اپنی قوت اور وقت اور وسائل کا جو صرف کثیر نصف صدی سے زیادہ سے زیادہ کیا ان کو دیکھئے کیا انہوں نے بھی اسی نصب العین کی خدمت انجام نہیں دی۔ اکبر مرحوم نے تعلیم یافتہ آدمی کی زندگی کا جو خلاصہ کیا ہے۔ کہ بی۔ اے کیا۔ نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے! کیا وہ ہمارے ان ملی اداروں کے تعلیم یافتوں پر بھی صادق نہیں آتا؟ ہم کسی معنی میں انہیں اسلامی ادارے بتاتے ہیں؟ کیا اسلام میں زندگی اسی پیٹ پالنے اور مر جانے کا نام ہے؟ کیا اسلام کے پیش نظر جماعت کا یہی تصور ہے کہ وہ الگ الگ افراد کا بس ایک اتفاقی اور افادی مجموعہ ہے؟ کیا اسلام کی مذہبیت ایسی ہی رسمی اور ضابطی چیز ہے

جیسی کہ ان مدرسوں کے عمل سے ظاہر ہو رہی ہے؛ کیا اسلام کی سیاست ایسی ہی عاقبت پسندی اور دریوزہ گری کی سیاست ہے۔ کیا شخصی مفلوکی خاطر اسلام اپنے ماحول اور اپنی جماعت کے مقاصد کی طرف سے ایسی ہی بے اعتنائی سکھاتا ہے۔ جیسی کہ ہم نے اپنی تعلیمی کوششوں سے پیدا کی ہے۔ نہیں اور ہزار بار نہیں

شہدا علی الناس کا منصب

مگر یہ رونا اپنے تعلیمی نظام کا نہیں۔ اپنی قومی زندگی کا رونا ہے۔ قومی انتشار و انحطاط نے قوم کے نصب العین ہی کا اتنا پست بنا دیا تھا۔ پھر تعلیم اپنا دامن کیسے بچاتی۔ لیکن اس وقت کہ ہم کچھ کچھ اس نصب العین کو غلط سمجھنے لگے ہیں اگر اس تعلیمی نظام کو ہم نے نہ بدلا۔ تو پھر خود نصب العین کو پست رکھنے کی ذمہ داری بھی تعلیم پر آئیگی۔ شکر ہے کہ آج پھر ہمیں اپنی حقیقت کا کچھ کچھ احساس ہوتا جاتا ہے۔ ہم کچھ کچھ سمجھتے جاتے ہیں۔ کہ قومی زندگی کا وہ انفرادی انتشاری تصور ہم نہیں اپنا سکتے۔ جو اس دور انحطاط میں ہم پر مسلط ہو گیا تھا۔ کہ اس سے تو وجود ملت ہی کے مٹ جانے کا خدشہ ہے۔ ہم پھر اپنی ملی ہستی کی خالص دینی اور اخلاقی اساس کو دیکھنے اور سمجھنے لگے ہیں۔ ہمیں اپنی ملت کے انسانی اور عالمی فرائض کا بھی کچھ کچھ دھیان پھر آنے لگا ہے۔ اور کانوں اور دلوں تک شہدا علی الناس کے منصب اور ذمہ داریوں کی یاد دلانے والی آوازیں بار پانے لگی ہیں۔ ہم دین کی خارجی اہمیت کی جگہ اس کی تخلیقی اور تنویری قوت کی طرف بھی آنکھیں اٹھانے لگے ہیں۔ جو ساری زندگی پر حاوی ہو کر اسے بامقصد و بامعنی بناتی

اور کل زندگی اور کل کائنات میں ہمیں ہماری حیثیت اور جگہ بتاتی ہے۔ اور ایک ایسی دنیا جو نسل، وطن، اور دولت کی تفریقوں سے انسانیت کے لئے جہنم بن گئی ہے پھر ہم سے اس حقیقی عدل و مساوات کی فرمانروائی کا پیام سننے اور اس کا عملی تجربہ دیکھنے کے لئے بیتاب ہے جو ایک امی نبی نے دنیا کو سنایا۔ اور دکھایا تھا۔ کیا ملت اسلامی اس تقدیر اس موقع اور اس ذمہ داری کو دو روٹیوں کے بدلے بیچ دے گی ؟

اس سوال کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ اسلئے کہ قوم کے نصب العین کو بدلنے کا کام اس کے معلموں اور مفکروں اس کے ادیبوں اور شاعروں اس کے دینی خادموں اور سیاسی کارکنوں کا بھی ہے اور اسکے اعلیٰ تعلیمی اداروں کا بھی اسلئے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے اس مرکز میں جہاں اکابر ملت اس خاص موقع پر مجتمع ہیں میں نے آپکی توجہ اس طرف منعطف کرانیکی جرأت کی۔ اگر آپ اپنی حیات قومی کی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں ہیں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ قوم کو ان مضر خیالات اور مہلک ذہنی عادات سے نجات دلائیں جن سے اسکا وجود خطرہ میں ہے جوں جوں آپ قومی تخیل میں اس نئے مگر دراصل پرانے نصب العین کو جاگزیں کرتے جائینگے۔ آپ کا نظام تعلیم اسکے ساتھ ساتھ بدلنے پر مجبور ہو اور ایک نظام تعلیم کیا حیات ملی کے تمام گوشے جنہیں پست منفعت نے اجاڑ دیا ہے نئی امنگوں اور نئے نئے ولولوں نئی کوششوں اور نئی امیدوں، غرض ایک نئی زندگی کی بہار سے لہلہا اٹھیں گے اور اگر آپ اپنی قومی زندگی کی موجودہ پستی پر مطمئن ہیں۔ تو میں آپکو بشارت دیتا ہوں کہ آپ کے ثانوی مدرسے ہی کیا آپکا سارا تعلیمی نظام بالکل ٹھیک ہے۔ اسمیں ذرا تبدیلی نہ کیجئے۔ وہ معاشرت

دلچسپ تاریخی واقعات

ابوجعفر منصور - خلیفہ ابوجعفر منصور کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ ایک دفعہ ان سے ملنے کیلئے ایک ایسا شخص آیا جس کے ہاں وہ مسند خلافت پر متمکن ہونیسے قبل مہمان رہ چکے تھے۔ منصور نے اس سے اسکی شان نزول دریافت کی معلوم ہوا کہ اس پر چار ہزار درہم قرض ہیں اور بعض دوسری اہم ضروتیں درپیش ہیں منصور نے اسے بارہ ہزار درہم عطا کئے۔ اور اس سے کہا۔ کہ آپ آیندہ میرے پاس تشریف لانیکی زحمت گوارا نہ کریں۔ لیکن وہ کہاں ماننے والا تھا یہ رقم ختم ہوگئی تو وہ پھر آ موجود ہوا۔ خلیفہ نے دریافت کیا اب کیسے آنا ہوا۔ اس نے جواب دیا ویسے ہی سلام کیلئے حاضر ہوگیا ہوں۔ خلیفہ نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پھر تمہیں کوئی ضرورت پیش آگئی ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں بعض ضرورتیں بھی ہیں منصور نے اب کی مرتبہ پھر اسے بارہ ہزار درہم عطا کئے۔ اور ساتھ ہی اسے ہدایت کردی۔ کہ آیندہ آپ مجھے سلام کرنے کیلئے بھی تشریف نہ لائیں۔ لیکن منصور یہ دیکھ کر حیران رہگیا۔ کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوگیا۔ منصور نے پوچھا اب کس غرض سے آئے ہو۔ عرض کی میں نے سنا ہے کہ حضور کو ایک ایسی دعا معلوم ہے جسکی برکت سے ہر ایک حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ مہربانی فرماکر یہ دعا مجھے بھی بتا دیجئے۔ لیکن منصور اسکا بھی استاد نکلا۔ اس نے جواب دیا مجھے ایسی دعا معلوم ہے۔ میں اسکے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے جو درخواست کرتا تھا وہ پوری ہوجاتی تھی۔ لیکن اب اس دعا میں ذرا بھی اثر نہیں رہا۔ میں نے تم کو پہلی دفعہ تمہارے جانے کے بعد اسکے ذریعہ سے بارگاہ ایزدی میں عرض کی تھی کہ آئندہ تم میرے پاس نہ آؤ۔ لیکن تم پھر نازل ہو گئے اس جواب سے سائل شرمندہ ہوگیا۔ اور پھر کبھی اس نے منصور کے قصر کا رُخ نہ کیا۔

امام ربیعہ - امام ربیعہ حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں گذرے ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے فاضل اجل، و امام تھے۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت امام مالک و حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہما کو انکی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ ان بزرگ کے متعلق کتب تاریخ میں نہایت دلچسپ واقعہ مذکور ہے۔ ابھی وہ شکم مادری ہی میں تھے کہ انکے والد ماجد نے جو ایک مجاہد سردار تھے۔ جہاد کی غرض سے اپنے وطن مدینہ کو خیرباد کہدیا۔ اور ۲۷ سال تک باہر رہے۔ روانگی کے وقت وہ اپنی بیوی کو تیس ہزار اشرفیاں دے گئے تھے۔ جب ربیعہ پیدا ہوئے۔ تو انکی والدہ نے یہ گرانقدر رقم انکی تعلیم پر صرف کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ امام زماں بن گئے۔ مسجد نبوی میں مسند دعوت و ارشاد پر جلوہ گر ہوئے۔ اور ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کیلئے دور دور سے تشنگان علم و عرفان جوق درجوق آنے لگے۔

اسی اثنا میں والد ماجد واپس وطن میں آئے لیکن اسی مجاہدانہ شان کے ساتھ۔ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ گھر پہنچ کر دروازہ پر دستک دی۔ ربیعہ باہر نکلے اور پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور بے باکی کے ساتھ مکان میں داخل ہونے لگے۔ ربیعہ نے انہیں روک دیا۔

تقدیر کے پلٹے

(از مولانا سید ظہور احمد صاحب وحشی)

(۱)

اصغر علی ذہین تھا۔ ہوشمند تھا۔ شریف النسب تھا وجیہ و خوبصورت تھا۔ اس کے قوی مضبوط اور صحت عمدہ تھی۔ خوش اخلاق تھا۔ غرض اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتا تھا۔ لیکن خوبیوں کے ساتھ کچھ برائیاں بھی اسمیں تھیں۔ اور سب سے بڑی برائی یہ تھی۔ کہ نہائت سست نہائت کاہل اور نہائت آرام طلب تھا۔ جب سے وہ پیدا ہوا اس وقت سے آج تک یعنی ۳۲ سال کی عمر تک اس نے کوئی کام نہیں کیا۔ تعلیمی زمانہ نہائت بے پروائی اور لہو و لعب میں بسر کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ معمولی اردو فارسی کے علاوہ کچھ نہ آیا۔ انگریزی پڑھنے کے ارادہ ہی ارادہ میں لڑکپن اور شباب کا زمانہ گذر گیا۔ اور والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اصغر علی کے والد میاں اکبر علی میونسپلٹی میں سو روپے ماہانہ کے اکونٹنٹ تھے اور اس لئے میاں اصغر کی زندگی بہت آرام سے گذرتی ہے۔ اور ملازمت یا تجارت کی زحمتیں گوارا کئے بغیر وہ جو چاہتے تھے۔ خرچ کرتے تھے۔ جب آدمی کوئی کام نہیں کرتا۔ اور ۲۴ گھنٹے بیکاری میں بسر کرتا ہے۔ تو اس کی خیالی قوتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اور وہ ہر وقت طرح طرح کی خیال آرائیوں میں معروف رہتا ہے۔ میاں اصغر چونکہ جوان تھے اور رگوں میں گرم خون گردش کر رہا تھا۔ اس لئے ان کے دماغ میں ایسے خیالات کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ جو اٹھتی ہوئی جوانی کے جذبات کو دبا سکیں۔ خیال عمل کی پہلی منزل ہے۔ جب دماغ میں کوئی خیال راسخ ہو جاتا ہے تو جلد یا بدیر حسب موقع وہ عمل میں بھی آجاتا ہے۔ میاں اصغر موقع پاتے ہی ان خیالات کو عملی صورت میں لانے لگے۔ ان کے والد ماجد کو جب صاحبزادہ کے اس درجہ بالغ ہوجانے کا علم ہوا۔ تو اس کے سوا اور کوئی علاج سمجھ میں نہ آیا۔ کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دی۔ یہ علاج تیر بہدف ثابت ہوا۔ اور میاں اصغر کے خیالات ایک مرکزی صورت اختیار کر کے تمامتر بیوی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

(۲)

جو شخص بچپن سے لڑکپن کی منزل میں آیا۔ اور لڑکپن سے گذر کر اس نے جوانی کی فضا میں قدم رکھا۔ وہ اگر یہ خیال رکھتا ہو۔ کہ دنیا ایک حال پر رہ سکتی ہے تو اس سے زیادہ بیوقوف کون ہو سکتا ہے۔ غالباً میاں اصغر بھی ایسے ہی بیوقوفوں میں تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مستقبل کی مطلق پروا نہیں کی۔ نہ اپنے اندر کوئی جوہر پیدا کیا۔ نہ محنت و مشقت کی عادت ڈالی جس کی بدولت وہ لوازم زندگی بہم پہنچا سکیں۔ ایسے ناعاقبت اندیش اشخاص کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اور یہی حشر

میاں اصغر کا ہوا۔ ان کے والد اپنی زندگی کے پچپن سال پورے کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ اس حادثہ کے ساتھ میاں اصغر کی تمام راحتیں اور بے فکریاں بھی رخصت ہو گئیں۔ کیونکہ اب آمدنی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا مرحوم کی پراویڈنٹ فنڈ میں کل سات سو روپے نکلے اور یہ رقم تجہیز و تکفین وغیرہ میں صرف ہو گئی۔ میاں اصغر کی ملکیت میں اب اپنے مکان مسکونہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اس کی قیمت سات آٹھ سو روپے سے زیادہ نہ تھی۔ گھر میں نصف درجن آدمیوں کا خرچ تھا۔ میاں اصغر کے سوا ان لوگوں کا کوئی وارث اور خبر گیر نہ تھا لیکن اس مصیبت کے زمانہ میں بھی میاں اصغر کے خون میں کوئی غیر معمولی گردش پیدا نہیں ہوئی۔ ان کا دل اب بھی محنت کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ البتہ وہ روپے کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ غیب سے کوئی سبیل نکل آئے۔ وہ دفتروں اور کچہریوں میں تلاش معاش کے لئے ٹھوکریں نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ اپنے وطن کے عاملو فقیروں اور درویشوں کے پاس یہ خیال دل میں لے کر حاضر ہوتے تھے۔ کہ شائد انہیں کیمیا کا کوئی نسخہ ہاتھ آجائے یا کسی درویش سے کوئی ایسا سرمہ مل جائے۔ جسے آنکھوں میں لگانے سے زمین کے مخفی دفینے نظر آنے لگیں۔

(۳)

ایک دن شب کی بے زری اور تہیدستی نے اصغر کو بہت ستایا تھا۔ انہوں نے غسل کر کے تمام رات اپنے مکان کے بالاخانے پر وظیفے پڑھے اور دعا مانگی۔ کہ اے خدا اگر تو نے مجھے دولت عطا کی۔ تو میں تمام عمر تیری عبادت اور تیرے بندوں کی خدمت میں بسر کرونگا میں ایک پیسہ کسی ناجائز کام میں صرف نہ کرونگا۔ میرے ذاتی مصارف سے جو کچھ بچے گا اسے تیری راہ میں اٹھاؤنگا۔ اے خدا تو آسمان سے سونے چاندی کا مینہ میرے گھر میں برسا دے۔ یا اے خدا تو کسی فرشتے کو حکم دے کہ سامنے کے طاق میں دو اشرفیاں روز رکھ دیا کرے۔ خداوند اہر شخص کہتا ہے۔ کہ خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ مجھے بھی اسی طرح عطا کر۔ پروردگار اگر یہ طریقے تجھے پسند نہیں۔ تو کھانے کا ایک خوان فرشتوں کے ہاتھ بھیجے بھیجدیا کر۔ یا کسی جن کو میرے تابع کر دے۔ جو میری ضرورت کو پورا کر دیا کرے۔ میاں اصغر کی دعاؤں کا سلسلہ صبح تک قائم رہا۔ اور محنت کے بغیر کام نکلنے کی جتنی صورتیں اُن کے ذہن میں آسکتی تھیں۔ وہ سب انہوں نے اپنی دعا میں بیان کیں۔ چونکہ وہ تمام شب بیدار رہے تھے اس لئے صبح ہوتے ہی بے اختیار سو گئے۔ اور دن کے دس گیارہ بجے تک سوتے رہے۔ خواب میں انہوں نے دیکھا۔ کہ ایک قوی ہیکل نقاب پوش ان کے پاس آیا ہے اور ایک نقرئی تھالی اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے نصف حصہ میں پان کی گلوریاں ہیں۔ اور نصف حصہ میں اشرفیاں ہیں۔

(۴)

آنکھ کھلنے پر میاں اصغر دیر تک اپنے خواب سے متاثر رہے اور اپنے دل میں کہتے رہے کہ کاش یہ خواب

سچا ہوتا۔ اگرچہ ان کے سامنے اشرفیوں کی تھالی موجود نہ تھی۔ اور اگرچہ انہیں گھر کے کسی طاق میں کوئی رقم نہیں ملی لیکن ان کے دماغ میں یہ خیال کہ عنقریب دولت ان کے ہاتھ آیا چاہتی ہے۔ ایسا راسخ تھا۔ کہ وہ اپنی بیوی اور والدہ سے کئی دفعہ اس کا تذکرہ کر چکے تھے۔ اگرچہ اس بات کے لئے کوئی قاعدہ اور کوئی قانون مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عموماً دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ جب کوئی بات وقوع میں آنے والی ہوتی ہے۔ تو پہلے سے اسکا خیال دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ یا جو خیال دل و دماغ پر محویت کا عالم پیدا کر دیتا ہے وہ مندرجہ عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس واقعہ کے دوسرے دن میاں اصغر اپنی پھوپھی کے پاس گئے۔ جو ان کے مکان سے تین میل کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ ان کی مالی حالت کسی قدر بہتر تھی۔ اور بھائی کے انتقال کے بعد کبھی کبھی بھتیجے کی امداد کر دیتی تھیں۔ میاں اصغر جب پھوپھی کے مکان سے واپس آرہے تھے۔ تو ۲ بجے کا وقت تھا۔ دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ راستہ میں ایک پرانے قلعے کا کھنڈر پڑتا تھا۔ روائتیں مشہور تھیں۔ کہ اس جگہ وقتاً فوقتاً لوگوں کو دولت ملی ہے۔ پس قلعہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی اصغر کے دل میں دولت کا خیال پیدا ہوا۔ اور ان کی متجسس نگاہیں چاروں طرف اس طرح پھرنے لگیں۔ کہ گویا وہ ایک گم شدہ چیز تلاش کر رہی ہیں۔ سامنے ایک چیز آفتاب کی شعاعوں میں چمکتی ہوئی نظر آئی۔ میاں اصغر کو یہ معلوم ہوا۔ کہ ان کی قسمت کا ستارہ چمک رہا ہے۔ یہ تیز تیز اس کی طرف بڑھے اور جو چیز چمک رہی تھی۔ اسے اٹھا لیا۔ یہ کیا تھا؟ ایک ہیرا تھا۔ نہایت چمکدار۔ نہایت خوبصورت اور یقیناً نہایت قیمتی۔ لیکن میاں اصغر کی نظر اتنی وسیع نہ تھی۔ کہ وہ ایک اصلی اور مصنوعی ہیرے میں تمیز کر سکتے۔ تاہم انہیں دکھائی دے رہا تھا۔ کہ جو چیز انہوں نے پائی ہے۔ وہ اپنی چمک دمک اور وضع قطع میں معمولی کانچ یا بلور کے ایک تراشے ہوئے ٹکڑے سے بالاتر ہے۔ بہرحال وہ یہ ہیرا دیکھتے جاتے اور دل میں عطیہ الٰہی کا شکر ادا کرتے ہوئے گھر پہونچے۔

(۵)

ضعیف الاعتقاد لوگ جہاں بخت و اتفاق پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہاں حد درجہ کے پر امید بھی ہوتے ہیں۔ حالانکہ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ کہ میاں اصغر نے جو ہیرا پایا ہے۔ وہ اصلی ہیرا ہے۔ اور قیمت میں کسی طرح کوہ نور سے کم نہیں ہے۔ اس فیصلہ کے بعد وہ اپنے دل کو جسقدر مسرتوں سے معمور کر سکتے تھے۔ اور اپنے افلاس کے ایک دم دور ہونے پر جس حد تک مطمئن ہو سکتے تھے۔ اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ بہرکیف گھر پہنچکر انہوں نے لباس تبدیل کیا۔ ہیرے کے لئے ایک مخملی تھیلی تیار کرائی اور اسے بڑی احتیاط کے ساتھ جیب میں رکھ کر بازار پہنچے میاں اصغر ایک چھوٹے سے شہر کے رہنے والے تھے۔ اس لئے بمبئی کلکتہ۔ دہلی کی طرح جوہریوں کی وہاں افراط نہ تھی۔ بارے تین دوکاندار ایسے ضرور تھے۔ جو ہیرے کی شناخت اور قیمت کے اندازے میں مہارت رکھتے تھے لیکن میاں اصغر کو ان تین دوکانداروں میں سے اس وقت صرف ایک دوکاندار ملا۔ انہوں نے اسے ہیرا دکھایا جوہری دیکھ کر بھڑک گیا۔ لیکن اس نے بڑی ہوشیاری

کے ساتھ اپنے جذبات کو چھپایا۔ ہیرے کے متعلق دیر تک گفت و شنید جاری رہی۔ آخر کار جوہری نے دس ہزار روپے قیمت تجویز کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ میں اسے لکھنؤ لے جاکر جانچ کراؤں۔ تو یہ معاملہ طے شدہ ہوگا ورنہ فسخ سمجھا جائیگا۔ میاں اصغر کی مسرت اور تسلّی کیلئے دس ہزار روپیہ کا تذکرہ ہی کافی تھا۔ وہ دل میں اس فیصلہ پر رضامند ہوگئے۔ لیکن انہوں نے بظاہر کسی قدر توقف اور تامل کا اظہار کیا۔ جوہری نے کہا۔ کہ آپ دو ہزار نقد لیجئے اور میں آپکو ہیرے کی رسید لکھ دیتا ہوں۔ اسے اپنے پاس رکھیں۔ ایک ہفتہ کے بعد مجھ سے ملیں۔ میں لکھنؤ سے واپس آجاؤنگا۔ اور آپ اپنی باقیماندہ رقم لے جائیں لیکن ہیرا اس قیمت کا ثابت نہ ہوا۔ تو میں آپ کو اتنا روپیہ نہ دونگا۔ میاں اصغر اس قرارداد پر رضامند ہوگئے۔ جوہری نے دو ہزار روپے کے نوٹ اور ہیرے کی رسید انکے حوالے کردی

(۶)

میاں اصغر دو ہزار روپیہ کے نوٹ رومال میں باندھ کر جب چلے۔ تو انہیں زمین و آسمان میں خوشگوار انقلاب محسوس ہوا۔ انہیں بازار میں جو چیز نظر آتی تھی۔ وہ انکی ملک بننے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ سب سے پہلے ان کی توجہ اپنی جوتی کی طرف مبذول ہوئی۔ اور ان کا دل پکار اٹھا۔ کہ جس شخص کے ہاتھ دو ہزار روپے ہوں۔ اس کے پاؤں میں دو روپے کی جوتی۔ نہیں چنانچہ انہوں نے فوراً ساڑھے اٹھارہ روپے کا ایک ولائتی شو خرید کیا۔ اس کے بعد انہیں ٹوپی کا خیال آیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ تمام چیزیں یاد آئیں۔ جو باپ کی وفات کے بعد سے خواب و خیال ہوگئی تھیں۔ بہرحال گھر پہنچتے پہنچتے انہوں نے کئی سو روپے خرچ کردیئے۔ اب شام ہوگئی تھی۔ بیوی نے حسب معمول کھانا سامنے رکھا۔ لیکن میاں اصغر کو جن کی دنیا بدل چکی تھی۔ روکھی سوکھی غذا کی طرف التفات نہیں ہوا۔ پڑوس سے ایک لڑکے کو بلا کر بازار سے کھانا اور مٹھائیاں منگائیں۔ لڑکے کو ملازمت کی ترغیب دی ان مدارج کے بعد جب وہ پلنگ پر لیٹے تو انہیں کئی سال کا بھولا ہوا خواب یاد آیا۔ اور انہوں نے اپنے دل میں کہا "اُف رادھا" آنکھیں تیری صورت کو ترس گئیں تیری آواز سنے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا۔ تیرے معطر کمرہ میں بیٹھے ہوئے ایک مدت ہوگئی۔ بس اب میں ضبط نہیں کر سکتا۔ اس رقم میں تیرا بھی حصّہ ہے۔ اور آج کی رات میں تیری مہمانی میں ضرور بسر کرونگا۔ ان خیالات کے ساتھ میاں اصغر نے لباس تبدیل کیا۔ سو روپے کے نوٹ جیب میں رکھے۔ اور بازار کے اس حصہ کو روانہ ہوگئے۔ جس کی رونق شام کے بعد حصہ زیریں سے حصّہ بالا کو منتقل ہوجاتی ہے۔

(۷)

المختصر میاں اصغر نے یہ ہفتہ بڑے عیش میں بسر کیا وہ ایک ہفتہ کی مدت میں نفس کی جتنی خواہشیں پوری کرسکتے تھے۔ اور دو ہزار روپے کے اندر جس قدر سامان نشاط بہم پہنچا سکتے تھے۔ اس میں مطلق کمی نہیں کی۔ ان کو امید تھی۔ کہ امروز فردا میں آٹھ ہزار روپیہ اور ملنے والا ہے اور ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا۔ کہ شائد ابھی تقدیر کے دامن میں چند ہیرے اور بھی ہوں۔ ایک

ہفتہ گزرنے پر وہ بے تابانہ جوہری کی دوکان پر گئے تاکہ اس سے باقیماندہ رقم وصول کریں۔ لیکن اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ کہ میں صبح کی گاڑی سے آیا ہوں۔ اچھا ہوا۔ کہ آپ آگئے۔ ورنہ میں آدمی بھیجنے والا تھا۔ جناب وہ دو ہزار کی رقم واپس کیجئے۔ آپ کا ہیرا مصنوعی ثابت ہوا۔ اور یہ کہہ کر جوہری نے بکس میں سے ہیرا نکالا۔ اور میاں اصغر کے سامنے پھینکدیا۔ یہ الفاظ نہ تھے نشتر تھے اور نشتر بھی زہر میں بجھے ہوئے۔ اصغر کا یہ حال ہوا کہ "کاٹو تو لہو نہیں بدن میں" اس کے لئے دنیا نے ایک اور کروٹ لی۔ اور قسمت نے ایک اور پلٹا کھایا۔ وہ کئی منٹ تک خاموش بیٹھا رہا۔ اور پھر اس نے جوہری سے کہا۔ کہ بہت بہتر ہے میں آپ کا روپیہ واپس کردونگا۔ اور اس وقت تک یہ ہیرا آپ اپنے پاس رہنے دیں۔ لیکن جوہری نے کہا۔ کہ یہ تو ایک کوڑی کا بھی نہیں۔ اسے آپ لے جائیے اور میرا روپیہ واپس دے جائیے۔ یہ سنکر اصغر نے ہیرا جیب میں رکھ لیا۔ اور تیسرے درجے کے ایک مدقوق کی طرح لڑکھڑاتا بازار سے گھر کو روانہ ہوا۔ دو ہزار روپے میں سے اس کے پاس صرف ڈھائی سو روپے باقی تھے۔ وہ اتنی بڑی رقم کسی طرح مہیا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دل جتنا پر امید تھا۔ اب اتنا ہی نا امید تھا۔ مایوسی اس کے دماغ پر مسلط تھی۔ اس کا دل پاش پاش کر دینے کے لئے یہ صدمہ ہی کیا کم تھا۔ کہ آٹھ ہزار کی رقم سے وہ مایوس ہو گیا۔ پھر دو ہزار روپے کی واپسی اس پر مستزاد تھی۔

اُس نے جسقدر سوچا اسی قدر یہ مسئلہ لاینحل نظر آیا جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اور مذہب کی اس ہدایت کو بھلا دیتا ہے۔ کہ "مایوسی کفر ہے" تو اُسے اپنی تسکین صرف موت میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ اصغر کو بھی موت کا خیال بندھا اور شام ہوتے ہوتے اس خیال نے اس کے دماغ پر کافی تسلط حاصل کر لیا اس نے اپنے متعلقین کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور عبادت کا بہانہ کر کے بالاخانے پر چلا گیا۔ اور زینہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ خودکشی کے لئے آمادہ ہو کر آیا تھا۔ اور اس نے ۶ ماشہ سنکھیا کا سفوف ایک گلاس میں حل کر کے پینے کے لئے رکھا تھا۔ تاکہ جلد سے جلد اس کی تکالیف کا خاتمہ ہو جائے۔ وہ مرنے کے لئے آمادہ تھا۔ اور جانتا تھا۔ کہ موت کے سوا کوئی رہائی کا پہلو نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مرنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔ وہ رات کے ۲ بجے تک اپنی زندگی کے واقعات پر ریویو کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اُٹھ کر غسل کیا۔ نماز پڑھی اور سربسجدہ ہو کر اور ایسی حالت میں کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں تھا۔ اپنی وعدہ خلافیوں اور گناہوں کی معافی مانگی۔ اور رو رو کر جناب الٰہی میں عرض کیا۔ کہ خداوندا تو بڑا حلیم وکریم ہے۔ اگر میری کوتاہیوں سے درگذر کرے۔ اور ایک دفعہ اور مجھ پر کرم کرے تو میں نہ صرف خودکشی کے گناہ سے بچ سکتا ہوں۔ بلکہ اپنے گذشتہ گناہوں کی تلافی بھی کر سکتا ہوں ——— ابھی اصغر نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا۔ کہ کسی نے زور زور سے

دروازہ پر دستک دی۔ وہ دعا کا سلسلہ ختم کر کے زینہ سے نیچے اترا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ تو اسی جوہری کو جس کے ہاتھ اس نے ہیرا فروخت کیا تھا اپنے سامنے پایا۔ جوہری اصغر کو دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ اور نہائت عاجزی سے کہنے لگا۔ کہ میاں صاحب آپ میرا قصور معاف کر دیجئے۔ اصغر نے حیرت زدہ ہو کر حال پوچھا۔ تو جوہری نے بیان کیا۔ کہ میں نے آپ کے ساتھ بے ایمانی کی۔ آپ کے ہیرے کی قیمت لکھنؤ میں سولہ ہزار تجویز کی گئی لیکن میرے دل میں بے ایمانی پیدا ہوئی۔ اور میں نے اسی طرح کا ایک مصنوعی ہیرا تیار کرایا۔ آپ کا ہیرا میں نے رکھ لیا۔ اور مصنوعی ہیرا آپ کے حوالے کیا۔ لیکن جوں ہی آپ میری دکان سے اُٹھے۔ کہ میرا اکلوتا بچہ درد میں مبتلا ہو گیا۔ سب کچھ کوشش کی۔ لیکن اسے افاقہ نہیں ہوا۔ کئی جوتشی بتا چکے ہیں۔ کہ تو نے کوئی پاپ کیا۔ اور یہ اس کا خمیازہ ہے۔ میں نے آپ کے ساتھ دغا بازی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی پاپ نہیں کیا۔ بس اب آپ میری خطا کو معاف کر دیں۔ یہ چودہ ہزار روپیہ میں لے کر آیا ہوں۔ ان کو قبول کریں۔ یا اپنا ہیرا واپس لے لیں۔

عہدِ حاضر کے مُسلمان

(از علامہ سر اقبال)

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے　　مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق　　کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری　　رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ　　نہیں ممکن امیری بے فقیری

دورِ دُنیا

انگلستان میں اگلے مہینے ملک معظم کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کی طیاریاں کی جا رہی ہیں۔ جس کے بعد مسٹر بالڈون اور ان کے چند رفقائے کار سیاسیات سے کنارہ کش ہوجائیں گے۔ شائد ان کے بعد آنے والے مدبر اپنی سلطنت کی خارجہ حکمت عملی کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔

گذشتہ ہفتے کے دوران میں نہ تو ہمارے دوست سائنور مسولینی نے اپنے کسی تازہ اعلان سے دنیا کی سیاسی محفلوں میں سرگرمی کا سامان مہیا کیا۔ اور نہ ہر ہٹلر نے اپنے کسی اقدام سے سیاست بازان عالم کی رگوں میں خون کی رفتار تیز تر کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اٹلی اور جرمنی کے یہ یکہ تازان میدان سیاست کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ہیں شائد وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کہ فرانس اور برطانیہ کے مدبر آئندہ ان کے ناز برداشت نہیں کرینگے اور دونوں سلطنتیں متحد ہو کر جرمنی اور اٹلی کے ان اقدامات کی مخالفت کریں گے۔ جو ان ممالک کے مختاران مطلق استعمار پیشہ دول کے برابر حق اور مرتبہ حاصل کرنیکے لئے تجویز کر چکے ہیں

جرمنی کے ارباب سیاست ڈرتے ڈرتے نوآبادیوں اور مقبوضات کی واپسی کا سوال زبان پر لاتے ہیں۔ لیکن جب یہ دیکھتے ہیں۔ کہ کھوئی ہوئی مقبوضات کو از سر نو حاصل کرنے کی جدوجہد فرانس اور برطانیہ دونوں کو جرمنی کا دشمن بنا دے گی۔ تو پھر کس گہری سوچ میں مستغرق ہوجاتے ہیں۔ مسولینی جو بحیرہ روم کے ساحلوں پر ایک نئی رومن سلطنت برپا کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ صورت حال سے زیادہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس کا تازہ داؤں جو اس نے ہسپانیہ کی سرزمین میں ہارے کی کانوں پر لگا رکھا ہے۔ کیسے نتائج لاتا ہے۔

ہسپانیہ کی خانہ جنگی جو دراصل ہسپانیہ کی سرزمین پر اندرونی اور بیرونی اشتراکی اور فسطائی طاقتوں کی جنگ ہے۔ برابر جاری ہے۔ کسی دن باغیوں کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ اور کسی روز ہسپانیہ کی اشتراکی حکومت کی فوجیں اپنے دشمنوں کو چند کیلومیٹر پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اس بین الاقوامی جنگ کو جسے غلطی سے ہسپانیہ کی خانہ جنگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ بیرونی مداخلت سے بچانے کیلئے جمعیت الاقوام کی تجاویز اب اس درجہ پر پہنچ گئی ہیں۔ کہ نگرانی کی تدابیر مکمل ہو چکی ہیں۔ اور نگران انسپکٹر اور مبصر منصوبہ کے مطابق اپنے اپنے مقامات کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ ان نگرانوں کا کام یہ ہوگا۔ کہ اجنبی رضاکاروں اور غیر ملکی سامان جنگ کو جسے ہسپانیہ کی سرزمین میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ روکنے کی کوشش کرینگے۔ اور جس ملک کے باشندے اس بین الاقوامی فیصلہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے۔ اسکا نام مشتہر کرایا جائیگا۔ صریح مداخلت کے سلسلہ میں روس کی بولشویک حکومت نے اٹلی کی فسطائی حکومت پر جو الزام لگایا تھا اسکی تحقیقات کا ابھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

پچھلے دنوں زیکو سلاویکی کی جمہوریت کا صدر یوگو سلافیہ میں گیا تھا۔ جہاں اس کا خوب خیر مقدم کیا گیا اور طلبہ نے مظاہرے کرکے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ کہ یوگوسلافیہ میں اٹلی جرمنی اور وہاں کی فسطائی اور نازی تحریکوں کے خلاف کافی جذبہ موجود ہے۔

اتلاف ثلاثہ اوپیٰ کی جنگی کانفرنس ان وسائل و ذرائع پر غور کر رہی ہے۔ جو یہ ممالک بوقت جنگ ایک دوسرے کی عملی امداد کے لئے اختیار کریں گے۔

لندن میں اس امر کو استعجاب کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ کہ روس اپنے سونے کے ذخائر معمولی سے بہت زیادہ مقدار میں امریکہ کی طرف بھیج رہا ہے جاپان کی ہوس استعمار نے اضلاع متحدہ امریکہ اور روس کے تعلقات کی درستی کو بہت تقویت پہنچائی ہے عین ممکن ہے۔ کہ زر احمر کی یہ نقل مکانی روس اور امریکہ کے تعلقات دوستی میں افزائش ہو جانے کی علامت ہو۔

جاپان میں وزارت اور پارلیمنٹ دونوں ٹوٹ چکی ہیں۔ اور نئے انتخابات عمل میں آرہے ہیں۔

شام اور ترکی کی سرحد پر بعض ناگوار حادثات رونما ہو جانے کے باعث حکومت ترکی کو اپنی سرحدات کے استحکامات کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ ترکی میں ان حادثات کو فرانس کی شہ کا نتیجہ سمجھا جا رہا ہے۔ اور ترکی کے مدبروں نے فرانس کو انتباہ کر دیا ہے۔ کہ ترکی ایسی ریشہ دوانیوں سے مرعوب نہ ہوگا۔ بلکہ اپنے حقوق کی حفاظت زور بازو سے کرے گا۔

ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر قبائل کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے۔ حکومت ہند نے پہلے تو اس مہم کو نہائت معمولی خیال کیا تھا۔ لیکن تجربہ نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ اپنی عزت برقرار رکھنے کے لئے اسے وزیرستان کے پہاڑوں میں سولینیانہ اقدامات کرنے پڑیں گے۔

ہندوستان میں نئے آئین کے نفاذ کے ابتدائی دور سے عجب تلخ کامیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ پنجاب کونسل کی صدارت کے فیصلہ پر کونسل کی تکمیل ہو گئی۔ سر شہاب الدین کے حریف ڈاکٹر کچلو اقلیت رائے کی وجہ سے ناکام رہے۔ کانگرسی مسلمانوں کو اپنے قریب تر لانے کی سعی کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمان اس وقت تک کانگرس سے ملحق ہونے کو تیار نہ ہونگے۔ جب تک کہ کانگرسی لوگوں کی ذہنیت میں نمایاں اصلاح نہ ہو جائے معلوم ہوا ہے۔ کہ ڈاکٹر کچلو کے خلاف شیخ محمد صادق نے پٹیشن کر دی ہے۔ اور یہی کئی کامیاب ممبران کے خلاف اس قسم کے دعوئی دائر ہو گئے ہیں۔

پنجاب کے وزیر اعظم کو ۴۸ ہزار روپیہ سالانہ اور اس کے پانچ رفقاء (وزیروں) کو ۳۶ ہزار روپے سالانہ فی کس مشاہرہ ملیگا اور رہائش کیلئے بنگلے علاوہ ازیں۔

مدراس کے وزیر اعظم ۳۶ ہزار روپے سالانہ مشاہرہ اور ۴۸ سو روپے بنگلہ کے کرائے کے وزراء کو ۳۰ ہزار فی کس مشاہرہ اور ۴۸ سو کرایہ کیلئے۔ صوبہ متوسط میں وزیر اعظم کو تین تین ہزار ماہانہ اور وزیروں کو ۲۲ سو پچاس روپے فی کس ملیں گے

انسان کی پہچان

(از شوکت علی فہمی)

تھرمامیٹر جسمانی حرارت کو بتا دیتا ہے۔ بیرومیٹر
موسمی تبدیلیوں کا پتہ دیتا ہے۔ دوربین دور کی چیز کو قریب
کرکے اصلیت سے آگاہ کر دیتی ہے۔ لیکن سائنس کے اس درجہ
ترقی کرنے پر بھی اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا۔ جو
انسان کی حقیقت کو صاف صاف بیان کر دے۔ ایک شاعر
کا مقولہ ہے ؎

جوہر کو جوہری صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا جو بشر کو پرکھے

اس کے لئے ماہرین قیافہ کی ایک زبردست رائے ہے۔ اور
اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو انسان کی حقیقت معلوم ہو جاتی
ہے۔ اس کے مذاق کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کے چال چلن کا
اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں۔
غرض یہ کہ وہ سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ جن کا معلوم کرنا
بظاہر بہت دشوار ہوتا ہے جس شخص کے متعلق معلومات
حاصل کرنی ہو۔ اس شخص کی صحبت اور دوستوں سے پتہ
چل جائیگا۔ دوستوں اور ہمنشینوں کا اثر اتنا زبردست ہوتا
ہے۔ کہ تم ہر شخص کے متعلق اس کے دوستوں ہی سے رائے
قائم کر سکتے ہو۔ ایک ہندی شاعر کہتا ہے۔ کہ "جس طرح
تم کپڑے کو جس رنگ میں بھی شوب دو۔ وہ وہی رنگ قبول
کر لیتا ہے۔ اسی طرح تم جس قسم کے دوستوں میں بیٹھو گے
اسی قسم کے بن جاؤ گے"۔ اس لئے انسان کے لئے دوستوں
کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا نہایت ضروری ہے
اگر تم چاہتے ہو۔ کہ لوگ تمہاری عزت کریں۔ دنیا تمہیں
آنکھوں پر بٹھائے۔ تو وہ دوست تلاش کرو۔ جو تمہیں
بلندی کی طرف لے جائیں۔ جو تمہیں پستی سے بچائیں
جن کے خیالات بلند ہوں۔ جن کے حوصلے زبردست ہوں

اگر ہم نے اچھے دوست انتخاب کئے ہیں۔ تو وہ
ہر اچھے اور نیک کام میں ہماری عزت افزائی کریں گے۔
جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہماری نیکیوں میں دن بدن اضافہ
ہوگا۔ لیکن اگر ہمارے دوست اور ہمنشیں برے ہیں۔ تو
جب ہم ضمیر کی اطاعت کرنا چاہیں گے۔ تو وہ ہمارا مذاق اڑائینگے
اور ہمیں اپنے برے نمونے کی پیروی کا صرف شوق ہی نہ
دلائیں گے۔ بلکہ ہمیں پیروی کے لئے مجبور کریں گے۔ اگر
ہم کسی متعدی مرض والے کے پاس آتے ہیں۔ تو بالکل ناممکن
ہے۔ کہ ہم خود بھی اسی مرض میں مبتلا ہو جائیں۔ اسی طرح بری
صحبت سے انسان کا اخلاق اور عمل ہمیشہ کے لئے برباد ہو
جاتا ہے۔ اور وہ مرتے دم تک اس مرض سے نجات نہیں
حاصل کر سکتا۔ دوستوں کے انتخاب کا مسئلہ موجودہ زمانہ
میں نہایت آسان ہو گیا ہے۔ اس کے لئے چند ملاقاتیں
کافی ہوتی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک دوست کا انتخاب دنیا
میں سب سے زیادہ دشوار کام ہے۔ جب دوست کی تلاش ہو
تو مندرجہ ذیل باتوں کا ضرور خیال رکھو۔

جس شخص کی اخلاقی حالت درست نہ ہو۔ وہ دوستی کے قابل نہیں۔ بداخلاقی زہر کا ایک قطرہ ہے۔ جو دودھ کے پیالہ میں گر کر تمام دودھ کو مہلک بنا دیتا ہے۔ اس معاملہ میں غفلت برتنے کے سبب سے لاکھوں انسان روزانہ تباہ ہو رہے ہیں۔

سست اور کاہلوں کو دوست نہ بناؤ۔ بظاہر وہ کسی جرم اور گناہ میں مبتلا نظر نہیں آتے۔ لیکن سستی اور کاہلی ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے جرائم کا سبب بن جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بڑے جرائم کی جرأت نہ کریں۔ لیکن پھر بھی ان کی زندگی کبھی آسودہ اور خوشگوار نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی ہم نشینی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ کہ تم بھی ان ہی کی طرح سست او رکاہل بن کر ایک دن جرائم پیشہ لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاؤ۔

وہ لوگ جن کا کیرکٹر درست نہیں دوستی کے لئے کسی صورت سے بھی موزوں نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت ان کا کیرکٹر تم پر اپنا اثر نہ ڈال سکے۔ لیکن وہ زمانہ بہت قریب ہے۔ کہ ایسے دوستوں کی صحبت تمہیں بھی اپنا جیسا بنا کر چھوڑے گی۔ جو لوگ کمرہ بند کر کے بیٹھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ان کو روشنی ناگوار معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے۔ جو تاریک خیال دوستوں کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ایک دن وہ آجاتا ہے۔ کہ علمی اور عقلی روشنی سے ان کا دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اور وہ انتہا درجہ کے سیاہ کار اور بدکار بن جاتے ہیں۔

وہ لوگ جو مغلوب الغضب ہوتے ہیں۔ ان سے بھی کبھی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ ان لوگوں میں فطرتی طور پر غیر مستقل مزاجی پائی جاتی ہے اور ایسے لوگ کبھی اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ پھر ذرا سوچو کہ جو لوگ خود اپنی اصلاح نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے لئے کس حد تک مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ کہ

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

تمہارے دوست حلیم الطبع اور صاحب عزم ہونے چاہئیں ان میں جرأت ہونی چاہیئے۔ ان میں ترقی کا ولولہ ہونا چاہیئے۔ ان میں ذلت اور عزت کا احساس ہونا چاہیئے۔ ان کے خیالات بلند ہونے چاہئیں۔ ان کو مذہب کا پابند ہونا چاہیئے۔ ایسے دوست تمہارے لئے ایک نعمت ہیں

سچی دوستی صرف بے لوث اور مخلص لوگوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس دوستی کا رشتہ مرتے دم تک کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دوستوں کے انتخاب میں اپنے رتبہ اور درجہ کا بھی خیال رکھو۔ دوستوں کی تعداد جتنی کم ہو بہتر ہے کیونکہ انسان کے چھوٹے سے دل میں بہت سے آدمیوں کی گنجائش نہیں۔ ہمارے صدہا صورت آشنا ہیں۔ لیکن دوست صرف چند ہیں۔

دوستی اپنے ساتھ کچھ فرائض بھی رکھتی ہے۔ اگر تمہارے کچھ دوست ہیں تو تمہیں ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اگر خدانخواستہ تم دوست سے محروم ہو تو سمجھ لو۔ کہ تم میں ضرور کوئی کمزوری ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تم خودغرضی۔ بدزبانی اور برائیوں کی وجہ سے کسی کے دل میں گنجائش ہی نہ پیدا کر سکے اور سچے دوستوں سے محروم رہ گئے۔ اپنی کمزوری کو

رفع کرنے کی کوشش کرو۔ تاکہ تم اس غم سے بھری ہوئی دنیا میں دوست کی نعمت سے بھی لطف اندوز ہو سکو۔

جب تمہارا کوئی دوست کسی تکلیف میں ہو۔ تو اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھو۔ بیمار ہو تو عیادت کو جاؤ۔ دوستوں سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہ کہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ ایک دن یہی جھوٹی بات تمہاری دوستی کے رشتہ کو مٹا دے گی۔ کبھی بھول کر بھی کوئی ایسی بات نہ کہو۔ جس سے ان کی عزت پر حرف آئے۔ اگر کسی دوست سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو اسے دوستانہ انداز میں آگاہ کر دو۔ اگر کوئی دوست تمہیں تمہاری غلطی سے آگاہ کرے تو برا نہ مانو۔ بلکہ مسرت اور شکرگذاری کا اظہار کرو۔ تاکہ آئندہ بھی اسے تمہاری غلطیوں کے دور کرنے کی جرأت ہو سکے۔ نیک کاموں میں ایک کو دوسرے کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔

مگر دنیاوی دوستوں میں بیٹھ کر اس دن کو بھی فراموش نہ کرو۔ جب تمہارے سب دوست تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ پس تم ایک ایسی ذات کو بھی اپنا دوست بناؤ جس کی دوستی دائمی اور لازوال ہے۔ وہ ذات خدا کی ذات ہے۔ جو کہ اسوقت بھی تمہارے ساتھ تھی۔ جب تم نے پہلے پہل دنیا میں قدم رکھا تھا۔ اور جو اسوقت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اور اسوقت بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔ جب تم بستر مرگ پر پڑے ہوئے دم توڑ رہے ہوگے۔ اور تمہارے احباب گرد و پیش بیٹھے ہوئے آنسو بہا کر تمہیں رخصت کر رہے ہوں گے۔

پیغامِ حیات

(از جناب مولینا مظفر حسین صاحب شمیم)

اے کہ تو ہی ہے دہر میں رہبرِ جادۂ حیات　　اے کہ تری ہی ذات سے رونقِ بزمِ کائنات

خوابِ گراں سے جاگ اُٹھ روئے اُفق ہے زرنگار
رحمتِ حق بھی ساتھ ہے کس کا تجھے ہے انتظار

دل کو پیامِ جوش دے عشقِ جنوں نواز سے　　سیکھ رموزِ زندگی برقِ فسوں طراز سے

دل کے حریمِ ناز کو جلوہ گہِ سحر بنا
درہمِ داغِ عشق کو داغِ دلِ قمر بنا

سیرۃ الاولیاء

ایک دفعہ حضرت شیخ احمد ابونصر رح نے مکہ معظمہ میں برسر ممبر توحید کے بعض اسرار بیان کئے۔ بزرگان حرم کو یہ فاش گوئی بہت ناگوار گذری۔ اور انہوں نے شیخ موصوف کو مسجد سے نکال دیا۔ آپ کے پیر کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو خادم سے فرمایا۔ کہ اگر احمد ہمارے دروازہ پہ آئے تو اندر نہ آنے دینا۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ شیخ احمد باہر بیٹھے۔ اور سخت نالہ بکا میں مشغول تھے۔ کئی دن کے بعد جب ان کے پیر باہر تشریف لائے۔ تو یہ ان کے قدموں پہ گر پڑے۔ حضرت پیر نے فرمایا۔ کہ تم نے حرم محترم میں گستاخی کی ہے۔ تم کو حکم ہوتا ہے کہ روم چلے جاؤ۔ شہر طرسوس میں ایک سال مقیم رہ کر دن کو سؤر چراؤ۔ اور رات کو ویرانوں میں نماز پڑھو۔ ایک لحظہ آرام نہ کرو۔ حضرت نے پیر کے حکم کے مطابق فوراً سفر اختیار کیا۔ اور ایک سال طرسوس میں رہ کر اور تعمیل حکم کر کے بغداد کو واپس آئے۔ جب ان کے پیر کو ان کی آمد کا حال معلوم ہوا تو بارہ خانقاہوں تک آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابوقاسم نصیر آبادی رح مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن راستے میں ایک کتا نظر آیا۔ جو بہت بھوکا اور پیاسا معلوم ہوتا تھا۔ آپ نے اسے دیکھا۔ تو یہ خواہش ہوئی۔ کہ اسے کچھ کھلانا پلانا چاہیئے۔ لیکن آپ کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آپ نے نہایت خلوص عقیدت اور توکل کی حالت میں متوجہ کہتے تھے۔ پس آپ پکارنے لگے۔ کہ کیا کوئی ہے جو مجھے چالیس حجوں کے ثواب کے بدلے ایک روٹی دے۔ آخر ایک شخص نے گیہوں کی ایک روٹی دے کر چالیس حج خرید لئے۔ آپ نے وہ روٹی کتے کو کھلائی اس اثنا میں کسی شخص نے حضرت کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا۔ کہ اے نادان اپنے دل میں یہ تو خیال کر کہ تیرے باپ نے گیہوں کے دو دانوں کے عوض بہشت کو فروخت کر دیا تو نے تو ایک روٹی کے بدلے چالیس حج فروخت کئے ہیں یہ سنکر حضرت اپنے دل میں بہت خجل ہوئے۔

حضرت شیخ عبد اللہ بن علی طوسی رح ایک دفعہ بغداد کو تشریف لے گئے۔ تو رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ آپ ایک مسجد کے حجرے میں مقیم ہو گئے۔ اور مسجد کی امامت آپ کے سپرد کی گئی۔ شب کو آپ نماز تراویح پڑھتے۔ اور پانچ قرآن روزانہ ختم کرتے۔ آپ کا خادم ہر روز جو کی ایک روٹی حاضر کرتا تھا۔ جب عید کا دن آیا۔ تو آپ نے مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی۔ اور خادم نے حجرہ کو دیکھا۔ کہ جو کی تیس روٹیاں بدستور موجود تھیں۔

خیالات و مشاہدات

(از ظہور احمد صاحب)

قدرت الٰہی نے تیرے اندر طرح طرح کی صلاحیت اور کاشنا سے لطف اندوزی کی طاقت مخفی رکھی ہے تو اس لئے ہے کہ محفل موجودات میں صدر نشین بن کر رہے اور جس سے چاہے تفریح حاصل کرے۔ دستر خوان وسیع ہے لیکن دست کوتاہ وہاں تک نہیں پہنچتا، پھولوں سے ڈالیاں لدی ہوئی ہیں۔ لیکن دامن تنگ ہے۔ تو مناظر گرد و پیش میں الجھ کر رہ گیا۔

تو راستے کی دلآویزیوں میں منزل کو بھول گیا۔ تیرے نزدیک حواس ظاہری کی خوشامد کا نام لذت ہے یعنی حسن و جمال کی دید۔ نغمۂ و سرود کی شنید۔ نرم بالش و بستر کی نشست۔ مشک و عنبر کی شمیم اور لطیف و خوشگوار غذاؤں کا استعمال تیرے لئے لذت کا مفہوم اور لذت کی حد رکھتا ہے۔ مگر اے ناواقف سن۔ ان لذتوں سے بڑھکر اور بھی ہزاروں لذتیں ہیں۔ جن سے بہرہ اندوز ہونے کی صلاحیت تیرے اندر موجود ہے۔ دف میں تجھے لطف آتا ہے۔ لیکن ارغنوں کی دلکش صدائیں کانوں تک پہنچتے ہی دف حقیر معلوم ہونے لگتا ہے۔ مٹی کے تیل کی روشنی تجھے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن برقی لمپوں کی بسمیں تجلیاں تیری آنکھیں لوٹ لیتی ہیں۔ تجھے شکر پسند ہے۔ لیکن لوزیات کی خوشگواری کے سامنے شکر کا ذائقہ کچھ بھی نہیں۔ تو نے اپنی عمر میں اندازہ کیا ہوگا۔ کہ دنیا بھر کی لذتوں سے تو ایک ہی دن اور ایک ہی دفعہ واقف نہیں ہوگیا۔ بلکہ ایک لذت سے تجھے آگاہی اور دس سال کے بعد دوسری لذت سے۔ پس تجھے یقین رکھنا چاہیئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسی لذتیں موجود ہیں۔ جن سے تو ہنوز واقف نہیں ہے۔ اور اگر تو جستجو میں نہ رہے تو بالکل ممکن ہے۔ کہ تمام عمر ان سے آگاہ ہی نہ ہو۔ پس اگر تو "خوب" میسر آنے کے بعد "خوبتر" کی تلاش میں رہے گا۔ تو تیری لذت اندوزیوں کا سلسلہ قائم رہیگا۔

یہ ایک معمولی بات ہے۔ اور ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ حواس ظاہری پر حواس باطنی کو فوقیت حاصل ہے۔ پس حواس ظاہری کی لذتوں سے حواس باطنی کی لذتیں کہاں زیادہ ہونی چاہئیں۔ گھبرا نہیں اے دوست۔ غور و تامل سے کام لے اور اپنے دل میں سوچ کہ جب ماں ایک بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو بھوک پیاس جاتی رہتی ہے۔ ایک فراق زدہ سے دریافت کر کہ بریان کھاؤ گے یا محبوب سے ملوگے گانا سنوگے یا بچھڑے ہوئے دوست سے ملاقات کروگے باغ کی سیر کروگے۔ کہ اسے دلربا کا ارادہ ہے۔ ان سوالوں کے بعد تجھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ حواس ظاہری کی تفریح حواس باطنی کی تفریح کے سامنے ہیچ ہے۔ اور

ہزار جسمانی لذتیں روح کی ایک مسرت اور ایک اہتزاز پر قربان ہیں۔

جس طرح لذت اٹھانے والے میں جسمانی اور روحانی کا امتیاز ہے اسی طرح ان چیزوں میں جن سے لذت اٹھائی جا سکتی ہے۔ جسمانی و روحانی اور ظاہری و باطنی امتیازات ہیں۔ مثلاً کسی چیز کو کھا کر ایک نغمہ سن کر جو تفریح ہوتی ہے۔ وہ اس تفریح کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ جو محبوب کی ملاقات یا محبوب کی گفتگو سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی بات جس سے ہم تفریح و انبساط حاصل کرنا چاہتے ہیں، روح محض ہو اور جسمانی کثافتوں سے بالکل پاک ہو تو اس سے بہرہ اندوز ہو کر روح کے رقص و نشاط کی انتہا نہ ہوگی۔ بس آدوست

دل اندر جہاں آفریں بند و بس

خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو حسن و جمال میں کمال رکھتی ہو۔ اور ان روح افزائیوں کے ساتھ لطیف، منزہ بھی ہو۔ اور وہ عروج و زوال اور فنا و بقا کی کشمکش سے آزاد ہو۔ میری بات مانو۔ ایک دن صبح کو اٹھو۔ اور ایسے وقت اٹھو کہ ابھی سورج نہ نکلا ہو۔ رات اور دن کی حدیں مل رہی ہوں۔ ابھی طائروں نے شورش عالم کی ابتدا نہ کی ہو۔ تم اٹھو۔ غسل کرو۔ ظاہری پاکی و پاکیزگی کا ایک عالم سے ظالم انسان کے لئے بھی ایک لمحہ ایسا آتا ہے۔ جو اس کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اور ایک جابر سے جابر ہستی بھی کسی نہ کسی وقت بے بس و بیکس نظر آتی ہے۔ ہلاکو اور چنگیز خاں حجاج اور نادر اپنے ساتھ جبر و ستم کی طویل داستانیں رکھتے ہیں

لیکن اس کے باوجود ان پر وہ لمحے گذرے ہیں۔ جن میں ان کی طاقت اور ان کا اقتدار بیکار تھا۔ اس آنے والی گھڑی سے کوئی شخص مستثنٰے نہیں۔ پس جب تمہارا قدم راہ اعتدال سے متجاوز ہو۔ جب تم جان بوجھ کر کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے آمادہ ہو۔ جب تمہیں اپنی قوت اور قدرت کے سامنے ہیچ نظر آ رہا ہو۔ اسوقت یہ حقیقت دل سے فراموش نہ کرو۔ کہ ایک ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ جب تمہارے طاقتور بازو بے حس و حرکت اور تمہاری زہر پاش زبان صامت و ساکت ہوگی

کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ دنیا امید پر قائم ہے لیکن امید ایک خیال ہے۔ پس گویا دنیا خیال پر قائم ہے۔ جو چیز محض خیال پر بنیاد رکھتی ہو اس کی پائداری ظاہر ہے۔ پس میری رائے یہ ہے۔ کہ اس خیالی دنیا میں زیادہ حصہ نہیں لینا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی امیدیں دلفریب ہیں۔ لیکن یہ دلفریبی اسی وقت تک قائم رہتی ہے۔ جب تک ان کے بر آنے کا یقین رہتا ہے۔ انسان جب عمر کی منزل میں آگے بڑھتا ہے۔ تو معمولی غور و خوض سے اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ امید ایک خیالی موہوم مسرت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر انسان اپنے واقعات زندگی پر غور کرے تو اسے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ لڑکپن میں نہ معلوم کتنی امیدیں اس کے دل کو بھا رہی تھیں۔ جو شباب میں باطل ہوئیں اور شباب میں کیسی کیسی امیدیں سودائی بنائے ہوئے تھیں۔ جو عہد پیری میں ختم ہو گئیں۔

اس کے بعد عہد پیری کی ہزاروں امیدیں ہیں۔ جن کا گلا موت کی تیز چھری سے کٹ جاتا ہے۔ ایک غور کرنے والے کو موت سے پہلے ہی امید کے سبز باغ خشک نظر آنے لگتے ہیں۔ اور اس خیالی دنیا سے اس کا دل بیزار ہو جاتا ہے۔

میں نے ایک عجیب و غریب شخص دیکھا۔ جسے اپنے نفس پر غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔ وہ سانس کو کھینچ کر بدن کے جس حصہ سے چاہتا تھا۔ نکال لیتا تھا۔ اور جس حصہ میں چاہتا تھا۔ پہنچا دیتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے جس ہاتھ کو یا جس پاؤں کو چاہتا ایسا بے حس بنا لیتا کہ اگر اس میں سوئی چبھو دی جائے یا چاقو سے کاٹ دیا جائے۔ تو اسے بالکل احساس نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہاں تک مشق حاصل تھی۔ کہ اپنی روح کو سارے بدن سے کھینچکر گدی میں لے آتا تھا۔ دیکھنے والے اس کے اس کمال سے حیرت زدہ تھے۔ مجھے بھی حیرت ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی میں نے معلوم کر لیا۔ کہ یہ سب مشق کے کرشمے ہیں۔ انسان کو خبر نہیں۔ کہ قدرت نے خود اس کے اندر سونے چاندی اور جواہرات کی کانیں مخفی رکھی ہیں وہ مر جاتا ہے۔ اور یہ کانیں بھی بدستور اس کے ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہ اگر اپنی صلاحیتوں کی جستجو کرے۔ اور اپنے خوابیدہ جوہروں کو بیدار کرے۔ تو اسے اپنی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں۔ جو اس طرف متوجہ ہوں۔ اور اپنے اعضاء اور نفس پر قدرت حاصل کرنے کا انہیں خیال پیدا ہو۔ کاش لوگوں کو ادھر التفات ہوتا۔ اور میں ان سے کہتا کہ مشق کی زحمت اٹھائیں تو کام کی باتیں سیکھیں۔ کیونکہ لہو و لعب سے دلچسپی و تفریح ضرور ہو سکتی ہے۔ لیکن اپنے آپ کو یا دوسروں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

(بقیہ صفحہ ۱۲) (جس طریق سے بھی اس سے ممکن ہو) بجا لانے کو آمادہ رہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو جان و مال بھی اپنے ملک و مالک پر قربان کرنے کو تیار رہے کیونکہ اس عہد میں جو آسودگی آسائش اور خوشحالی رعایا کو حاصل ہے۔ اور جو علمی تمدنی اور معاشرتی ترقیاں اہل ملک کو نصیب ہوئی ہیں۔ ان کا عملی شکریہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ جس طرح سپاہی کسی مہم میں کام آتا ہے اسی طرح ہر شخص اس ریاست ابد مدت کی حفاظت اور اس کے قدیم روایات کی بقاء کیلئے اپنے جان و مال سے کام آنے میں دریغ نہ کرے۔ آخر میں میرا پیغام یہ ہے۔ کہ باہمی اتفاق اور اتحاد فراخدلی اور رواداری ایسے انسانی جوہر ہیں۔ جن کے بغیر خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے۔ کوئی ملک کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔ نہ مالی نہ تمدنی اور نہ سیاسی لہذا سب نوجوانوں کو لازم ہے کہ وہ اتحاد و اتفاق اور باہمی رواداری سے کام لیکر اپنے بادشاہ کی مثال پر ملک کی فلاح و ترقی کی بے لوث اور مخلصانہ کوشش کریں۔ کہ اس میں خود ان کی فلاح اور بہبودی متصور ہے۔

۷۸۶

"القریش" (امرتسر)

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۷ء

جلد ۲　——————　نمبر ۶

فہرست مضامین

۷۸۶

نعت

بلّغ سلامًا یا صبا منّا الی محبوبنا ۔ فی الخلق لیس مثاله من بعد خلق الوریٰ

لنا نری لیس العدیل فی کمالات العلیٰ ۔ انت الشریف الخلق خیر النّاس فخر الانبیاء

انت الامام الاتقیا والمقتدا الاصفیا ۔ خیر الوریٰ نجم الھدیٰ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ

انی ظلوم بالعمل انی ملوم بالزّلل ۔ فانظر الی حالی بلطفک یا حبیب الکبریا

ھذا الفقیر الملتجی فی النّاس یدعا القریشی

یسعیٰ لقربک یا نبی اخرجہ من کرب العنا

۷۸۶

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۷ء

جلد ———— نمبر

اَلْمُخْتَصَرُ فِی اَحْوَالِ خَیْرِ الْبَشَرِ

ابوالقاسم محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

(آنحضرت کی سوانح عمری کے اہم واقعات تاریخی نکتہ نظر سے لکھے جاتے ہیں)

ازروی کتب معقول ومنقول یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شارع اسلام۔ حضرت ابراہیم ابوالانبیاء کے فرزند اکبر حضرت اسمٰعیلؑ اور زوجہ صغریٰ حضرت ہاجرہ کی نسل میں ہیں۔ اور اس طرح وہ بنی اسرائیل کے بنی اعمام سے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء کے فرزند اکبر حضرت اسمٰعیلؑ اور زوجۂ صغریٰ حضرت ہاجرہ کی نسل میں ہیں۔ اور وہ بنی اسرائیل کے بنی اعمام سے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرزند اکبر اور زوجۂ ثانیہ کو اپنی زوجۂ کبریٰ سارہ کی مناقشت باہمی کے دفعیہ کے خیال سے ملک فلسطین سے ملک عرب میں لاکر آباد کیا تھا۔ جہاں کہ انہوں نے ایک عبادت خانہ بجائے اس اوّلین معبد کا کے جو طوفان نوح میں غرق ہوچکی تھی۔ تعمیر کیا تھا جس مکان کا نام بعد کو بیت اللہ اور کعبہ مشہور ہوا۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِیمَ مُصَلًّی اس کی جانب صادق ہے۔ حضرت ابراہیم کی شادی بنی خزرج میں ہوئی تھی جن کے اعقاب میں انصار مدینہ ہیں۔ اس تشریح سے ثابت ہے۔ کہ پیغمبر اسلام اور ان کے اسلاف کسی عامیانہ صحرائی قوم سے آمیزش نہیں رکھتے۔ جیسا کہ بعض فرنگستانی اور ان کے ہمخیال مورخ پیغمبر اسلام کی بادیہ نشین غارتگر بدو قوم کی فرع بتلایا کرتے ہیں۔ البتہ آل ابراہیمؑ اور بنو خزرج رئیس الاعراب کی آمیزش سے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل قریش کو عرب مستعربہ

کہا جاتا ہے۔ اور وہ جمیع اقوام عرب کے سردار و افضل مانے گئے ہیں۔

بنی اسرائیل و یہود کی تفریق و حکومت

حضرت ابراہیم کے ابنائے اسمٰعیل و اسحاق میں سے اوّل الذکر تو ملک عرب میں آبسے۔ جس کی تفصیل ابھی کی گئی۔ دوم حضرت اسحٰق قدیم وطن فلسطین میں متمکن رہے حضرت اسحاق کے پوتے یوسف بن یعقوب بھائیوں کے حسد و تشدد سے ملک مصر میں پہنچ گئے تھے۔ جن کا قصہ مشہور ہے۔ انہیں یوسف کے زمانۂ وزارت و اقتدار میں حضرت یعقوب معہ اپنے جمیع اولاد و احفاد کے مصر میں آبسے تھے۔ جہاں آل یعقوب کا قیام سوا چار سو برس تک رہا۔ اور پھر حضرت موسیٰ نے وہاں کی شدائد سے ان کو نجات دلاکر قریب وطن قدیم میں پہنچایا۔ حضرت اسمٰعیل پیغمبر کی اولاد میں تا حضرت خاتم الانبیاء کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور اسحٰق پیغمبر کی نسل میں جملہ انبیاء و اسرائیل مثل یعقوب۔ یوسف۔ موسیٰ۔ ہارون۔ ایوب۔ داؤد سلیمان۔ عیسیٰ وغیرہم مبعوث ہوئے۔ اگرچہ عوام میں حضرات داؤد و سلیمان کی ملکداری زبانزد ہے۔ لیکن در اصل جس اولوالعزم نے اولاً پیغمبری کو بادشاہانہ عدل و انتظام کے ساتھ جمع کیا۔ اور جن کے اکثر احکام وہاں پیغمبر صاحب اسلام کے مطابق و مشابہ تھے۔ وہ حضرت موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق کی ذات والا صفات ہے۔ انہیں حضرت نے اپنی قوم کو مصر سے ہجرت کراکے ملک شام و فلسطین کی سرحد دریائے یردن تک چالیس سال کی صحرانوردی کے بعد پہنچایا تھا۔ اور ان کے خلیفہ یسوع بن نون نے دریائے یردن عبور کر کے اپنے آبائی ملک میں بعد جنگ ہائے بسیار دخل پایا۔ جس کے قبل حضرت موسیٰ بادشاہ عوج کو قتل فرما چکے تھے۔

اسرائیل عبری زبان میں رات کے مسافر کو کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت یعقوب نے اپنے بڑے بھائی عیتصو کے خوف سے اپنے ماموں کی بیٹی کے ساتھ عقد کرنے کو بہ ایمائے مادر خود رات میں مسافرت اختیار کی تھی۔ اس بنا پر یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل اور ان کی عام اولاد کا نام بنی اسرائیل قرار پایا۔ عوام کو شائد یہ نہ معلوم ہو۔ کہ بنی اسرائیل و یہودی میں ایک خاص تفریق ہے حضرت یعقوب کے بارہ اطفال میں سے ایک کا نام یھودا تھا۔ پس اس کی تنہا اولاد یہودی ہے۔ اور باقی گیارہ اسباط کی نسل بنی اسرائیل کہلائی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و ہارون یشوع وغیرہ تھے۔ اور یہودی نسل میں حضرت داؤد۔ سلیمان و یحییٰ و عیسیٰ وغیرہم تھے ابتداء میں بنی اسرائیل کو بوجہ ذات حضرت موسیٰ و قبضہ توریت و تبرکات کے شرف حاصل تھا۔ اور سرداری و حکومت بھی اُسی فرقہ میں چلی آتی تھی۔ جس کا آخری بادشاہ ساؤل (طالوت) تھا۔ اسی کے عہد میں حضرت داؤد نے مبارزت میں جالوت پہلوان کو قتل کرنے اور ساؤل کے گزر جانے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوکر آثار عظمت کتاب توریت و تبرکات موسوی کا صندوق محمولہ تابوت سکینت۔ جس کے بازو پر تصاویر ملائکہ کرّوبی منقش تھیں۔ بنی اسرائیل سے بہ الزام اُنکی

بادیہ گردی کے چھین لیا۔ تو مایۂ افتخار بنی یہود کو حاصل
ہو گیا۔ اسی تابوت سکینت کو محفوظ رکھنے کے واسطے
جسے بنی اسرائیل کوہ و بیابان میں لئے پھرتے تھے۔ ایک
پاک مکان بنانے کا سامان کیا۔ جس کی تکمیل بحکم رب العباد
حضرت سلیمان نے کرکے اس کا نام بیت ایل۔ یعنے بیت اللہ
و بیت المقدس رکھا۔ یہیں مسجد اقصیٰ ہے۔ جس کا درجہ
بعد مسجد حرام یعنے خانہ کعبہ کے متصور ہے۔ بیت المقدس
کی تعمیر خانہ کعبہ کی بنا سے بارہ سو سال بعد ہوئی۔ پس
اوّل بیت وضع للنّاس۔ کعبہ کی توصیف حقیقی ہے

اصلیت لفظ قریش۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں
اور حضرت خاتم الانبیاء کے اسلاف میں تیرھویں درجہ پر
ایک بزرگ نضر بن کنانہ گزرے ہیں۔ جن کا دوسرا نام
قریش تھا۔ لفظ قریش بقاعدہ عربی لفظ قرش کی تصغیر
ہے۔ جو ایک بڑے دریائی جانور غالباً ویل مچھلی کا نام ہے
زمانِ قدیم میں بعض لوگ ایسے نام کسی زبردست
جانور کے نام پر رکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ اسد و ضیغم
بمعنی شیر عرب میں اور کیسری و ایلاء بمعنے شیر و
زمین ملک ہند میں مستعمل ہوا۔

غرضیکہ نضر بن کنانہ ملقب بہ قریش کی اولاد
قریشی کہلاتی ہے۔ اسی قریش سے گیارہویں پشت میں
ہاشم تھے۔ جن کے بیٹے کا نام عبدالمطلب اور پوتے
کا نام عبداللہ تھا۔ ان سے محمد مصطفےٰ و محمد مجتبےٰ متولد ہوئے

زمان ولادتِ اقدس۔ پیدائش اقدس نبوی کے
وقت ملک عرب میں مختلف ادیان کا سکہ جما ہوا تھا۔
علاوہ یہود و نصاریٰ کے جو بربادی بیت المقدس کے بعد
بخت نصر بادشاہ بابل سے عرب میں آباد تھا۔ بت پرست
مشرک۔ ستارہ پرست صابئین غیر مقید دہریہ تک پائے
جاتے تھے۔ عرب کی مختلف الاقوام آبادی میں قوم قریش
کو سروری و برتری حاصل تھی۔ جو بعض اوقات شاہانِ
حبش۔ یمن و ایران تک سے سرتابی میں کوتاہی نہ
کرتے تھے۔ ایسے پُرجوش و قدامت پرست فرقوں میں
متروکہ وحدانیت کی تجدید و اشاعت ایک بہت ہی
اہم اور خطرناک کام تھا جس کو آنحضرت کی ذات ستودہ
صفات نے بلا امداد کسی بادشاہ وقت کے معہ رفقائے
جاں نثار کی جن کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی۔ بوجہ احسن
انجام دیا:۔

آنحضرت کی ولادت باسعادت پر جو ۱۲ ربیع
الاوّل عام الفیل مطابق ۵۷۰ء میں ہوئی۔ آپ کا نام
عبدالمطلب نے محمدؐ اور بی بی آمنہ والدہ مکرمہ نے **احمد**
رکھا۔ اسوقت طوفان نوح کو جو عہد آدم سے ۲۲۴۲
سال بعد ہوا تھا۔ پانچ ہزار دو سو سال گزر چکے تھے۔ حضرت
نوح سے حضرت ابراہیم تک دو ہزار دو سو چالیس سال۔
حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰ تک سات سو سال
حضرت موسیٰ سے حضرت سلیمان تک تقریباً پانسو سال
کا زمانہ شمار ہوتا ہے۔ جن کے چوتھے سال جلوس میں
کعبہ کی تعمیر عمل میں آئی۔ حضرت داؤد سے حضرت
عیسیٰ تک بارہ سو سال کا عرصہ گزرنے میں آیا۔ جس
سے پانسو ستر سال بعد ولادت قومی شوکت مصطفوی
مانی گئی ہے۔ گویا کہ ابتدائے عہد آدم سے ساتویں ہزار کے
وسط میں آنحضرت کا نزول اجلال عالم ظہور میں آیا۔

نسب نامہ خاص رسول اللہ - محمد[1] صلعم - عبداللہ[2] عبدالمطلب[3] - ہاشم[4] - عبدمناف[5] - قصی[6] - کلاب[7] مرۃ[8] - کعب[9] - لوی[10] - غالب[11] - فہر[12] - مالک[13] - نضر[14] قریش کنانہ[15] - خزیمہ[16] - مدرکہ[17] - الیاس[18] - مضر[19] - نزار[20] - معد[21] - عدنان[22] -

وَاخْتَلَفَ النَّسَّابُ فِیْمَا بَعْدَ عَدْنَان

اَمَّا قِیْلَ بَعْدَ عَدْنَان - اود[23] - یحثوم[24] - لقوم[25] ناحور[26] - تارخ[27] - یعرب[28] - لیشجب[29] - نابت[30] - اسمٰعیل علیہ السلام

دیگر سوانح - بعد ولادت آنحضرت کو ان کی والدہ نے دایہ کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ جو قبیلہ بنی سعد اہل عرب سے تھی۔ وہاں پانچ سال صرف ہوئے۔ جہاں دایہ کے اطفال کے ہمراہ بکریاں چرانے میں رہا کرتے تھے۔ پھر آپ کی والدہ نے بعمر شش سالگی آپ کو ننہال واقع مدینہ کو بھیجدیا۔ اسی سال میں والدہ معظمہ آمنہ خاتون کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد دایہ نے آپ کو مکہ بھیجدیا۔ اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی حفاظت میں رہے۔ جب آپ کی عمر آٹھ سال سے متجاوز ہوئی۔ تو عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور آپ کے بڑے چچا ابی طالب کفیل ہوئے۔ کیونکہ حضرت عباس خود کم عمر تھے۔ پیغمبر صاحب سے صرف تین سال عمر میں زیادہ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں آپ ابی طالب کی معیت میں بکار تجارت ملک شام کی طرف تشریف لے گئے۔ اور بعض اہل کتاب نجومیوں نے آپ کی نبوت کے آثار ظاہر کئے۔ پچیس سال کی عمر میں مسمات خدیجہ بنت خویلد قرشیہ کے امین و گماشتہ کے طور سامان تجارت ملک شام کو لے گئے۔ اور منافع کثیرہ حاصل ہوئے۔ اس تدین و صداقت کے لحاظ سے خدیجہ مذکورہ پیغمبر صاحب کے نکاح میں آکر سب سے اول ایمان لائیں۔ اس فعل امانت رسالت پناہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غیر اقوام مشرکین تک کی ملازمت اگر بہ دیانت کی جائے۔ تو روا ہے۔ کیونکہ حضرت خدیجہ قبل از اسلام مشرکہ تھیں۔ پیغمبر نے جو کام انجام دیا اس میں علمائے مابعد کی قیل وقال عبث ہے۔ بنائے کعبہ کی تجدید میں قریش اختلاف رکھتے تھے۔ جس کو آپ نے بعمر ۳۵ سال رفع کیا۔

چالیس سال کی عمر میں آپ پر امر رسالت صادر ہوا۔ اور اول آپ پر خدیجہ ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرت جعفر ابوبکر و حضرت علی نبوت پر ایمان لائے۔ اہل قریش جو غائت قدامت پرست تھے۔ آتش رشک وحسد میں جلنے لگے۔ حضرت رسالت پناہ نے تنگ آکر اکثر صحابہ و اقارب کو جن میں جعفر ابن ابی طالب و حضرت عثمان بن عفان داخل تھے۔ نجاشی بادشاہ حبش کے پاس بغرض امن بھیجدیا۔ اس سے موثق ہوتا ہے۔ کہ اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ کی سلطنت میں مسلمانوں کا قیام ہرگز قابل اعتراض نہیں جس پر بعض کوتاہ فہم تامل کیا کرتے ہیں۔ یہ ہجرت اولیٰ ابی طالب کی حیات میں پیش آئی تھی۔ جس میں خود ان کے فرزند جعفر شامل حال تھے۔ پس بعض مورخین کا یہ خیال غلط ہے۔ کہ ابی طالب کے باعث پیغمبر صاحب مامون وساکن مکہ رہے۔ غیر مسلم سے آپ کو وطن میں امداد نہیں ملی۔ ابی طالب نے سوائے زبانی ہمدردی کے اسلامی یا نبوی امداد میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔

جیساکہ آپ کے دوسرے چچا حضرت حمزہ نے ابوجہل کی ضرررسانی کے انسداد کو خود ایمان لاکر حضرت کی حمایت میں عملی حصّہ لیا۔

جب پیغمبر صاحب کی انچاس سال کی عمر ہوئی تو ابی طالب نے انتقال کیا۔ اور اس کے بعد بی بی خدیجہ نے بھی رحلت فرمائی۔ اس کے تین ماہ بعد پیغمبر صاحب مع اپنے آزاد غلام زید بن حارثہ کے طائف میں ایک ماہ قیام فرماکر مکّہ واپس آگئے۔ اس کے ڈیڑھ سال بعد باون برس کی عمر میں آپ کو واقعہ معراج پیش آیا۔ اور اکثر احکام صالحہ و فرائض مذہبی کا نفاذ ہوا۔ جس میں تاکید توحید احسان بالوالدین عطا بحال اقارب و مساکین و مسافرین صرف و بخشش میں اعتدال پسندی۔ فضولخرچی و بخل سے اجتناب۔ امتناع۔ قتل اولاد۔ نہی زنا و قتل بلاخطا۔ حفاظت مال یتیم۔ ایفائے عہد۔ تکمیل وزن در تجارت منع اوہام و منع رفتار تکبّر شامل ہیں۔ معراج کے روحانی و جسمانی وقوع میں علماء کو اختلاف ہے معراج روحانی کی روایت حضرت عائشہ و امیر معاویہ سے کی جاتی ہے۔ اور جسمانی معراج کا ذکر قتادہ اور انس صحابہ سے مروی ہے۔ اسی معاملہ کو سرمد شہید عہد عالمگیری نے اپنے ایک شعر میں اسطرح ادا کیا ہے ؎

ملّا گوید کہ بر فلک شُد احمد
سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

واقعہ ہجرت نبوی۔ حضرت عمر کے اسلام لانے بعد جو چالیسویں شخص مومنین میں تھے۔ فرائض اسلام علانیہ ادا ہونے لگے تھے۔ اور چند اہل مدینہ بوقت سفر حج پیغمبر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرکے اسلام لاچکے تھے۔ اس سے کفار قریش کو سخت اندیشہ ہوا۔ کہ اب اسلام امداد بیرونی سے تقویت پاجائیگا۔ پس بانیٔ اسلام اور اس کے متبعان کو ختم کردینا چاہیئے۔ ان تمام مشورات باطلہ کا ادراک آنحضرت کو ہوا۔ تو بطور مآل اندیشی آپ نے نرغۂ کفار سے نکلکر اپنے جدید معتقدین انصار مدینہ کے پاس چلے جانے کا قصد صمیم فرمایا۔ مکہ سے نکلکر ایک غار ثور میں تین شب مخفی رہے حضرت ابوبکر بقول صادق ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ خدمت میں حاضر تھے۔ تین روز بعد پیغمبر صاحب مع ابوبکر اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ۔ اور عبداللہ ابن ارقم کے راہی مدینہ ہوئے۔ حضرت علی کو ان امانتوں کی ادائیگی کے واسطے مکّہ میں اپنی جگہ چھوڑا۔ جو آنحضرت کی تحویل میں تھیں۔ قَالَ اِبنَ قتیبہ وخلّف عَلیاً علیٰ ودائع کانت عِندَہٗ للنّاسِ حتّٰی اداھا۔ ثُمّ لحِقَّ بہٖ۔ ادائیگی امانات کے بعد حضرت علی بھی شبا شب سفر کرتے ہوئے حاضر خدمت نبوی ہوگئے۔ اس وقت رسولِ خدا کی عمر ترپن سال تھی۔ اول داخلہ بیت ابی انس انصاری پر ہوا۔

عہد نبوی از ہجرت و غلطی مورخین ہجرت دراصل پر زور اشاعتِ اسلام کا ذریعہ ہوئی۔ اسی بنا پر حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں اس واقعہ سے سن ہجری کا اجرا فرمایا۔ کیونکہ اس کے بعد ہی فتوحات کثیرہ۔ بدر۔ اُحد۔ خیبر۔ خندق حنین و تبوک وغیرہ پیغمبر صاحب کو حاصل ہوئیں

جس سے تمام قطعات عرب - یمن - نجد - حضر موت وغیرہ آنحضرت کے دائرہ اقتدار میں آکر سلاطین نواحی روم و حبش وغیرہ پر رعب چھا گیا - ہمارے عام مورخین و علمائے مذہبی ایک صریحی مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں جو حکومت اسلام کا آغاز حضرت ابوبکر کی خلافت سے شمار کرکے رسالت مآب، کے دہ سالہ دور حکمرانی کو بالکل مقطوع و معدوم کر دیتے ہیں - حالانکہ رسول مقبول نے علاوہ ہدایات نبوت کے اپنے بعد اسقدر ملک متبعین کیلئے چھوڑا تھا - جس سے دنیا کی ہر ایک سلطنت خائف تھی - اور اسی قوتِ خداداد کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر نے بغاوت ہائے مسلمہ کذاب و مرتدین کو صاف کرکے تمام ملک شام داخل مملکت اسلام کیا - اور حضرت عمر نے اپنے دور میں فلسطین - فارس و مصر وغیرہ کی وسیع سلطنتیں کو ضمیمہ خلافت بناکر وہ قوت پیدا کی - جس کا جواب تمام دنیا میں نہ تھا - مذہبی لوگوں نے تو پیغمبر اسلام کو ایک خانقاہ نشین درویش خیال کر لیا ہے - کہ جن کے گرد متعدد صحابہ مثل گروہ مریدین کے فراہم تھے - مگر پیغمبر صاحب جو دین و دنیا کے شاہنشاہ تھے - علاوہ ادائے فرائض و نفاذ احکام کے مع اصحاب جاں نثار و سرفروش تمام عمر جدال و قتال میں مصروف رہے -

اس وقت کے مذہبی لوگ سوائے امور مذہب کے دنیا کا کوئی کام ہی کرنا نہیں چاہتے - بقول سعدی ؎

توکے بدرجۂ ایشاں رسی کہ نتوانی
جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

داخلۂ مدینہ کے وقت ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور دوشنبہ کا روز تھا - جس کو آغاز سال بنانے کیواسطے محرم قرار دے کر پیغمبر صاحب نے مقام قُبا میں قیام فرمایا - اس تجدید سال سے ہمارے خیال کے موافق آغازِ حکومت اسلام کا صریحی ثبوت ملتا ہے - چھ ماہ بعد مہاجرین مکہ و انصار مدینہ میں رسم مواخات (برادرانہ) قائم کی گئی - پھر چھ ماہ بعد بقول اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ - جدھر رخ کرو اسی طرف خدا موجود ہے ادائے نماز کیلئے بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رجعت کی گئی - اس وقت کے دس صحابہ مقلدین - ابوبکر عمرؓ - عثمانؓ - علیؓ - طلحہؓ - زبیرؓ - عبدالرحمٰن بن عوف سعدبنؓ ابی وقاص - سعیدؓ بن زید - ابو عبیدہ بن جراح - عشرہ مبشرہ جنت قرار پائے - یہ تمام مقدم الایمان اور معاونان خاص اسلام ہیں - جن کی عملی مساعی جانکاہ لاجواب ہیں - ان کے مدارج عُلیا کو دوسرا کوئی ولی یا امام نہیں پہنچ سکتا - یہ تقدیم و تفصیل بقول محکم وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا - ہے یعنے ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہوگا -

واقعہ بدر - ۲ھ ہجری میں یہ اول بڑی جنگ آنحضرت کو بمقابلہ کفار مکہ پیش آئی - جس میں اسلام کو فتح کامل نصیب ہوئی - بدر ایک عربی شخص کا نام تھا - جس کی یادگار میں ایک کنوں اس مقام پہ بنا ہوا تھا - مشرکین مکہ کی جمعیت اس وقت نوسو پچاس - اور مسلمان مجاہدین کی تعداد تین سو دس تک تھی - حضرت کا عَلَم شریف سفید اور اسکا پرچم (پھریرا) سیاہ رنگ حضرت عائشہ کی ایک چادر

سے بنایا گیا تھا۔ اس جنگ میں بوجہ بعض معذوری اور مصروفیت
کے صحابہ کبار میں سے حضرت عثمانؓ ۔ سعید بن زید اہل قریش
اور ابولبابہؓ و حرث انصار میں سے موجود نہ تھے۔ بعد
مقابلہ و مقاتلہ یہ اول فتح مبین آنحضرت کو کفار قریش
پر حاصل ہوئی۔ منجملہ دیگر قیدیان مکہ کے اہل خاندان
نبوی میں سے حضرت عباس بن عبد المطلب۔ جو بکراہیت
طبعی شریک برادران ہو گئے تھے۔ عقیل برادر کلاں حضرت
علیؓ۔ نوفل بن حرث بن عبد المطلب بھی تھے۔ رسالت
مآب پر ان لوگوں کا مافی الضمیر ظاہر تھا۔ پس آنحضرت
کے ایما سے حضرت عباس سو درہم اپنا۔ اور چالیس درہم فی
نفر عقیل و نوفل برادرزادگان کا زرفدیہ ادا کر کے مشرف
بہ اسلام ہوئے۔ ان کے ذریعہ سے عقیل بھی ایمان
لائے۔ رمضان سنہ ۲ ہجری میں اس مہم سے انفراغ پا کر
آنحضرت معہ صحابۂ عظام مدینہ تشریف لائے۔ جہاں آپ
کی دختر رقیہؓ نے رحلت کی۔ اس کے بعد سولہ روز کے
آنحضرت نے اپنی ناکتخدا دختر خورد فاطمہ کو حضرت علیؓ کی
زوجگی میں دیا۔ اس تزویج سے ساڑھے پانچ ماہ بعد اپنی
دختر اُمّ کلثوم کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ کیا۔ اس
سے دو ماہ بعد آنحضرت نے حفصہ بنت حضرت عمر کو اپنی
ازواج میں داخل کیا۔ حسب بیان ابن قتیبہ کے حضرت
حسن ابن علی کی ولادت بھی اسی سال میں ہوئی۔ جس کی
دس ماہ اور بائیس روز بعد حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔
بی بی فاطمہؓ نے حسنؓ کے ساتھ حسینؓ کو بھی دودھ پلایا۔
چودہ مسلمان اور ستر مشرکین جنگ بدر میں کام آئے تھے
مدینہ ہی میں زکوٰۃ مثل نماز کے فرض ہوئی۔

جنگ اُحد۔ سنہ ۳ ہجری میں جبکہ یہود مدینہ کو باوجود
ان کی شرارت کے بجائے قتل کے جلاوطن کیا گیا۔
واقعہ اُحد آنحضرت کو پیش آیا۔ جو منجملہ معارک اہم کے
شمار کیا جاتا ہے۔ اُحد ایک پہاڑی کا نام ہے۔
جس کے قریب یہ جنگ واقعہ ہوئی۔ کفار قریش کی
تعداد تین ہزار نفوس اور مسلمانوں کا شمار سات سو
اشخاص تھا۔ دلیران اسلام نے باوجود قلتِ مقدار
کے کفار کو پسپا کر دیا۔ اور ان کے سامان کے لوٹنے
کی نوبت آ گئی۔ لیکن دستۂ عقبی اسلام کی غلطی سے
جو طمع غارت میں گھاٹی احد کی حفاظت چھوڑ کر میدان
میں اتر آیا۔ کفار قریش نے بسرکردگی خالد ابن ولید جو
ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے۔ عقب سے براہِ درہ مسلمانوں
پر پُر زور حملہ کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کی مسلّمہ فتح میں
خلل آ گیا۔ اور بعض اصحاب نے راہِ گریز اختیار کی۔ اسی
جنگ میں آنحضرت کا دندان مبارک ساقط ہوا۔ چہرہ
پر زخم آیا۔ اور قتل تک کی خبر کفار نے مشہور کر دی۔
کیونکہ کفار حملہ آور نے قریب پہنچ کر رسالت مآب کو مجروح
کیا تھا۔ اس وقت متعدد صحابہ حفاظت اقدس میں
شہید ہو گئے۔ بالآخر حضرت طلحہ نے باوجود زخمی ہونے
کے حفاظت نبوی میں سینہ سپر ہو کر اعداء کو دور کیا۔
اور آنحضرت کی خبر حیات سنتے ہی حضرات عمر و ابوبکر و
زبیر وغیرہ فی الفور حاضر خدمت رسالت مآب ہو گئے۔
اس طرح جنگ مغلوبہ درجۂ مساوات پر پہنچ کر ختم
ہوئی۔ کفار میں بھی دم و خم باقی نہ رہا تھا۔ عائد مشرکین
ابوسفیان بعد معاویہ جو خالد بن ولید جو ہنوز غیر مسلم تھے

مع ابو جہل وغیرہم ہمراہیان کے راہی مکہ ہوئے۔ اور پھر آنحضرت معہ صحابہ کے مدینہ واپس آئے۔

اس واقعہ میں چار مہاجرین اور اکہتر انصار شہید ہوئے۔ جن میں اشجع القوم حضرت حمزہ عم رسول مقبول کا بھی شمار ہے۔ حضرت حمزہ جلادت ذاتی سے کفار کو مار کر ٹہلتے جاتے تھے۔ کہ اتفاقاً آپ کا پاؤں ایک نشیبی پُر نم زمین میں لغزش کھا گیا۔ اور آپ زمین پر گر گئے۔ فی الفور وحشی غلام کافر نے خنجر سے حضرت حمزہ کا شکم پھاڑ ڈالا۔ آنحضرت نے حضرت حمزہ کو سید الشہداء حمزہ فرمایا ہے۔ اور آپ کو اسد اللہ اور اسد رسول بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت حمزہ نے حمائت اسلام میں ایسے نازک موقع پر جان دی۔ جبکہ اسلام غائت درجہ بمقابلہ کفار اعانت کا محتاج تھا۔ اس درجہ کو دوسری کوئی شہادت جو بطلب حکومت بین المسلمین وقوع میں آئیں۔ نہیں پہنچتی

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ +

ترجمہ:۔ بیشتر انبیاء کے ہمراہ علماء نے جنگ کی ہے۔ اس کا مصداق وہ گروہ کب ہو سکتا ہے۔ جو وارث الانبیاء کے دعوٰی پر دنیا کا کوئی کام ہی اپنے ہاتھ سے کرنا عیب جانتا ہے۔ حالانکہ رسول مقبول ضعفاء بیوگان کا سودا تک بازار سے لانے میں دریغ نہ فرماتے تھے۔ اسی جنگ احد میں حضرت طلحہ کا ہاتھ ضربِ شمشیر سے دواماً بیکار سا ہو گیا تھا۔ اور عبد الرحمٰن بن عوف کا پاؤں ہمیشہ کو لنگ ہو گیا تھا۔

غزوۂ خندق مدینہ ۔ جنگ احد وغیرہ سے ناکام رہکر ابو سفیان وغیرہ کفار قریش نے بخیال انتقام عام دس ہزار انبوہ کے ساتھ مکہ سے خروج کیا۔ آنحضرت کے مجاہدین کی تعداد بقول بعض تین ہزار اور بقول بعض ایک ہزار تک تھی۔ آنحضرت نے بہ مشورہ سلمان فارسی احتیاطاً بطریق اہل ایران مدینہ کے گرد خندق کھدوائی تھی۔ اسی وجہ سے اس واقعہ کا نام جنگ خندق مشہور ہے۔ ایک ماہ تک کفار نے قیام بطور محاصرہ رکھا۔ کچھ لوگ خندق عبور کر کے داخل ہوئے تھے۔ جن کو حضرت علی جیسے اشجع المسلمین نے مار کر نکال دیا۔ پھر مقابلہ میدان کے بعد گروہ کفار میں بتحریک مجاہدین نفاق برپا ہو گیا۔ جس سے وہ نیل بے مرام مکہ کو معاودت کر گئے۔ خندق کنی میں آنحضرت نے بذاتِ خود بھی حصہ لیا۔ کیا آج ہمارا کوئی عالم یا درویش ہاتھ میں پھاوڑا لے کر زمین کھودنا گوارا کریگا۔ اس جنگ کے بعد چند متفرق واقعات پیش آئے جنمیں مجاہدین اسلام کامیاب رہے۔ اور فتح و نصرتِ اہل اسلام کے شامل حال رہی۔ اور قریش مکہ نے عزم منفاومت ہمیشہ کو ترک کر دیا۔ تاآنکہ بالآخر فتح مکہ کی نوبت آگئی۔

واقعہ افک ۶ھ ہجری میں پیش آیا۔ بعض منافقین اسلام نے حضرت عائشہ کو اتہام بیجا لگا کر اپنی خباثت باطنی کا اظہار کیا تھا۔ جس کی بابت آیۂ تطہیر ازواج نازل ہوئی۔ اور منافقین مردود دائمی ہوئے۔

فتح خیبر عرب ۷ھ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ اس مقام پر چند قلعات جداگانہ تھے۔ جن کو تبفاریق فتح کیا گیا۔ آخری قلعہ کا دس روز محاصرہ رہا۔ بیان ہے۔ کہ اس کی فتح کو حضرت ابو بکر و عمر جداگانہ ایک ایک روز

بھیجے گئے۔ شام ہوجانے سے واپس آگئے۔ تیسری بار حضرت علی کے حملہ سے فتح ہوگیا۔ اس پر دوسرے صحابہ کی تحقیر جو لوگ کرتے ہیں۔ وہ عمل نامعقول ہے۔ تواتر حملات سے جو مقام کمزور ہوجاتا ہے۔ آخر میں اسکا فتح کرنا آسان ہوجاتا ہے مقام طائف کا محاصرہ کرکے خود آنحضرت نے چھوڑ دیا تھا جبکہ حملہ صحابہ موجود تھے۔ ان امور سے شان والا میں فرق نہیں آتا۔ فتح خیبر کے وقت حضرت جعفر ابن ابی طالب ہجرت حبش سے واپس آئے۔ جس سے آنحضرت کو دوگونہ مسرت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد اہل فدک پر عزمیت اسلام ہوئی جنہوں نے بلاجدال و قتال نصف اثمار کی ادائیگی پر مصالحت کرلی۔ چونکہ اس موقع پر مجاہدین میں سے کسی کو تگ و دو مجاہدانہ نہ کرنی پڑی۔ پس قلعہ فدک رَسُولَ اللّٰه کی نذر خاص پایا۔

بیعت الرضوان۔ ۶ھ ہجری میں بیعت الرضوان تحت الشجر بمظنۂ قتل عثمان پیش آئی۔ کیونکہ شرائط مصالحت طے کرنیکو حضرت عثمان اہل مکہ کے پاس بھیجے گئے تھے۔ واپسی میں تاخیر غیر معمولی ہونے آنحضرت کو ان کے قتل کا خیال ہوا۔ پس صحابہ حاضرین سے انتقام گیری پر ثابت قدم رہنے کی بابت یہ بیعت لی گئی تھی۔ اول جس شخص نے بیعت کو ہاتھ دیا۔ وہ عبداللّٰہ بن عمرؓ تھے۔ بیعت الرضوان کے اصحاب کی تعداد بروایات مختلفہ سات سو سے پندرہ سو تک بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت نے اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر مار کر فرمایا۔ کہ یہ بیعت عثمان کی بابت ہے اس سال داخلۂ مکہ ملتوی رہا۔ دوسرے سال تین دن کی مہلت میں بحالت غیر مسلح عمرہ ادا کیا گیا۔ اسی وقت صلحنامہ کی عبارت میں سے اعتراض کفار پر آنحضرت نے محمدؐ رسول اللّٰہ کے عوض محمدؐ ابن عبداللّٰہ تحریر فرمایا تھا۔

عزمیت مقام موتہ۔ ۸ھ ہجری میں آنحضرت نے مقام موتہ پر ایک جماعت غزاۃ بہ سرگردگی زید بن حارثہ روانہ فرماکر ہدایت کی تھی۔ کہ اگر زید مارے جائیں۔ تو ان کے بعد جعفر ابن ابی طالب سردار ہوں۔ اگر وہ بھی کام آئیں۔ تو عبداللہ بن رواحہ کو افسری لشکر دیجاوے۔ چنانچہ مقاومت کفار میں ہر سہ اصحاب اسی ترتیب سے درجۂ شہادت کو پہونچے۔ مدینہ سے حکم لینے کی گنجائیش نہ تھی۔ پس خالد بن ولید نے جو اسی سال مسلمان ہوئے تھے۔ زمام بالادستی ہاتھ میں لیکر کفار کو منہزم کردیا اس جنگ میں حضرت جعفر ہاشمی نے جو حضرت علی سے بڑے اور عقیل سے چھوٹے بھائی تھے۔ بے نظیر جلادت کا اظہار کیا۔ یعنے دست راست قطع ہوجانے پر رائت اسلام بائیں ہاتھ میں لیا۔ اور وُہ بھی کٹ گیا۔ تو رائت کو دانتوں سے سنبھالا۔ جب سر ہی تن سے جدا ہوگیا تو خالد بن ولید نے علم بردار ہوکر نصرت حاصل کی۔ صحابہ رسول اللّٰہ کے کارنامے حمائت اسلام میں بےنظیر ہیں۔ ایسے ہی شہدائے سرفروش کے خون سے اسلام نے سیرابی پائی ہے۔ آنحضرت نے جعفر شہید کو طَیّار ذوالجَنَاحین فِی الجنّۃ۔ یعنے جنت میں دو بازو سے اڑنے والا فرمایا ہے۔ اسی سال آنحضرت کے صاحبزادۂ کوچک ابراہیم ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے۔ باقی ہر سہ صاحبزادگان قاسم۔ طاہر۔ طیب اور ہر چہار صاحبزادیاں

زینب ۔ رقیہ ۔ امّ کلثوم زوجہ حضرت عثمان نے
رحلت فرمائی ۔

قبضۂ مکہ مکرمہ ۔ سنہ ۸ ہجری مطابق ۶۳۰ء میں
حسب پیشگوئی توریت (وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ
آیا) آنحضرت دس ہزار صحابہ کبار کی جمعیت سے فائز مدینہ
ہوئے ۔ اور حکم تھا ۔ کہ جو مقابلہ نہ کریگا ۔ وہ اہل مکہ میں
سے مامون ہے ۔ اس وقت کے خداداد جاہ وجلال دیکھکر
سرداران کفار قریش ابوسفیان وغیرہ مرعوب بذریعہ حضرت
عباس ایمان لے آئے ۔ داخلۂ شہر تین جانب سے ہوا
تھا میمنہ کی جمعیت ماتحت خالد بن ولید سے عکرمہ بن
ابی جہل وغیرہ نے کچھ مقابلہ کیا جس میں تین کس اہل اسلام
اور تیرہ نفر اہل کفار مارے گئے ۔ بقیہ کو امن عام دیدیا
گیا ۔ آذان کے بعد علی الاعلان کعبہ میں فریضۂ نماز ادا کیا
گیا ۔ اور چند رسوم زمانِ جہل مثل بوسۂ حجرالاسود ۔
مجاورت بیت اللہ اور سقایۂ حاج کو بدستور قائم رکھا
گیا ۔ آنحضرت نے ایک ناصحانہ خطبہ فرمایا ۔ جس میں عجب و
تکبر بالنسل کی مذمت فرمائی ۔ یا معشر القریش ان
اللہ قد ذھب عنکم نخوۃ الجاھلیت وتعظمھا
بالاباء ۔ الناس من ادم وادم خلق من تراب
ترجمہ :- اے گروہ قریش خدا نے تعلی تم سے
غرور نادانی اور فخر خاندانی کو دور کیا ۔ جملہ انسان حضرت
آدم سے ہیں ۔ اور آدم کو خاک سے پیدا کیا گیا ۔
اس زمانہ کے بنی قریش و بنی ہاشم کہاں تک اس
نصیحت پر کاربند ہیں ۔ ناظرین خود انصاف فرمالیں
فتح مکہ کے وقت آنحضرت سیاہ عمامہ زیب سر فرمائے
ہوئے تھے ۔ اسی بنا پر خلفائے عباسیہ نے اپنے عہد
حکمرانی میں لباس سیاہ اختیار کیا تھا ۔

معرکۂ مقام حنین کہ میں دو ہفتہ قیام کے بعد
آنحضرت نے معرکہ حنین کیواسطے عزیمت فرمائی ۔
کیونکہ قبضۂ مکہ کے حسد سے کفار نواحی نے خروج
ومقابلہ کا تہیہ کر دیا تھا ۔ اس وقت بارہ ہزار کی جمعیت
مجاہدین تھی ۔ لہذا اکثر مسلمانوں کے بے پروائی اور
عُجب پیدا ہوا ۔ جو خداوند کریم کو ناپسند آیا ۔ اس
موقع پر کفار رات سے ہی وادئ حنین میں دو طرفہ
گھات میں بیٹھے تھے ۔ مجاہدین کے گزرتے ہی اچانک
حملہ آور ہوئے ۔ اور اہل اسلام نے بے ترتیبی سے
آنحضرت کا ساتھ چھوڑ کر راہ گریز اختیار کی ۔ اسی بابت
عتاب ربی کا اظہار ہوا ۔ کہ اذا اعجبتکم کثرتکم
لن تغنی عنکم شیئا ۔ یعنی جب تم کو اپنی کثرت
پر ناز ہوا ۔ تو کوئی چیز تمہارے کام نہ آئی ۔ آنحضرت
کے ہمرکاب اس موقع پر صرف سات نفوس بنی ہاشم اور
ایک نفر غلام ۔ مثل حضرت علیؓ ۔ عباسؓ بن عبدالمطلب
ابوسفیانؓ و ربیعہؓ پسرگان عبدالمطلب فضلؓ بن عباسؓ
قثم ابن عباس ۔ ایمن بن عبید تھے ۔ اس حالت میں
حضرت عباس نے جن کے ہاتھ میں آنحضرت کے خچر
کی لگام تھی حسب الحکم نبوی بلند آواز منہزمین کو للکارا
تب جمیع اصحاب جنگ کنان خدمت نبوی تک پہنچ گئے
اور کفار نے راہ فرار اختیار کی اس بابت حضرت عباس کا شعر ہے ؎

نصرنا رسول اللہ فی الحرب سبعہ
وقد فر من قد فر منھم فاقشعوا

یعنے ہم سات نے رسولِ خدا کی امداد کی۔ اور جو بھاگ گئے سو بھاگ گئے۔

محاصرۂ طائف۔ انفراغ جنگ حنین کے بعد آنحضرت نے مقام طائف کا محاصرہ فرما کر اس کو چھوڑ دیا البتہ گرد و نواح کے لوگ داخل اسلام ہو گئے۔ اس موقعہ پر چھ ہزار زن و مرد قیدی آزاد کر دیئے گئے۔ جیسا ارشاد باری ہے۔ مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ۔ نبی کو کیا ضرور ہے۔ کہ اس کے پاس قیدی جمع ہوں۔ جن کیلئے زمین میں خون خرابہ ہو۔ طائف سے واپسی پر کعب ابن زبیر شاعر مردود نے ایمان لا کر حاضری دی۔ رحمۃ للعالمین نے جان بخشی فرمائی۔ اور اس کے ایک قصیدہ مدحیہ پیش کرنے پر اپنی ایک چادر عطا کی۔ یہی چادر مع ایک علم کے بعد کو خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے پاس بطور تبرک رہی۔ بربادیٔ بغداد کے بعد عباسیہ کا یادگار امیر احمد اس جنس تبرک کو اپنے ساتھ ملک مصر لے گیا تھا۔ جہاں کہ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے ملوک یعنے غلام فرمانروائی کرتے تھے۔ ملوک ملوک نے مصلحتاً اپنی تقویت و فلاح کار کیلئے نسل عباسیہ کو بطور سرپرست کے ڈھائی سو سال تک مصر میں بنام خلیفہ قائم رکھا تھا۔ سولھویں صدی عیسوی میں اسوقت سے چار سو سال قبل سلطان سلیم اول ترکی بادشاہ قسطنطنیہ نے از راہِ حسد اس حیلہ سے کہ سلاطین مصر خفیہ بادشاہ ایران اسمٰعیل صفوی شیعہ کو امداد دیتے ہیں۔ بھاری توپخانہ لے کر ملک مصر پر چڑھائی کر دی۔ مصری توپخانہ سے اسوقت تک آگاہ نہ تھے۔ تاہم سرفروشی کر کے خوب لڑے۔ متعدد لڑائیوں کے بعد سلطان سلیم نے فتح پائی۔ اور یادگار خاندان عباسیہ کی پنشن کر کے لواء و ردا کے پیغمبری کو خود لے لیا۔ اسی وقت سے مصر و شام عرب ترکی اقتدار میں آ کر سلطان کا خطاب خادم حرمین الشریفین قرار پایا تھا۔ جواب صورت تعطل میں ہے۔

عزیمت تبوک۔ رجب ۹ھ ہجری میں آنحضرت نے مدینہ سے عزم ارض روم فرمایا۔ آپکا انتہائے سفر مقام تبوک تک تھا۔ جہاں پر آنحضرت نے ایک مسجد تعمیر فرمائی اس وقت حضرت عثمان نے نقد و جنس سے لشکر اسلام کی بہت اعانت کی۔ خالد بن ولید معہ ایک فوج کے دومۃ الجندل تک بھیجے گئے۔ جہاں کے حاکم و قلعہ دار اکیدر نے بعد گرفتاری و حاضری کے اقرار ادائے جزیہ پر صلح و اطاعت اختیار کی۔

اول حج اسلام میں۔ ۹ھ ہجری کے ذی حج میں آنحضرت ابو بکر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ یہ پہلا حج حالتِ اسلام میں تھا۔ حضرت ابو بکر کی روانگی کے بعد سورت برأت یعنے حج سے مشرکین کی ممانعت نازل ہوئی۔ جس کی تعمیل کے واسطے حضرت علی متعاقب روانہ کئے گئے مکہ میں حضرت ابو بکر کے مناسک حج ادا کرانے بعد حضرت علی نے حکم مفوضہ یعنے سورت برأت پڑھ کر سنا دی۔ اور واپس حاضر خدمت نبوی ہو گئے۔ اس امر میں لوگوں کی عام قیل و قال درباب مدارج حضرات ابو بکر و علی محض فضول ہے۔ ہر دو حضرات نے احکام رسالت مآب کی تعمیل برابر کر دی تھی۔

حاضری وفود و روانگی دعاۃ — سنہ ۹ ہجری کے آغاز میں آنحضرت قیام فرمائے مدینہ تھے۔ کیونکہ آپ نے حضرات انصار کی دلدہی کے واسطے اپنا وطن مکہ چھوڑ کر مستقل اقامت تارحلت مدینہ میں ہی پسند کی تھی۔ اس وقت شوکت و ترقی اسلام سے مرعوب ہوکر مختلف قبائل عرب نے اپنے وفود و ایلچی مع تحف و ہدایا خدمت اقدس نبوی میں روانہ کئے تھے۔ اور نیز آنحضرت نے اپنے مقاصد و دعاۃ دیگر ملوک اطراف کیجانب بغرض دعوت اسلام ترسیل فرمائے تھے۔ ملوک نواحی میں سے والی اسکندریہ مقوقس نے عظمت اسلام کو تسلیم کرکے چار لونڈیاں مع دیگر ہدایا کے پیغمبر صاحب کی خدمت میں بھیجیں جن میں سے ماریہ قبطیہ حرم محترم قرار پاکر صاحبزادہ ابراہیم کی ماں ہیں۔ ھرقل بادشاہ روم نے مقاصد اسلام کو بہ تعظیم قبول کیا۔ لیکن اس کے درباریوں نے نذرانہ دینے سے روکدیا۔ جو بعد آنحضرت کے متبعین نے لیا۔ نجاشی بادشاہ حبش نے اسلام کی تصدیق کی۔ اور ام حبیبہ کو جن سے آنحضرت نے بحالت انکی موجودگی حبشہ کے نکاح کیا تھا۔ چار سو دینار مہر کے اپنے پاس سے ادا کئے۔ کسرےٰ شاہنشاہ فارس نے قاصد اسلام سے اظہار نخوت کرکے اپنے ماتحت گورنر یمن باذان نامی کو آنحضرت کی گرفتاری پر مامور کیا۔ کسرے بوجہ بددعائے رسول اللہ اپنے پسر شیرویہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور باذان بصدق دل ایمان لے آیا۔ پھر ہر طرف سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ بمطابق مقولہ صادقہ و رئیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔ ذیحجہ سنہ ۹ ہجری میں آنحضرت نے کافہ اسلام کو حج کرایا۔ اور بخیریت مدینہ واپس آ گئے

غزوۂ آخری روم کا التوا۔ محرم سنہ ۱۱ ہجری میں رسالت مآب نے اپنی ناسازئی طبع اقدس کی حالت میں ایک بڑا لشکر بماتحتی اُسامہ بن زید بن حارثہ ملک شام و روم کی ہدایت کیواسطے روانہ کیا۔ اس فوج میں جلیل القدر صحابہ منجملہ بنی ہاشم و قریش مثل ابوبکر۔ عمر۔ علی۔ عباس۔ عثمان وغیرہ شامل تھے۔ ازدیاد مرض کے باعث آنحضرت نے علی و عباس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اور ابوبکر و عمر و عثمان مقام جرف سے جو مدینہ سے ایک کوس پر واقع ہے۔ اور جہاں لشکر حکم اخیر کا منتظر تھا۔ آنحضرت کی خیریت دریافت کرنے کو آجایا کرتے تھے۔ لشکر ہنوز آگے چلنے نہ پایا تھا۔ کہ آنحضرت کا سفر آخرت پیش آگیا۔ اور یہ مہم عظیم ملتوی رہگئی دوران علالت میں حسب الحکم نبوی ابوبکر مسلمانوں کی امامت کرتے تھے جنہوں نے حیات نبوی میں تیرہ نمازیں پڑھائیں۔

واقعہ ارتحال رسول اللہ و امر خلافت — سنہ ۱۱ ہجری کے ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے پر جبکہ آنحضرت کی ہجرت کو کامل دس سال منقضی ہوچکے تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے محمد رسول اللہ کو ترسٹھ سال کی عمر میں دنیا سے اٹھالیا۔ وَاِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا۔ صادق آیا۔ بیان ہے کہ دوران مرض میں پیغمبر صاحب نے اِیتُونِی بِقِرطَاس میرے پاس ایک کاغذ لاؤ۔ فرمایا تھا۔ حضرت عمر نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ۔ ہم کو کلام اللہ کافی ہے۔ کہدیا جس پر صحابہ میں قیل و قال ہونے لگی۔ اور رسالت پناہ نے سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ ایک گروہ خیال کرتا ہے۔ کہ حضرت عمر نے تصفیہ خلافت کو روکدیا۔ مگر یہ مظنہ غلط ہے۔ کیونکہ عمر اس وقت مامور تھے۔ کوئی آمر نہ تھے۔ اگر ان کا کہنا مرضی رسول اللہ

سے خلاف ہوتا۔ تو وہ ان کو فوراً تنبیہ کرکے مکرر کاغذ طلب
فرماتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ علاوہ ازیں وہ لوگ جو خطبۂ غدیر کو جو
محض حضرت علی کی بریت بعض الزامات کی بابت تھا۔ جو بعض
اشخاص نے ان کی حکومت یمن کی بابت لگائے تھے۔ اعلان
خلافت خیال کرتے ہیں۔ تو وہ اس موقع پر اس کے مکرر
اظہار کے کیسے متوقع ہو سکتے ہیں۔ اور غدیر میں امر خلافت
طے ہو جاتا تو جملہ انصار جن میں سعد بن عبادہ جیسے جنبہ دار
حضرت علی موجود تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو دخلیفہ بننے
کی تجاویز عبث کیوں درمیان میں لاتے۔ فلیس ھٰذا

تجہیز و تکفین نبوی۔ یہ مانا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت کی
ولادت۔ نبوت۔ مدینہ کا داخلہ اور رحلت یوم الاثنین
(دوشنبہ) کو واقعہ ہوئیں۔ یوم چہار شنبہ کو حضرت عائشہ
صدیقہ کے حجرہ میں عین موقع ارتحال پر دفن فرمائے گئے
قَالَ ابن قتیبہ فیہ دخل العباس بن عبد المطلب
القبر و علیؓ ابن ابی طالب والفضل بن عباس
وَیُقَالُ ایضاً دخل معہٗ قثم ابن عباس۔
یعنے آنحضرت کی قبر میں لاش مبارک رکھنے کو عباس
بن عبد المطلب و علی ابن ابی طالب اور فضل بن عباس اور
نیز ان کے ساتھ قثم ابن عباس اہل خاندان میں سے داخل
ہوئے تھے۔

تعین خلافت حضرت ابو بکر۔ آنحضرت کے واقعہ
ارتحال پر مدینہ میں ایک تہلکہ پڑ گیا تھا۔ اہل خاندان میں
سے حضرات علی و عباس مع چند فرزند کار تجہیز و تکفین میں
بحالت رنج و غم مصروف تھے۔ کیونکہ آنحضرت نے اپنی تجہیز و
تکفین کی اہل خاندان کے ہاتھ سے ہی ہدایت فرمائی تھی۔

حضرت عمر جوش غم میں دروازہ نبوی پر برہنہ شمشیر لئے کہہ
رہے تھے۔ کہ جو کوئی حضرت پیغمبر کی موت کا لفظ زبان پر
لائیگا۔ اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ حضرت ابو بکر نے اپنے مسکن
سے آکر آیت قرآنی۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُول۔ اَفَائِن
مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ۔ محمد ایک
رسول خدا تھا۔ اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو تم کیا دین سے
پھر جاؤ گے۔ سنا کر سب کو خاموش کیا۔ اسی ضمن میں خبر ملی۔
کہ محلہ سقیفہ بنی ساعدہ میں گروہ انصار نے بوجہ رحلت
آنحضرت اپنے فرقہ میں سے خلیفہ منتخب کرنے کا اجماع کیا
ہے۔ اس کے استفسار و فرو کرنے کو حضرت عمر مع حضرت
ابو بکر و ابو عبیدہ ابن جراح موقع پر پہنچے۔ اور معاملہ صحیح پایا
بعد رد و کد بسیار حضرت عمر اور بشیر انصاری نے ایک
حدیث الائمۃ من القریش۔ یعنے سرداری قریش کو ہے
بیان کی جس کو لوگوں نے تسلیم کیا۔ اور حضرت ابو بکر کے
ہاتھ پر عاجلانہ بیعت کرکے قضیہ یکسو کیا۔ پھر جم غفیر نے
ابو بکر سے شرف بیعت حاصل کیا۔ صرف سعد بن عبادہ انصاری
جن کو ان کی قوم نے خلیفہ بنانا چاہا تھا۔ بعذر و حیلہ تفضیلت
بنی ہاشم بلا بیعت چلدیئے۔ خود بنی ہاشم کو بھی اپنی غیر
موجودگی میں امر خلافت طے ہو جانے کا ضرور خیال تھا طلحہ
و زبیر بھی اسی تردد میں تھے۔ لیکن جب اصل معاملہ شورش
انصار اور اس کے دفعیہ کا واضح ہو گیا۔ تو ان حضرات
نے بھی جن میں حضرت علی داخل تھے۔ بلا دغدغہ حضرت ابو بکر
کی بیعت کر لی۔ باہمی کوئی رنج و اختلاف باقی نہ تھا۔
متاخرین نے سینکڑوں قصص طبعی بنائے ہیں۔ خلافت
انبیاء کو محققین نے ورثۂ دنیاداری نہیں مانا۔ پیغمبر سلام

کے تو جملہ صاحبزادگانِ ایامِ طفولیت میں رحلت فرما چکے تھے حضرت موسیٰ کے انتقال پر خود ان کے جوان فرزند اور ان کے ایک ہم جدی برادر یوشع بن نون خلافت پر متمکن ہوئے۔ جنہوں نے حضرت موسیٰ باقی کام دریائے یردن سے اتر کر پورا کیا۔ اور بعد جنگہائے بسیار بنی اسرائیل کو قدیم وطن فلسطین میں پہنچایا۔ واللہ یفعل ما یرید

کتبہ

محمد عبید اللہ فرحتی عباسی الامرہوی

کافور ہوئی ظلمت انوارِ محمدؐ سے

جناب شیخ سکندر صاحب خلف حاجی شکر اللہ صاحب از جلگاؤں

پُر نور ہوں یہ آنکھیں دیدارِ محمدؐ سے | معمور ہو یہ سینہ انوارِ محمدؐ سے
آمد سے محمدؐ کی پُر نور ہوئی دُنیا | کافور ہوئی ظلمت انوارِ محمدؐ سے
ایمان ملا ہم کو قرآن مِلا ہم کو | صد شکر ملا کیا کیا سرکارِ محمدؐ سے
ہے نورِ محمدؐ کی عالم میں ضیا پاشی | ہر ذرّہ چمک اٹھا انوارِ محمدؐ سے
گردوں پہ منوّر ہیں جتنے بھی یہ ستارے | پُر نور ہیں سب نورِ رخسارِ محمدؐ سے
کیا حشر کا ڈر اس کو کیا قہر کا ڈر اُسکو | الفت ہے جسے آلِ اطہارِ محمدؐ سے
تھے صدق و صفا والے تھے حلم و حیا والے | واقف ہے زمانہ سب اطوارِ محمدؐ سے
ہے قولِ محمدؐ کا تفسیر کلام اللہ | حق حق ہی ٹپکتا تھا گفتارِ محمدؐ سے
ہم دامِ گنہ دے کر بخشش کو خریدینگے | لے لیں گے یہی سودا بازارِ محمدؐ سے
اعجازِ محمدؐ کو جادو و فسوں کہہ کر | بوجہل ہوا کافر انکارِ محمدؐ سے
بگڑی کو بنائیں گے ہر غم سے چھڑائیں گے | اُمیدِ شفاعت ہے سرکارِ محمدؐ سے
بے سود سکندر ہے دعوائے مسلمانی | جب آپ نہیں واقف اطوارِ محمدؐ سے

ہم آہ گنوا بیٹھے اس دولتِ عظمیٰ کو
پائی تھی سکندر جو سرکارِ محمدؐ سے

سلام لے جا

(از خامہ جناب مولانا سید نذر علی صاحب درد کاکوروی)

صبا بسوئے مدینہ رخ کر اک امتی کا سلام لے جا
بہت ادب سے نبی کے در پر یہ ٹوٹے دل کا پیام لے جا

ذلیل و خستہ دلوں کی عرضی بسوئے خیر الانام لے جا
یہ تحفے صلوا علی النبی کے بصد ادب صبح و شام لے جا

مثالی صورت تو پھیری بنکر صبا بسوئے مدینہ رخ کر
بشرمساری بہ آہ و زاری درود پہنچا سلام لے جا

نماز میں سورۂ محمد پڑھونگا میں لحن سے وہاں پر
تجھے قسم مسجد نبیؐ میں مجھے برائے قیام لے جا

صبا یہ سازِ حجاز میرا یہ درد و راز و نیاز میرا
بشوق و سوز و گداز میرا یہ سوئے باب السلام لے جا

نہ صبر در دل نہ ہوش در دم نہ عقل رہبر نہ بخت یاور
یہ پستی و بے کسی کے منظر بسوئے عالی مقام لے جا

جو باب جبریل پر گذر ہو تو باب رحمت کہے یہ بڑھکر
وہ سامنے ہے در پیمبرؐ نوید وصلِ دوام لے جا

بصد تمنا طواف کر کے نبی کے روضہ کا اے صبا تو
جہاں کہ آرام میں نبیؐ میں وہاں ہمارا پیام لے جا

سنا چکے جب تو درد میرا تو اسپہ ارشاد ہو نبیؐ کا
یہاں سے صبر و سکوں کا جلوہ نسیم طیبہ مدام لے جا

شذرات

انسان ظاہری نمود ونمائش اور دنیوی وقار ووجاہت کیلئے بعض اوقات ایسی محیر العقول بوالعجبیاں کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جو اپنے حیا سوز تاثرات سے معنوی محاسن کی پیشانی داغدار کردیں۔ اور لوحۂ دل کو ضیائے ایمانی سے معرّا کرکے اسے ظلمت کدہ بنا دیں۔

ایجاد واختراع کے اس دور میں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے جہاں اور کئی قسم کی چالیں چلی جاتی ہیں وہاں انتہائی سراب اور کمال فریب کو عروج وارتقاء کے وسائل وذرائع تعبیر کرتے ہوئے حقائق کو بے باکانہ ٹھکرانا صداقت وحقیقت کو روندنا۔ دانش وبینش کا منہ چڑانا اور رہامنہ الناس کی آنکھوں میں خاک جھونک کر تائید حاصل کرنا شرافت ونجابت کے مترادف سمجھا گیا ہے۔

عہد حاضر کی ان بوقلمونیوں چابکدستیوں اور کرشمہ سازیوں کا تازہ شاہکار عجب دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔

مطلب براری کیلئے بیسویں صدی عیسوی کا انسان سب کچھ کر گذرنے کیلئے تیار تھا۔ لیکن اپنی گفتار وکردار اور اطوار واعمال سے وہ ایسی روسیاہی کیلئے اب تک آمادہ نہ ہوا تھا۔ جس کا اثر براہ راست اسی کے خاندان اور اسلاف پر ہونے کا امکان ہے۔ بلاشبہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور وہ قبیح سے قبیح افعال پر مجبور کردیتی ہے۔ مگر محض تعلّی وتفاخر، ذاتی بڑائی۔ اور شخصی برتری کے لئے جدامجد کو لات ماردینا۔ باپ۔ دادا کو ٹکا سا جواب دے کر خود کو کسی ایسے باپ کی جانب منسوب کرنا جس کی نسبت سے موہوم امیدوں اور ناکام تمناؤں کی نشو ونما ہو کر پدرم سلطان بود کا جنون پورا ہوسکے افعال شنیعہ سے تعبیر کیا جائیگا۔

موثق ومعتبر اطلاع کی بناء پر ہمارے ایک کرم فرما شکوہ سنج ہیں۔ کہ کسی شخص نے بکمال دیدہ دلیری وشوخ چشمی ان کے نسب نامہ میں جو چار سو سال سے ورثۃً ان کے خاندان میں محفوظ چلا آتا ہے۔ تصرف بیجا کی جرأت کی ہے۔ یعنی اپنے جدامجد کو حضرت دین محمد رح کا برادر اکبر ظاہر کرنے کیلئے حقائق وشواہد کو اس صفائی کے ساتھ توڑ مروڑ کے رکھدیا ہے۔ کہ اس عیاری کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس بات پر کمال حیرت وتعجب کا اظہار کیا گیا ہے کہ بڑد سیبوں کے جیتے جی اس شخص کو تخلیط نسب کی کیونکر جسارت ہوئی۔ اور اس نے اپنے جد بزرگوار کو غیر باپ کی جانب منسوب کرنے میں کیا فلاح دیکھی۔ شنید ہے کہ حیلہ جو اپنی خود ساختہ داستان کی صحت پر مصر ولجند ہے۔ اور اس جدت آفرینی کو اپنی قابلیت اور تاریخ دانی کی سند قرار دیتا ہے۔ بحالیکہ خاندان کا بچہ بچہ حقیقت ناصلیت سے واقف ہے۔ اور پرانے سے پرانا ریکارڈ اس دعویٰ کی تکذیب وتردید کیلئے موجود ہے۔

متاثرعلیہ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی چوری اور سینہ زوری کی یہ بیل منڈھے نہیں چڑھنی ناممکن ہے لہذا قرین دانش یہ ہے۔ کہ وہ عقل وخرد سے کام لیتا

ہوا اس جعل سازی کو آغوش لحد میں سلا دے۔ ورنہ پردۂ مہراب تار تار ہوکے رہ جائے گا۔

ہمارا فرض ہے سمجھائے جانا
تمہارا کام ہے مانو نہ مانو

ہم کو بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ کہ لاہور کا کوئی ہندو پبلشر ایک بدبخت مسلمان مؤلف سے ایک کتاب لکھوا رہا ہے۔ جس کا نام "شاتمِ رسولؐ" ہوگا۔ اس کتاب میں یہ ثابت کیا جائیگا۔ کہ اسلام میں اس شخص کی کوئی سزا نہیں۔ جو سرورِ کائنات کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کا مقصد یہ ہے۔ کہ آریہ سماجی مصنفین جی بھر کے دشنام طرازی کریں۔ اور کوئی علم الدین کوئی عبدالرشید کوئی عبدالقیوم ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے والا نہ ہو۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات کا سدِّ باب کتابوں کے لکھنے سے نہیں ہوسکتا۔ "شتمِ رسولؐ" کے مسئلہ کی حیثیت شریعتِ اسلامی کے نزدیک کچھ بھی ہو دیوانگانِ عشقِ رسولؐ اس حیثیت کو کہاں دیکھتے ہیں۔ اور یہ ایک طبعی جذبہ ہے۔ جس کی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہم نے تو آج تک کوئی ایسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جس کے سامنے اس کی ماں بہن کی ناموس پر حملہ کیا جائے۔ اور وہ نہایت خاموشی اور سکونِ خاطر سے تھانے پر جاکر رپٹ لکھوائے۔ کہ فلاں شخص نے میری ماں اور بہن کے خلاف یہ ناگفتہ بہ کلمات کہے ہیں۔ اور پھر فیصلہ مقدمہ تک چپ چاپ انتظار کرے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔ کہ غیرتمند انسان اس دشمنِ ناموس کو پہلے تو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی ہے یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ حضور آقائے دوجہان کی شان میں جن کی ناموس ہر مسلمان کو اپنی ماں بہن، بیوی کی ناموس سے بدرجہا زیادہ عزیز ہے۔ کوئی شخص بکواس کرے اور مسلمان چپ چاپ بیٹھا ہوا سنتا رہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندو پبلشروں نے رسول اللہ صلعم پر سب وشتم کرنا اتنا ضروری کیوں سمجھ لیا ہے۔ کہ اب اس کے جواز پر کتابیں لکھوا رہے ہیں۔ یہ فساد انگیز ذہنیت تو کسی حالت میں بھی قابلِ معافی نہیں۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ حکومت پنجاب کی خفیہ پولیس، اس پبلشر اور اس مؤلف کا پتہ چلا کر اس کتاب کا سراغ لگا لے گی۔ اور اس کی اشاعت کو قبل طباعت ہی ممنوع قرار دیدے گی۔ اس کتاب میں بظاہر کوئی خلاف قانون یا قابل گرفت مضمون نہ بھی ہو۔ جب بھی شتمِ رسولؐ کو غیر مستلزم سزا ثابت کرنیوالی کتاب مسلمانوں میں باعث اشتعال ہوگی ◆

نظم ونسق حکومت میں سب سے بڑی لعنت رشوت ستانی ہے۔ اگر ایک یہ لعنت نہ ہو۔ تو عوام کو حکومت سے جو ہزار دل شکایات ہیں۔ ان کا بہت بڑا حصہ غائب ہوجائے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔ کہ رشوت خوار اہلکار کسی شخص سے کچھ روپے لیکر اس کے حق میں ایسا فیصلہ کردیتا ہے۔ جس میں طرف ثانی کے ساتھ سخت ناانصافی ہوجاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک سچا آدمی بہترین دلائل وشواہد رکھنے کے باوجود ناکام رہ جائے گا۔ تو وہ عمر

بھر کیلئے حکومت اور اس کے نظام اور اس کے اہلکاروں سے بدظن ہو جائیگا۔ اس لئے ہر حکومت کا فرض ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ رشوت ستانی کے انسداد کی کوشش کرے۔ ہمارے چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ جب سے لاہور آئے ہیں۔ آپ نے رشوت کے خلاف باقاعدہ جہاد جاری کر رکھا ہے۔ اور آپ کی دلی خواہش ہے۔ کہ کم از کم عدالتیں تو اس بیماری سے نجات پا جائیں۔

اب حکومت پنجاب نے اعلان کیا ہے۔ کہ اگر کسی مقام کے پانچ معزز اصحاب ایسے معاملے میں جس میں ان کا ذاتی یا بالواسطہ تعلق نہ ہو۔ اس مطلب کی رپورٹ کردیں۔ کہ فلاں سرکاری ملازم نے رشوت لی ہے۔ تو اس محکمے کے افسر کا فرض ہوگا۔ کہ اس معاملے کی تحقیقات کرے اور شکائت کرنے والوں کو اس تحقیقات کے نتائج سے مطلع کرے۔

حکومت پنجاب کا یہ اقدام نہایت مبارک ہے۔ اگر دس پانچ مقامات پر اس قسم کی تحقیقات ہو کر رشوت خوار افسروں کو سزائیں دے دی گئیں۔ تو سب کو عبرت ہو جائیگی۔ اور عوام رشوت خوار اہلکاروں سے نجات پاکر حکومت کے شکر گذار ہونگے۔ لیکن ہم عوام کو اور ہر مقام کے معززین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اس قسم کی شکایات صرف اسی صورت میں کی جائیں۔ جب کہ ان معززین کو حق الیقین ہو۔ کہ رشوت لی گئی ہے اگر بعض مقامی مناقشات اور فرقہ دار جذبات کی تسکین کے لئے کسی اہلکار کے خلاف بے بنیاد شکائت کر دی گئی۔ اور وہ غلط ثابت ہوگئی۔ تو ہمیشہ اندیشہ ہے کہ ان معززین کی اپنی پوزیشن سخت خطرے میں پڑ جائیگی ہاں اگر احتیاط کے ساتھ اصلی رشوت خوار اہلکاروں کے خلاف معقول و مدلل شکایات پیش کی جائیں۔ تو یہ عوام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

آج سے چند ماہ پیشتر جب مصر و برطانیہ کے درمیان ایک نیا معاہدہ مرتب ہوا تھا۔ تو اس میں اصولاً یہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ کہ غیر ملکی باشندوں کو مصر میں جو امتیازات خصوصی صدیوں سے حاصل ہیں۔ اور جن کے ماتحت کسی غیر ملکی مجرم کے مقدمے کی سماعت کسی خالص مصری عدالت میں نہیں ہو سکتی۔ وہ منسوخ کر دیئے جائیں گے چنانچہ پچھلے دنوں مونٹرو کے مقام پر مصر و برطانیہ اور دوسری حکومتوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس اسی مسئلہ کے متعلق تفصیلات طے کرنے کیلئے منعقد ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ امتیازات یک قلم منسوخ کر دیئے گئے۔ اور اب سرزمین مصر کے چوبیس ہزار انگریز چھپن ہزار یہودی۔ بیس ہزار فرانسیسی اور چار ہزار اطالوی باشندے بالکل حقیقی باشندگان مصر کی طرح مصری قانون کے تحت آگئے۔ اب ان کے مقدمات کی سماعت مخلوط عدالتوں میں نہیں بلکہ خالص مصری عدالتوں میں ہوا کرے گی۔

مصر کے داخلی امور میں غلامی۔ محکومی اور ضعف قومیت کا یہی ایک مظہر تھا۔ جسکو نابود کرنے میں مصطفےٰ نحاس پاشا کو عدیم المثال کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہم اس کامیابی پر اپنے مصری بھائیوں کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تنسیخ امتیازات سے اہل مصر کی قومی خودداری اور اعزاز نفس کو بے انتہا تقویت پہنچیگی

تذکرہ برادری

مکرمی حکیم نورالدین صاحب گجرات دریافت فرماتے ہیں۔ کہ" مراسیان پونچھ کی ان مساعی کا حشر کیا ہوا۔ جو انہوں نے عدالتی قریشی بننے کے لئے جاری کر رکھی تھیں۔ غیرتمند قریشیان پونچھ نے یقیناً عدالت کی تاریخی راہنمائی کیلئے کوئی معقول صورت کر رکھی ہوگی بہتر ہوتا کہ کوئی صاحب مراسیوں کے اس لچر دعوے کی تردید کیلئے پونچھ کے سرکاری وکیل کی جائز امداد کے لئے ایثار سے کام لیتا۔ تاکہ عدالت وکالت کے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان نہ رہتا"

کیا معززین پونچھ میں سے کوئی صاحب اسکی تفصیلی کیفیت پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گے۔

مخدومی حکیم قاضی غلام مصطفےٰ صاحب سکنہ رمداس (ضلع امرتسر) کا مقدمہ استقرار حق ابتدائی مراحل بطریق احسن طے کر چکا ہے۔ اس میں حقائق و شواہد سے یہ ثابت کرنیکی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ کہ" قاضی" عہدہ ہے۔ قوم نہیں۔ امید ہے کہ نتیجہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اور اس طریق سے یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے پا جائیگا۔ اور آئیندہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوگا۔

مکرمی پیر سعادت حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ" ندوۃ القریش" کے گذشتہ اجلاس منعقدہ جون ۱۹۳۶ء میں بدیں غرض ایک ریزولیوشن باتفاق رائے منظور کیا گیا تھا۔ کہ قریشی حضرات مختلف مقامات پر مختلف القابات سے ملقب ہیں۔ قاضی شیخ، سردار، پیر، شاہ وغیرہم الفاظ جزو القاب ہیں۔ جو بعض حیثیتوں سے غیر موزوں ہیں۔ لہذا ایک ہی لفظ تجویز ہونا چاہیئے۔

"القریش" بلاناغہ میری نظر سے گذرتا ہے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی پھر کوئی صورت نہیں کی گئی۔ میری ناقص رائے میں مناسب ہوگا۔ کہ آئیندہ اجلاس میں جو غالباً مستقبل قریب میں منعقد ہونے والا ہے۔ اس امر کا قطعی طور پر فیصلہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ میرے ان الفاظ کو القریش میں شائع فرما دیجئے تاکہ جلسہ میں شریک ہونے والے اور دیگر احباب کو بھی اس پر غور کرنے کا موقعہ مل جائے۔

قریشی عبدالرشید القریش کے قدیم معاون ہیں۔ آپ نے حال ہی میں ہر موسم اور ہر ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سال رواں میں ایک شاندار عمارت تعمیر کی ہے۔ آپ کی خواہش ہے۔ کہ ناظرین القریش میں سے کوئی اہل فن صاحب ایک

رباعی جس سے مادۂ تاریخ تعمیر نکلتا ہے ساتھ رسالہ تاکہ یادگار کے طور پر عمارت کی پیشانی پر کتبہ نصب کیا جا سکے۔ مکرمی مولانا شاکر صدیقی و مولانا نامی اور دیگر حضرات توجہ فرمائیں۔

قریشی غلام فرید متعلم نوریہ ہائی کلاس صاحب ثروت ناظرین القریش سے اپنی غربت یتیمی اور بیکسی کا واسطہ دے کر التجا کرتے ہیں۔ کہ کوئی صاحب ازراہِ کرم ان کے نام ایک سال کیلئے القریش جاری کرادیں۔ سائل علم دوست ہے۔ مگر اسقدر استطاعت نہیں رکھتا۔ کہ زرِ چندہ ادا کرکے اپنا قومی رسالہ جاری کرا سکے۔ گذشتہ سال دفتر کی طرف سے بلا معاوضہ اس کے نام جاری کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہ لکھتا ہے۔ کہ میری ضمیر اجازت نہیں دیتی کہ آئندہ قومی ادارہ کو میری وجہ سے مالی نقصان ہو۔ لہذا ناظرین القریش میں کوئی صاحب علمی خیرات کرتے ہوئے چندہ میں القریش نامبردہ کے نام جاری کرا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جن حضرات کی خدمت میں انکی خواہش یا ان کے کسی دوست کی فرمائش کی تعمیل میں القریش نمونتہً ارسال ہو چکا ہے۔ وہ منشائے خریداری سے بواپسی مطلع فرما کر مشکور فرماویں۔ اور جن احباب کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ اپنا اپنا زرِ چندہ بواپسی بصیغہ منی آرڈر ارسال کر کے مشکور فرماویں۔

پنجاب کے وہ چھ اضلاع ہیں جن میں بذریعہ نوٹیفکیشن ۲۴۰۱۔ آر سنہ ۱۹۲۳ء میں قریشی زراعت پیشہ قرار دیئے گئے ہیں۔ تصدیق انتقالات میں جن برادرانِ قریش کو دقت درپیش ہے۔ یا اس سلسلہ میں جن احباب نے زیر دفعہ ۸۰ نوٹس دے رکھا ہے۔ یا جن کی طرف سے اس سلسلہ میں دیوانی مقدمات دائر ہیں کی دفتر ندوۃ القریش کو ایک فہرست درکار ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے۔ کہ دفتر کو معلوم ہو سکے۔ کہ کن برادران قریش کو کیا کیا دقتیں پیش آ رہی ہیں۔ اور ان میں دفتر ان کی کیا امداد کر سکتا ہے۔ نیز ان احباب کی بھی ایک فہرست درکار ہے۔ جن کے انتقالات بعد تفتیش کامل تصدیق ہو چکے ہوں۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تصدیق کنندہ افسران کن وجوہات کو قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ فہرست ہائے مطلوبہ جسقدر جلد ممکن ہو۔ دفتر میں پہنچ جانی چاہئیں۔ تاکہ عملی کارروائی شروع ہو جائے۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ پونچھ میں قومیت کی کشمکش کا نہایت سختی کے ساتھ سلسلہ جاری ہے مقتدر قریشیان پونچھ کو اپنے قومی حقوق سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ متفقہ و متحدہ مساعی سے تمام مراحل بوجہ احسن طے ہو سکتے ہیں۔ سرداران قریش عملی اقدام سے عند القوم مشکور ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

بصائر و عبر

"روزنامہ "انقلاب" مطبوعہ ۳۰ مئی ۳۷ء کے پرچہ "افکار و حوادث" میں ایک دلچسپ واقعہ شائع ہوا ہے۔ جو تہذیب جدید کی شائستگیوں کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ لہذا اسے قارئین کرام کی دلچسپی اور فیشن زدہ نوجوانوں کی عبرت و بصیرت کیلئے بلفظہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا"

ہم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ اب تک صرف انگریزوں ہی میں یہ دستور ہے۔ کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنے دوستوں کے ساتھ سینما تھیٹر دیکھنے کیلئے بھیج دے۔ زیادہ سے زیادہ ٹھنڈی سڑک کے آس پاس رہنے والے بعض حد سے زیادہ مستفرنج گھرانے اس معاملے میں انگریزوں کی نقل کر لیتے ہوں گے۔ لیکن آج معلوم ہوا۔ کہ یہ خوش مذاقی صرف انگریزوں یا مستفرجین تک محدود نہیں بلکہ ٹھنڈی سڑک سے چل کر کئی سڑکیں اور کئی محلے پھاندتی ہوئی مصری شاہ تک جا پہنچی ہے۔

ایک صاحب نے جو اچھے خاصے کھاتے پیتے ہیں۔ تھانے میں رپٹ لکھوا دی ہے۔ کہ دو مہینے ہوئے ایک "دلکش و آزاد و خوشرو ساختہ پرداختہ" اور تعلیم یافتہ خاتون سے میری شادی ہوئی۔ فلاں فلاں دوست میرے مکان پر اکثر آیا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں میری طبیعت ناساز تھی۔ میری بیوی کیلئے سینما دیکھنا نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ میرے دو دوست اس کو اپنے ہمراہ سینما لے گئے۔ اب وہ دوست موجود ہیں۔ اور بیوی غائب۔ یا مظہر العجائب وہ نیک بخت اپنے ساتھ سینکڑوں روپے کے زیور کپڑے بھی لے گئی۔

لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ہمارے روشن خیال اور "سینما بین" بیوی کے شوہر اسقدر پریشان کیوں ہو گئے۔ کہ پرانے زمانے کے دنیا نویسی "کھڑ کنوں" کی طرح ذرا سی بات پر تھانہ کچہری پہنچنے لگے۔ ان کی بیوی دوستوں کے ساتھ سینما تک جا سکتی ہے اور انہیں کوئی خیال نہیں ہوتا۔ اگر ذرا سینما سے دس میل پرے چلی گئی۔ تو کیا قیامت آگئی۔ ذرا سیر و تفریح کرکے واپس آجائیگی۔ آخر بیوی تو آپ ہی کی ہے۔ "ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اس کا ناؤں"

یہ آج کل کی بیویاں ہیں۔ کہ شوہر کی طبیعت ناساز ہو۔ تو ان کو سینما کے لئے سازباز کی سوجھتی ہے۔ اللہ خوش رکھے۔ اُن نیک بختوں کو جن کے شوہر کے سر میں ہلکا سا درد بھی ہو تو اس کے سرہانے بیٹھ کر رات آنکھوں میں کاٹ دیتی ہیں۔ ہاتھ تدبیر میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور دل دعا میں۔ ایشیا والو۔ اس متاع کی قدر کرو۔ یہ ہاتھ سے نکل گئی۔ تو تمہارا سب کچھ گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عالم اسلام

مصریوں کو غیر ملکی امتیازات کا خاتمہ بالخیر کرکے اپنی آزادی کو مستحکم تر کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اب جمعیت اقوام کا رکن تسلیم کرلیا گیا ہے۔ گویا اس کی آزادی و خود مختاری کے پروانہ پر بین الاقوامی مہر لگ گئی ہے۔ مصر پہلے خلافت عثمانیہ کا ایک مساوی حیثیت رکھنے والا ٹکڑا تھا۔ موجودہ صدی کے آغاز میں مصریوں نے ایک طویل جد و جہد کے بعد آزادی حاصل کر لی۔ اور اگلے دن اسے مساوی حیثیت سے آزاد و مختار اقوام کی محفل میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔ اتفاق کی بات ہے۔ کہ جمعیت الاقوام کے جس اجلاس میں مصر کے نمائندے پہلی دفعہ شامل ہونے کیلئے گئے۔ اس اجلاس کی صدارت کے فرائض ترکی کے وزیر خارجہ آقائے توفیق رشدی راسن بجا لارہے تھے۔ جنہوں نے مصری وفد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور سب سے پہلے مصری وفد کے ارکان کے ساتھ مصافحہ کیا

حصول آزادی کے ساتھ ہی مصر نے حجاز و عراق کی عرب حکومتوں کے ساتھ دوستانہ معاہدے کرلئے ہیں۔ اور ترکی کے ساتھ تعلقات مودت استوار کرنے کی بنا شروع ہو چکی ہے۔ شام و عراق اور ترکی کی مشترکہ سرحد کے بعض امور کا تصفیہ کرنے کیلئے عراقی نمائندہ انقرہ گیا ہے۔ اور اطلاعات ظاہر کرتی ہیں۔ کہ موصل کے متعلق عراق و ترکی میں مفاہمت ہو جانے کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایران و ترکی کے برادرانہ تعلقات میں حال ہی میں ایک ریلوے لائن کی تعمیر کا اضافہ ہوا ہے۔ جو دیار بکر سے بندر عباس تک بنائی جائے گی۔

"اتحاد مشرق" کی سکیم کے ماتحت ترکی۔ ایران، عراق و افغانستان کے مابین ایک معاہدۂ اتلاف کی جو تجویز زیر غور تھی۔ اب اس میں روس کی جمہوریت بھی شامل ہوگئی ہے

ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ ترکی اور آزاد مصر کے مابین مودت و اخوت کا ایک معاہدہ ہوگیا ہے۔ اور ان دونوں قوموں کے افراد پر اقبال کا یہ شعر صادق آگیا ہے

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

ترکی اور ایران نے اس معاہدۂ مشرقی کی مبادیات طے کرلی ہیں۔ جس میں افغانستان۔ عراق اور روس کی دول بھی شامل ہو رہی ہیں۔

ہندوستان۔ ہندوستان کی شمالی و غربی سرحد پر جنگ جاری ہے۔ لیکن صلح کی گفت و شنید بھی شروع ہوگئی ہے۔ ہندوؤں کے اغوا کی داستانوں کو جو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اس نے ہندو قوم کے ایک طبقہ کو حکومت کی جنگی حکمت عملی کا حامی بنا دیا ہے۔ مہاتما گاندھی نے اعلان کردیا ہے۔ کہ وہ کانگرس اور حکومت کے مابین صلح کرانے کیلئے اپنی جان تک لڑا دیں گے۔ لیکن گاندھی جی کے ایک درجہ اتر آنے کے باوجود ہندوستان کا وہ آئینی تعطل دور ہوتا نظر نہیں آتا۔ جو گورنروں سے یقین حاصل کرنیکی شرط کے باعث پیدا ہو چکا ہے۔ بعض مقامات پر فرقہ وار فسادات کے

نگ بھی رونما ہو رہے ہیں اس کا اگر تو مسلمانوں کو ساتھ ملانے کا جو معرکہ شروع کر رکھا ہے ۔ اس کا لا ہوری ... اسے شدید ترکست

ولادتِ رسولؐ

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

اے مسلمانو! مبارک ہو نویدِ فتح باب — لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے اُم الکتاب
وہ اُٹھے تاریکیوں کے بامِ گردوں سے حجاب — وہ عرب کے مطلعِ روشن سے اُٹھا آفتاب
گم ضیائے صبح میں شب کا اندھیرا ہو گیا — وہ کلی چٹکی، کرن پھوٹی سویرا ہو گیا

زلف کا پیغام پھر بادِ صبا دینے لگی — پھر زبانِ گل صدائے مرحبا دینے لگی
شہپرِ جبریل کی جنبش ہوا دینے لگی — صبح لہرا کر چلی شب راستہ دینے لگی
بحر کا زرّیں سفینہ آسماں کھینے لگا — چرخ پر دریائے نور انگڑائیاں لینے لگا

خسرو خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دُور دُور — دل کھلے شاخیں ملیں شبنم اڑی چھایا سُرور
آسماں روشن ہوا کانپی زمیں پر موجِ نور — پَو پھٹی دریا بہے سنکی ہوا چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا — دلبری سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا

گرد بیٹھی کفر کی اٹھی رسالت کی نگاہ — گر گئے طاقوں سے بُت خم ہو گئی پشتِ نگاہ
چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لا الٰہ — ناز سے کج ہو گئی آدم کے ماتھے پر کلاہ
اتنے ہی ساقی کے ساغر آ گیا خم آ گیا — رحمتِ یزداں کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا

آگیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسولؐ — روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسولؐ
جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی وہ رسولؐ — موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسولؐ
محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا — جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسولؐ — گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسولؐ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسولؐ — جس کا ہر اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسولؐ
جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کر دیا — جس کی جاں بخشی نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

جاں باز مجاہد

حضرت عمرؓ کا عہد خلافت ہے۔ ان عربوں نے جو دنیائے جہان کی قوموں سے زیادہ ذلیل اور محکوم تھے۔ اسلام کی برکت سے ان تاجداران عجب و غرور پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ جو کبھی ان کو خاطر میں بھی نہ لایا کرتے تھے۔ جس طرف جاتے ہیں فتح اور نصرت پاؤں چومنے کو دوڑتی ہے۔

مسلمانوں کی فتح و ظفر کا سیلاب ایران کے مشہور شہر قادسیہ کو جل تھل کرنے چلا ہے۔ رستم نے جو سلطنت فارس کی جانب سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ لیت و لعل کے بعد سفیر اسلام مغیرہ کی گفتگو سے نعل در آتش ہو کر عہد کر لیا ہے۔ کہ کل عرب کو برباد کر کے دم لوں گا۔

ایک جم غفیر رستم کے ہمراہ ہے۔ ہاتھیوں کی صفیں دیوار آہنی کی مانند کھڑی ہیں۔ بہادران فارس شیروں کی طرح ڈکار رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جانب بھی سعد جیسے ماہر فن سپہ سالار جنگ ہیں۔ معدی کرب۔ طلیحہ۔ قعقاع اور ربیل جیسے جنگ نبرد آزمائی کیلئے نکلے ہیں۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہیں۔ کوئی دم میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ تلواروں کی چمک اور بہادروں کے نعروں سے عرصۂ کارزار میدان محشر کا نمونہ بنا چاہتا ہے۔

ایک ایرانی دیبا کی قبا زیب بدن کئے زرّیں کمر بند لگائے صف سے نکلا۔ اور لڑنا چاہا۔ مسلمانوں کی طرف سے مشہور بہادر معدی کرب مقابلے کو نکلا۔ ایرانی قدر انداز نے ایک تیر ایسا تاک کر مارا۔ کہ معدی کرب بال بال بچ گئے۔ ساتھ ہی گھوڑے کو دوڑا کر قریب لے گئے۔ اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر دے ٹپکا۔ اور سر قلم کر کے بولے بہادر یوں لڑا کرتے ہیں۔

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ طرفین کے خطیب اپنے پر اثر خطبوں اور پر جوش رجزوں سے فوج میں آگ لگا رہے تھے۔

بہادروں کے دلوں میں جوش اور ولولہ کی ایک بجلی دوڑ گئی ہے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا واترک مشدودا علی وثاقیا۔

اس سے بڑھکر اور کیا غم ہوگا۔ کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں۔ اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں۔

ان عقمت عنانی الحدید واغلقت
مصاریع من دونی تصتم التادیب

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی۔ اور دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔ عین اس وقت

جب ہنگامہ کارزار گرم تھا۔ ایک شخص ابو محجن ثقفی جو بڑے بہادر اور بلند پایہ شاعر تھے۔ قید خانے میں پڑے ہوئے میدان جنگ کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر نہائت پر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ انہیں سپہ سالار اسلام حضرت سعد رض نے شراب نوشی کے جرم میں قید کر دیا تھا۔

بار بار یہ اشعار پڑھتے تھے۔ مگر بیڑیاں اجازت نہ دیتی تھیں۔ کہ میدان کارزار میں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے۔

ناچار ضبط نہ ہو سکا۔ تو حضرت سعد رض کی اہلیہ سلمیٰ کے پاس گئے۔ اور اجازت چاہی۔

سلمیٰ۔ قیدی رہا کرنے کا مجھے حق نہیں۔ میں اجازت نہیں دے سکتی۔

ابو محجن ثقفی۔ میرے سردار کی محترم بیوی یقین کیجئے۔ کہ میں اپنے عہد پر ثابت قدم رہونگا۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ اگر مر گیا تو معاملہ ہی صاف ہو جائیگا اگر جیتا بچا۔ تو خود ہی آ کر بیڑیاں پہن لونگا۔

سلمیٰ۔ خواہ تم کچھ کہو۔ مجاز نہیں۔ کہ تمہیں آزاد کر دوں۔

ابو محجن ثقفی۔ یاس اور حسرت کے ساتھ ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ مگر بار بار حسرت بھری نگاہوں سے میدان کارزار کی طرف دیکھ دیکھ کر مندرجہ بالا شعر پڑھتے تھے۔

ابو محجن کے اشعار نے آخر سلمیٰ کو بے چین کر دیا۔ اور انہوں نے جا کر خود اپنے ہاتھوں سے بیڑیاں کاٹ دیں۔

ابو محجن شکریہ ادا کرتے ہوئے قید خانہ سے نکلے۔ اور اصطبل میں پہنچے۔ حضرت سعد رض کے بلقا نامی اسپ صبا رفتار پر سوار ہو کر میدان کارزار میں پہنچے اور اس انداز سے حملہ کیا۔ کہ حریفوں کی ہمت چھوٹ گئی مسلمان بھی متحیر تھے۔ کہ یہ غیبی فرشتہ ہے یا انسان۔

حضرت سعد رض نے کہا حملے کا اندازہ تو ابو محجن کا ہے۔ لیکن وہ تو زنجیروں میں جکڑا ہوا قید خانہ میں پڑا ہے۔

دن بھر معرکہ کارزار گرم رہا۔ جب شام ہوئی تو ابو محجن نے خود سے آ کر بیڑیاں پہن لیں۔

شام ہونے کے بعد جب حضرت سعد رض سلمیٰ کے پاس آئے تو سلمیٰ نے ابو محجن کے اضطراب کی کیفیت اور بیڑیاں کاٹنے کی منت و سماجت سے متاثر ہو کر بیڑیاں کاٹ دینے اور اصطبل سے گھوڑا لے کر ابو محجن کے جنگ میں شریک ہونیکا حال بیان کیا حضرت سعد رض یہ سنکر دم بخود رہ گئے۔ اور اسی وقت جا کر ابو محجن کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ اور کہا کہ خدا کی قسم جو مسلمانوں پر یوں جاں نثار کرتا ہو۔ مجھے اس کو قید کرتے شرم آتی ہے۔ ابو محجن نے بھی قسم کھائی۔ کہ واللہ آج سے میں شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔

قوم سے خطاب

(از جناب مولوی نصیر الدین صاحب ناصر)

رہینگی خوابِ غفلت میں تیری مدہوشیاں کبتک
اڑینگی دامنِ ہوش و خرد کی دھجیاں کبتک

یہ مرگ آسا خموشی یہ جمودِ مستقل تیرا
ترے ہر ہر فسانے پر بجینگی تالیاں کبتک

ترا ہر فعل غیروں کی نظر میں اک تمسخر ہے
ترے ہر قول پر اڑتی رہینگی پھبتیاں کبتک

مساوات و اخوت کے یہ دعوے ہیں بے معنی
فریب و مکر سے کھیلینگی ظاہر داریاں کبتک

تری تحریک قومی کو سمجھتا ہے ہر اک مہمل
تری ذلت حقارت سے کریگی شوخیاں کبتک

حمیت ہے، تو میدانِ عمل میں کارفرما ہو
ترے ہاتھوں میں ذلت کی رہینگی چوڑیاں کبتک

زمانے کی روش کیساتھ اپنی بھی روش بدلے
رہینگی کنجِ تنہائی میں آہ و زاریاں کبتک

اُٹھو، سنبھلو، بڑھو، آگے چلو کچھ جوش دکھلاؤ
لڑو بادِ مخالف سے یہ ذلت خواریاں کبتک

فدا ہو قوم پر اپنی مٹاؤ تفرقے دل کے
رہینگی آہ آپس کی یہ ہاتھا پائیاں کبتک

فنا فی القوم ہو جاؤ سعادت کیش بن جاؤ
رہینگی جزوِ قسمت بنکے یہ بدنامیاں کبتک

ترا اس ہستیِ بیسود سے مٹنا ہی بہتر ہے
رہینگی سر پہ غیروں کی ستم آرائیاں کبتک

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کر زندہ دلی پیدا
یہ آئے دن کی آفت روز و شب کی سختیاں کبتک

خدا اب تو اس بھولی جماعت پر کرم فرما
رہینگی رات دن ناصرؔ یہ بے چینیاں کبتک

حیدرآباد فرخندہ بنیاد

کئی سال ہوئے اعلحضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ نے ساٹھ ہزار پاؤنڈ (تقریباً دس لاکھ روپیہ) کا عطیۂ خسروانہ اس غرض سے منظور فرمایا تھا۔ کہ لندن میں ایک ایسی عظیم الشان مسجد تعمیر کی جائے جو قلمرو برطانیہ کے مرکز میں اسلام کی شوکت و عظمت کی مظہر ہو۔ چنانچہ اس رقم میں سے اٹھائیس ہزار پاؤنڈ کی زمین خرید لی گئی۔ جو لندن کے ایک آباد ترین حصے (ویسٹ کینسنگٹن) میں محض حسن اتفاق سے مل گئی تھی۔ مسجد نظامیہ کے ٹرسٹیوں کی مجلس کے صدر سر عبد القادر ہیں۔ آپ نے عزم مصمم کر لیا۔ کہ اب جلد سے جلد اس مسجد کو تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ تازہ ترین اطلاع ہے۔ کہ نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد مملکت آصفیہ اور آپ کی بیگم شہزادی دُرِّشہوار خانم سے جو ملک معظم کی تاجپوشی کی تقریب میں تشریف لائے ہوئے تھے مسجد کا سنگ بنیاد نصب کرا لیا گیا ہے۔ اور ان شاء اللہ بہت جلد یہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی۔

خیال یہ ہے۔ کہ اس مسجد کا انداز تعمیر روضۂ تاج (آگرہ) سے مشابہ ہوگا۔ اور اس پر کل خرچ ایک لاکھ پاؤنڈ سے کم نہ ہوگا۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ دنیائے اسلام کے بعض دوسرے حکمران اور ارباب ثروت بھی اس مسجد کی تعمیر میں اعلحضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے ساتھ شریک ثواب ہونے کی کوشش کریں گے جنہوں نے اس عظیم الشان کارنامے کی وجہ سے قطعی طور پر اپنے لئے جنت الفردوس میں گھر بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پادشاہِ اسلام کو خدمتِ اسلام و مسلمین کے لئے ہمیشہ قائم رکھے۔

انسداد گداگری کے لئے نواب رحمت یار جنگ بہادر کمشنر سٹی پولیس نے پچھلے سال ماہ جون میں یہ اعلان کیا تھا۔ کہ جو شخص بازاروں میں بھیک مانگتا ہوا پایا گیا۔ اسے گرفتار کر لیا جائیگا۔ لیکن اس پر عمل نہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ کہ صرف حکم کا نفاذ ہی گداگری کی لعنت کو دور کر دیگا۔ لیکن اب جبکہ انہوں نے دیکھا۔ کہ گداگروں پر اس حکم کے نفاذ کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ تو انھوں نے اسے عملی جامہ پہنانے کے احکام نافذ کر دیئے ہیں۔ چنانچہ اسی حکم کے ماتحت آج افضل گنج سے ساٹھ گداگروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور خیال کیا جاتا ہے۔ کہ باقی علاقوں میں بھی یہی کارروائی عمل میں لائی جائیگی۔

علاقہ شیرانی (صوبہ سرحد) میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کرنے کی سرکاری طور پر تجویز ہو رہی ہے۔ نہایت مبارک اقدام ہے۔

دلچسپ معلومات

عکسی کتب خانے

عنقریب ایک ایسی مشین رائج ہونے والی ہے جو علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دے گی۔ کتابوں کی ضخامت کم کرنے کیلئے امریکہ میں ایک جدید قسم کا کیمرا تیار کیا گیا ہے۔ جس میں سینما کے فلم کی طرح اخباروں اور کتابوں کے فوٹو نہائت چھوٹے پیمانہ پر تیار کئے جاتے ہیں۔ اتنے چھوٹے پیمانہ پر کہ مطبوعات کی موجودہ ضخامت گھٹ کر ۲/۱۰۰۰ رہ جائیگی۔ برٹش میوزیم نیویارک پبلک لائبریری اور امریکہ کے بعض دوسرے کتب خانوں میں اس کیمرے کا استعمال شروع ہو گیا ہے۔ اور پرانے اخباروں کے فائل اس کے ذریعہ محفوظ کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ نیویارک پبلک لائبریری میں اخبار نیویارک ہیرالڈ ٹربیون کے مکمل فائل کا مطالعہ صرف چند فٹ لمبی فلم پر کیا جا سکتا ہے۔ فلم تیار کرنے کے بعد ایک مشین میں لگا دی جاتی ہے۔ جس کے زیریں حصہ میں ایک پردہ لگا ہوتا ہے۔ اس پردہ پر خطوط اپنے اصلی سائز سے بھی بڑے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بالکل اتنے ہی صاف یہ مشین چھوٹے چھوٹے کتب خانوں کی دسترس سے بھی باہر نہیں ہے۔ پرواسٹ جس میں تصویریں لی بھی جا سکیں۔ پچاس ڈالر میں خریدا جا سکتا ہے۔ بڑی اور بہترین قسم کی مشین کی قیمت پانچ ہزار ڈالر ہے۔ گھر کے استعمال کیلئے چھوٹی چھوٹی مشینیں امریکہ اور یورپ کے بازاروں میں آ گئی ہیں۔

برقی کمبل

امریکہ کے ایک موجد نے ایک ایسا کمبل تیار کیا ہے۔ جس کی بناوٹ میں برقی تار لگے ہوئے ہیں سوتے وقت بجلی کی بیٹری سے جو پلنگ کے سرہانے رکھی رہتی ہے۔ ایک تار کے ذریعہ اس کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ باہر سردی خواہ کتنی ہی شدید ہو۔ سونے والا آرام سے سوتا رہتا ہے۔ مشین میں یہ رعایت بھی رکھی گئی ہے۔ کہ کمبل کو جسقدر گرم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کمبل حد سے زیادہ گرم ہو جائے۔ تو برقی رو خود بخود منقطع ہو جاتی ہے۔ اور سونے والے کو تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ کمبل دھویا بھی جا سکتا ہے اور اس کے استعمال کرنے میں ڈھائی تین آنہ رات سے زیادہ بجلی کا خرچ نہیں ہے۔

سویٹ روس کے کتب خانے

سویٹ روس میں اس وقت (۲۸۶۲۷۶) کتب خانے ہیں۔ اس تعداد میں (۲۷۲۴۷) پبلک لائبریریاں (۲۵۲۵۶) دیہی کتب خانے اور ۵۶۴ بچوں کے کتب خانے شامل ہیں۔ ان میں کتابوں کی مجموعی تعداد چھ کروڑ ساٹھ لاکھ ہے۔

برقی ٹائپ رائیٹر

حال میں ایک جدید قسم کا برقی ٹائپ رائٹر ایجاد کیا گیا ہے۔ جس میں وقت اور زحمت کو بچانے کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ کاغذ اور کاربن کے اوراق ایک کشتی میں رکھ کر اس ٹائپ رائیٹر کے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ خود بخود ان کو کھینچکر مشین میں لگا لیتا ہے۔ ٹائپ کرنے والے کو یہ زحمت نہیں کرنی پڑتی کہ ایک ورق کے ختم ہونے کے بعد دوسرا لگائے۔

خطرہ کی گھنٹی

موٹر ڈرائیور جو دور کی مسافت میں کبھی کبھی اونگھنے لگتے ہیں۔ اور اونگھنے کی وجہ سے اکثر حادثات پیش آجاتے ہیں۔ ان کیلئے خطرہ کی گھنٹی ایجاد ہوئی ہے یہ گھنٹی ڈرائیور کے گلے میں بندھی ہے۔ جوں ہی وہ اونگھتا ہے اس کی ٹھوڑی گھنٹی کے بٹن پر لگتی ہے۔ اور گھنٹی بجنے لگتی ہے۔

آثار حیات

روس کے بعض محققین جو مشرقی سائبیریا میں طبقاتِ ارض کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایسی زمین میں بھی جو صدیوں سے برف کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ حیات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے اندر ایسے کیڑے برآمد ہوئے ہیں۔ جنہیں زندگی کی استعداد ابھی باقی ہے۔ ان لوگوں نے برف سے ڈھکی ہوئی زمین کے چند ٹکڑے ایک گہرے گڑھے سے کھود کر نکالے اور پگھلنے کیلئے ان کو آب مقطر میں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد خوردبین سے معائنہ کرکے دیکھا کہ اس میں جھینگا مچھلی کی شکل کے چھوٹے چھوٹے زندہ کیڑے موجود ہیں ماہرین سائنس کا اندازہ ہے کہ یہ کیڑے برف کے نیچے ایک خوابیدہ حالت میں کم ازکم تین ہزار برس سے موجود ہیں

طبی امداد بذریعہ ریڈیو

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ صحتِ عامہ نے جہاز کے مسافروں کی طبی امداد کا ایک نہائت قابلقدر انتظام کیا ہے۔ اگر کوئی مسافر جہاز پر بیمار ہو جائے اور ڈاکٹر کی عدم موجودگی یا مرض کی صحیح تشخیص نہ ہونے کی وجہ سے مریض کو افاقہ نہ ہو رہا ہو۔ تو جہاز کا کپتان فوراً ریڈیو پر ڈاکٹر (Medico) کی اطلاع کرتا ہے۔ جب کسی جہاز سے ریڈیو پر "ڈاکٹر" (میڈیکو) کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو اس کی حد کے اندر ریڈیو کے تمام دوسرے پیغامات فوراً موقوف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس ناگہانی اطلاع کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی جہاز پر کوئی مسافر سخت بیمار ہو گیا ہے۔ اور ڈاکٹر علاج کیلئے موجود نہیں ہے۔ اس اطلاع کے پاتے ہی کوئی ریڈیو اسٹیشن جو بحری پیغامات حاصل کرتا رہتا ہے۔ جہاز کے کپتان سے مریض کا حال دریافت کرکے اسے فوراً ہی ٹیلیفون کے ذریعہ سے محکمہ صحت عامہ کے قریب ترین بحری ہسپتال میں پہنچا دیتا ہے ہسپتال کے ڈاکٹر جمع ہو کر مرض کی تشخیص کرتے ہیں نسخہ تجویز کرتے ہیں اور اپنی رائے سے اس ریڈیو اسٹیشن کو بذریعہ ٹیلیفون مطلع کر دیتے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن یہ پیغام فوراً جہاز کے کپتان تک پہنچا دیتا ہے۔ اسطرح پندرہ منٹ کے اندر طبی مشورہ حاصل ہو جاتا ہے۔

امراض سے

۵۸۶

القریش امرتسر

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۶ء

جلد ـــــــــ نمبر

فہرست مضامین

دُعا بحضور ربِّ کعبہ!

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

اے خدا سینۂ مُسلم کو عطا ہو وہ گداز
تھا کبھی حمزہؓ و حیدرؓ کا جو سرمایۂ ناز
پھر فضا میں تری تکبیر کی گونجے آواز
پھر اس انجام کو دے گرمیٔ رُوحِ آغاز

نقشِ اسلام اُبھر جائے جلی ہوجائے
ہر مسلمان حسینؓ ابنِ علیؓ ہوجائے

دستِ اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کر دے
پھر ہمیں شیفتۂ جلوہ ایماں کر دے
دل میں پیدا تپشِ بوذرؓ و سلمانؓ کر دے
اپنے محبوب کی سوگند مسلماں کر دے

رُو کشِ صبح، شبِ تار کا سینہ ہوجائے
آبگینے کو وہ چمکا کہ نگینہ ہوجائے

دے ہمیں بارِ خدا جرأت و ہمت کے صفات
دل کو یوں چھیڑ کہ پھر جاگ اٹھیں احساسات
پھر سے ہوں تازہ رسولِ عربی کے غزوات
درس مومن کو یہ دے موت ہے تکمیلِ حیات

جادہ پیماؤں کو چھوٹا ہوا صحرا دیدے
قیس کو پھر خلشِ ناقۂ لیلیٰ دیدے

پھر بہار آئے، مئے ناب پری ہوجائے
پھر جہاں محشرِ صد جلوہ گری ہوجائے
دے وہ چھینٹے کہ ہر اک شاخ ہری ہوجائے
زور آندھی کا نسیمِ سحری ہوجائے

طبعِ افسردہ کو پھر ذوقِ روانی دیدے
اس زلیخا کو بھی معبود جوانی دیدے

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۷ء

جلد ۲ ——————— نمبر ۷

شذرات

سلطان العلوم ہز اگزالٹڈ ہائی نس، اعلحضرت حضور نظام عالی مقام تاجدار دکن کی علم دوستی و معارف نوازی ضرب المثل ہے۔ جہاں پناہ جہاں مختلف علمی اداروں کی بلا مذہب و ملت مالی امداد و اعانت فرماتے ہیں، وہاں ان کیلئے علمی ذخائر کی بہم رسانی سے بھی دریغ نہیں فرماتے

حال ہی میں سلطان العلوم نے ازرہ لطف شاہانہ جالندھر کے ایک ودیالہ پر نظر کرم فرماتے ہوئے پانچصد روپیہ کی گرانقدر رقم عطا فرمائی ہے۔ رقابت مذہبی کی آگ میں جلنے والے اعلحضرت کی رواداری دیدۂ بینا سے ملاحظہ کریں۔

۲۵ جون کی خبر ہے۔ کہ خسرو جہاں پناہ کی طرف سے ہز اکسیلنسی نواب حیدر نواز جنگ وزیر اعظم دولت آصفیہ نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو عربی کی ایک سو سے زیادہ کتابیں عطا کی ہیں۔ جو حکومت آصفیہ کے زیر سرپرستی نایاب قلمی نسخوں سے طبع کرائی گئی ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب تیسری صدی ہجری سے بعد کی نہیں۔ حضور کے اس گرانقدر عطیہ پر لارڈ میلے نے ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہوئے خراج تحسین ادا کیا۔ اور جہاں پناہ کی علم دوستی و معارف نوازی کی ستائش کی۔ جو لوگ بدقسمتی سے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنے سے عاری ہیں۔ وہ اوروں پر حرف گیری کا کیا حق رکھتے ہیں

مظفر نگر کے ایک "شاندار قومی اجلاس" کی مختصر رپورٹ اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ شائع ہوئی ہے غالباً مئی کی اشاعت میں نجیب آباد کے قومی اجلاس کی اجمالی کارروائی زیب اوراق ہوئی تھی۔ اور اس سے قبل ایک اور مقام کے "قومی جلسہ" کی روئداد ہدیۂ ناظرین کی گئی تھی۔ ان کارروائیوں کے مطالعہ سے یقین ہوتا ہے۔ کہ قریش کے منجمد بستہ خون میں ایک تلاطم خیز ہیجان ہے۔ غیرت قومی سے رگ حمیت تڑپ رہی ہے۔ خون قرشیت جوش زن ہے۔ وہ بیسی کے

گرداب میں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہتے اور بیک جست منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والے ہیں۔ جد و جہد کے اس دور میں غفلت کی نیند سوتے رہنا انہیں گوارا نہیں اب میدان عمل گرم ہے اور وہ! لیکن ان ہنگامہ خیزیوں اور دلولہ انگیزیوں کے عواقب و نتائج پر نظر جاتی ہے۔ تو تمام امیدیں مایوسیوں سے بدل جاتی ہیں۔ اور مسرتیں کافور بن کر ہوا ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک جلسہ اور ایک ہی بار کی ولولہ انگیز تقریروں میں قومی عروج و ارتقا کا راز مضمر پاتے ہیں۔ دوسرے جلسہ اور پاس کردہ تجاویز پر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نجیب آباد کے جلسہ کو دو ماہ گذر گئے۔ پھر کوئی خیریت کی خبر موصول نہیں ہوئی۔ خدا معلوم ان تجاویز کا کیا حشر ہوا۔ اور وہ عزائم کن بدخواہیوں کے نذر ہو گئے۔ اب یہ جلسہ ہے نظر بد دور ابتدا تو قابل رشک ہے انتہا کی خبر خدا جانے۔

فیروزپور کے مقتدرین قریش اور بڑے بڑے پیر صاحبان سال ڈیڑھ سال شیر آیا شیر آیا دوڑنا کی رٹ لگاتے رہے اور جب وقت آیا۔ تو آنکھ کھل گئی۔ اور تیاریاں خواب پریشاں ہو کے رہ گئیں۔

اس قوم سے تو اتنی بھی امید نہ تھی۔ لہذا یہی غنیمت ہے۔ خیال ہوا تو عمل کی توقع بھی رکھنی چاہیئے قول ہے تو کبھی فعل کا وقت بھی آ ہی جائیگا۔ ہم اتنے عجلت پسند نہیں۔ دیر آید درست آید کے قائل ہیں۔

مستقبل قریب میں عباسی سرداران پونچھ حسب دستور قومی دربار منعقد کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے مگر حوادث ارضی نے اسقدر فضا مسموم کر دی۔ کہ بعض لوگ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اور دفعہ ۱۴۴ کا عمل دخل لابدی ہوا۔ خدا معلوم کب حالات مساعد اور فضا سازگار ہوں۔ اور کب جلسہ منعقد ہو۔ یہ سب منجانب اللہ ہے بہرکیف ہم مایوس نہیں۔

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

ہائیکورٹ لاہور کے چیف جسٹس صاحب نے عزم مصمم کر رکھا ہے۔ کہ صوبہ پنجاب سے رشوت ستانی کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر دم لینگے۔ چنانچہ اب تک بعض کلرک موقوف کئے جا چکے ہیں بعض اشخاص کے مقدمات زیر سماعت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ڈسٹرکٹ ججوں اور سب ججوں کے خلاف رشوت ستانی کی شکایات موصول ہوئیں اور ان کے معاملات کی تحقیقات ہو رہی ہے۔

چیف جسٹس صاحب کی تازہ ترین تدبیر یہ ہے کہ آپ نے ہائیکورٹ میں ایک خاص شعبہ رشوت ستانی کے انسداد کی غرض سے قائم کر دیا ہے جسکی نگرانی خواجہ نذیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا جیسے ستعد کارکن کے سپرد کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ شعبہ ضرور کامیاب ہوگا۔

اب عوام کا فرض ہے کہ اس لعنت کے سدباب میں ہائیکورٹ کے ساتھ تعاون کریں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جہاں انہیں کسی عدالت کے بڑے یا چھوٹے اہلکار کی رشوت ستانی کی اطلاع ملے۔ اس کا ثبوت فراہم کرکے ہائیکورٹ میں ایک خفیہ عرضداشت بھیجدیں۔ گمنام تحریروں پر کوئی توجہ نہ کی جائیگی۔ اپنا نام اور پورا پتہ لکھنا ضروری ہے۔ عوام اطمینان رکھیں کہ حتی الوسع ان کے نام اور ان کے مراسلے خفیہ رکھے جائیں گے۔

رشوت ستانی نے حکومت کے سارے نظام کو مسموم کر رکھا ہے جب تک اسکا تدارک نہ ہو عوام کی مصیبتیں دور نہ ہونگی۔ اور اسکا علاج صرف عوام کا تعاون ہی ہو سکتا ہے۔

تذکرہ برادری

مکرمی حکیم نورالدین صاحب گجراتی کے اس استفسار کے جواب میں کہ :-

"مراسیان پونچھ کی ان مساعی کا حشر کیا ہوا جو انہوں نے عدالتی قریشی بننے کے لئے جاری کر رکھی تھیں"

ایک پونچھی کرمفرما تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ہنوز مقدمہ جاری ہے۔ اور کارروائی ہو رہی ہے۔ پہلے ۳ رجیٹھ سمت ۹۴ بکرمی مقرر تھی۔ اب غالباً ۳ ہاڑ مقرر ہے۔ چند روز باقی ہیں۔ نتیجہ سے مفصل اطلاع دی جائیگی"

مکرمی قریشی فدا حسین کے مراسلہ مطبوعہ مئی ۱۹۳۷ء کے سلسلہ میں "حافظ نسب رسول" مخدومی قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی گوجرانوالہ سے اپنے ۲۰ر جون کے گرامی میں تحریر فرماتے ہیں ،کہ :-

قریش پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ ہر وہ قوم جو اپنی مدتِ اقبال ختم کر لینے کے بعد زوال پذیر ہو چکی ہو۔ اس کے افراد قوم احساسِ قومیت کے جذبہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

گذشتہ بارہ سال کی مسلسل جد وجہد کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ ہندوستان میں قریش کا خون استقدر منجمد اور مسخ شدہ ہو چکا ہے۔ کہ "قریش" اور "احساس" دو متضاد باتیں ہیں۔

لیکن الحمدللہ کہ نجیب آباد کے بزرگانِ قوم نے اپنی کوششوں کے کامیاب نتیجہ کی بنا پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہنوز اس قوم میں آثارِ حیات باقی ہیں مقامی طور پر قومی تنظیم کے لئے محترمی قریشی فدا حسین صاحب ہاشمی کی مساعی جمیلہ قابل ہزار تحسین ہیں۔

مراسیت کے ادعائے قرشیت کی تکذیب و تردید میں میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جو مستحقِ شکریہ متصور ہو سکے۔ البتہ القریش کی بیس سالہ خدماتِ جلیلہ کا عملی اعتراف میرے نزدیک اس صورت ہی میں موزون ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی اشاعت میں وسعت ہو۔ اس لئے میں قریشی فدا حسین صاحب ہاشمی کی توجہ خصوصیت کے ساتھ اس امر کی طرف مبذول کراتے ہوئے ان سے برادرانہ خواہش کرتا ہوں۔ کہ نجیب آباد اور اس کے قرب و جوار میں سے حتی الامکان پچیس نئے خریدار بہم پہنچانے کی سعی فرمائیں۔

برکریماں کارہا دشوار نیست

پیر امام الدین صاحب قلات والے پر سلام۔

(۲) میری سرگذشت کے بعض مضامین سے متأثر ہوتے ہوئے لہڑی علاقہ ریاست قلات سے عالیجاہ میر محمد زیر خاں صاحب ڈومبکی بلوچ جو وزیرانی ڈومبکی فرقہ کے سرگروہ اور وڈیرہ ہیں۔ القریش کی خریداری پر مائل ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی علمدوستی پر بھروسہ

کرتے ہوئے میں نے ان سے دوستانہ خواہش کی ہے۔ کہ وہ اپنی قوم اور اپنے حلقۂ احباب سے ایک درجن خریداران القریش مہیا کرنے کی کوشش فرمائیں۔ کیونکہ میری رائے میں القریش ایسے نقارۂ قومی کی آواز میں جوں جوں وسعت اور بلندی پیدا ہو گی۔ توں توں قریش اور عرب قبائل کی تنظیم قومی میں بھی طاقت اور عظمت پیدا ہو سکیگی۔

مولانا فتح محمد صاحب اختر نے قریشی عبدالرشید کے مطالبہ پر حسب ذیل قطعہ تاریخ تعمیر مکان ارسال کیا ہے

چہ خوش۔ عمارت میں ہے رتبہ عروسی حاصل
ہر دو برکات میں میلادی و ہجری شامل
ہوا مدام بہ عبدالرشید اوج اختر
۱۹ ۶ ۳۷

ہے سال ہجری رشید یہ مسرت منزل
۱۳ ۵ ۵۶

مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی، اور مولانا غلام حسین صاحب شاکر صدیقی بھی توجہ فرمائیں۔

یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ لاہور چھاؤنی کے کنٹونمنٹ بورڈ کے انتخابی مقابلہ کے سلسلہ میں ۱۶ر جون گذشتہ کو مکرمی قریشی محمد اکرم صاحب آنریری مجسٹریٹ کے حریف جمال الدین نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے لئے۔ اور قریشی محمد اکرم صاحب بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

ہم اس کامیابی پر آپ کو اور آپ کے والد محترم مولانا غلام غوث صاحب غلامی پنشنر کو مبارکباد دیتے ہیں۔

قریشی برادری میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائیگی۔ کہ اسدفعہ کے شارٹ ہینڈ کے P.C.T کے امتحان میں قریشی احسان الحق پی۔سی۔ٹی لنڈن فسٹ رہے اور آنرز حاصل کی ہیں۔ ۶۰۰ سے ۵۳۰ نمبر لیکر دوگریجوائیٹوں اور ایک S.E. کو بیٹ کر گئے ہیں۔ انہیں اور ان کے متعلقین کو مبارک ہو۔

مکرمی مولانا غلام احمد صاحب قریشی چک ۱۹۶ (لائلپور) فرماتے ہیں۔ کہ

"القریش" مطبوعہ جون سے یہ معلوم کرکے بیحد رنج و ملال ہوا۔ کہ کسی شخص نے کسی مصلحت کی بنا پر حضرت حافظ دین محمد رح کے نسب نامہ میں تصرف بیجا کی جرأت کی ہے۔ ایک نسب دوسرے نسب میں مخلوط کرنا سخت ظلم ہے۔

تاریخی حقائق و شواہد کو دلائل کے نقاب میں پنہاں کرکے حقیقت و اصلیت پر تخیل کا پردہ ڈالکر عوام کو غلط راہ پر لگانے میں خدا جانے یہ لوگ کیا فلاح دیکھتے ہیں۔

مہربانی کرکے بذریعہ القریش منشار علیہ کو یہ پیغام پونچا دیں۔ کہ اس نسبنامہ میں دست اندازی کی گنجائش نہیں۔ یہ ظلم ہم پر روا نہ رکھیں۔

ضرورت ہو تو تشریف لاکر اپنے دعویٰ کی بدیہی تردید مجھ سے لیں بمفصل بشرط ضرورت پھر لکھونگا۔

دول اسلامیہ

ٹرکی

دورِ حاضر کے عظیم الشان انسانوں میں غازی مصطفٰے کمال پاشا کا رتبہ یقیناً بہت بلند ہے۔ انہوں نے گذشتہ پندرہ برس کی مدت میں ترکی کو ضعف و انحطاط کی انتہائی پستیوں سے اٹھا کر ایک شاندار زندہ قوم بنا دیا۔ اور دنیا کے سامنے سچی قومی خدمت کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی بہ مشکل ملیگی۔ یہ غازی ممدوح کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ ترکی جسے یورپی سلطنتیں بہ زعم خود موت کے گھاٹ اتار چکی تھیں۔ آج یورپ کی بین الاقوامی سیاسیات میں ایک عظیم الشان طاقت بنا بیٹھا ہے۔ اور ایشیائی اقوام میں اسے قیادت کا مرتبہ حاصل ہو رہا ہے۔ غازی ممدوح کا تازہ ایثار یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی ساری جائداد قوم کی نذر کر دی ہے۔ دورِ حاضر کے ایشیائی سلاطین میں سے اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ شہید پہلے تاجدار تھے۔ جنہوں نے تمام املاک بیت المال قومی کی نذر کر دی تھیں۔ بلکہ اپنی وہ زمینیں بھی بہترین قومی مقاصد کیلئے وقف فرما دی تھیں۔ جو تخت و تاج افغانستان کو قبول کرنے سے قبل انہیں حاصل تھیں۔ غازی مصطفٰے کمال پاشا کا ایثار بڑا ہی قابل قدر اور مستحق صد ستائش و تشکر ہے اللہ تعالیٰ انہیں عمر طویل عطا فرمائے۔ اور ان کی قیادت میں ترکی اور دنیائے اسلام کو بلند تر درجات پر پہنچائے آمین!۔

انقرہ

انگورہ یا انقرہ اناطولیہ کا ایک معمولی سا قصبہ تھا جس میں جنگ سے پیشتر زیادہ سے زیادہ بیس ہزار نفوس آباد تھے۔ اور جس میں زمانہ حاضر کی جدید ترین آسائشوں کا کہیں نام تک نہ تھا۔ لیکن غازی مصطفٰے کمال کی توجہ سے اب اس کی ایسی کایا پلٹ گئی ہے۔ کہ پہچانا نہیں جاتا۔ آج اس قصبہ کی آبادی ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔ سڑکوں پر اعلیٰ درجے کی روسی موٹر بسیں چل رہی ہیں۔ بہم رسانی آب کا انتظام اتنا اچھا اور مکمل ہے۔ کہ یورپ کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حفظان صحت کی تدابیر پر سختی سے عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ملیریا کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہا۔

صنعت و حرفت کی ترقی کی رفتار خاص طور پر بہت تیز ہے۔ شکر کے تین بہت بڑے کارخانے ایک سمینٹ کا اور ایک گل روغن کا کارخانہ اسوقت موجود ہیں۔ اور کام کر رہے ہیں۔ بہت سی اشیا جو ترکی غیر ملکوں سے درآمد کیا کرتا نھا۔ اب ترکی ہی میں تیار ہو رہی ہیں۔ اور ۱۹۳۹ء تک پارچہ بافی کے چار کارخانے، کاغذ، شیشے، بوتلوں اور چینی کے کارخانے اور تانبے چاندی اور لوہے کی کانیں بالکل تیار ہو جائینگی۔ اور ترکی کو ؤدوسرے ملکوں کی محتاجی سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائیگی۔ حقیقت میں غازی مصطفٰے کمال پاشا کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ آپ نے ایک پسماندہ ملک کو چند ہی سال کے اندر ایک صنعتی ملک بنا دیا۔ اور یہ انکا نہایت ہی عظیم الشان کارنامہ ہ

ایران ایران کی وزارت تعلیم نے جو سالانہ رپورٹ بابت ۳۶-۱۹۳۵ء شائع کی ہے۔ اس سے وہاں کی تعلیمی ترقی کا اندازہ ہے۔ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:-

(۱) جدید سکیم کے مطابق دارالسلطنت کے ابتدائی مدارس میں (۴۸) درجوں کا اضافہ کیا گیا۔ (۱۱) نئے ابتدائی مدارس (۹) جدید ثانوی مدارس کے درجے (۱) بہت چھوٹے بچوں کا مدرسہ اور (۵) مخصوص موسیقی کے درجے کھولے گئے ہیں۔

(۲) صوبوں کے ابتدائی مدارس میں (۲۷۰) درجوں کا اضافہ کیا گیا ہے (۱۱۸) مدرسے چھوٹے بچوں کے لئے جدید طرز تعلیم کے کھولے گئے۔ ثانوی مدرسوں میں (۴۲) جدید اور اونچے درجوں کا اضافہ کیا گیا (۵) ابتدائی نارمل اسکول (۲) چھوٹے بچوں کے مخصوص مدرسے (۲) کتب خانے قائم کئے گئے۔

(۳) بالغوں کی تعلیم کے لئے طہران میں (۹۱) اور صوبوں میں (۷۵۹) درجے کھولے گئے۔

(۴) ۳۵-۱۹۳۴ء میں تمام ملک میں مندرجہ ذیل مدرسے قائم ہوئے۔ لڑکوں کے لئے ابتدائی مدارس (۶۹) لڑکیوں کے لئے (۱۸)

(۵) ۳۵-۱۹۳۴ء میں داخلہ کی تعداد ابتدائی مدارس میں (۲۱۵۸۵) لڑکے اور (۴۳۲۲۴) لڑکیاں ثانوی مدارس میں (۶۷۸۸) لڑکے اور (۱۰۰۱) لڑکیاں۔

مسجد ووکنگ اور شاہ مصر

قارئین کرام پر یہ امر مخفی نہیں۔ کہ ووکنگ مشن نشر و اشاعت اسلام کے قابل رشک کارناموں کی وجہ سے ایک شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔ اور اسکی مساعی جمیلہ دربارہ خدمت دین میں اسلامی دنیا میں نہایت ہی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں دنیا کے اکثر ممتاز حضرات اور رؤسائے عظام شاہ جہاں ووکنگ میں تشریف لا کر مشن کی سرگرمیاں بچشم خود ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور اسطرح مشن سے اپنی دلچسپی اور ہمدردی کا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ کہ عربی رؤسا ہز رائل ہائی نس سیف الاسلام شہزادہ یمن ہز ہائی نس سلطان مکلّہ اور ہز ہائینس سلطان لہام نے مسجد میں نزول اجلال فرمایا۔ لیکن ۲۸ مئی ۳۷ء کا دن ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جبکہ اعلیٰحضرت فاروق شاہ مصر ادام اللہ ملکہٗ تشریف فرمائے مسجد ووکنگ ہوئے۔ اور آپ نے اپنے انگریز نو مسلم بھائیوں کے ساتھ فریضہ جمعہ ادا فرمایا۔ شاہ ممدوح الصدر کی تشریف آوری کی خبر اگرچہ بہت تھوڑی دیر پہلے ملی تھی۔ تاہم برادرانِ ملت شاہ موصوف سے شرف ملاقات حاصل کرنے کیلئے بہ تعداد کثیر مسجد میں جمع ہو گئے۔ اور جس خلوص اور محبت کا مظاہرہ شاہ ممدوح الصدر کے متعلق کیا وہ موقع کی اہمیت اور شاہ موصوف کی شان کے شایاں تھا۔

بعض ایسے احباب بھی تھے۔ جو جذبات محبت سے لبریز دل لے کر دور دور مقامات سے اس موقع پر تشریف لائے تھے جن میں سے سر عبداللہ آرچی

بالڈ ہملٹن بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ جو مع زوجہ محترمہ کے سلیٹ سے تشریف لائے جو ووکنگ سے قریباً ۱۲۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شاہ موصوف بمعیت سر احمد حسن صاحب اور دیگر شاہی خاندان کے افراد کے دن کے سوا بجے تشریف فرمائے مسجد ہوئے۔ امام مسجد مولانا آفتاب الدین احمد صاحب اور مسٹر اسمٰعیل ڈی یارک صدر مسلم سوسائٹی آف گریٹ برٹین نے حضور کا سرسالار میموریل ہال میں استقبال کیا۔ جہاں برادران ملت میں کئی ایک سربرآوردہ بزرگ حضور کو خوش آمدید کہنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ ابھی چند لمحات ہی حضور کا مختلف احباب سے تعارف کرانے پر گذرے ہونگے۔ کہ اذان کی آواز بلند ہوئی "حیّ علی الصلوٰۃ" کا حکم واجب الاذعان سننے پر حضور شاہ نے معہ حاضرین کے مسجد کی طرف قدم رنجہ فرمایا۔ اور جبکہ شاہ موصوف اپنے تمام دوسرے بھائیوں کے پہلو بہ پہلو فرش مسجد پر بیٹھ گئے۔ تو اسلامی مساوات کا ایک ایسا دلکش نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا جس پر دنیائے اسلام جسقدر فخر و مباحات کا اظہار کرے کم ہے دوسری اذان کے بلند ہونے پر امام صاحب نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔ بعدہ قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہ پر ایک مختصر خطبہ دیا۔ نماز کے ختم ہونے کے بعد شاہ موصوف امام صاحب اور دیگر ممتاز مہمانوں کے ساتھ میموریل ہاؤس واپس تشریف لے گئے۔ اور سب کے ساتھ معمولی ماحضر تناول فرمایا۔ شاہ موصوف نے مشن کے کارناموں کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اور امام صاحب کے ساتھ گفتگو کے دوران میں مشن کے متعلق کئی ایک امور دریافت فرمائے۔ اور پھر بکمال مسرت آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں اس عظیم الشان تحریک کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتا اور دلچسپی لیتا ہوں روانگی سے پیشتر امام صاحب نے شاہ موصوف کی خدمت میں ووکنگ مشن کی مطبوعات پیش کیں۔ جو آنحضور نے بکمال مسرت قبول فرمائیں۔

افغانستان | افغانستان اعلیحضرت محمد ظاہر شاہ اور خاندان نادری کے دوسرے معزز و محترم افراد کی محنت و برکت سے روز افزوں ترقی کر رہا ہے اعلیحضرت نے گذشتہ اجلاس مجلس شوریٰ کے افتتاح کے موقعہ پر فوج کی حالت کے متعلق بیحد اطمینان کا اظہار فرمایا تعلیم، زراعت، تجارت سڑکوں کی تعمیر کی طرف زیادہ توجہ دلائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم ایک ایسے زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ ضروریاتِ زندگی میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ملت کی تمام ضروریات کی تکمیل کی خاطر متحدہ عمل کریں۔ جن لوگوں نے افغانستان کو انقلاب کے وقت دیکھا ہے وہ جب اسکی موجودہ صورت کو دیکھتے ہیں۔ تو حیرت و استعجاب کے پیکر بن جاتے ہیں اسلئے کہ خاندان نادری نے آٹھ سال کے اندر اندر افغانستان کی تلافی مافات اور مزید ترقیات میں معجزے دکھا دیئے ہیں مصطفٰے کمال نے ترکی کو پندرہ سال کے اندر اوج کمال پر پہنچایا لیکن ترکی مصطفٰے کمال سے پہلے بہت ترقی کر چکا تھا۔ بہرکیف ان کارناموں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ صحیح صلاحیت اور صحیح جذبہ موجود ہو تو مشکلات خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جو کام بڑے سے بڑے مدبرین کے نزدیک مشکل معلوم ہوتا تھا۔ وہ خاندان نادری کے محترم افراد کی ہمت وطن پرستی اور اولو العزمی کیلئے آسان ہو گیا۔ اب ترقی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر افغانستان نہایت

مراسلات :-

پنجاب کی دیہاتی زندگی

اکنامک بورڈ پنجاب کی رپورٹ

بورڈ آف اکنامک انکوائری پنجاب نے حال ہی میں تالیف نمبر 15 موسومہ دیہاتی زندگی پر تبصرہ (دیلیج سرویز) کی دسویں اشاعت شائع کی ہے۔ اس سلسلہ کی اشاعت کا مقصد یہ ہے۔ کہ دیہاتیوں کی اقتصادی حالت کا صحیح اور مکمل نقشہ پبلک کے سامنے پیش کیا جائے۔ صوبہ پنجاب کے ہر ایک ضلع کا ایک خاص گاؤں منتخب کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ اس صوبہ کی مجموعی دیہاتی زندگی اجاگر پیش کی جا سکے۔ اس سلسلہ کا مجموعہ تکمیل پذیر ہونے کے بعد صوبہ پنجاب کی دیہاتی زندگی کا مکمل آئینہ ہوگا تحقیقات کنندہ زیر تحقیقات گاؤں میں قریباً بارہ سے اٹھارہ ماہ تک دیہاتیوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے۔ اس لئے انکی معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

بارش کا اثر

موجودہ اشاعت موضع جمال پور شیخاں ضلع حصار سے متعلق ہے۔ یہ ضلع خصوصیتوں یعنی بہترین مویشی اور فصل کے خرابے کی زیادتی کے باعث مشہور ہے۔ کل رقبہ کا صرف دسواں حصہ نہروں سے سیراب ہوتا ہے۔ باقی تمام رقبے کا دارومدار بارش پر ہے۔ صوبہ پنجاب کے تمام اضلاع میں سے حصار میں سب سے کم کوئیں ہیں۔ اور وہ بھی عموماً پانی پینے کی غرض سے کھودے گئے ہیں ماہ جون سے ستمبر تک 13۔ انچ بارش ہوتی ہے۔ اور آٹھ مہینوں میں صرف 3 انچ چونکہ بارش غیر یقینی ہوتی ہے اس لئے فصل کے پکنے تک اس کے تباہ ہو جانے یا پک جانے کے امکانات بدستور رہتے ہیں۔ موضع جمال پور میں کل فصل کا 47 فیصدی حصہ برباد ہو جاتا ہے۔ بارش کے بروقت ہو جانے سے پیداوار کثرت سے ہو جاتی ہے اسلئے آئندہ دو فصلوں تک زمینداروں کو کوئی خاص مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اگر تین فصلیں متواتر تباہ ہو جائیں۔ تو قحط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔

چارہ کی کاشت

جمال پور شیخاں نارتھ ویسٹرن ریلوے کا اسٹیشن ہے جسکا کل رقبہ 5,552۔ ایکڑ ہے۔ سوائے 27۔ ایکڑ رقبہ کے جو کنوؤں سے سیراب ہوتا ہے باقی 5,535۔ ایکڑ رقبے کا انحصار بارش پر ہے۔ فصل خریف کی پیداوار فصل ربیع سے قدرے زیادہ ہوتی ہے عموماً باجرہ کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے۔ اس کے بعد نخود یا گوچنی (گندم و چنا) بویا جاتا ہے۔ چارہ یا دوسری فصلیں جنکہ

بطور چارہ استعمال کی جا سکتی ہیں۔ ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ تمام زمین یک فصلی ہے۔

کاشتکار قومیں

اس گاؤں کی کل آبادی 2512 نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں مردوں کی تعداد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہے۔ ضلع حصار کے دوسرے گاؤں کے خلاف جہاں ہندو اکثریت ہے۔ جمال پور شیخاں میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے بہت زیادہ ہے۔ یعنی اس گاؤں میں 1855 مسلم اور 657 ہندو ہیں۔ زراعت پیشہ لوگ ہندوؤں میں سے اکثر مالی ہیں۔ اور مسلمانوں میں گوجر راجپوت اور جاٹ۔ کل آبادی کی ایک تہائی کمین اور دستکاروں پر مشتمل ہے۔ گاؤں میں سب سے زیادہ اہمیت غیر زراعت پیشہ شیخ قوم کو حاصل ہے۔ جو کہ اس گاؤں کے حقیقی مالک تھے۔ وہ تیرھویں صدی میں آباد ہوئے تھے

قرضہ

قرضہ کی اوسط قدرے زیادہ ہے۔ فصل کی تباہی اور امدادی پیشوں کے نہ ہونے کی وجہ سے فی کس قرضہ 15/4 روپیہ ہے۔ روپیہ کا لین دین اکثر غیر زراعت ساہوکار ہی کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے ایک حصہ میں قرضہ کے متعلق وضاحت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ کل قرضہ کا ۱۵/۷ فیصدی بیاہ شادی کے رسم و رواج پر خرچ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس رسم و رواج کا تذکرہ ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہیں۔ اگرچہ مویشیوں کی باقاعدہ پرورش کا کوئی انتظام نہیں۔ تاہم ان کی خرید و فروخت اس گاؤں میں ہوتی ہے۔ اور مویشی کلکتہ تک بھیجے جاتے ہیں۔ بارشوں کے موسم میں قریب کے گاؤں میں زمینوں کو مویشی چرانے کیلئے کرایہ پر دے دیا جاتا ہے۔ اور کچھ روپیہ گھی کی فروخت سے بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

اصلاحات

اس گاؤں کے حالات کی پڑتال اُن گاؤں کی مالی مدد کیلئے جن کا دار و مدار اُن عناصر پر ہے جو انسان کے قابو سے باہر ہیں۔ بہت مفید ثابت ہوگی۔ لوگ عموماً کوتاہ اندیش اور جاہل ہیں رسم و رواج کی پابندی اور جمود ان کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کو بہتر بنانے میں بہت بُری طرح حائل ہیں۔

قلمی معاونین سے بارہا عرض کیا گیا ہے۔ کہ مضامین صاف اور ایسے خوشخط موصول ہونے چاہئیں۔ جنہیں کاتب آسانی کے ساتھ پڑھ سکے۔ لیکن بہت کم احباب اس پر توجہ دیتے ہیں۔ مجبوراً ہمیں از سر نو مضمون خود صاف کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کیلئے اتنا ہی وقت صرف ہو جاتا ہے جتنا ایک مضمون لکھنے کیلئے درکار ہونا چاہیئے۔ "تذکرہ برادری" کے سلسلہ میں لکھنے میں احباب ذرا احتیاط فرمایا کریں۔

(مینجر)

ایک شاندار قومی اجلاس

اہم تجاویز کی منظوری

سید رکن الدین صاحب مظفر نگر سے اطلاع دیتے ہیں کہ ۴ جولائی کو اتوار کے روز صبح ۸ بجے پیر فخر الدین صاحب رئیس کی دعوت پر قریشی برادری کا ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا۔ سہارتی تقریر کے بعد قاری محمد اشرف صاحب نے تاریخ کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال پر فاضلانہ انداز میں تبصرہ کیا۔ اور قوم قریش کے موجودہ انتشار پر دردمندانہ تقریر کرتے ہوئے حاضرین کو تنظیم و شیرازہ بندی کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ ہمیں اللہ کا نام لے کر قومی اصلاح و فلاح کیلئے میدان عمل میں کودنا چاہیئے۔ ہندوستان کی تمام اقوام اپنی اپنی ترقی کے لیے انتہائی سعی و جہد سے کام لے رہی ہیں۔ وہ روز افزوں منصۂ عروج کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں۔ دولت و ثروت عزت و حشمت ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ لیکن قریش تشتت و افتراق کی وجہ سے ہر جگہ ذلیل و خوار ہیں۔ اور ان کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ ان کے حقوق بے طرح پامال ہو رہے ہیں۔ اور کوئی پرسان حال نہیں۔

پنجاب کے اکثر اضلاع میں قریشی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض مقامات پر کبھی کبھی جلسے بھی منعقد ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان میں وہ جوش وہ خلوص پیدا نہیں ہوا۔ جو دیگر اقوام میں ہو چکا ہے۔ اور اس جد و جہد اور کد و کاوش کے دور میں جب تک پوری سرگرمی اور انتہائی درد کے ساتھ کام نہ کیا جائے۔ مقصد میں کامیاب ہونا مشکل تریں ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کو اس درد کے ساتھ بیان فرمایا۔ کہ اس کا فوٹو لفظوں میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی تائید میں مسٹر الطاف الرحمن صاحب بی۔ اے وکیل کھڑے ہوئے اور چند تمہیدی الفاظ کے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ روپے کے بغیر دنیا کا کوئی کام بالخصوص وہ امور جو کسی قوم کی اصلاح و تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں۔ بوجہ احسن انجام پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جو قومی اداروں کی ناکامی و نامرادی کا سبب ہوتے ہیں۔ آپ کے عزائم بہت بلند اور نیک ہیں۔ میں آپ کا تہ دل سے موید ہوں۔ لیکن یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ معقول سرمایہ کا انتظام کیجئے۔ اور پھر قومی درد کا اظہار فرمایئے ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔

معزز مقرر نے "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" فرماتے ہوئے پچاس روپے کی گرانقدر رقم جناب صدر کے سامنے رکھتے ہوئے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔ حاضرین نے ستائش و پیدائش کے پھول نچھاور کرتے ہوئے علی قدر حیثیت امدادی رقم دینی شروع کیں چنانچہ

آدھ گھنٹہ کے اندر ۴۹۵ روپے کی رقم فراہم ہوئی۔ اور تجویز ہوا کہ آخری ہفتہ اور اتوار کے دن ایک جلسہ منعقد ہو۔ قرب وجوار کے تمام قریشی بزرگان کو دعوت شرکت دی جائے۔ اور ندوۃ القریش امرتسر کی ایک شاخ یہاں قائم کر دی جائے۔ اتفاق رائے سے جو تجاویز منظور ہوئیں۔ ان میں پہلی یہ تھی۔ کہ قوم کے تعلیم یافتہ بے روزگاروں اور نادار طلباء کی امداد کے لئے کوئی خاص انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت ایک سب کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا۔ جس میں آئندہ اجلاس کی رائے سے ممبران کا اضافہ منظور ہوا۔ دوسری تجویز مولینا محمد علی صاحب رونق صدیقی مدیر القریش کی بیس سالہ خدمات جلیلہ کے اعتراف میں تھی۔ جو انہوں نے قریش کا نام زندہ رکھنے اور انہیں دنیا میں عزت کی زندگی بسر کرنے کے لئے بیدار کرنے کے متعلق انجام دی ہیں مولانا فخرالدین صاحب کی تجویز کے مطابق مبلغ پچیس روپے القریش کے امدادی فنڈ میں منظور ہوئے اور قرار پایا کہ آئندہ اجلاس میں حاضرین کو اپنے قومی آرگن کی اعانت وخریداری کی ترغیب دی جائے۔ جلسہ ٹھیک ۱۲ بجے ختم ہوا۔ مفصل رپورٹ عنقریب ارسال ہوگی۔

وجزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ خداوند کریم عمل کی توفیق عطا کرے۔ ہر کام کی ابتدا مشکل ہوا کرتی ہے۔ اور قوم کے اصلاحی کام تو ذرا اور بھی خشک ہوتے ہیں۔ ان میں شروع شروع میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلکہ دل شکنی کے اسباب پریشان کر دیا کرتے ہیں۔ ہم جس ذوق وشوق اور ہمت وعزم کے ساتھ اٹھتے ہیں۔ اس کا سلسلہ قائم رکھنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اگر آپنے قومی درد کے ساتھ اصلاح قوم کا عزم کیا ہے۔ تو مہربانی کر کے اندرونی معاملات پر قابو رکھنے کی انتہائی سعی کیجئے۔ ذاتیات آتے ہی مقاصد فوت ہوجایا کرتے ہیں۔ بکنے والے لاکھ بکیں۔ مگر آپکے کان اور دل متاثر نہ ہو تو منزل محمود اور شاہد مقصود آپ کے قدموں میں ہوگا۔ میری خدمات اور ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن مجھے حقیقی اور قلبی مسرت جب ہوگی جب آپ معنوی طور پر اپنی مقررہ راہ پر جادہ پیما ہوجائیں گے۔ میری خدمات کا اعتراف! اس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں۔ والسلام

(ایڈیٹر)

اطلاع ۔ جن احباب کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ ان کا قومی واخلاقی فرض ہے۔ کہ وہ سال آئندہ کا زرچندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکور فرمادیں۔ بصورت خاموشی آئندہ یکم تاریخ کو ان کی خدمت میں وی پی ارسال کئے جائینگے۔ جو احباب کسی وجہ سے آئندہ سال خریداری نہ رکھ سکتے ہوں۔ وہ اطلاع دیدیں۔ تاکہ وی پی کی واپسی نقصان کا موجب نہ ہو۔

"منیجر"

بد نصیب ہسپانیہ

اہل ہند کیلئے ایک سبق

دنیا کے بے شمار ملکوں پر تباہیاں آئیں۔ ہزار ہا قومیں بنیں۔ اور بگڑیں۔ ان دیکھے اور ان سنے انقلابات آئے۔ مگر شاید تاریخ میں بغداد کی تباہی۔ ہسپانوی مسلمانوں کی بربادی کے بعد موجودہ ہسپانیہ کا دور ابتلا ان سب میں نرالا اور انوکھا ہے۔ یوں تو حبشہ کی مظلومی کی موت بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں۔ مگر حبشہ کے قاتل خود حبشی نہ تھے۔ اور نہ ہی حبشہ والوں نے حبشی حکومت کا تختہ الٹنے میں غیروں کا ساتھ دیا۔ مگر ہسپانیہ میں جو صورت حال درپیش ہے وہ خود اسکی باہمی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ اور ہسپانوی آبادی خود ایک دوسرے کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہی ہے۔ بلاشبہ خون کے چھینٹے اڑانے میں بیرونی قومیں بھی برابر مصروف عمل ہیں۔ اور اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ ہسپانوی خانہ جنگی کم نہیں ہو رہی بلکہ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ مگر باہر کی حکومتوں پر جو الزام لگایا جا سکتا ہے۔ وہ اسی قدر ہے۔ کہ وہ پشت پناہ کا کام دے رہی ہیں۔ مگر افسوس تو ان پر ہے۔ جو بیرونی انگیخت پر اپنے ہی عضو کاٹنے میں اسقدر سفاکی اور بیدردی سے کام لے رہے ہیں۔ کہ مرد مقابل تو کجا معصوم بچوں اور ناکردہ گناہ عورتوں کے قتل و غارت اور بے حرمتی سے انتقام کی آگ سرد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بچے اور عورتیں خود ان کا خون اور گوشت ہیں۔ یہ بچے اور عورتیں خود انکے وطن کی رونق اور زینت ہیں۔ مگر ان کے دل کی سیاہی اسقدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ان سے اس احساس کی اہلیت ہی چھین لی گئی ہے۔ اور وہ ایک اندھے جلاد کی طرح قتل و غارت کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے۔ کہ وہ کسے نشانہ بنا رہے ہیں۔

ہسپانیہ میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اخبار بین حضرات کے سامنے ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں ناز و نعم میں پرورش پانے والے بچے غیر ملکوں میں پناہ لے رہے ہیں۔ کہ ان کے ملک میں ان معصوموں کے رہنے کیلئے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہزاروں عورتیں مظلومی بے چارگی اور بے حرمتی کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دی گئی ہیں۔ اور یہ سب اسلئے ہو رہا ہے کہ دونوں جماعتیں ہسپانیہ پر اپنے اقتدار کی خواہشمند ہیں۔ اور صرف اسی ایک غرض کے ماتحت وہ ہسپانیہ کی رونق کو بے رونقی اور آبادی کو ویرانے میں تبدیل کر رہی ہیں۔

ہسپانیہ کے مظالم کی ہولناک داستان جہاں وہاں کے باشندوں کی سفاکی اور بیدردی کی تصویر ہے۔ وہاں دنیا والوں کے سامنے اپنی ویرانی کی صورت میں ایک سبق بھی پیش کر رہی ہے اور بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے امن و سکون کے خواہشمندو اختلاف کا نتیجہ ہلاکت اور تباہی ہوتا ہے۔ ہماری حالت سے سبق حاصل کرو۔ اور کسی کی انگیخت پر اپنے ہی اعضا کو کاٹنے کی عادت

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

بداعتدالی کا انجام

"اے طارق آج تو شاہانِ ہسپانیہ کے خزانے میں کھڑا ہے۔ دیکھ تو کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ شام سے طلیطلہ میں غرمبطل کی جھونپڑی سے شاہوں کے خزانے میں مگر یاد رکھ ایک دن تجھے قبر میں بھی جانا ہے (بادشاہوں کے تاج دیکھ کر اور انہیں ہاتھ میں لے کر) تیرے ہاتھ میں یہ چمکدار چیزیں کیا ہیں جن پر نظر نہیں ٹھہرتی؟ بڑے بڑے بادشاہوں کے ٹوٹے ہوئے تاج یہ آج تیری مٹھی میں ہیں۔ گذری ہوئی عظمت اور شوکت کے بےچین گواہ۔ مگر خود تو کیا ہے اے فتح مند سپہ سالار؟ ان کا محافظ۔ جبر داران تاجداروں کی تقلید نہ کرنا جو ان تاجوں کے مالک تھے۔ وہ نادان اور مغرور تھے۔ انہیں انسان کی عاجزی اور بےکسی کا علم نہیں تھا۔ اور زمانے کا تغیر نظر نہیں آتا تھا۔

آج تو ان کے شاندار محل میں کھڑا ہے۔ ان کی دولت کا مالک ہے تو نے ان کے گڑے ہوئے خزانے کو ڈھونڈ لیا ہے۔ تقدیر کے دھارے کا پلٹنا دیکھ۔ اس جلیل القدر قوم کا پلٹنا دیکھ جو آج تیرے قدموں کے تلے ہے۔ یہ انقلاب تیرے ہی ہاتھوں ہوا ہے۔ مگر پھر بھی اے طارق ابن زیاد تو کیا ہے۔ محض ایک ذرہ بے مقدار۔ پڑھ اے طارق ابن زیاد پڑھ۔ ان میں سے ہر ایک تاج ایک بادشاہ کی عبرتناک داستان سناتا ہے پڑھ اے ابن ناصر کے غلام۔ راڈرک نے اپنی قوم پر ظلم کیا اتنا ظلم کیا۔ کہ آج قوم کے دل میں نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ دانشمند اسکی صحبت سے پرہیز کرتے تھے۔ اسکے گرد خوشامدیوں کا حلقہ تھا۔ اور اسکے ملک پر جاہلوں اور نااہلوں کی حکومت اس شہر کی عمارتوں میں مجھے ایک مدرسہ ایک ہسپتال بھی نظر نہیں آیا جدھر دیکھئے محل ہیں، یا قید خانے یا گرجے۔

راڈرک کو خبر نہ تھی کہ جس ملک کا بادشاہ ظالم ہو جس کے باشندے جاہل اور بےبس ہوں اسکا انجام یہی ہوتا ہے۔ کہ غیر قومیں اسے کچل کر رکھ دیتی ہیں۔ (خطبات خالدہ خانم)

شکوۂ بیداد

(از مولانا انعام اللہ خاں ناصر حسن پوری)

افسانہ پارینہ ہے ملّت کا تجمّل — وہ حشمت و اقبال نہ وہ شوکت شاہی

اندوہ پہ اندوہ مصیبت پہ مصیبت — ادبار ہیں ادبار تباہی میں تباہی

اب دیدۂ بے نور ہے چہرہ پہ جہاں کے — وہ قوم کہ تھی جسکی صفت ژرف نگاہی

ہے کس کو مفر ناوک بیداد فلک سے — یکساں ہے گنہگاری و ناکردہ گناہی

پیدا نہ ہوئی صبح مسرت کی سپیدی — چمکی تو دعاؤں سے شب غم کی سیاہی

جس آتش جاں سوز سے دل اسکا جلا ہے — اس آگ پہ دیتا ہے دم سرد گواہی

اُس فوج میں ہے ہیبت اغیار سے ہلچل — شاہوں سے ہے بلجستاں جس کے سپاہی

اُٹھے ہیں کمر باندھ کے جو نام پہ تیرے

توفیق سے محروم نہ رکھ ان کو الٰہی

منزلِ مقصود

شوق ہی گشتہ دلے بیخبرم زراہ او
کیست کہ رہبری کند تا در بارگاہ او

ہر ابتدا ایک انتہا رکھتی ہے - ہر راہ کسی نہ کسی منزل پر جاکر ختم ہوتی ہے - ہر ارادہ کسی نصب العین کے ماتحت ہوتا ہے اور ہر حرکت کیلئے ایک سطح نظر ضروری ہے - ہمارا کوئی فعل ایسا نہیں جسکے سامنے کوئی غایت نہ ہو اور کوئی کام ایسا نہیں جو آخر الامر کسی نہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچے - یہ صورت حال ذرہ سے لے کر آفتاب تک اور رائی کے ایک حقیر دانے سے لے کر ہمالیہ کے مہیب عرض و طول تک نظر آرہی ہے - ہر شکل ایک نتیجہ رکھتی ہے - اور ہر شے کے سامنے ایک مقصد ہے - اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات ایک کارواں ہے - جو ہر لحہ ایک منزل کی طرف بڑھ رہا ہے یہ منزل کیا ہے ؟ ہر شے کی اصلی حقیقت ہے - ہر شے کا اصلی وطن ہے - گویا ہر شے اپنی اصل کی طرف جس سے وہ جدا ہو گئی ہے بڑھی چلی جارہی ہے اور جس طرف نظر اٹھایئے - کل شئی یرجع الی اصلہ (ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) کا سماں نظر آرہا ہے - کوئی ارادہ کرے یا نہ کرے - اور خواہ راہ کیسی ہی دشوار گذار ہو - لیکن مرکزِ اصلی کی کشش ایسی زبردست ہے کہ ہر شے اُس کی طرف کھچی جارہی ہے - مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی جذبۂ بے اختیار کو نے کی زبان سے سنتے ہیں - اور لوگوں کو توجہ دلاتے ہیں ؎

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
واز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نے نیستاں کی جدائی میں بے قرار ہے - اور درد جدائی میں اُس نے جو فریاد کی ہے - وہ سننے والوں کو بیتاب کئے دیتی ہے اپنی اصل اور اپنے وطن کی مفارقت پر آہ و زاری کرنا کوئی نرالی بات نہیں بلکہ دستور ہے کہ ؎

ہر کسے کو دور شد از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ہر شے اور ہر شخص جو اپنی اصل سے جدا ہو جاتا ہے وہ جدائی کا زمانہ زاری اور بیقراری میں بسر کرتا ہے اور ہر لحہ اپنی اصل کی یاد و جستجو میں مصروف رہتا ہے - اگرچہ ظاہری حالات کیسے ہی مخالف و متباعد نظر آتے ہوں - لیکن اندرونی طور پر وہ ہر وقت اپنی منزل مقصود کے لئے بے چین رہتا ہے اور اس کے تمام افعال میں ایک تمنا کام کرتی ہے غور فرمایئے کہ پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرتا ہے اور اس طرح فنا ہو جاتا ہے کہ اُسے دوبارہ حاصل نہیں کیا جا سکتا آخر وہ کہاں جاتا ہے ؟ سمندر اُس کی اصل ہے اور پیالہ و ساغر کی قید سے چھوٹتے ہی وہ اپنی اصل کی طرف بیتابانہ پیش قدمی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمین کے خشک طبقات کو توڑ کر اپنے اصلی وطن میں پہنچ جائے - بخارات دریاؤں سے اُٹھتے ہیں - ہوا اُنہیں دم دے دے کر آسمان کی طرف اڑا لیجاتی

ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وطن کی کشش زور کرتی ہے
اور پانی کے یہ قطرات قطع منازل کرتے ہوئے اپنی اصل میں
شامل ہو جاتے ہیں۔ پھولوں کو دیکھئے زمین نے کچھ شیرینیاں
ان کے اندر ودیعت رکھی ہیں۔ شہد کی مکھیاں ہر پھول
سے اُس کی مٹھاس چھین کر شہد بناتی ہیں یہ مقدار جو ایک
قطرہ سے بھی کم ہوتی ہے۔ مجتمع ہو کر خم کے خم بھر دیتی ہے
لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہ شہد رفتہ رفتہ کسی نہ کسی صورت
سے زمین تک جا پہنچتا ہے اور زمین پھر اس شیرینی کو کثافتوں
سے پاک کر کے پھولوں کی نازک کٹوریوں کو لبریز کرتی ہے

ان مثالوں سے زیادہ واضح خود انسان کی مثال
ہے۔ قدرت کاملہ نے یہ پیکر فانی خاک سے بنایا ہے۔ ہم جب
تک زندہ رہتے ہیں۔ اسے خاک سے بچاتے ہیں۔ بیش قیمت
پوشاک میں اسے ملبوس رکھتے ہیں۔ آرائش و آسائش کا
اسقدر اہتمام کرتے ہیں کہ ہم اپنی حقیقت کو بھول جاتے ہیں
زمین پر قدم رکھنے سے ہمیں احتراز ہوتا ہے اور اگر احیاناً
کوئی ذرہ خاک ہمارے بدن سے مس ہو جاتا ہے تو ہم فوراً
رومال یا پانی سے اپنا بدن صاف کر لیتے ہیں۔ لیکن اس
احتراز و احتیاط کے باوجود جب وقت آتا ہے تو قاقم و سنجاب
اور اطلس و دیبا میں محفوظ رہنے والے اعضائے بدن
اور اورنگ مرصع پر زمین سے بلند رہنے والی ہستیاں ہم
آغوش لحد ہو جاتی ہیں اور زمین کے پر شور ذرات چند روز
میں اس پیکر خوشنما کو اس طرح پیوند خاک کر دیتے ہیں کہ مٹی
کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ انسان جو آج ہوا
میں اڑ رہا ہے۔ وہ انسان جس نے دریاؤں کا موج پل
باندھ کر روک دیا ہے۔ وہ انسان جس نے پہاڑوں کے اندر
کئی کئی میل کی سرنگیں بنائی ہیں۔ وہ انسان جس نے آتشکدہ
کو چیڑ کی ایک ڈبیا میں بند کر رکھا ہے۔ وہ انسان جو اپنے
شباب و رعنائی کی بنا پر لالہ و گل اور مہر و ماہ کو شکست دینا
چاہتا ہے۔ وہ انسان جو چند حروف پڑھ کر یہ سمجھتا ہے۔ کہ
ہمچو من دیگرے نیست وہ انسان جو غصہ کے وقت درندوں
کی طرح اپنے حریف پر حملہ کرتا ہے وہ انسان جو اپنے آپ کو
فانی سمجھنے کے باوجود ہر قسم کی عزت و دولت اور حکومت حاصل
کرنے کا تمنائی ہے اور وہ انسان جو ذاتی فوائد کے لئے دوسروں
کی قربانی کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ جب فنا کی اس منزل میں پہنچتا
ہے۔ تو اس قالب خاکی میں اور ایک مشت خاک میں کوئی فرق
محسوس نہیں ہوتا:

بہر حال کل شیٔ یرجع الی اصلہ کے مطابق ہمارا جسم
جو اجزائے ارضی سے بنا ہوا ہے زمین پر چل پھر کر اور داد عیش
و راحت دے کر آخر کار پیوست خاک ہو جاتا ہے۔ اور اپنی
اصل سے جا ملتا ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے قالب خاکی کی سرگذشت
ہے۔ جس سے ہمارا واسطہ ایک لباس یا ایک مکان کے واسطہ
سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم کہ روح بدن کا مجموعہ ہیں اور درحقیقت
ہماری ہستی کا دوسرا نام روح ہے۔ کسی اور اصل سے
تعلق رکھتے ہیں۔ ہم جس کے ستارے ہیں وہ ایک اور آسمان
ہے۔ اور ہم جس کے حباب ہیں۔ وہ ایک اور دریا ہے ؎

اولین موجیم ما از جوشش دریائے قدم
ہاں مزن حرفے اگر واقف نۂ از شان ما

لیکن اس مادی دنیا نے کن فتنوں کے اتنے حجاب
حائل کر دیئے ہیں کہ ہمیں اپنے اصلی وطن کا سودا نظر نہیں
آتا اور تفکرات گوناگوں نے ہمارا حافظہ ایسا معطل کر رکھا ہے

ہے کہ ہمیں یہ بھی یاد نہیں۔ کہ ہم کس گلشن قدس کے تماشائی اور کس حریم پاک کے محرم اسرار ہیں؛

یہ بات تو روز روشن کیطرح واضح ہے۔ کہ یہ در و دیوار جن کو ہم اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ ہمارا گھر نہیں ہیں اور یہ دنیا جس کو ہمارے وطن سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارا وطن نہیں ہے۔ اگر آپ ایک شخص سے جسے اس دنیا میں آئے ہوئے پچاس سال کا زمانہ گزرا ہے دریافت کریں کہ وہ اپنی پیدائش سے چند سال یا چند صدی پہلے کہاں تھا تو وہ یقیناً آپ کو تشفی بخش جواب نہیں دے سکیگا۔ اسی طرح اگر آپ ایک فقیر سے جو دو گز مربع کی جھونپڑی میں زندگی کا وقفہ گزار رہا ہے یا ایک بادشاہ سے جس کا سکہ مغرب سے مشرق تک رواں ہے۔ یہ دریافت کریں کہ کیا حضور اس دنیا میں چند سال یا چند صدی فرمائینگے تو یقیناً جواب میں اپنی بے بسی ہی ظاہر کرے گا۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ ہم اپنا قیام کیا ہی دیرپا کیوں نہ سمجھیں لیکن ہماری حیثیت ایک عابر سبیل اور ایک راہرو سے زیادہ نہیں ہے؛

یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ ہماری ابتدا اور انتہا اسی دنیا تک محدود ہو۔ کیونکہ معمولی غور و فکر کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ اس عالم کے ساتھ ایک دوسرا عالم ضرور ہے۔ جسے عالم روحانی یا عالم باطنی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسکا ثبوت کائنات کی ہر شے سے مل رہا ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو ظاہری حالت کے ساتھ ایک معنوی حالت نہ رکھتی ہو۔ یہ ظاہری حالت باطنی حالت کے ساتھ بالکل ایسی وابستگی رکھتی ہے۔ جیسی لفظ و معنی میں پائی جاتی ہے؛

پتھر اور لکڑی کے ایک ٹکڑے میں ہزار اشیا و کا ہیولیٰ مخفی ہے؛ کسی پھل کو لیجئے۔ وہ اپنی ظاہری حالت کے ساتھ ایک باطنی حالت بھی رکھتا ہے۔ مثلاً سیب کا ایک دانہ ہمارے حواس ظاہر کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے ہماری آنکھیں اُسکی رنگینی و خوشنمائی سے محظوظ ہوتی ہیں ہمارے ہاتھ اُسکی خامی و پختگی کا امتحان کرتے ہیں ہماری قوت شامہ اُس کی خوشبو کا اندازہ کرتی ہے اور ہماری زبان اُسکی شیرینی سے لطف اندوز ہوتی ہے لیکن سیب اپنی ان ظاہری حالتوں کیساتھ ایک باطنی حالت بھی رکھتا ہے اور وہ اُس کی خاصیت ہے سیب میں جو غذائیت جو تفریح اور جو تقویت مخفی ہے۔ اُس سے ہمارے حواس ظاہری آگاہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کا ادراک ہماری روح کرتی ہے اور سیب اپنی اس باطنی حالت میں اُس وقت پایا جاتا ہے۔ جب اُس کی ظاہری حالت فنا ہو چکی ہے

ہم جب کچھ لکھتے ہیں تو ایک باطنی رو انگلیوں کیطرف بڑھتی ہے۔ ہم دل ہی دل میں ایک کتاب کامل تلفظ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ ہم گھنٹوں خیالات کے سلسلہ میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم بحالت تصور جس محفل میں چاہتے ہیں شریک ہو جاتے ہیں اور کسیکو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ کیا ان سب باتوں پر غور کرنے سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم ایک روحانی یا باطنی عالم بھی رکھتے ہیں اور در حقیقت ایک ایسی دنیا ضرور موجود ہے۔ جس سے منتقل ہوکر ہم اس آفات و مصائب سے بھری ہوئی دنیا میں آئے ہیں اور وہی دنیا ہمارا اصلی وطن ہے اور وہی ہماری اصلی

یہ ہمارا اصلی وطن کیسا دلفریب و دلکش اور لذتوں سے لبریز ہے اس کا اندازہ کچھ دشوار نہیں۔ کیونکہ منہد

ہمارے اندر وطنی عادات کی ایک جھلک پائی جاتی ہے۔ اور ہماری فطرت ہماری اصلیت کی نشان دہی کرتی ہے۔ مثلاً ہم حسین و دلربا مناظر سے متاثر ہوتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارا وطن حسن و جمال سے مالا مال ہے۔ ہم دلکش اور طرب افزا صداؤں کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے وطن کی فضا نغمات کی موجوں سے بھری بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح لذتیں اور راحتیں ہمارا دامن کھینچتی ہیں۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ ہمارا وطن لذتوں اور راحتوں سے معمور ہے ہم ایسے وطن کے رہنے والے ہیں جبھی یہ بات کہ اس دنیا میں کسی طرح ہم کو چین نہیں آتا اور کسی حالت میں آسودگی نصیب نہیں ہوتی اور ان اربوں انسانوں میں سے جو اس معمورہ میں آباد ہیں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملسکتا جسے کبھی کوئی دکھ نہ پہنچا ہو اور جس نے تمام عمر سکھ میں بسر کی ہو؂

جس طرح ایک درماندہ اور پاشکستہ مسافر جسے منزل کے بعد و قرب کی خبر نہیں اور جس کے سامنے دشوار گزار اور پیچ در پیچ راستہ موجود ہے چلتا ہے اور تھک کر بیٹھ جاتا ہے اپنی غربت اور مصیبت پر کبھی کبھی اُس کے لبوں پر فریاد بھی آجاتی ہے۔ اور کبھی کبھی وہ اپنے وطن کی راحتیں یاد کر کے بیقرار بھی ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح ہم زندگی کے اس وقفہ کو شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن کہتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات راستہ کی عارضی دلفریبیاں ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری وطنی راحتوں کو فراموش نہیں کرتیں اور گو ہم اپنی ابتدا سے کیسے ہی ناواقف کیوں نہ ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ہمارے دل میں ایک بھولے ہوئے خواب کی طرح یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے عالم سے آئے ہیں اور ایک دوسرے عالم میں ہم کو جانا ہے۔ ہماری ہستی ایک بحر بیکراں سے وابستہ ہے اور ہمارا سلسلہ ایک ایسے شجرہ سے جا ملتا ہے اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء

حالات نے اپنے کو اصل سے دور کر دیا ہے اور اُس محبوب دلآرا کو جس کے لئے کون و مکان کی ہر ہستی عشق کا دم بھرتی ہے۔ ہماری آزمائش منظور ہے۔ وہ ہمیں اختیارات دے کر اندازہ کر رہا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اُسکے لئے کس قدر مجبور بنا دیتے ہیں۔ اُس نے اس عارضی دنیا میں ہزار دلفریبیاں اور رنجشیں پیدا کر کے ہمارے امتحان کا ارادہ کیا ہے کہ آیا ہم حسن عارضی پر نثار ہوئے جاتے ہیں۔ یا جمال جاودانی کی تلاش کرتے ہیں۔ مشیت کو یہ تماشا مقصود ہے کہ ہمیں قعر دریا میں تختہ بند کر کے حکم دیا جاتا ہے کہ دامن تر نہ ہو۔ جس طرح ہم نظر سے روپوش ہو کر بچوں کی بے اختیارانہ محبت کا امتحان کرتے ہیں۔ جس طرح ہم پالے ہوئے جانوروں کو دور چھوڑ کر اپنی کشش اور ان کی موانست کو آزماتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں برائے چندے محفل قرب سے ہٹا کر آزمائش کی جا رہی ہے کہ ہم اس بعد منزل سے کسقدر مغموم و رنجور ہیں اور اس قرب و اختصاص کو ازسرنو حاصل کرنے کے لئے کس طرح پیش قدمی کرتے ہیں؟

ایک طرف تو یہ آزمائش ہے اور دوسری طرف یہ غفلت ہے کہ ہم مکروہات دنیوی میں پھنس کر اپنے مقصود ہی کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ہم اُسی راہرو کے مانند ہیں جس کے

سامنے کوئی منزل نہیں ہے - ہمارا دماغ نصب العین سے خالی ہے- اور ہمارا دل اُس شبستان کے مانند ہے - جو چراغ ہے؛

ہمارے قدم درماندہ ہیں- ہماری رفتار سست ہے ہم نے اپنی راہ کو غیر معمولی دشوار گزار بنالیا ہے - ہم نے اپنے آپ کو ایسے مشاغل میں الجھالیا ہے- جنھوں نے منزل مقصود کو بعید سے بعید تر بنادیا ہے - ان غفلتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم راستہ کو منزل- سراب کو چشمہ آب حیات - نقاب کو رخ تاباں اور ذرے کو مہر درخشاں سمجھ رہے ہیں اور اس لئے اپنے مقصود حقیقی سے قریب ہونے کی جگہ دور ہوتے جاتے ہیں اور ہماری زندگی کا محدود وقفہ جو ہمیں منزل قرب کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے عطا ہوا ہے لایعنی اور عبث کاموں میں برباد ہوجاتا ہے؛

غور فرمائیے کہ ایک شخص تعلیم حاصل کرتا ہے دس بارہ سال نوشت وخواند میں مصروف رہتا ہے - اس زمانہ میں وہ دنیا و مافیہا کو فراموش کردیتا ہے اور سمجھتا ہے - کہ مقصود اصلی یہی ہے - لیکن جب یونیورسٹی کے آخری امتحان میں کامیاب ہوجاتا ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا - تو محسوس کرتا ہے جسے وہ مقصود اصلی سمجھ رہا تھا - درحقیقت مقصود اصلی نہیں ہے - اس کے وہ معاش کی طرف توجہ کرتا ہے اور ایک اچھا روزگار حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں شاہد مقصود سے ہمکنار ہوگیا لیکن اب بھی کوئی علمی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا اور وہ اپنی غلطی محسوس کرتا ہے - آخرکار ایک مہینہ ختم ہونے پر اُسے تنخواہ ملتی ہے تنخواہ کی رقم لے کر وہ خوش ہوتا ہے - لیکن تجربہ اُسے بتادیتا ہے کہ روپیہ مقصود بالذات نہیں - بلکہ ضرورتوں اور راحتوں کے بہم پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے - المختصر وہ اس روپے سے خورد ونوش کی چیزیں خرید کرتا ہے - لیکن ان چیزوں میں بھی اُسے مقصود حقیقی کی جھلک نظر نہیں آتی خورد ونوش مقصود بالذات نہیں بلکہ بقائے طاقت اور بقائے حیات کا ایک ذریعہ ہے - اس کے بعد جب کھانے پینے سے رگوں میں خون اور قویٰ میں طاقت محسوس ہوتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اب مقصود حاصل ہوگیا لیکن دراصل یہ بھی ایک مغالطہ ہے طاقت مقصود بالذات نہیں - اس طاقت کو وہ صدہا کاموں میں سے کسی ایک میں یہ سمجھ صرف کرتا ہے - کہ یہ کام مقصود حقیقی ہے - مثلاً ایک شخص قرآن پاک حفظ کرتا ایک شخص ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا ہے - ایک شخص زبردست فقیہ بنتا ہے - ایک شخص انشا وادب کی طرف توجہ کرتا ہے - ایک شخص فلسفی یا منطقی کی حیثیت سے دنیا میں رونما ہوتا ہے ایک شخص طبیب و معالج بن کر سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہوگیا - ایک شخص صوم و صلوٰۃ کا پابند ہوکر سمجھتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی کام نہیں - لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی مقصود بالذات نہیں - یہ سب منزل مقصود کے راستے ہیں اور راستہ کو منزل سمجھنا دانشمندی سے بعید ہے؛

آہ جب ہر طرف حجاب ہی حجاب ہوں اور شاہد مقصود کا جلوہ نظر نہ آسکے اور جب ہر طرف راستے ہی راستے ہوں اور سالک فیصلہ نہ کرسکے کہ کون سا راستہ منزل کی طرف جلد پہنچا سکتا ہے - تو وہ گھبرا کر پکار اُٹھتا ہے کہ ؎

شوق ہمی کشد و لے بیخبرم ز راہ او + کیست کہ رہبری کند تا در بارگاہ او

سالک کی یہ صدا بیکار نہیں جاتی۔ مذہب اُس کی طرف توجہ کرتا ہے اور اُسے منزل مقصود کے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ اسلام اُسکا راہبر ہوتا اور نور محمدیؐ اُسے ہر قدم پر مشعل دکھاتا ہے اور آخر کار جذب و شوق سے بھرا ہوا یہ قطرۂ تشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا" کہتا ہوا اپنے دریا میں جذب ہو جاتا ہے۔ رہنما یان مذہب میں ایک گروہ ارباب تصوف کا ہے اور ان بزرگوں نے منزل مقصود کی قریب تر راہیں پیدا کی ہیں اور جو راستہ برسوں میں طے ہوتا ہے وہ دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔ پس نوید ہے ان روحوں کیلئے جو اپنے اصلی وطن سے جدا ہو کر فریاد کر رہی ہیں اور مژدہ ہے ان سالکوں کے لئے جو منزل مقصود کی جستجو میں سرگشتہ ہو رہے ہیں کہ اس کھلے ہوئے راستہ کی طرف آئیں اور گلشن مقصود کی گل چینی سے شادکام ہوں۔

آسمانی صدا سنئیے کہ ماخلقنا کم عبثاً۔ جامیؒ کے اس نغمہ کیف افزاء کی طرف توجہ کیجئے کہ ؎

دلا تاکے دریں کاخ مجازی

کنی مانند طفلاں خاک بازی

اور اس ندائے غیب پر لبیک کہیئے کہ ؎

بال بکشا دلفراز شجر طوبے زن

حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

—٭—

غزل

کہوں کیا ہم نشیں تجھ سے میں کیوں دن رات روتا ہوں
نظر ناپاک ہی میری اسے اشکوں سے دھوتا ہوں

اسی امید پر شائد میں اپنے آپ کو پالوں
تلاشِ غیر میں عمر عزیز اپنی یہ کھوتا ہوں

زمانہ کی نگاہ سے چھپ کے جب آتے ہیں وہ دل میں
یہی وہ وقت ہے ہمدم کہ میں مسرور ہوتا ہوں

ضیا اندوز ہوتے ہیں مرے سینے کے داغ اس سے
نگا کر دل سے ان کی یاد میں جسوقت سوتا ہوں

شبِ فرقت جو نہی فرصت مجھے نالوں سے ملتی ہے
میں بیٹھا ہجر میں ان کیلئے موتی پروتا ہوں

مرے ہاں ناز سے آتے ہیں وہ جسدم تصوّر میں
قدم آنکھوں پہ لیکر آنسوؤں سے پاؤں دھوتا ہوں

رو پہلی رات میں جب غم مجھے بیتاب کرتا ہے
میں اسدم دامن گردوں میں نالے اٹھکے بوتا ہوں

تمنائیں مری یوں عالم رویا میں ہنستی ہیں
کہ قسمت جاگ اٹھتی ہے مری گو آپ سوتا ہوں

خدا رکھے تصوّر کو کہ اس کے فیض سے شاکر
وہ اکثر پاس ہوتے ہیں میں انکے پاس ہوتا ہوں

شاکر صدیقی

سیرۃ اولیاء

(از ظہور احمد)

ایک روز حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بازار سے گذر رہے تھے۔ جاڑوں کا موسم تھا۔ ایک غلام کو دیکھا کہ صرف ایک پیرہن میں ہے اور شدت سرما سے کانپ رہا ہے آپ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ بھائی تم اپنے آقا سے جاڑے کی شکایت کیوں نہیں کرتے۔ تاکہ وہ تمہیں گرم کپڑا بنوادے غلام نے عرض کیا کہ "میں کہکر کیا کروں وہ خود دیکھتا ہے اور میری ضرورت کو جانتا ہے۔ غلام کی زبان سے یہ بات سُن کر آپ پر حال طاری ہؤا۔ ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا طریقت اس غلام سے سیکھنی چاہیئے"!

ایک دن حضرت ابوسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقا سے فرمایا کہ کھانے کی اچھائی اور بُرائی بدمزگی اور خوشگواری زبان سے حلق تک ہے۔ زبان سے حلق تک بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ حلق سے اتر جانے کے بعد اچھا بُرا کھانا برابر ہے۔ پس اتنی سی دیر کے لئے کہ کھانا زبان سے حلق تک پہنچے صبر کیا جاسکتا ہے۔ تم لوگوں کو صبر کرنا چاہئے تاکہ اچھا بُرا کھانا تمہارے لئے یکساں ہوجائے"!

حضرت شیخ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ترک دنیا اور رجوع الی اللہ کا واقعہ بھی نہایت مؤثر ہے۔ ایک دفعہ بلخ میں ایسا خوفناک قحط پڑا کہ آدمی آدمی کو بھون بھون کر کھانے لگے۔ اسی اثنا میں ایک دن کوئی غلام اٹکھیلیاں کرتا ہوا بازار میں آیا۔ اُس کی ہر بات سے بے فکری اور خوشحالی ظاہر ہوتی تھی۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ ایسے نازک زمانے میں جبکہ قحط نے لوگوں کو اس درجہ پریشان کر رکھا۔ اور تو اتنا خوش اور مطمئن کیوں ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے قحط کی کیا فکر ہے۔ میرے مالک کے پاس شاہی معافی کا ایک گاؤں ہے اُسکے گوداموں میں کثرت سے غلہ اور ہر قسم کا اناج بھرا ہؤا ہے ایسے ہزار قحط پڑیں تو میں بھوکا نہیں رہ سکتا۔ غلام کے یہ الفاظ سُنکر حضرت شفیقؒ کے دل پر ایک تیر لگا۔ آپنے اپنے جی میں کہا کہ جب یہ غلام اپنے مالک کے ایک گاؤں پر اتنا بے فکر ہے۔ تو میں ایک شہنشاہ دوجہاں خالق کون و مکاں کا غلام ہو کر کیوں رنجیدہ اور متفکر رہوں جس کے پاس بے شمار غیبی خزانے اور کبھی کم نہ ہونے والے ذخیرے موجود ہیں۔ یہ خیال آتے ہی آپ تارک الدنیا ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی محبت اور ولایت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے صالح بن احمد تھے۔ حضرت صالح بن احمد اصفہان میں قاضی تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ عدل گستری کا یہ عالم تھا کہ مکان کے دروازہ میں بستر رہتا تھا۔ اور دروازہ

کھلا رکھتے تھے۔ اور دو گھنٹے سے زیادہ شب کو نہ سوتے تھے خیال یہ تھا کہ اگر شب کو کوئی فریاد خواہ آئے تو اُس کی فریاد رسی میں وقت نہ ہو۔ ایک دفعہ حضرت احمد حنبل کے لئے کھانا آیا تو روٹی کو دیکھکر پوچھا یہ کیونکر تیار کیگئی ہے۔ عرض کیا گیا کہ آٹا تو حضور کے ہاں کا ہے اور خمیر حضرت صالح کے ہاں سے لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صالح ایک سال عہدہ قضا پر مامور رہے ہیں اس لئے انکا مال قابل اطمینان نہیں۔ چنانچہ حضرت امام نے وہ روٹی سامنے سے اٹھوا دی اور فرمایا کہ جب کوئی سائل آئے تو اُس سے یہ کہکر کہ آٹا احمد کے گھر کا ہے۔ اور خمیر صالح کے گھر کا اگر وہ قبول کرے تو دے دینا۔ چالیس روز تک کوئی سائل نہیں آیا۔ روٹی بدبودار ہوگئی تھی۔ اُسے دریا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مچھلیوں نے بھی اُسے قبول نہیں کیا

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر کسی مجمع میں کوئی شخص ایسا ہو جس کے پاس چاندی کی سرمہ دانی ہو تو اس کی وجہ سے اُس مجمع میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اللہ اللہ

حضرت احمد خضرویہؒ فرماتے ہیں۔ کہ درویش کو اپنی درویشی کا راز پنہاں رکھنا چاہئے۔ اتنا کہہ کر آپ نے ایک درویش کا واقعہ بیان کیا کہ اُس نے ایک تونگر کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ درویش کے ہاں نان خشک کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تونگر اس حال سے متاثر ہوکر دوبارہ جب آیا تو اشرفیوں کی ایک تھیلی ہمراہ لایا۔ اور درویش کو نذر دینی چاہی۔ درویش نے کہا کہ بھائی میری سزا یہی ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے راز میں شریک کرلیا۔ یہ اپنی اشرفیاں لو۔ میں تو اپنی درویشی کو دونوں جہاں کے بدلے بھی فروخت نہیں کرسکتا۔

حضرت احمد خضرویہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شب چور آیا۔ اُس نے سارا گھر ڈھونڈا لیکن کوئی چیز ہاتھ نہ آئی۔ جب وہ مایوس ہوکر واپس جانے لگا تو حضرت نے اُسے پکار کر کہا۔ میاں ٹھہرو۔ وضو کرکے نماز پڑھو۔ دیکھو صبح تک میرے پاس کچھ آجائے گا۔ تو تمہاری نظر کردوں گا۔ چور نے حکم کی تعمیل کی۔ علی الصباح ایک امیر نے حاضر ہوکر سو اشرفیاں حضرت کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے وہ اشرفیاں چور کو دیں اور فرمایا کہ یہ تمہاری ایک رات کی نماز کا صلہ ہے۔ چور اسقدر اثر پذیر ہوا۔ کہ اُسی وقت تائب ہوگیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ دس باتیں مکارم اخلاق میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ باپ میں نہ ہوں بیٹے میں ہوں۔ اور ممکن ہے غلام میں ہوں۔ اس کے آقا میں نہ ہوں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) راست گفتاری۔ ۲۔ دیانتداری۔ ۳۔ سائل کو محروم نہ رکھنا۔ ۴۔ سلوک کا بدل کرنا ۵۔ صلہ رحم یعنے رشتہ داروں کا احترام اور ان کی امداد۔ ۶۔ امانت کی حفاظت ۷۔ رعایت حق ہمسایہ۔ ۸۔ ہم صحبتی کا پاس۔ ۹۔ مہمان نوازی۔ ۱۰۔ حیاء

جذباتِ عالیہ

(خواجہ غلام نظام الدّین صاحب محمودی سلیمانی سجادہ نشین تونسہ شریف مدظلہٗ العالی)

داغِ غمِ فراق نمایاں کئے ہوئے
بیٹھے ہیں شمعِ طُور فروزاں کئے ہوئے

بتخانۂ خیال کی جانب چلا ہوں ہیں
ایوانِ صبر و ہوش کو ویراں کئے ہوئے

سوزِ غمِ فراق کی آتش نوازیاں
ہر داغِ دل ہے عزمِ چراغاں کئے ہوئے

افسردہ کائناتِ تمنا تڑپ اُٹھی
آتا ہے کون حشر کا سامان کئے ہوئے

پھر کر رہا ہوں کشتیٔ اُمید کی تلاش
آنکھوں میں بند نوحؑ کا طوفاں کئے ہوئے

پھر ہے نگاہِ یار سُوئے کائناتِ دل
نیرنگِ انقلاب کا سامان کئے ہوئے

پھر ساغرِ خیال ہے پُر کیفِ مدّعا
اک نو بہارِ حسُن کو مہماں کئے ہوئے

مکتوب ہجر پھر لکھا کلکِ فراق نے
صد حشر صرفِ شوخیٔ عنواں کئے ہوئے

پھر آئینہ بدوش تصور میں ہے کوئی
حیرانیٔ نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

پھر ہے دل گداختہ اکسیرِ بے خودی
شیرازۂ خیال پریشاں کئے ہوئے

پھر گامزن ہوں سُوئے پرستانِ آرزو
ہر داغِ دل کو مُہرِ سلیماں کئے ہوئے

رعنائیٔ خیال کی رفعت سے اے نظامؔ
مُلکِ سخن ہوں تابعِ فرماں کئے ہوئے

بصائر و عبر

(از مولانا زاہد القادری)

پاشن بخیر مسٹر مسعود احمد پرنسپل مشن کالج ایک روشن خیال نوجوان ہیں۔ آپ شروع سے مغربی تہذیب کے حامی اور سرگرم مبلغ تھے، سونے پر سہاگہ یہ کہ آپکو ایک ریس کیساتھ ولایت جانے کا اتفاق ہؤا اور وہاں قریباً چار سال تک قیام رہا اس عرصے میں آپ نے مغربی تہذیب و تمدن کے ہر پہلو پر غور کیا اور آپ جب وہاں سے واپس آئے تو نئی تہذیب کے پہلے سے زیادہ حامی تھے۔

آپ نے گھر پہنچ کر اپنی بیوی زکیہ کے نام پہلا حکم یہ صادر کیا۔ کہ تم آج سے انگریزی طرز معاشرت اختیار کر و اور اپنے نظام زندگی کو از اول تا آخر مغربی سانچے میں ڈھال دو۔

بیوی صاحبہ نے اس نادر شاہی حکم کو سُن کر یہ عرض کیا کہ میں نئی تہذیب سے واقف نہیں بہتر یہ ہے کہ آپ میرے لئے کوئی نظامنامہ مکمل بنا دیجئے تاکہ میں اُسپر عمل کر سکوں۔

مسٹر مسعود نے فوراً اپنی جیب سے فاؤنٹین پین نکالکر ایک سادہ کاغذ پر یہ ہدایات تحریر کیں۔

(۱) پہلا حکم یہ ہے کہ تم آج سے قطعاً بے پردہ ہو جاؤ

(۲) دوسرا حکم یہ ہے کہ آج سے نماز چھوڑ دو۔

(۳) تیسری ہدایت یہ ہے کہ جب میرے احباب میرے مکان پر آئیں تم ان کے ساتھ پُرتپاک "شیک ھینڈ" یعنی مصافحہ کرو۔

(۴) چوتھی ہدایت یہ ہے کہ انگریزی طرز کا لباس پہنو۔ اور بال ترشوا دو۔

(۵) اور پانچواں حکم یہ ہے کہ میرے ساتھ تھیٹر اور بائسکوپ میں چلو۔

(۶) اور چھٹا حکم یہ ہے کہ گھر کی تزئین و آرائش جدید طرز پر کرو"

(۷) معصوم زکیہ ان احکام و ہدایات کو نہایت خاموشی کے ساتھ سُنتی رہی۔ جب "اعلیٰ حضرت" اپنی تقریر کو ختم کر چکے تو اس نے کہا کیا میں بھی کچھ عرض کر سکتی ہوں۔ ارشاد ہوا ہاں تم بھی کہو۔ زکیہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آپ میرے آقا اور سرتاج ہیں اور آپ کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے لیکن آپ سے بزرگ تر ایک اور بھی ہستی ہے اور اُس کے احکام کی تعمیل مجھ پر اور آپ پر یکساں فرض ہے۔ اگر آپ اس کے احکام کی تعمیل نہ کریں تو یہ آپ کی مرضی ہے لیکن ایسی جرأت نہیں کر سکتی، میرے مذہب نے مجھکو یہ تعلیم دی ہے کہ:۔

جس کام میں خالق کی نافرمانی ہو اسمیں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ پس میں آپکے اُن احکام کی تعمیل کر سکتی ہوں جن میں خالق کی نافرمانی نہو مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ انگریزی

طرز کا لباس پہنو مجھے اس حکم کی تعمیل میں کچھ بھی عذر نہیں کیونکہ میرے نزدیک "لباس" کو دین سے کچھ تعلق نہیں، دین جن کمالات کا نام ہے وہ کسی خاص لباس میں محدود نہیں ہو سکتے، لباس تو ملکی رسم و عادات کے مطابق یا مقامی آب و ہوا کے مناسب اختیار کیا جاتا ہے اسلام نے مرد کیلئے ناف سے گھٹنوں تک اور عورت کے لئے سر سے پاؤں تک (سوائے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے) جسم کو چھپانا ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن کسی مخصوص لباس پر زور نہیں دیا لباس کے معاملہ میں ہر مسلمان آزاد ہے۔ جو شخص جس ملک میں رہتا ہے وہاں کے رسم و رواج کے مطابق اور آب و ہوا کے مناسب لباس پہن سکتا ہے میں کہتی ہوں کہ اگر اسلام لباس پر زور دیتا تو آج ساری دُنیا کے مسلمان ایک ہی لباس میں نظر آتے لیکن ظاہر ہے کہ ہر ملک میں مسلمانوں کا ایک مخصوص لباس ہے جو وہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے اختیار کیا گیا ہے، بہرحال اسلام لباس پر موقوف نہیں اصل چیز تو اعتقادِ حق اور عمل صالح ہے۔ پس لباس کے بارے میں مجھے آپ کا حکم ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں اسیطرح میں اس حکم کی تعمیل کے لئے بھی حاضر ہوں کہ مکان کو جدید طرز پر آراستہ کیا جائے لیکن میں بے پردہ نہیں ہو سکتی اور نماز جیسے اہم فرض کو نہیں چھوڑ سکتی اور اجنبی لوگوں سے مصافحہ نہیں کر سکتی اور تھیٹر اور بائسکوپ میں پہونچکر زینت آغوش نہیں بن سکتی آپ کو یہ معلوم ہے کہ میں ایک شریف خاندان کی لڑکی ہوں اور میری حیثیت ہرگز اس کو گوارہ نہیں کر سکتی کہ میں ایک شرمناک زندگی اختیار کروں"۔ پس مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے اس نصیحت آمیز تقریر کو سُن کر

مسٹر مسعود چراغ پا ہوگئے اور انہوں نے چیں بجبیں ہوکر کہا:-

بس خاموش" اب میں ایک لفظ بھی نہیں سُننا چاہتا اگر تم کو میرے خیالات سے اتفاق نہیں تو میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ آج ہی بلکہ اسی وقت میرے مکان سے چلی جاؤ اتفاق کی بات ہے کہ زکیہ بھی اُسوقت غصہ سے بیتاب ہو رہی تھی "نکل جانے" کا لفظ سن کر فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور ڈولی میں بیٹھ کر اپنی سہیلی کے گھر چلی گئی۔

اب میدان خالی تھا۔ مسٹر مسعود نے فوراً ٹیلیفون کا "رسیور" اٹھا کر مس روزا ہیڈ مسٹریس گرلز سکول کے نمبر سے کنیکشن قائم کیا دیر کے بعد آواز آئی۔

.... ہلو! کون صاحب ہیں؟

مسعود:- آپ کہاں سے بولتی ہیں؟

.... گرلز سکول آفس۔

مسعود:- آپ کا نام؟

.... مس روزا

مسعود- ہاؤ آر یو مس روزا

.... یس۔ آئی۔ ایم کوائٹ ویل واٹ ڈو یو وانٹ

میں آپ سے ایک خاص بات کہنی چاہتا ہوں اسوقت کمرے میں کوئی اور تو نہیں ہے؟

روزا:- آپ کا نام؟

مسعود:- (مُسکرا کر) میرا نام مسعود احمد بی۔ اے عرف ننھے کے ابا

روزا:- ہلو! پرنسپل صاحب گڈ مارننگ

مسعود:- بات وات تو کچھ نہیں آج ذرا مجھے انگریزی

میں غصہ آگیا تھا۔

روزا:۔ آخر کوئی وجہ، کیا وہ بدصورت تھیں ؟

مسعود:۔ نہیں بدصورت تو نہیں تھیں خوبصورتی کا تو یہ عالم تھا کہ سراپا جمال نور مجسم تھیں ان کے پھولوں سے زیادہ نازک رخسار ہے اور اُن کی بڑی بڑی آنکھیں اور اُن کا سرخ سپید رنگ اور دلکش چہرہ ابتک یاد آرہا ہے

روزا:۔ اچھا پھر اور کوئی سبب ؟

مسعود:۔ سبب صرف یہ ہے کہ آج میں نے اُن سے یہ کہا تھا۔ کہ تم مذہب کی پابندی چھوڑ دو۔ اور آزاد خیال بن جاؤ۔ لیکن انہوں نے اس کو منظور نہیں کیا اور میں نے غصے کی وجہ سے اُن کو نکال دیا۔

روزا:۔ اچھا تو اب آپ مجھ سے کیا مشورہ چاہتے ہیں ؟

مسعود:۔ مشورہ کیا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔

روزا:۔ کیا یہیں ٹیلیفون پر ؟

مسعود:۔ لاحول ولا قوۃ :۔ تم بھی عجیب انسان ہو ۔

روزا:۔ یہ "لاحول" کیا مصیبت ہے ؟

مسعود:۔ اچھا تم میرے سوال کا جواب دیتی ہو یا نہیں ؟

روزا:۔ سنئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن آپ کو چند شرطیں منظور کرنی پڑینگی ۔

مسعود:۔ وہ شرطیں کیا ہیں ؟

روزا:۔ وہ شرطیں یہ ہیں کہ جن آدمیوں سے میرے تعلقات ہیں۔ وہ شادی کے بعد بھی برقرار رہیں گے اور جب چاہونگی اپنے کسی فرینڈ کے ساتھ تھیٹر اور بائسکوپ میں جاسکوں گی۔ اور جس دن مجھے فرصت ہوگی اُسدن آپ سے ملاقات کرونگی۔ اور میرے کمرے میں اگر کوئی صاحب بیٹھے ہونگے۔ تو آپ کو داخل ہونے کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا اور آپ کی جتنی آمدنی ہے وہ سب میرے ہاتھ سے خرچ ہوگی اور میں اگر آپ کی کسی بات کو ناپسند کرونگی تو فوراً تعلقات منقطع کرونگی کہئے آپ کو یہ شرطیں منظور ہیں ۔ یا نہیں ؟

مسعود:۔ اور یہ تو بتایئے کہ اگر میں نے آپ کی کسی بات کو ناپسند کیا تو کیا ہوگا ؟

روزا:۔ ہونا کیا آپ کو ہم سے معافی مانگنی پڑیگی ۔

مسعود:۔ ٹھیک ہے ۔ اور اگر آپ سے ملاقات کرنے کو میرا جی چاہا اور اُس وقت آپکے پاس کوئی دوست موجود ہوئے تو پھر ؟

روزا:۔ تو ... "پھر" ... یعنی کسی دوسرے وقت"

مسعود:۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ گویا میں آپ کا شوہر نہیں بلکہ سرونٹ بن کر رہونگا ۔

روزا:۔ نہیں سرونٹ نہیں بلکہ نئی تہذیب کا قانون ہے ۔

مسعود:۔ اجی تو رہنے دیجئے آپ جیسی نئی تہذیب سے تو میری "پرانی تہذیب" ہی اچھی ہے ۔

اس گفتگو کے بعد مسٹر مسعود نے ٹیلیفون ہاتھ سے رکھدیا اور زکیہ کی سہیلی کے گھر پہونچکر بیوی سے دست بستہ معافی کا خواستگار ہوا۔ پیکر محبت زکیہ نے مسعود کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور [illegible]

جرأتِ ایمانی

عہد بنو امیہ کا ایک واقعہ

اسلامی تاریخ کا یہ ایک انقلاب آفرین نظارہ ہے۔ کہ ۱۱ر اپریل ۶۹۲ء کو حضرت عبداللہ ابن زُبیر کے شہید ہونے کے بعد حجاج بن یوسف حرمین الشریفین کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوُا۔

وہاں اُس نے بعض شُرفاء پر ظلم وستم کیا اور بعض کو اپنا دوست بنایا۔ اُس کے مخلص دوستوں میں ابراہیم ابن طلحہ کی شخصیت غیر معمولی عظمت رکھتی ہے یہ تعلقات یہاں تک پہنچے کہ حجاج نے جب دارالخلافہ دمشق میں جانےکا ارادہ کیا تو ابراہیم کو بھی اپنے ہمراہ لیا۔ راستے میں اُس نے ابراہیم بن طلحہ کی دلنوازی اور خاطرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اطمینان و سکون کے ساتھ یہ سفر ختم ہوُا!

حجاج، عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی وفاداری کے معاوضے میں "رُکن حکومت" قرار دیا گیا!

ایک دن حجاج نے امیرالمومنین سے کہا۔ حضور! میں حجاز سے ایک بےمثل آدمی کو اپنے ہمراہ لایا ہوں جو اپنے اخلاص وایثار اور اپنے علم وفضل میں یکتا ہے!

اسوقت وہ آپ کے در دولت پر موجود ہے اگر اجازت ہو تو حاضر کروں!

عبدالملک نے کہا:۔ آج تم نے ہمارے ایک قریبی رشتہ دار کی یاد کو تازہ کر دیا، کیا ابراہیم بن طلحہ یہاں موجود ہے؟

حجاج:۔ جی موجود ہے!

عبدالملک:۔ (پاسبان سے) ابراہیم بن طلحہ کو مجلس میں آنے دیا جائے۔ جب ابراہیم مجلس میں داخل ہوئے تو عبدالملک نے انتہائی احترام کے ساتھ انکو اپنے قریب مَسند پر بٹھایا اور کہا:۔ اے ابن طلحہ! آج حجاج نے تمہارے متعلق ہم سے وہ فضائل بیان کئے جن سے ہم پہلے سے واقف ہیں۔ اب ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ اپنی خاص ضرورتوں کو ہم سے پوشیدہ نہ رکھو، اور ہمارے فائدے کے واسطے کچھ نصیحت کرو!

ابن طلحہ:۔ امیرالمومنین! میں آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں خدا کے فضل سے میرے پاس سب کچھ ہے آپنے ابھی مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میں آپ کو کوئی نصیحت کروں۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ میں آپ کو ایسی نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں خدا اور اُس کے رسول کی رضامندی۔ اور مخلوق کی راحت وآسائش مضمر ہے لیکن وہ نصیحت تخلیئے میں پیش ہو سکتی ہے ازراہ کرم خلوت مرحمت فرمایئے

عبدالملک:۔ کیا اُس تخلیہ میں حجاج بھی موجود نہ ہو

ابن طلحہ:۔ ہاں اگر وہ بھی نہ ہوں تو بہتر ہے!

عبدالملک :- حجّاج ! ذرا باہر چلے جاؤ۔ (حجّاج کے چلے جانے کے بعد) اب سُنائیے وہ کیا نصیحت ہے ؟

ابن طلحہ :- عبدالملک ! مجھے حیرت ہے کہ تم نے حجّاج جیسے ظالم اور سنگدل شخص کو حرمین کا والی بنایا ہے۔ جہاں کا ہر ذرہ لایق احترام ہے۔ ان مقامات سے - اور وہاں کے باشندوں مہاجرین والنصار کی جو عظمت ہے اُس سے آپ بھی واقف ہیں !

حجّاج نے ان پر طرح طرح کے ظلم کئے اور ان کو انواع واقسام کی تکالیف پہنچائیں اور اُن میں سے بعض کو تہ تیغ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سزا و جزا کے دن ان واقعات کے متعلق تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی ؟ کل جب خدائے قدوس کے دربار میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اپنی اُمت کے حقوق کا مطالبہ کرینگے تو بتاؤ - اُسوقت کس دلیل کے ساتھ تم اپنے آپکو بری الذمہ قرار دے سکوگے !

عبدالملک :- (سراپا قہر و جلال بن کر) حاسد - دروغگو ناانصاف حجّاج بن یوسف نے تجھ پر جو احسانات کئے ہیں یہ اُن کا معاوضہ ہے۔ حجّاج نے تجھے پہچاننے میں سخت غلطی کی- وہ تیرا ہمدرد اور غمگسار رہے اور تجھ سے سچی محبت رکھتا ہے۔ لیکن افسوس تو اُس کے اقتدار کا دشمن ہے۔ جا میرے سامنے سے دور ہو جا

ابن طلحہ کہتے ہیں :- میں جب اپنی جگہ سے اٹھا - تو میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا تھا۔ اور مجھے کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی- ہر کیف لرزاں و ترساں میں دروازے تک پہنچا- دروازے سے باہر نکلتے ہی ایک پاسبان نے غلام سے کہا :- " اس شخص کو روک لو کہیں جانے نہ پائے " غلام مجھے پھر اُسی مجلس میں لے گیا - حجّاج امیرالمومنین کے پاس رونق افروز تھا۔ دونوں نہایت اطمینان کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے - مجھے یہ یقین ہوگیا کہ میری ہی متعلق گفتگو ہو رہی ہے - اور شاید میرے قتل کا حکم نافذ ہونے والا ہے- اِسی اثناء میں ایک غلام نے آکر کہا :- ابن طلحہ تمہیں حجّاج اپنے پاس بُلاتے ہیں- میں اُس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس نے مجھے اپنے سینے سے لگایا - اور میری پیشانی چوم لی اور کہا :- خدا کی قسم، تم سے زیادہ حق پرست اور صاف گو آدمی میں نے نہیں دیکھا - قسم ہے وحدہ لاشریک کی، جب مجھے موقع ملیگا تو میں تمہیں سربلند کرکے اونچی جگہ پر بٹھاؤنگا - حجاج کی ان باتوں سے مجھے یہی گمان ہوا کہ شائد وہ میرا مذاق اُڑا رہا ہے - اور میرے قتل کی خبر سنا رہا ہے کیونکہ سربلندی کے اصطلاحی معنی پھانسی کے ہیں- چند منٹ کے بعد امیرالمومنین نے مجھے اپنے پاس بُلایا اور کہا :- ابن طلحہ کیا تمہاری اس نصیحت میں کوئی اور بھی شریک ہے ؟ میں نے کہا :- امیرالمومنین ! قسم ہے ربِّ کعبہ کی اس نصیحت میں کوئی شریک نہیں ہے - میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنے ایمان و ضمیر کی روشنی میں کہا ہے - ورنہ آپ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حجّاج سے بڑھ کر میرے حق میں کوئی غمگسار اور محسن نہیں ہے اگر مجھے دنیا طلبی کی آرزو ہوتی تو میں اسکا طرفدار ہوتا اور ہر معاملہ میں اسکی حمایت کرتا - لیکن میں اُسکے مظالم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور حجاز میں اس کی حکومت کو پسند نہیں کرتا - عبدالملک - مجھے یقین ہوگیا کہ اگر تم طمع پرست ہوتے تو منافقانہ طرزِ عمل اختیار کر لیتے، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا - بلکہ اللہ کی رضامندی - اور اُس کے بندوں کی بہتری کے واسطے حجّاج کے مظالم کو بے نقاب کیا - خدا تمہیں جزائے خیر دے میں آج سے حجاج بن یوسف کو حرمین کی گورنری سے معزول

میری سرگذشت

نمبر ۴۶

شہر لہڑی

موجودہ زمانہ میں جس موقعہ پر یہ شہر آباد ہے ازمنۂ ماضیہ میں قوم لہڑی بروہی جو دراصل فرقۂ رند سے تھی۔ یہاں آباد اور سکونت پذیر تھی۔ اس لئے اس مقام کا نام بھی لہڑی ہی مشہور ہوا؛

یہ علاقہ قوم مری اور قوم بگٹی کے تمنات کے متصل ہے جو ابتداء میں سردار ڈومبکی کے زیر اقتدار تھا؛ پھر باروزئی سکنہ علاقۂ سیوی سے متعلق ہوا۔ مگر اب عرصہ مدید سے ہز ہائی نس خانصاحب والئے قلات کی حکومت میں داخل ہے۔ اور ہز ہائی نس کی جانب سے انکا نائب یہاں مقرر رہتا ہے۔ لیکن سردار ڈومبکی کا صدر مقام بھی لہڑی ہی ہے۔ اور جس قدر زمینات قدیم سے سردار یا رایج ڈومبکی کو معاف ہیں۔ ان میں نائب دست اندازی نہیں کرتا؛

لفظ بلوچ کی وجہ تسمیہ

بیان کیا جاتا ہے کہ حلبی زبان میں بلوچ بادہ نشین کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ ہمیشہ صحرا اور دامن کوہ میں بحالت خانہ بدوشی رہتے رہے ان کو بلوچ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ والا نہ یہ لفظ کسی خاص قوم سے مختص نہ تھا۔ بلکہ مختلف قوموں پر مستعمل رہا۔ اب بھی بلوچستان میں چند ایسی مختلف قومیں موجود ہیں۔ جن کا نسب نامہ اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مگر وہ بلوچ ہی کہلاتی ہیں چنانچہ ماسوائے رند اور لاشاری کے جو دراصل بلوچ ہیں۔ ودوائے نوشیروانی اور مگسی اقوام بھی بلوچ ہی کہلاتی ہیں۔ بحالیکہ ان کا نسب نامہ۔ رند اور لاشاری اقوام سے بالکل جدا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اقوام کو ہم وطن اور ہم پیشہ ہونے کے لحاظ سے "بلوچ" نام دیا گیا والا نہ خاندانِ بلوچ سے وہ الگ ہیں؛

بلوچ کے قومی خصائص

حدود ریاست قلات میں بلوچ اور بروہی دو ہی زیادہ نامور اور اسلحہ بند اقوام ہیں اور بروہی بھی اگرچہ ایک قسم کے بلوچ ہی ہیں۔ مگر قریباً ساڑھے تین سو سال سے سرزمین بلوچستان میں ان دونوں اقوام کے اکٹھا رہنے کے باوجود ان کے راہ و رسم۔ رواج زبان اور لباس میں بہت بڑا تفاوت ہے؛

بروہی دوسری قوم میں لڑکی کا ناطہ دینے سے گریز نہیں کرتا۔ لیکن بلوچ اسکو عار سمجھتا ہے۔ بروہی دودھ اور گھی بیچنے کو عیب نہیں سمجھتا۔ مگر بلوچ اسکو معیوب خیال کرتا ہے۔ بلوچ مقابلتہً زیادہ رحمدل زیادہ راستباز

زیادہ مہمان نواز زیادہ بہادر اور زیادہ پابند عہد ہے۔ اس حصۂ ملک پر جسے بلوچستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس زمانہ میں بلوچ نے تصرف حاصل کیا اسوقت۔ ہندو قوم کی ایک کافی تعداد بطور رعایا اس کے ماتحت رہی اور باوجودیکہ وہ قوم سیاسی اعتبار سے بے حد کمزور تھی۔ مگر بلوچ نے کبھی بھی اس کے مذہب میں دست اندازی نہ کی۔ اور نہ اس کے بت پرستانہ مذہب کی بنا پر اس سے نفرت اور حقارت کا برتاؤ کیا۔ حتےٰ کہ اب بھی جس قدر ہندو علاقہ۔ قلات۔ کوہستانِ مری دبگٹی۔ علاقہ سراوان اور جھالاوان میں رہتے ہیں۔ وہ پوری آزادی اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنی مذہبی رسوم کھلے طور پر ادا کرتے ہیں۔ کیا ہندوستان کی کوئی ہندو ریاست اپنی مسلم رعایا کے ساتھ اس قسم کے فیاضانہ اور غیر متعصبانہ طریق عمل کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

بلوچ جب تک لڑا۔ شریف دشمن کی حیثیت سے لڑا لیکن جب صلح ہوئی تو پھر عہد و پیمان کی پوری پابندی کی گئی شاذ و نادر ہی کوئی ایسی مثال ملسکتی ہے کہ بلوچ نے دغابازی سے کسی کی جان لی ہو یا بدعہدی کی ہو۔ کیونکہ بلوچ ہمیشہ سے بہ نسبت افغانوں کے زیادہ پابند عہد ہے اور عہد کے خلاف کرنا بزدلی سمجھتا ہے؛

اب تک ایسے بروہی بھی ہیں۔ جو بلوچی زبان نہیں جانتے۔ اور اسی طرح بہت سے بلوچ بھی ایسے ہیں۔ جو بروہی زبان سے نابلد ہیں۔ اور بہت تھوڑے ہیں جو ایکدوسرے کی زبان کو جانتے ہیں

(قاضی) نظر حسین فاروقی۔ مستونی (ریٹائرڈ)

پیامِ کشفی

مُسلمانو! متحد ہو جاؤ اور اپنے تفرقے مٹا ڈالو

ورنہ یہ پھوٹ یہ نااتفاقی تم کو بزدل بنا دے گی۔ اور تمہاری طاقت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ کیا نااتفاقی کے باعث ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کو نااتفاقی نے تباہ و برباد نہیں کیا۔ کیا اسی نااتفاقی اور اختلاف نے مسلمانوں کو ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کیا؟ پھر اے مسلمانو! کب تک نااتفاقی کی زندگی بسر کرتے رہو گے۔ کب تک اسی آگ سے کھیلتے رہو گے۔ اپنے تفرقے مٹا دو۔ اور متحد ہو جاؤ۔

خادم کشفی شاہ نظامی

القریش امرتسر

بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء

جلد ۲ ـــــــــ نمبر ۱۰

فہرست مضامین

دُعا

ہے عبرت خیز کیا اس دور میں مسلم کا افسانہ
نہیں ہے مہبط شان کریمی اس کا کاشانہ

نہ ہے جوش عمل باقی نہ ہی ذوقِ یقیں باقی
مسلماں میں نپنپنے کا کوئی ساماں نہیں باقی

زمانے کی جبیں پر نقش ہی جس کی غلامی کا
جو آیا بن کے دُنیا میں امیں اوج دوامی کا

یہ فردامت خیر الامم ہے آج بے مایہ
فضائل میں تہی داماں، محاسن میں کمیں پایہ

خدایا اس حجازی قوم کا پھر بول بالا ہو
محمد مصطفٰے کے نور کا ہر سو اجالا ہو

دل مسلم کو پھر ذوق کہن سے آشنا کر دے
تو ان مردہ دلوں میں از سر نو زندگی بھر دے

مسلمانوں میں پھر باہم محبت عام جاری ہو
جہاد فی سبیل اللہ کا پیغام جاری ہو

زمانہ گردش ایام کا اب راس ہو جائے
خودی کا مسلم خوابیدہ کو احساس ہو جائے

ذرا شمشیر جوہر دار اس کی تیز ہو جائے
مے ذوق یقیں سے جام دل لبریز ہو جائے

وہی جوش جہانگیری دلوں میں آج پیدا ہو
حجازی شہسواروں کی شجاعت پھر ہویدا ہو

شراب معرفت سے آنکھ پھر مخمور ہو جائے
مسلمانوں سے غفلت اور جہالت دور ہو جائے

احمد حسن بزمی

جلد ۲ —— نمبر ۱۸

شذرات

اتحاد ملل اسلامیہ

پچھلے دنوں اتاترک مصطفیٰ کمال۔ عراق، افغانستان ایران اور ترکیہ میں جس معاہدہ مودت و یگانگت کو استوار کرنا چاہتے تھے۔ بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اور ان چاروں حکومتوں میں ایک ایسا معاہدہ قائم ہوگیا ہے۔ جو نہ صرف ان کی فلاح و کامرانی کا ضامن ہوگا۔ بلکہ اس کے باعث بہت سی دوسری حکومتیں جنہیں ان کا اتحاد حاصل ہوگا۔ بے شمار مصیبتوں سے نجات پاجائینگی۔ اور جابر و ظالم حکومتوں کو ان کی طرف نگاہ غلط انداز ڈالنے کی جرأت نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیائے اسلام کے اس معاہدہ کو ہر جگہ بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ اور ہر امن پسند ملک نے اسے امن عالم کا بہترین ذریعہ قرار دیا ہے۔

آج یورپ کا سیاسی مطلع جسقدر ابر آلود ہے اس کے پیش نظر نہیں کہا جاسکتا۔ کہ عالمگیر جنگ کے شعلے کب اٹھنے لگیں۔ یورپ کی ہر قوم ایک دوسرے کے خلاف ادھار کھائے بیٹھی ہے۔ اس کے پاس بارود کے ڈھیر ہیں۔ بندوقیں ہیں۔ توپیں ہیں مہلک ٹنک اور مشین گنیں ہیں۔ زہریلی گیسیں ہیں۔ اور ان میں ہر قوم اپنی استعداد سے بڑھ کر اضافہ کر رہی ہے مگر ان کے مقابلہ میں نہ عراق جنگ کے پورے ساز و سامان رکھتا ہے۔ اور نہ ہی افغانستان ایران اور ترکیہ کی حالت گو ان دونوں سے بہتر ہے۔ مگر یورپ کی جابر طاقتوں کے مقابلہ میں ان کے ساز و سامان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان حالات میں ان چاروں ملکوں کا ایک دوسرے کے مفاد کی حفاظت کیلئے

جمع ہو جانا گویا ان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اور انہوں نے خود کو آنے والے خطرات سے بڑی حد تک محفوظ کر لیا ہے۔

ہمیں امید ہے۔ کہ ان چاروں اسلامی سلطنتوں کا معاہدہ اتحاد دوسری اسلامی ریاستوں کیلئے بھی نیک مثال ثابت ہوگا۔ اور یہ لوگ اپنے باہمی اختلافات کو بہت جلد مٹا کر اس اتحاد میں شریک ہو جائیں گے۔ خاص طور پر حجاز اور یمن کو اس معاہدہ میں شریک ہونے کی شدید ضرورت ہے۔ یمن پر اطالیہ کی نظریں ہیں۔ وہ اسے اپنی نو آبادی کی صورت میں تبدیل کرنے کا خواہشمند ہے۔ وہ اس کے معدنیات پر چھاپہ مارنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے زرخیز و شاداب کھیتوں کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہے۔ وہ امام یمن کی وساطت سے یمن پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ یمنیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ کہ ضرورت کے موقعہ پر یہ فوج اس کے کام آسکے۔ اس کے پاس ہی طاقت ہے اسلحہ ہیں۔ اور ساتھ ہی ایک غاصب اور جابر قوم بھی ہے۔ وہ یمن پر حبشہ کی طرح مسلط ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ اس صورت میں یمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اتحادِ ملل اسلامیہ میں شریک ہو جائے۔ یہی کیفیت سلطنت سعودیہ کی ہے۔ اس کے پاس بھی نہ دولت ہے اور نہ ہی قوت اس لئے اس کیلئے بھی اتحادِ اسلامیہ میں شریک ہو جانا بہت ضروری ہے۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ یہ دونو سلطنتیں بہت جلد اپنے تدبر کا ثبوت دینگی۔

قانون اوقاف اسلامی!

سید مقبول محمود صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے پنجاب مسلم اوقاف بل کے نام سے ایک نیا مسودہ قانون اسمبلی میں پیش کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس صوبے کے اوقاف اسلامی کا انتظام ان کی نگرانی اور حفاظت بوجہ احسن کی جا سکے۔

اس بل کی دفعات میں اس امر کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ کہ تنظیم و نگرانی اوقاف میں کسی غیر مسلم فرد یا طاقت کا کوئی دخل نہ ہو۔ بلکہ اس کام کے تمام شعبے مسلمانوں کے سپرد ہوں۔ میر مقبول محمود صاحب نے اس بل کے وضع کرتے وقت زیادہ تر گوردوارہ کمیٹیوں کے نظام کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر ضلع میں ایک ضلع وقف کمیٹی ہوگی۔ جو پورے ضلع کے اوقاف کی نگرانی کریگی۔ اس کمیٹی کے ممبر تمام مسلمان ہونگے۔ اور ان کو حق ہوگا۔ کہ جب کسی خاص وقف کے حالات پر غور و بحث کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ تو وہ اس وقف کے متولی کو بھی ممبر کے طور پر کمیٹی میں شریک کریں۔

اضلاع کی کمیٹیوں کے اوپر صوبہ پنجاب کا ایک مسلم اوقاف بورڈ ہوگا۔ جس میں کم از کم چھتیس درگاہوں کے نمائندے اور صوبے کی جمعیۃ العلماء اور دوسری بڑی بڑی انجمنوں کے نمائندے بھی شامل ہوں گے ایک عدالت گوردوارہ ٹریبونل کے انداز پر قائم کی جائیگی اس میں بھی سب مسلمان ہی مسلمان ہونگے۔ جہاں تک ہم نے اس بل کی ضروری دفعات کا مطالعہ کیا ہے ہمارا خیال ہے کہ یہ بل ایک طرف تو نا لائق اور آوارہ

مزاج متولیوں کا تدارک کرنے میں بہت مفید رہیگا دوسری طرف اچھے اور فرض شناس متولیوں کے حقوق کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض دنیا دار اور حریص سجادہ نشینوں اور ان کے متوسلین کی طرف سے اس بل کی مخالفت کی جائیگی لیکن ہمیں یقین ہے۔ کہ تمام تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں۔ صحیح الخیال عالموں اور متقی اور خدا پرست سجادہ نشینوں اور متولیوں کی تائید اس بل کے ساتھ ہو گی۔ اور میر مقبول محمود اس کو پاس کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ہندوستان

ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں چھ صوبوں کی وزارتوں پر کانگرس قابض ہو چکی ہے۔ بعض صوبوں کے وزیر اعظم ایسے بھی ہیں۔ جن کی پیٹھوں پر پولیس کی لاٹھیوں کے نشان شائد اب تک موجود ہوں گے۔ کل کے باغی آج حکمران ہیں۔ بمبئی کے صرف ایک صوبے میں ۲۲۷ خلافِ قانون انجمنوں کی پابندیاں اٹھا دی گئی ہیں۔ اخبارات کی ضبط شدہ ضمانتیں واپس کی جا رہی ہیں۔ سیاسی قیدی رہا ہو رہے ہیں مسلمان حلقوں سے کانگرس کو ووٹ نہیں ملے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمان ابھی تک کانگرس کو اس مہا سبھائی طبقے کے زیر اثر سمجھتے ہیں۔ جس کے نزدیک سوراج کی اولین شرط یہ ہے۔ کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان کو بے دخل کر دیا جائے۔

تاہم جن لوگوں نے صرف عہدوں اور وزارتوں کی امید میں مسلم لیگ کا ٹکٹ قبول کیا تھا۔ وہ اب کانگرس سے مل رہے ہیں۔ کیونکہ لیلائے وزارت اب کانگرسی محمل میں سوار ہو چکی ہے۔ مسلمانان ہند کے ایک طبقے کی یہ رائے ہے۔ کہ ان کی نجات اسی میں ہے۔ کہ کانگرس سے مل جائیں۔ دوسرا طبقہ جو تعداد میں غالب ہے۔ علیحدہ رہ کر کام کرنا چاہتا ہے مسلم لیگ پر مسلمانوں کی نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔ لیکن ابھی تک اس جماعت نے کسی ایسے کام کی طرف دعوت نہیں دی جس کی تڑپ مسلمانانِ ہند کے دل میں موجود ہے۔ سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ وہ مسٹر گاندھی جو انگریزوں اور ان کی حکومت کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ آج والسرائے کی دعوت ملاقات پر کچے دھاگے سے بندے چلے آتے ہیں۔ اور اس پر پھولے نہیں سماتے

سر سیّد راس مسعود مرحوم

نواب سید مسعود جنگ بہادر، سر راس مسعود نے اڑتالیس سال کی عمر میں ۳۰ جولائی کو بھوپال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

مرحوم سر سید احمد خاں مغفور کے پوتے اور سید محمود مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ ابتدائی تعلیم علیگڑھ میں حاصل کی اور ولائت تشریف لے گئے۔ بیرسٹری پاس کر کے آئے تو پٹنہ کالجئیٹ سکول کے ہیڈ ماسٹر بنے۔ پھر کٹک کالج میں تاریخ کے پروفیسر بن گئے ۱۹۱۶ء میں دولت آصفیہ کے ناظم تعلیمات

مقرر ہوئے اور بارہ برس تک اس عہدہ پر فائز رہے ان کے عہد نظامت میں دولت آصفیہ کی تعلیمات بیحد بیشقدر ترقی کی۔ چنانچہ حسن خدمات کے صلہ میں دولت عالیہ کی طرف سے آپ کو نواب مسعود جنگ بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔

اواخر ۱۹۲۵ء میں بمقام حیدر آباد مجھے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ایک وجیہہ۔ سرو قد، بارعب، مرنجان مرنج اور خلق مجسم انسان تھے۔ دو گھنٹہ کی پر لطف صحبت میں آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہوگیا۔ آپ کی مردم شناسی اور قدردانی کا یہ عالم کہ اس وقت سے اب تک کبھی کبھی آپ مجھے الطاف ناموں سے نصف الملاقات کا شرف دے دیا کرتے۔

دولت آصفیہ کی خدمات سے آپ ۱۹۲۸ء میں سبکدوش ہوئے۔ اور علیگڑھ کالج کی خدمات کیلئے وقف ہو گئے۔ ۱۹۳۴ء میں اعلیحضرت فرمانروائے بھوپال نے آپ کو اپنی ریاست کے اگزیکٹو کونسل کا ممبر منتخب فرمایا۔ اور سررشتہ تعلیم آپ کے سپرد کردیا۔

آپ اردو کے خاص محسن تھے۔ انجمن ترقی اردو کے صدر رہے۔ خوش ذوق ادیب تھے۔ اور متعدد تصانیف آپ نے اپنی علمی یادگاریں باقی چھوڑے ہیں۔ آپ کے انتقال پر ہمیں دلی رنج و قلق ہے۔ خدائے تبارک وتعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!

پچھلے دنوں بعض ہند وجرائد نے بڑے زور کے ساتھ افواہ اڑا دی تھی۔ کہ اعلیحضرت تاجدار افغانستان پر (خدانخواستہ) قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔ ہندو جرائد نے شائد یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ شاہ افاغنہ کی شہادت کی غلط اطلاع بھی "سپیشل سروس" کی طرح اثر و نتیجہ سے محروم ہوگی۔ لیکن اس سے عالم اسلامی کو جو صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس کا اندازہ پنجاب کا غلام اور بےحس ہندو اخبار نویس قیامت تک بھی نہیں لگا سکتا۔

ابھی اس غلط بیانی کا اثر زائل نہیں ہوا تھا کہ فن کذب بیانی کا جدید شاہکار مہیا کیا گیا۔ اور اعلان کردیا گیا۔ کہ افغانستان میں بغاوت رونما ہو چکی ہے۔ اس غلط بیانی کا بھانڈا بھی ذلت و رسوائی کے چوراہے میں پھوٹ گیا۔ اور ایسوسی ایٹڈ پریس نے صاف لفظوں میں اس مفسدانہ افواہ کی پر زور الفاظ میں تردید کردی۔

سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ دولت افغانیہ نے بعض ہندو جرائد کا کیا بگاڑا ہے۔ جو آئے دن اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے پہلو میں ایک آزاد اور باوقار اسلامی حکومت کا وجود انکی ہمسائی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے تو اس درد کا علاج غلط افواہیں پھیلانے سے تو نہیں ہو سکتا ہمیشہ چاند پر تھوکا منہ کو آتا ہے۔ ہندو جرائد اگر افغانستان کے متعلق جلے دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہتے ہیں۔ تو ان کی مرضی۔ لیکن غلط بیانی کذب نگاری اور دروغ بافی سے فن صحافت کو بدنام کریں یہ حسرت کسی اور طریقے سے بھی نکل سکتی ہے۔

واقعات و حوادث

ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلیٰحضرت حضور نظام تاجدار دکن خلداللہ ملکۂ وسلطنتہ کے بذل و بخشش اور الطاف و کرم سے ایک زمانہ متمتع ہو رہا ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات سے جسے بھی کچھ تعلق ہو جاتا ہے۔ آپ کی شاہانہ نوازشات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اپنی ضروریات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

منشی دین محمد ایڈیٹر سیونسپل گزٹ لاہور کو آپ کی خسروانہ فیاضی سے ایک سو روپیہ ماہوار کا منصب حاصل تھا۔ پچھلے دنوں منشی صاحب موصوف داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ تو اس منصب کیلئے بارگاہ خسروی میں کئی درخواستیں پیش ہوئیں۔ لیکن جہاں پناہ نے بمراحم خسروانہ مرحوم کی بیوہ کے نام ۳۳ ۱/۳ روپے ماہوار جاری رکھنے کا فرمان نافذ فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ بیوہ کے انتقال کے بعد مرحوم کے سب سے چھوٹے لڑکے کو ۲۲ سال کی عمر تک یہ رقم ماہوار ملتی رہے۔

سلطان العلوم کی یہ کرم گستری عین ذرہ نوازی وغریب پروری ہے۔ دولت آصفیہ عالیہ ہی کی شان ہے۔ کہ ہزاروں ایسے مستحقین اس بارگاہ سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہم زد فزد۔

حیدرآباد (دکن) یکم اگست:۔ سر اکبر حیدری کا اپنے اہل وعیال سمیت لندن سے واپسی پر حیدرآباد اور بیگم پٹ کے سٹیشنوں پر ہزارہا مسلمانوں حکام اور سوداگروں کی طرف سے پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ سر اکبر حیدری ملک معظم کی رسم تاجپوشی میں شرکت کرنے کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ ٹرین کی آمد سے پہلے سٹیشن پر ہزارہا آدمی پہنچ چکے تھے۔ اور جس وقت گاڑی پہنچی بسٹیشن پر تل دہرنے کو جگہ نہیں تھی۔

گاڑی سے اتر کر سر اکبر حیدری کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ آپ نے متعدد ارکان سے مصافحہ کیا۔ اور پھر سٹیشن سے موٹر کے ذریعہ آپ اپنی کوٹھی دلکشا پر تشریف لے گئے۔ سڑک کے دونوں طرف مشتاقان دید کھڑے نعرہائے بلند مسرت بلند کر رہے تھے۔

ہندوستان کی اقتصادی بدحالی روز افزوں ہے۔ تعلیم محض حصول ملازمت کیلئے حاصل کرنے کا ایک خبط ہے۔ اور ملازمت کا بازار اسقدر سرد ہے کہ ڈھونڈے نہیں ملتی۔ تعلیم یافتہ ناکامی و نامرادی کی وجہ سے خودکشی پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور سینکڑوں تن و توش کی مصیبتوں کا رونا رو رہے ہیں۔ اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ

بی۔ اے بنا کے کیوں مری مٹی پلید کی

۱۲ر جولائی لکھنؤ کی ایک اطلاع ہے۔ کہ وہاں گداگر قانونگوئی کے امیدوار کے لئے معیار قابلیت جسمانی صحت قرار دیا گیا ہے۔ اور صحت کا معیار دوڑ تجویز کی گئی۔ امیدواران قانونگوئی کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ آٹھ میل کی دوڑ لگائیں۔

۹ر اگست کی ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ کانسٹیبلوں کی بھرتی کے لئے معیار قابلیت دانتوں کی درستی قرار دیا گیا چنانچہ امیدواران بھرتی کے دانتوں کا خاص طور پر ملاحظہ کیا گیا۔ جس پر ایک اخبار نے "نئی گھوڑی دانت دکھائے" کے زیر تحت اس خبر کو بڑے مزے سے درج کیا ہے۔ آہ، کیسا زمانہ آگیا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اس دربدری اور خرابئ بسیار کے باوجود بھی شاہد ملازمت کے دیوانے اور شمع غلامی کے پروانے بننے کیلئے کسقدر بے تاب نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دشمنان اسلام اپنی جبلی و فطری عداوت کی وجہ سے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی و ژاژ خائی پر مجبور ہیں۔ کبھی وہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی اور کبھی قرآن کریم کے متعلق ناروا حرکات سے اپنے قلوب نا اسلوب کی آگ فرو کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ شب و ستم اور دریدہ دہنی کا یہ سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے۔ فرزندان توحید میں بھی ایسے غیور انسان پیدا ہونے لگے ہیں۔ جو اس قسم کی بد زبانی کی تاب نہ لاکر تختۂ دار پر جام شہادت پینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ اسی ذوق میں دریدہ دہن کا سر قلم کر دیتے ہیں۔

امن و سلامتی کا اقتضا یہ ہے۔ کہ ہر مذہب کا احترام روا رکھا جائے۔ کوئی مذہب کسی مذہب کے خلاف ایسے ناپاک حملوں کی اجازت نہیں دیتا لیکن اسلام کے خلاف اشتعال انگیز دریدہ دہنی کی انتہا ہوگئی ہے۔

اس سلسلہ میں پنجاب کی عدالتوں میں کئی مقدمات چل رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں ایک "شاتم رسول" کے ایک قاتل کو پھانسی کی سزا دیگئی۔ لاہور کا مقدمہ ہنوز زیر سماعت ہے۔ کیمبل پور میں مسٹر کھوسلہ سشن جج نے مولوی عبدالمنان جس نے ایک شاتم رسول ہندو کو قتل کر دیا تھا۔ سات سال قید بامشقت کی سزا دی ہے۔ اور فیصلہ میں لکھا ہے۔ کہ "رسول کو گالی دینا مسلمان کے لئے اسقدر شدید اشتعال ہے کہ وہ اس پر صبر کر ہی نہیں سکتا۔ چونکہ عبدالمنان نے حالت اشتعال میں شاتم رسول کو قتل کیا ہے۔ اس لئے موت کی سزا نہیں دی جا سکتی"۔

پچھلے دنوں پٹنہ کے قریب پنجاب ایکسپرس کو ایسا ہولناک حادثہ پیش آیا۔ کہ اسکی نظیر ریلوے کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اکیس بارہ نفوس راہی ملک عدم ہوئے اور دو سو کے قریب مجروح بمفقود الخبر ہوئے نعشوں اور مجروحوں کا پتہ نہیں۔ خدا جانے کتنے بیشمار بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ اور کتنے خاندان اپنے کمانے والوں کی ہلاکت کی وجہ سے مصائب آلام میں مبتلا ہوگئے۔ ایک اخباری اطلاع مظہر ہے کہ یہ حادثہ کسی شریر النفس کی شرارت اور غیر مآل اندیشی کا رہین منت ہے۔ ضرورت ہے کہ کامل تحقیقات کے ساتھ سراغرسانی کی جائے اور ملزمان کا پتہ چلا کر انہیں عبرتناک سزائیں دیجائیں۔

تذکرہ برادری

قومی جلسے

۱۔ شریف گنج امرتسر، یکم اگست ۱۹۳۷ء، ۷½ بجے صبح قریشیان ہند کی نمائندہ جماعت "ندوۃ القریش" کا اہم اجلاس محسن القوم مولانا محمد علی صاحب رونق صدیقی مالک و مدیر "القریش" کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن شریف کے بعد پروگرام مجوزہ کے مطابق نیازمند جوائنٹ سیکرٹری نے پروگریس رپورٹ پیش کرتے ہوئے سادات قریش اضلاع مظفرنگر، نجیب آباد، ملتان اور رہتک کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا۔ اور ان کے قومی احساس کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے۔ بارگاہ صمدی میں، ان کے نیک عزائم میں استقلال کی دعا کی۔ اور ان کی مرسلہ رپورٹیں پڑھکر سنائیں۔ ۲۔ حافظ نسب رنگول قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی کی ان خدمات کا باوضاحت ذکر کیا۔ جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی تردید میں مورخانہ حیثیت سے انجام دیں ہیں۔ نیز تجویز کیا کہ وہ تمام تاریخی مواد جو سرکاری گزیٹروں اور انگریز محققین کی مستند آرائے سے جمع کیا گیا ہے۔ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ تاکہ بوقت ضرورت مراسیوں کے لغو دعویٰ کی تردید میں سہولت و آسانی ہو۔ مولانا فضل محمد صاحب ہاشمی شیرپوری شیارپوری کی تائید اور حاضرین کی تائید مزید سے قرار پایا۔ کہ کتاب کی طباعت کیلئے قوم سے مالی امداد کا مطالبہ کیا جائے۔ تاکہ تجویز کی بوجہ احسن اور جلد تکمیل ہو سکے۔

قریشی محمد امیر صدیقی سیالکوٹی اور مولانا جان محمد صاحب ناصح کی تقریر کے بعد جناب صدر نے قومی تنظیم و شیرازہ بندی پر ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ اور مراسیوں کے نسب اطہر پر ناروا حملوں کا ذکر کرتے ہوئے پونچھ کی عدالت دیوانی میں متدائرہ مقدمہ کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے بالفاظ ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔ جو مولانا محمد صالح کی تائید مزید سے منظور ہوا۔

رزولیوشن

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مراسیوں کے دعوے قرشیت کو نبی کریمؐ کے نسب اطہر پر گستاخانہ حملہ تصور کرتا ہوا ان کے اس اقدام کو جو انہوں نے استقراریہ دعوے کی شکل میں ریاست پونچھ کی عدالت دیوانی میں اپنی مراسیت کو قرشیت میں تبدیل کرنے کیلئے کیا ہے۔ سادات قریش کی صریح توہین خیال کرتا ہے۔ لہذا یہ اجلاس حکام پونچھ کی دوراندیشی و معاملہ فہمی اور نکتہ رسی سے بزور اپیل کرتا ہے کہ اس ہندی النسل قوم کو جو اپنے اطوار و کردار کی وجہ سے رسوائے عالم ہے۔ سادات قریش میں مدغم و مخلوط ہونے کا موقعہ نہ دیں۔ اور ان کے متدائرہ مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت نسب پاک کا احترام اور سادات قریش کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے شرفائے قریش کو تشکر و امتنان کا موقعہ دیں۔ و نیز

یہ اجلاس حکام پونچھ پر یہ امر واضح کر دینا بھی قرین مصلحت سمجھتا ہے۔ کہ پنجاب کے بیدار مغز گورنر سرڈی

سوتنٹ مونسپی بالقابہٗ نے ۲۹. نومبر کو مراسیوں کے ایک ڈیپوٹیشن کی اس درخواست کو جو تبدیلِ قومیت سے متعلق تھی۔ بدیں وجہ مسترد کر دیا تھا۔ کہ مراسی پنجاب کی ادنیٰ اقوام اچھوت وغیرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ اجلاس پرائم منسٹر صاحب جموں وکشمیر، وزیر صاحب پونچھ، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب پونچھ۔ چیف جج صاحب پونچھ۔ اور خواجہ عبد الغنی صاحب منصف پونچھ کی فرزانگی و دانشوری اور حسن قابلیت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ مراسیوں کو قریشی قرار دے کر سادات قریش کے حسبی و نسبی حقوق پامال نہ ہونے دیں۔

۴۔ ندوۃ القریش کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ ریزولیوشن ہٰذا کی نقول حکام پونچھ کی خدمت میں برائے ملاحظہ و توجہ اور مدیرانِ جرائد کی خدمت میں بغرض اشاعت ارسال کیجئے

محرک۔ صدر جلسہ۔ موئد۔ حاضرین جلسہ بالاتفاق

عبد اللطیف بی۔ اے جوائنٹ سکرٹری ندوۃ القریش

۲۔ پانی پت ۱۱ر جولائی " انجمن نوجوانان قریش " کا اجلاس عام۔

۸ بجے صبح انجمن کے دفتر میں زیر صدارت حافظ شریف الرحمٰن صاحب قریشی انجمن کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا حاضرین کی تعداد امید افزا تھی۔ سب سے پہلے مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور مندرجہ ذیل حضرات باتفاق رائے مجلس عاملہ کے ممبر منتخب کئے گئے۔

(۱) حافظ شریف الرحمٰن صاحب قریشی پروپرائٹر شریف اینڈ کمپنی دہلی (۲) حافظ عبد الحمید صاحب رئیس پانی پت (۳) مسٹر بشیر احمد پروپرائٹر بشیر احمد اینڈ برادرس کلاتھ مرچنٹ پانی پت (۴) بابو حفیظ الرحمٰن صاحب رائل ایئر فورس ڈیپارٹمنٹ آف انڈیا رئیس پانی پت (۵) بابو جمال محمد صاحب سوداگران چرم پانی پت (۶) شیخ بندو صاحب فروٹ مرچنٹ کمیشن ایجنٹ رئیس پانی پت۔ (۷) شیخ فضل احمد صاحب پروپرائٹر فضل احمد نصیر احمد جنرل مرچنٹ پانی پت (۸) چوہدری محمد شفیع صاحب پانی پت۔ (۹) ملک محمد ظفر صاحب پانی پت۔ (۱۰) شیخ محمد سخی صاحب سوداگر پانی پت (۱۱) عبد المجید صاحب (۱۲) شیخ بشیر احمد (۱۳) شیخ عبد اللطیف صاحب (۱۴) شیخ محمد لطیف اللہ صاحب (۱۵) حافظ محمد ابراہیم صاحب (۱۶) مسٹر عبد الرشید صاحب (۱۷) حافظ عبد الکریم صاحب (۱۸) شیخ نصیر احمد صاحب فروٹ مرچنٹ (۱۹) مسٹر عبد الحکیم صاحب۔

ممبران عاملہ کمیٹی سے بعد میں تحریری حلف وفاداری لیا گیا۔ اور سب نے اپنا حلف نامہ بروئے مجلس پڑھ کر سنایا۔ اور دستخط ثبت کئے۔ بعد ازاں صدر و عہدہ داران کا انتخاب کیا گیا۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

پریذیڈنٹ حافظ شریف الرحمٰن صاحب پروپرائٹر شریف اینڈ کمپنی دہلی۔ وائس پریزیڈنٹ حافظ عبد الحمید صاحب رئیس پانی پت۔ جنرل سکرٹری مسٹر بشیر احمد صاحب پروپرائٹر بشیر احمد اینڈ برادرس کلاتھ مرچنٹ پانی پت فنانشل سکرٹری بابو حفیظ الرحمٰن صاحب رائل ایرفورس ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا رئیس پانی پت۔ پروپیگنڈا سکرٹری بابو جمال محمد صاحب سوداگر چرم پانی پت سپہ سالار شیخ بندو فروٹ اینڈ کمیشن ایجنٹ پانی پت

(بشیر احمد جنرل سکرٹری)

قریشی نوجوانانِ رہتک کا یہ اقدام قابل ستائش ہے بزرگانِ قوم کو نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کیلئے دست اعانت بڑھانا چاہیئے۔ ان کے جلسوں میں شرکت کر کے سفید مشورے سے انہیں نیک مقاصد میں کامیاب بنانے کیلئے پوری توجہ سے کام لینا چاہیئے۔ قوم کا منتشر و پراگندہ شیرازہ مجتمع کرنے کیلئے انجمن نوجوانان نے اگر پوری توجہ اور شغف سے کام لیا۔ تو ہمیں امید ہے کہ وہ حسب دلخواہ ترقی کرے گی۔ ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اور ان کی ہر کارروائی شائع کرنے کیلئے القریش کے صفحات موجود ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۳۔ ۲۵ ر اگست ۱۹۳۰ء۔ دھیرکوٹ (پونچھ) مراسیوں کے سراسر لغو اور باطل دعوئی قریشیت پر رنج و ملال اور نفرت وحقارت کا اظہار اور ذمہ دار حکام ریاست پونچھ کو حقیقت واصلیت واضح کرنے کیلئے اجلاس منعقد ہوا۔ اور مراسلات بالفاظ ذیل اخبارات وجرائد کو بغرض اشاعت ارسال کیے گئے۔

معلوم ہوا ہے۔ کہ آزاد سمبھڑیالوی نے اپنی قوم مراسی کو قریشی بنانے کی خاطر عدالت دیوانی میں دعوئی دائر کیا ہے۔ جلسہ ہذا کی رائے میں یہ امر نہایت توہین آمیز ہے کہ قوم مراسی مسلمانوں کی معزز و ممتاز قوم میں شامل ہونے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ تعجب ہے کہ جس صورت میں پنجاب گورنمنٹ نے مراسیوں کی اس نہ پوری ہونے والی خواہش کو مسترد کر دیا ہے۔ پونچھ میں کیونکر انہیں اس معاملہ کی ابتدا کرنے کی جرأت ہوئی۔ معلوم ہوا ہے کہ آزاد نے پونچھ خاص کے چند معزز اشخاص سے ساز باز کر کے یہ دعوئی دائر کیا ہے۔ اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی کی توقع ہے۔

ہم وزیر صاحب پونچھ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ انہوں نے بھی مراسیوں کی اس ناجائز خواہش کو غیر ضروری تصوّر فرماتے ہوئے مسترد کر دیا تھا۔

آخر میں ہم سری سرکار والا وزیر صاحب پونچھ۔ چیف جج صاحب و دیگر ذمہ دار ارکان حکومت کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اس اُٹھنے والے فتنہ کو ابھی سے دبانے کی کوشش فرمائی جائے۔ تاکہ بعد میں اسکے خطرناک نتائج سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ اوپر ذکر کئے ہوئے مشن کا ناظم ایک مشہور ایجی ٹیٹر ہے۔ جو گورنمنٹ آف انڈیا میں بھی قید رہ چکا ہے۔

محرک منشی دات خاں۔ موئدین۔ مولوی فضل الرحمٰن۔ دلائت خاں۔ سلیمان خاں۔ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب سلطان محمد خاں۔ محمد اکبر خاں۔ ہدائت اللہ خاں رفیق خاں

۴۔ فیروزپور۔ یکم اگست۔ "ندوۃ القریش" ضلع فیروزپور کا ایک عام اجلاس بزیر صدارت پیر رکن الدین صاحب فریدی چشتی منعقد ہوا۔ اور باتفاق رائے حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوا۔

"ندوۃ القریش" ضلع فیروزپور کا یہ اجلاس مراسیوں کے دعوئی قریشیت کو حقائق کے بالکل منافی سمجھتا ہے۔ اور شرفائے سادات قریش کی توہین کے مترادف خیال کرتا ہے اسلامی تاریخ کے علاوہ انگریز محققین کی تحقیقات اور سرکار انگریزی کی گہری تحقیق اقوام جو گزیٹر کی صورت میں موجود ہے شاہد ہیں۔ کہ مراسی ہندی النسل ہیں۔ ان میں سے اگر

کچھ مسلم ہو گئے ہیں۔ تو ہندو بھی موجود ہیں۔ آنکی ہندوانہ گوتیں مشترک ہیں۔ ان کی عادات وخصائل اور افعال واعمال غیر شریفانہ ہیں۔ لہذا یہ اجلاس ذمہ دار حکام ریاست پونچھ سے بزور درخواست کرتا ہے کہ وہ سادات قریش کے دینی و دنیوی وقار وجاہت کا احترام کرتے ہوئے مرابیول ایسی قوم کو ان کے نسب میں مخلوط ہونے کا موقعہ نہ دیں۔ اس سے سخت ہیجان واضطراب کا اندیشہ لاحق ہے۔ اس لئے ان کے اس دعویٰ کو جو پونچھ کی دیوانی عدالت میں تبدیل قومیت کیلئے دائر ہے۔ در خور اعتناء نہ سمجھیں۔"

تجویز ہوا۔ کہ رزولیوشن کی نقول افسران پونچھ اور ایک ایک نقل جریدۂ القریش و دیگر اخبارات کو ارسال کی جائیں۔

محرک صدر۔ موئد۔ حاضرین جلسہ بالاتفاق

پیر علی احمد فریدی چشتی سکرٹری وحاضرین۔

مکرمی قریشی محمد منیر صاحب تھانہ رجانہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ خاندان چوہدری والا کے نسب نامہ سے متعلق چند مضمون میری نظر سے گذرے۔ مجھے یہ معلوم کرکے بیحد رنج وملال ہوا۔ کہ کسی صاحب نے اسمیں تصرف بیجا سے کام لینے کی جرأت کی ہے۔ نسب کی تخلیط از بس مکروہ فعل ہے اور کوئی ہوشمند انسان اسے کسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ ان مضامین سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ جنہیں اس نسب نامہ میں ترمیم وتصحیح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آخر ایک قدیم ریکارڈ کو ردّو بدل کرنے کے لئے کونسی اہم ضرورتیں داعی ہوئیں۔ مہربانی فرما کر ان حضرت کا اسم گرامی ظاہر فرمائیں۔ تاکہ معاملہ گو مگو اور صیغۂ راز میں نہ رہے۔ اور خاندان چوہدری والہ سے متعلقین حضرات پر واضح ہو جائے کہ ۱۹۳۷ء کا محقق کس مصلحت کی بنا پر اپنی کند چھری سے ان کے پدری وجدی واسطوں کو کس بیدردی کے ساتھ قطع کر رہا ہے۔

کیا اچھا ہو۔ کہ آپ آئندہ اشاعت میں اس کے متعلق کوئی خاص اعلان فرمائیں۔ اور شرح وبسط کے ساتھ اس کی تردید کر دیں۔ اگر تاریخی شواہد کی بنا پر کسی کو اس کی صحت سے انکار ہے تو انکی دلائل کو کون پوچھتا ہے۔

(آپ کا مشورہ قابل قدر ہے لیکن اعلانیہ تردید کا مسئلہ ہنوز زیر غور ہے۔ ایڈیٹر)

شہریار دکن کی ادب نوازی

شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ علم نوازی اور ادب پروری میں مثال نہیں رکھتے۔ ہندوستان کے بیشمار اسلامی مذہبی اور ادبی ادارے آپکے ابر کرم سے سیراب ہو رہے ہیں۔ اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ شہریار دکن کا مرہون منت ہے۔ حال ہی میں اعلیٰ حضرت نے فردوسی اسلام فخر ملت مولانا ابوالاثر حفیظ جالندہری کے غیر فانی شاہکار شاہنامہ اسلام کو پسند فرما کر مصنف کیلئے مستقل طور پر تین سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر فرمایا ہے۔ ہم شہریار دکن کی اس معارف پروری اور علم نوازی اور خدمت اسلام کیلئے شکر گذار ہیں۔ اور دعا گو ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اعلیحضرت کو اسکا بہترین صلہ عطا فرمائے اور بیش از بیش علم نوازی اور خدمت اسلام کی توفیق بخشے۔

الحکمۃ والموعظۃ

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ کہ پانچ طرح کے آدمیوں سے میل جول پیدا نہ کرو۔

۱۔ جھوٹے سے۔ کیونکہ وہ تمہیں ہمیشہ دھوکے میں رکھیگا قریب کو بعید اور بعید کو قریب بتائیگا۔

۲۔ احمق سے کیونکہ اس سے تم کو کچھ حاصل نہ ہوگا وہ تم کو فائدہ بھی پونچانا چاہیگا۔ تو اپنی حماقت سے نقصان پہنچائیگا۔

۳۔ بخیل سے۔ کیونکہ جس وقت تم کو اس کی شدید ضرورت ہوگی۔ اس وقت وہ تم سے تعلقات منقطع کرلیگا۔

۴۔ نامرد سے۔ کیونکہ جب کوئی سختی کا موقعہ آئیگا۔ تو تمہیں چھوڑکر چل دیگا۔

۵۔ فاسق سے۔ کیونکہ جب اسے ضرورت ہوگی۔ تم کو ایک لقمہ سے کم کے عوض بیچ آئے گا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت! لقمہ سے کم کیا ہوتا ہے؟ فرمایا۔ لقمہ سے کم۔ لقمہ کی طمع خام ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔ کہ دوستوں میں سے بدتر وہ ہے۔ جو تمہارے لئے تکلف کرے اور اس کی مداراتیں کرنی پڑیں۔ نہ بن سکے تو معذرت کی ضرورت ہو۔ حضرت فضیلؒ کا قول ہے۔ کہ آدمی میں پھوٹ تکلف ہی سے ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے پاس جاتا ہے۔ اور وہ اس کیلئے تکلف کرتا ہے۔ اور یہی تکلف آخر کار باعث ترک ملاقات ہوجاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو جعفرؒ حضرت شبلیؒ کے مہمان ہوئے۔ اور چار ماہ قیام فرمایا۔ حضرت شبلیؒ نے بڑے تپاک سے انکی تواضع اور مہمانداری کی۔ چنانچہ ہر کھانے میں ایک نہ ایک نئی قسم کا کھانا اور نئی قسم کی مٹھائی پیش کرتے تھے۔ جعفرؒ ابو جعفرؒ جب رخصت ہوئے۔ تو آپ نے حضرت شبلیؒ سے فرمایا۔ کہ اے شبلیؒ اگر تم کبھی میرے گھر نیشاپور آؤگے۔ تو میں تمہیں مہربانی اور جوانمردی سکھاؤنگا۔ حضرت شبلیؒ نے گھبراکر فرمایا۔ مجھ سے کیا تقصیر ہوئی۔ حضرت ابو جعفرؒ نے جواب دیا کہ تم نے تکلف کیا۔ اور تکلف کرنے والا جوانمرد نہیں ہوتا۔ مہمان کو اس طرح رکھنا چاہیئے۔ کہ اس کے آنے سے دل کو گرانی محسوس نہ ہو
اور اس کے جانے سے
خوشی نہ ہو۔ اگر تم تکلف کروگے تو مہمان کا آنا ضرور گراں گذریگا۔ اور اس کے جانے سے ضرور خوشی ہوگی۔ اور جس شخص کا اپنے مہمانوں کے ساتھ یہ حال ہو اسے کیونکر جوانمرد کہہ سکتے ہیں۔

عقل کا معیار نیکی اور بدی کی نظر میں مختلف ہے ایک شخص گناہ پر قادر ہے اور گناہ نہیں کرتا۔ نیکی

اسے بڑا عقلمند کہتی ہے۔ اور بدی کی اصطلاح میں وہ بے وقوف ہے۔ ایک اپنی حساب دانی اور واقفیت کی بنا پر دوسرے کا روپیہ دبالیتا ہے۔ بدی کی نگاہ میں وہ نہائت ہوشمند ہے۔ اور بڑی عقلمندی کا کام کرتا ہے۔ لیکن نیکی کہتی ہے۔ کہ وہ نہائت بیوقوف اور عاقبت نااندیش ہے۔ ایک شخص کسی مصیبت زدہ کے سوال پر اس کی حاجت پوری کردیتا ہے۔ نیکی اسے عقلمند خیال کرتی ہے۔ اور بدی اس خواہ مخواہ کی تکلیف کو بیوقوفی پر محمول کرتی ہے۔ اگر تم نیکی کی روشنی میں نظر اٹھاؤ۔ تو بہت سے بیوقوف سادہ لوح اور نادان لوگ تم کو اعلیٰ درجہ کی ہوشمند و فرزانہ اور عاقبت اندیش نظر آئیں گے۔ اور بدی جنکی عقل و دانش پر ناز کرتی ہے ان کو تم نہائت احمق کوتاہ بیں اور عاقبت نااندیش خیال کروگے۔ یاد رکھو کہ یہی کام عقل کا ہے۔ جس کا انجام اچھا ہو۔

اچھا برتاؤ بیگانوں کو اپنا بنا دیتا ہے۔ اور بڑا برتاؤ اپنوں کو بیگانہ کردیتا ہے۔ پھر تم اچھے برتاؤ کی عادت کیوں نہ اختیار کرو۔ بعض لوگوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے۔ کہ اپنوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہیں لیکن بیگانوں کے ساتھ بہت اچھا ہے۔ اس سے شائد ان کی مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ انہیں اچھا سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ جب بیگانوں سے یہ عالم ہے۔ تو اپنوں سے کیوں نہ اچھا ہوگا۔ لیکن خلوص ان نمائشوں سے بالکل آزاد ہے۔ سب سے پہلے یگانے تمہارے اچھے برتاؤ کے حقدار ہیں۔ اور اسکے بعد بیگانے لیکن حسن سلوک کا کمال یہ ہے کہ تمہاری نگاہ بیگانوں اور یگانوں میں کچھ امتیاز نہ کرے۔ تم دنیا کیلئے رحمت بنجاؤ۔ اور ایسی ایثار و ہمدردی کا نمونہ پیش کرو۔ کہ ہر ٹوٹا ہوا دل تمہیں اپنا آسرا سمجھے اور ہر درماندہ تمکو اپنا سہارا خیال کرے۔

برادری کا دلچسپ فیصلہ

بھیلسہ میں ۷ جولائی کو ایک امیر نے پچاس روپے میں اپنے بھائی کی عورت لے لی ہے۔

واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ عورت اپنے میکہ میں رہتی تھی۔ اور وہیں جاکر اس کا دیور رہنے لگا۔ نوجوان نے کسی طرح عورت کو اپنے پھندے میں پھانس لیا۔ جب عورت کے خاوند نے سنا۔ کہ میری عورت حاملہ ہوگئی ہے۔ تو اس کے ماں باپ کو بلوایا۔ اور برادری والوں کو جمع کیا۔ برادری والوں نے عورت سے کہا۔ کہ کیا تو خاوند کے گھر جانا چاہتی ہے۔ اس نے جانے سے انکار کردیا۔ برادری نے پچاس روپے دلوا کر عورت کو اس کے دیور کے سپرد کردیا۔

قبر سے خوبصورت زندہ لڑکی

دہلی میں جھنڈے والاں کے مندر کے پاس جو قبرستان ہندو بچوں کی تدفین کیلئے مخصوص ہے۔ اسمیں تین چار دن کا پیدا شدہ خوبصورت بچہ جسے دفن کیا گیا تھا زندہ برآمد ہوا۔ اس لڑکی کو پتھر پھوڑ جو پاس ہی کام کر رہے تھے لے گئے۔

واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ لالہ حکومت رائے ٹھیکیدار جب سوقت پتھر پھوڑوں کے کام کا معائنہ کرنے کیلئے جا رہے تھے تو انہوں نے قبرستان سے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی۔ انہوں نے چند پتھر پھوڑوں کو بلایا جنہوں نے تلاش کے بعد ایک جگہ سے پتھر اٹھایا۔ انہوں نے اسکے نیچے ایک خوبصورت بچہ کو جو ادن میں لپٹا ہوا تھا۔ اور رو رہا تھا پڑا پایا۔ حکومت رائے نے پولیس کو اطلاع دی لڑکی کو لیڈی ہارڈنگ ہسپتال میں بھیجدیا گیا۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔

دانشمند جولاہا

"نئی روشنی اور نئی تہذیب نے قوانین عالم یکسر تبدیل کر کے رکھ دیئے ہیں- مکر و فریب اور ریا و حیلہ معیار ہوشمندی قرار پا گیا ہے- انقلابات دہر کے اثرات سے طبائع ایسی متاثر ہوئی ہیں- کہ ہر شخص بجائے خود زمانہ ساز نظر آتا ہے- اور وقت یہ آگیا ہے کہ-

بر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

کوّے شہباز اور خرگوش راج ہنس کی چالیں چل رہے ہیں- اور زمانہ اپنی نیرنگ کامیوں خود دنگ ہے- لیکن

خدا کی ایک مخلوق یعنے غریب جولاہا جسکی دلچسپ داستانیں ضرب المثل ہیں- جس کی محیّر العقول حرکات کے تذکروں سے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے- جس کی بوالعجبیوں سے عوام سامان ظرافت مہیا کیا کرتے اور بوقلموں اچھوتے کارناموں کی یاد تفریح و تفنن کے وقت تازہ کی جاتی تھی کہ دن نہ پھرے- وہ سادگی و سادہ لوحی میں اپنے آباؤ اجداد کا آج ہی پورا مقلد ہے-

ذیل کا واقعہ جو ۳۰ جولائی کے روزنامہ "زمیندار" میں شائع ہوا ہے- میاں جولاہے کی انتہائی سادگی کا آئینہ دار ہے- ملاحظہ کیجئے اور اندازہ فرمائیے کہ زمانہ کے مد و جزر کا اثر غریب جولاہے کی طبیعت پر کیا ہوا- اور عہد ماضی اور عہد حاضر کے جولاہے میں کیا فرق ہے"

آٹھ دس یوم کا واقعہ ہے- کہ دھریمہ ضلع سرگودھا کا ایک جلاہا شہر میں ایک آٹا ڈالنے والا ڈرم (جو آجکل چادر کے بنائے جاتے ہیں- اور جن میں دو اڑھائی من آٹا آجاتا ہے) سر پر اٹھائے سرگودہا سے دھریمہ و شاہ پور کو جانے والی سڑک پر جا رہا تھا سرگودھا سے کچھ فاصلہ پر جا کر حضرت کو خیال آیا- کہ آیا میں اس ڈرم میں سما سکتا ہوں؟ یہ خیال آتے ہی ڈرم کو سر سے اُتار کر سڑک پر رکھا- اور آپ اس میں داخل ہو گئے- اس میں اچھی طرح آرام سے بیٹھنے کا تجربہ بھی شروع نہیں ہوا تھا- کہ ڈرم ایک طرف گر پڑا- اور شومئے قسمت سے ڈرم کا ڈھکنا اس زور سے گرا- کہ اس کی کنڈی لگ گئی- اور میاں جلاہا اس میں بند ہو گئے- آپ نے اس میں سے نکلنے کے لئے ہرچند کوشش کی- لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی جوں جوں میاں جولاہا صاحب زور لگاتے ڈرم انجن رولر کی طرح سڑک پر چلتا- اتفاق سے دو سپاہی شاہ پور سے ٹانگہ پر سوار سرگودہا کی طرف آ رہے تھے- جب انہوں نے ڈرم کو بغیر کسی کے دھکیلنے کے خود بخود سڑک پر چلتے دیکھا- تو سخت حیران ہوئے اور اسقدر ڈرے کہ ٹانگے کو بھگا کر آناً فاناً سرگودہا تھانہ سٹی میں پہونچے- اور خبر کی- چنانچہ سرگودہا سے

ایک حوالدار صاحب کی زیر قیادت پانچ چھ سپاہی موقع پر پہنچے۔ لیکن پولیس کے بہادر سپاہی نزدیک جانے کی دلیری نہ کر سکے۔ آخر ایک سپاہی نے دلیری کی۔ اور ڈرم کے نزدیک پہنچ کر اس کو کھولا۔ تو بیچ میں سے میاں جولاہا صاحب دعائیں دیتے ہوئے الہ دین کے لیمپ کے جن کی طرح نمودار ہو گئے۔ آخر پولیس اس کے نزدیک پہونچی۔ اور واقعات دریافت کئے۔ جولاہے نے صحیح صحیح واقعات بیان کر دیئے۔ کہ مجھے کسی شخص نے ڈرم میں بند نہیں کیا۔ بلکہ یہ میری اپنی ہی دانائی کا نتیجہ تھا۔ اگر آپ کچھ عرصہ اور نہ پہونچتے۔ تو یقیناً میں گھبرا کر ڈرم میں مر جاتا۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جولاہا صاحب نے پاخانہ وغیرہ بھی ڈرم میں ہی پھر دیا۔ پولیس نے جولاہا کو چھوڑ دیا۔ آخر یہ حضرت دھرمیہ چلے گئے۔ اور پولیس تھانہ میں واپس آ گئی۔

بوچڑخانہ چھاؤنی لاہور کا ہندو ٹھیکہ دار

کچھ دن ہوئے لاہور کے ہندو اخبار نویسوں کے حلقہ میں اس خبر نے کہرام مچا دیا تھا۔ کہ لاہور چھاؤنی میں بڑے وسیع پیمانہ پر لاکھوں روپے کی لاگت سے ایک بوچڑخانہ کھلنے والا ہے۔ جس میں ہر روز سینکڑوں گائیں کٹا کریں گی یہ مسلخ جس کے لئے ولائت سے مشینیں منگائی جانی زیر غور ہیں۔ گورہ فوج کو بیف بہم پہنچانے کے علاوہ ہندوستان سے باہر کی یورپین دنیا کے لئے بھی لحم بقر کی فراہمی کا ذریعہ ہوگا۔ ہندو حلقوں میں اس خبر سے جو تشویش رونما ہوئی۔ وہ ان کے جذبہ گاؤ پرستی کے لحاظ سے بالکل ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن مقام صد ہزار تعجب ہے۔ کہ ہمارے ہندو دوستوں نے اس خبر کے اس اہم جزو کو اپنی مضطربانہ تنقید کا حقدار نہ سمجھا۔ کہ اس بوچڑخانہ کا ٹھیکہ ایک بہت بڑے لالہ جی نے لیا ہے۔ جو کہ کراچی کے کوئی سیٹھ بیان کئے جاتے ہیں ان لالہ جی پر اگر اس مہاگئو ہتیا کی علت میں پرتاپ اور ملاپ اور ویر بھارت اپنی روائتی سختی کے ساتھ برس پڑتے تو ایک بات بھی تھی۔ لیکن ان کا نزلہ تو صرف غریب مسلمان پر ہی گر سکتا ہے۔ جسے چھپے چوری ایک گائے کے ذبح کرنے کی پاداش میں وہ سات سال کیلئے بڑے گھر بھجوانے کو بے تاب ہیں۔ ع

مدار روزگار گاؤ پرور را تماشا کن

آسمان سے خون اور گوشت کی بارش

"انقلاب" کی ایک خبر (انبالہ۔ ۱۲ جولائی) مظہر ہے۔ کہ چند روز ہوئے روز روشن میں بوقت ۳ بجے سردار رہان سنگھ نمبردار کی اراضی میں (باہر کمیتیوں میں) متواتر ۵ منٹ تک آسمان سے خون اور لوتھڑوں کی بارش ہوتی رہی۔ جس سے سخت لوتھڑوں کی بارش ہوتی رہی جس سے سخت عفونت پیدا ہوئی۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ کوئی جانور بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب بھی خون اور لوتھڑوں کے نشان ملتے ہیں۔ نہ معلوم کیا ناگہانی بلا نازل ہونے والی ہے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

قاضی شوستری صاحب نے روزنامہ زمیندار مطبوعہ ۲۷ر جولائی کے بہرۂ نکات میں الناس علی دین ملوکھم کی شرح میں جو سطور سپرد قرطاس کی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے غور و فکر کے قابل ہیں۔ وھوہذا۔

حضور ختمی مرتبت بابائنا ہو واُمہاتنا نے دنیا والوں کا ایک اصول ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

الناس علیٰ دین ملوکھم

اس ارشاد ہدایت بنیاد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان برسر اقتدار طاقت کے سامنے جھک جانے پر ہمہول و منظور ہے۔ اس کے مقابلہ میں انگریز کہتا ہے۔

Imitation is the best form of flattery

یعنی نقالی تملق کی بہترین صورت ہے۔ مدعا یہ کہ کسی کو خوشامد کے ذریعہ سے خوش کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اس کا لباس اس کا تمدن۔ اس کے طور طریقے اس کی زبان اور اس کا انداز گفتگو اختیار کر لیا جائے۔ موجودہ ہندوستان میں حضور کے مقولہ نوق ارشاد اور انگریز کے اس مقولہ کے جلوے قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔

بعض ہندوستانیوں نے آج سرکا جو لباس تجویز کیا ہے اس میں نقالی کی جھلک ہے۔ فرنگی اقوام مغرب سے اٹھیں اور مشرق پر چھا گئیں۔ نقالی کرنے والے مشرقیوں نے جھٹ مغربیوں کی ٹوپی اوڑھ لی۔ اور آج یہی ٹوپی تہذیب کی علامت اور اعتبار و وقار کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے جن کے سر پر یہ ٹوپی ہو۔ انہیں ریل کے سفر میں جگہ بہ آسانی مل جاتی ہے۔ جا بجا لوگ سلام کرتے ہیں۔ کسی اجتماع میں چلے جائیں تو عزت و احترام کے ساتھ بٹھائے جاتے ہیں۔ اور جن مقامات میں ہندوستانی ٹوپی یا پگڑی والوں کے لئے داخلہ ممنوع ہو۔ وہاں وہ درانہ چلے جاتے ہیں۔ اور اگرچہ ان کی رنگت سانولی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر کوئی پوچھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کہ کیوں انہوں نے no admission کی قدغن کو نظر انداز کر کے آگے قدم بڑھانے کی جرأت کی۔ مسلمانوں نے جن کے پیش نظر اپنے ہادی و مولا کا ارشاد ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ کبھی نہیں سمجھا۔ کہ کسی دوسری قوم کے ساتھ خواہ وہ حاکم قوم ہی کیوں نہ ہو۔ لباس اراتش خراوش یا وضع و ہیئت میں تشبہ پیدا کیا جائے۔ بلکہ ان کا خیال ہمیشہ سے یہی ہے۔ کہ حضور صلعم کی اس فراست نے جو صرف انبیاء کے حصہ میں آئی ہے۔ ان الفاظ میں فطرت انسانی کے ایک خاصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی ارشاد نبوی کا اثر ہے۔ کہ مسلمان مغرب میں رہتے ہوں یا مشرق میں۔ ان کی خواہش اور کوشش ہمیشہ یہی رہتی ہے۔ کہ ان کی تہذیب ایک ہو۔ تمدن ایک ہو۔ لباس ایک سا ہو۔ تمدن ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہو سب

میں حیا داری کی شان ایک ہو۔ پہلے سب کا سر کا لباس دستار یا عمامہ تھا۔ جب سر سیّد علیہ الرحمۃ نے سفر یورپ سے واپس آنے کے بعد ترکی ٹوپی پہن لی۔ تو سب نے ترکی ٹوپی کو اپنے لباس میں شامل کر لیا۔ دنیا کی ہر چیز حادث و متغیر ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کسی حادث چیز کو بقا حاصل نہیں نہ تغیر سے مفر ہے۔ ترکی میں انقلاب ہوا۔ تو کئی شعائر قدیم کے ساتھ ترکی ٹوپی اوڑھنے کا رواج بھی موقوف ہوا۔ اور اس کی جگہ ترکی میں انورکیپ نے لے لی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی انورکیپ سے اپنے سروں کو زینت دی۔ افغانستان میں کلاہ یا پلخ آ گئی۔ عرب میں پہلے عمامہ تھا۔ پھر عمامہ کی بدلی ہوئی شکل آئی۔ یہ ہر سال مسلمان ایک قومی لباس کے پیچھے رہے۔ اور بالجملہ انگریزی ٹوپی سے نفور رہے۔ مگر خدا کی شان ملاحظہ ہو ؎

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

وہی مسلمان جس نے وضع و ہیئت، لباس اور تراش و خراش میں کبھی کسی غیر مسلم قوم سے تشابہ پیدا نہیں کیا۔ آج گاندھی کیپ پر مائل ہو رہا ہے۔ تمام مدبرین اسلام اپنی کتابوں اپنی تقریروں اور اپنی تحریروں میں دہرا دہرا کر یہ خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو اپنی انفرادیت ہر حال میں قائم رکھنی چاہیئے۔ مگر جو مسلمان کانگرس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ اول بدا کر اپنی انفرادیت کو گاندھی ازم میں مدغم کرنے کے لئے پہلے تو گاندھی کیپ پہن لیتے ہیں۔ اور پھر السلام علیکم لینے کے بجائے ملاقات میں گاندھی جی کی طرح ہاتھ جوڑنے لگتے ہیں۔ انگریز کی نقالی سے تو پھر کچھ نہ کچھ فائدہ تھا۔ جس سے مسلمان ہمیشہ من حیث القوم محترز رہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکی۔ کہ وہی مسلمان جو بہ خوف انقراض ہمیشہ ایک قومی لباس کا پابند رہا۔ اور جس نے غیر مسلم اقوام کے ساتھ تشابہ پیدا کرنے کو ہمیشہ گناہ سمجھا۔ آج کیوں اس نظریہ سے بے نیاز ہو کر گاندھی ازم میں جذب ہونے کو تیار ہو گیا۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ہم ہندوستان کے مسلمانوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ ان کے اسلاف نے دوسروں سے ملنے میں حسب تقاضائے مصلحت کبھی دریغ نہیں کیا مگر وہ کبھی متملقانہ انداز میں کسی سے نہیں ملے۔ نہ انہوں نے کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کو اپنا شعار بنایا بلکہ جس سے بھی ملے اپنے خصائص و خصائل کو قائم رکھتے ہوئے اور اپنی انفرادیت کو محفوظ بناتے ہوئے ملے۔ اور یہی طریق عمل آج ان کے لئے بھی صحیح ہے

جن حضرات کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ ازرہِ حمیّت قومی سالِ آئندہ کا زرِ چندہ بصیغہ منی آرڈر ارسال کر کے مشکور کریں۔ ورنہ وی پی ارسال ہو گا جس کا وصول کرنا آپ کا قومی و اخلاقی فرض ہو گا۔

بصائر و عبر:۔

تلک الایام نداولھا بین الناس

محمد ابن عبد الرحمٰن ہاشمی کا بیان ہے۔ کہ میں ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے دن اپنی والدہ کے پاس گیا۔ دیکھا۔ کہ ان کے پاس ایک عورت میلے کچیلے کپڑے پہنے بیٹھی ہے۔

میری والدہ نے کہا۔ کہ تم انہیں پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ والدہ نے کہا۔ کہ تم انہیں پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ والدہ نے فرمایا۔ کہ ابو جعفر برمکی کی والدہ عتابہ ہیں۔ میں یہ سنکر حیرت میں پڑ گیا۔ اور ان کو سلام کر کے ان کا حال دریافت کیا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔

انہوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا۔ کہ میں اپنی قسمت کا مرثیہ کہاں تک سناؤں۔ صرف ایک جملہ کہنی ہوں۔ جسمیں تمہارے لئے عبرت کا سبق ہے۔

مجھ پر وہ زمانہ بھی گذر چکا ہے۔ جبکہ عید کے دن میری خدمت کے لئے چار سو کنیزیں سامنے کھڑی ہوتی تھیں۔ اور میں اس پر بھی خوش نہ تھی۔ بلکہ یہ سمجھا کرتی تھی۔ کہ میرا بیٹا ابو جعفر پورا حق ادا نہیں کرتا۔

میں آج تمہارے پاس اسی لئے آئی ہوں۔ کہ قربانی کی دو کھالوں کا تم سے سوال کروں تاکہ ایک اوڑھ لیا کروں۔ اور دوسری بچھا لیا کروں۔

سبحان اللہ! یہ ہے۔ دنیا کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کی حقیقت،

شہے کہ تاج مرصع صباح برسر داشت
نماز شام دُر افشت زیر سر دیدم

سچ ہے۔ کہ دنیا اپنے اقبال کے وقت اتنی راحت نہیں پونچاتی۔ جتنی ادبار کے وقت تکلیف دیتی ہے۔

عیش دنیا را بقائے نیست دیدی غنچہ را
یک تبسم کرد و عمرے در پریشانی گذشت

جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔

رابعہ بصریؒ اور بیسویں صدی

(از جناب حسن ریاض صاحب ایڈیٹر نوید لکھنؤ)

ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کی صحبت میں درویش جمع تھے۔ ان میں حضرت رابعہ بصریؒ بھی تھیں۔ عشق و محبت پر گفتگو شروع ہوئی۔ کسی گوشت و استخوان کے معشوق کی محبت نہیں جس کا تعلق صرف نفس سے ہو۔ بلکہ وہ محبت جو انسان کی شرافت کے شایان شان ہے اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ کی محبت۔ ہر عاشق نے اپنے حال کے مطابق محبت کی تعریف کی۔ بالآخر حضرت رابعہ بصریؒ سے خود حضرت حسن بصریؒ نے سوال کیا کہ رابعہ۔ محبت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا میرے نزدیک محبت یہ ہے۔ کہ جسم سے تلوار کے ٹکڑے اڑائے جا رہے ہوں۔ مگر عاشق کی نظر سے مشاہدۂ محبوب کم نہ ہو۔ یہ سنکر سب رونے لگے۔

انہی حضرت رابعہ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے جو نہیں ایک مستقل وعظ ہے۔ جس سے اخلاص کے جویا ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ ایک مرتبہ جوش و جذبہ کے عالم میں گھر سے نکل پڑیں۔ اور اس رنگ سے کہ ایک ہاتھ میں آگ تھی۔ اور ایک ہاتھ میں پانی۔ لوگوں کیلئے تماشہ ہو گیا۔ اور جو واقف حال تھے وہ متحیر تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے بالآخر پوچھا گیا۔ کہ اے رابعہ یہ کیا حال ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ کوئی دوزخ کے خوف سے عبادت اور نیکی کرتا ہے۔ اور کوئی جنت کے لالچ میں۔ اللہ کو اخلاص سے کوئی نہیں پوجتا اس پانی سے دوزخ کو بجھاؤں گی۔ اور اس آگ سے جنت کو جلاؤں گی۔ تاکہ خوف اور لالچ دونوں ختم ہوں۔ اور جنہیں اللہ کو پوجنا ہے۔ خالص اس کی محبت سے پوجیں۔ سبحان اللہ اس پوجنے کے کیا معنے ہیں۔ اور واقعی یہی پوجنا پوجنا ہے۔

یہ اس دور میں فقدان اخلاص پر ایک آتشیں تنقید تھی۔ جب لوگوں کو کم از کم جنت کا لالچ اور دوزخ کا خوف تو تھا۔ وہ ان چیزوں کے وجود کے تو قائل تھے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے اللہ کو راضی تو کرنا چاہتے تھے۔

اب اگر اس دور میں حضرت رابعہ کو پیدا کر دیا جائے اور وہ یہ دیکھیں کہ خدا کا نام مشرکانہ (نعوذ باللہ من ذالک) ہو گیا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں قرآن سے زیادہ انڈین پینل کوڈ کا اور جہنم سے زیادہ جیل کا خوف ہے۔ اور دائمی جنت کو کوثر و سلسبیل کو اور حور و قصور کو اس فانی دنیا کی حباب آسائش و نشاط پر قربان کرنے کیلئے تیار رہیں۔ تو ان کی کیا حالت ہو۔ شائد پھر وہ بیساختہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ کہیں۔ کہ نہیں اب جنت کے لالچ کی بھی ضرورت نہیں۔ اے اللہ! تو اپنے جہنم کے فرشتوں کو حکم دے۔ کہ جہنم کو آج ہی اس دنیا پر لا رکھیں۔ اور اس میں ایسی تپش پیدا کریں کہ اس دور کے ظاہر پرستوں کو عملاً تجربہ ہو جائے۔

یہ دنیا ترقی کر رہی ہے یا تنزل کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ چکی؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس پر دنیا کے

تمام سمجھدار انسانوں کو غور کرنا چاہیئے۔ اور اسی قدر اہم کرنہ بے روزگاری کا مسئلہ اس کے مقابلہ پر آسکتا ہے۔ نہ عالمگیر اقتصادی انحطاط کا۔

وہ جاہل اور بے علم جو ولائت سے بیرسٹریاں پاس کرکے آتے ہیں۔ وہ جو آئی۔ سی۔ ایس کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور وہ جو یونیورسٹیوں میں نئی نسلوں کو گمراہ کرنے کیلئے یورپ کے جہالت خانوں سے ڈاکٹریٹ (مکٹ) کی سندیں لیکر آتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ ترقی کا دور ہے اور ترقی کیا ہے؟ یہ کہ اب آدمی ہوا پر اڑتا ہے۔ یعنی آدمی نہیں رہا۔ چیلوں اور کوؤں کا ہم صفت ہو گیا ہے۔ پانی پر بے خوف سفر کرتا ہے۔ آدمی نہیں رہا۔ گھڑیال اور مگرمچھ بن گیا ہے۔ اس نے بجلی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے شینیں بنالی ہیں۔ ایک شین ہزار ہزار آدمی کا کام کرتی ہے۔ گویا اس نے کروڑوں آدمیوں کو بیکاری کی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ نان شبینہ کے لئے محتاج ہیں۔ اور ان کا کام بجلی سے اور شینوں سے لیتا ہے۔ یہ چند جو شینوں اور بجلی گھروں کے مالک ہیں۔ وہ ہزاروں آدمیوں کی روزی تنہا کھاتے ہیں۔ اور وہ بیکار فاقہ کشی کے مظاہروں پر مجبور ہیں۔ اس دور کے ترقی یافتہ انسان نے دولت کی تقسیم غلط کر دی ہے۔ بعض ہیں۔ کہ ان کے پاس سونے کے انبار ہیں۔ اور بہت سے ہیں جو مٹھی بھر دانوں کو ترستے ہیں۔

لیکن اس دور میں جس کو اس زمانہ کے پڑھے لکھے دور جہالت یا تاریکی کا زمانہ کہتے ہیں۔ ان مادی انکشافات پر غور و فکر کرنے کو تضیع اوقات سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت انسانیت کی ترقی یہ سمجھی گئی تھی۔ کہ انسان یہ معلوم کرے کہ وہ خود جو موجوداتِ عالم میں اشرف ترین ہے۔ کیونکر مخلوق ہوا۔ اور اس کا خالق کون ہے؟ اس زمانہ کے حکیم اپنے خالق کی معرفت حاصل کرتے تھے۔ اور اس دور کے گمراہ حکیم مخلوق کی۔ اب کوئی انصاف کرے کہ ان دونوں میں بڑا حکیم کون ہوا۔ دونوں کے تفحص اور تلاش کے نتائج موجود ہیں۔ ان کو جانچو اور پھر ان کی قیمت کا اندازہ کرو۔

عہد رابعہؑ کے لوگوں نے اپنے کانوں سے اللہ کا کلام سنا۔ اپنے بنانے والے کی زبان سے اپنے اور تمام موجودات کے خلق ہونیکی داستان سنی۔ اپنی اور ہر چیز کی پیدائش کے مقصد کو معلوم کیا۔ اور جب نظریں بلند ہوئیں۔ اور بصیرت میں عرفان کا نور پیدا ہوا۔ تو اس جمیل کے عشق میں مستانہ وار ناچنے لگے۔ جس کے پرتو سے دنیا کے یہ تمام فانی حسن پیدا ہیں۔ جس پر اس دور کے کم نظر فریفتہ ہیں اور ایسے متوالے ہیں۔ کہ ان کو یہ غور کرنے تک کی مہلت نہیں کہ یہ ضیا کس آفتاب کی ہے جس سے سڑی ہوئی مٹی کے پتلے چمک اُٹھے ہیں۔

یہ انیسٹائین کا دور ہے۔ اس میں ڈو اور ڈو چار کی حقیقت پر غور کیا جا رہا ہے۔ کائنات کے راز اس مختصر جملہ میں ختم کئے جا رہے ہیں۔ کہ انسان عادتاً پیدا ہوتا ہے اور جب قوتیں زائل ہو جاتی ہیں تو مر جاتا ہے۔ نہ ازل میں کوئی عہد لیا گیا۔ نہ مرنے کے بعد حشر و نشر ہوگا۔ اللہ کے وجود ہی سے انکار ہے۔ علم اور عقل کا اس سے بڑا اور کیا عجز ہوگا۔ اگر بھیڑیوں اور بچوں کو تھوڑی دیر کے لئے

زبان دے دی جائے۔ اور زندگی و موت کے مسائل پر
ان سے سوال کیا جائے۔ تو بھی ان کا بھی جواب ہوگا۔
لیکن گفتگو میں ایک چیز اب بھی باقی ہے۔ اخلاق
کہا جاتا ہے۔ کہ لوگوں کے اخلاق درست ہونے چاہئیں۔
مذہب کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جب یہ سوال کیا جاتا ہے
کہ اخلاق کا معیار کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ قانون کی
سینکشن کافی ہے۔ گویا چوری۔ ڈاکہ زنی۔ جوا۔ زنا نہیں
زنا بالجبر وغیرہ ان کے نزدیک بھی بداخلاقیاں ہیں
لیکن ہر ملک اور ہر حکومت کا قانون الگ الگ ہے۔
اور ہر ملک میں زمانہ اور حکومتوں کے انقلاب کے ساتھ
قوانین بدلتے رہتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ ممکن ہے۔ کہ
جو باتیں آج بداخلاقی ہیں وہ کل عین اخلاق ہو جائیں۔
اور جو روس میں بداخلاقی ہے وہ انگلستان میں عین اخلاق
سمجھا جا سکتا ہے۔ تو گویا انسانی اخلاق باقی نہ رہا۔ تو ملکوں
اور حکومتوں کے ہنگامی اخلاق رہ گئے۔ پھر اس کو بھی
چھوڑیئے۔ یہ اخلاق کا کیا معیار۔ اور قانون کی کیا سینکشن
ہوئی۔ کہ اگر بدھوا اور گھسیٹے اسی تاش پر بازی لگا کر کھیلیں
تو وہ جُوا کہلائے۔ اور قانونی جرم قرار دیا جائے۔ اور
سورج مل اور تارا سنگھ بیرسٹر کھیلیں۔ تو اس کا نام برج ہو
اور اس کو سوسائٹی کا اہم لوازمہ تصور کیا جائے۔

ان بے علموں اور جاہلوں کو زن کو روپیہ کی زیادتی
اور عیش کی فراوانی نے اندھا کر دیا ہے۔ کوئی سمجھائے۔ کہ
قانون اخلاق کا معیار نہیں۔ اخلاق قانون کا معیار ہے۔
اور قانون کے خوف سے کبھی لوگوں کے اخلاق کی اصلاح
نہیں ہوتی۔ اخلاق کی اصلاح اس عالیشان اخلاص سے
ہوتی ہے۔ جس کا مظاہرہ حضرت رابعہ بصریؒ نے اور ان
سے پہلے انبیا علیہم السلام نے اور ان کے بعد صلحائے اولیاء
اللہ نے کیا۔

اخلاق کے متعلق بھی ان کا علم صرف اتنا ہے جتنا
اس بدشوق طالب علم کا۔ جو اصل درسی کتابیں نہیں پڑھتا
بلکہ نوٹ رٹ لیتا ہے۔ اس لئے اس کی کسی چیز کی حقیقت
پر نظر نہیں ہوتی۔ اگر قانون ہی کا ان کو فلسفیانہ اور تاریخی
علم ہو۔ تو ان کو معلوم ہو جائے۔ کہ قانون اخلاقیات پر
مبنی ہے۔ اور اخلاقیات مذہبی تعلیمات پر۔ اگر انسان تک
اللہ کی ہدایت نہ پہنچی ہوتی تو اخلاق کا یہ غلط اور ناقص
علم بھی ان کو ہرگز نہ ہوتا۔ کوئی شخص انصاف کی تعریف
سے بھی واقف نہ ہوتا۔

اللہ سے ڈرنے والوں نے اور اللہ کے عاشقوں نے
اخلاق کے جو معنی سمجھے اور اپنے اخلاقی محاسن سے اس دنیا
کو سجایا۔ وہ ایک سننے کی داستان ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے
پلٹے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا قرآن بغل میں دبائے اور مُصلّا
کاندھے پر ڈالے چلی جاتی ہے۔ دیکھ کر آواز دی کہ بڑی
بی ٹھہریئے۔ میرا مُصلّا مجھے دے جایئے ورنہ مجھے تکلیف
ہو جائے گی۔ یہ قرآن آپ لیجایئے۔ آپ کا کوئی لڑکا ہوگا
اس کو پڑھے گا" بڑھیا یہ اخلاق دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اور
اپنے قصور پر نادم ہوئی۔ کیا تعزیرات ہند کی کوئی سزا
اس سے بہتر اخلاقی درس دے سکتی ہے؟

حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ عرصہ سے
انتظار ہے۔ کہ حلال کے چند درہم مل جائیں۔ تو ایک تہبند

خریدیں۔ بالآخر اس کی نوبت آئی۔ تہبند خرید کر واپس تشریف لئے جا رہے تھے۔ ایک جھاڑی میں ہو کر گذرے۔ کسی نے دامن پکڑ لیا۔ ٹھہر گئے۔ ایک عورت تھی جو برہنگی کی وجہ سے جھاڑی میں چھپکر بیٹھ گئی تھی۔ کہتی ہے۔ کہ اے علیؓ خدا کو کیا جواب دوگے۔ تمہارے پاس دو دو تہبند، ایک کاندھے پر پڑا ہے۔ اور ایک باندھتے ہو۔ اور میں برہنگی کی شرم سے اس جھاڑی میں چھپی بیٹھی ہوں۔ آبدیدہ ہوئے اور نیا تہبند اس کو دے دیا۔ یہ فیاضی آج کس دولتمند میں ہے۔ اور فرض کا یا احساس کس حاکم کو میسر ہے؟

حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز میں بھوک سے بہت بےچین ہوا۔ کیونکہ کھانا کھائے ہوئے کئی روز گذر چکے تھے۔ اس خیال سے جنگل کی طرف چلا گیا۔ کہ شائد جنگل میں کسی قسم کے پھل مل جائیں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ بہت سے فقراد اکل حلال کی تلاش میں وہاں پہلے سے موجود ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے شرم آئی۔ کہ ان کے کھانے میں سے حصہ بانٹوں۔ اور یوں ہی واپس چلا آیا۔ آج کون ایسا غیرتمند ہے۔ کیا اس دور کے امیروں اور قوت والوں نے غریبوں پر روزی تنگ نہیں کر دی ہے؟

بھوکے کے لئے چادر وہی رہن کریگا۔ اور ایسے ہی کو اپنا کل سامان افطار وہی پیش کریگا۔ جس نے ان چیزوں کو ذریعۂ وصل محبوب سمجھا۔ ورنہ کتنوں کے وہ اخلاق جو اس دور میں مقبول ہیں۔ کچھ اور ہی ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اپنے پہلے قول میں انہی لوگوں کی تعریف کی تھی۔ اور یہی اخلاق پیدا کرنے کے لئے انہوں نے وہ آگ اور پانی کا ڈ سانسٹریشن (مثلاً ہرہ) کیا تھا۔

افادات

افراد کے مجموعہ کو خاندان کہتے ہیں۔ خاندانوں کا مجموعہ قبیلہ کہلاتا ہے۔ قبائل کی مجموعی حیثیت جماعت کو ترکیب دیتی ہے۔ اور جب جماعتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ تو قوم بن جاتی ہے۔

وطن اگر ایک ہو۔ زبان اگر ایک ہو، مذہب اگر ایک ہو، تہذیب اگر ایک ہو۔ تو قوم اصلی معنوں میں ایک قوم ہے اور انفرادی، خاندانی، قبائلی اور جماعتی اختلافات جزیہ کے باوصف جو افتادِ طبیعت کی رنگا رنگیوں کا لازمہ ہیں۔ قومی وحدت ایک ہی رہتی ہے اور اسکا شیرازہ بند صرف ایک جذبہ ہوتا ہے جسے عصبیت کا نام دیا گیا ہے۔ یہ جذبہ اگر مسخ ہو جائے تو تعصب کہلاتا ہے۔ لیکن قوم اپنے اس عیب کو بھی عیب نہیں سمجھتی۔ بلکہ ہنر کہہ کر پکارتی ہے۔ البتہ اگر خاندانوں اور قبیلوں اور جماعتوں میں یہی عیب موجود ہو تو اسے سب برا کہتے ہیں۔ اور اس عیب کا نام آجکل کے ہندوستان میں جسے فرنگستانی تہذیب چرگئی ہے فرقہ پرستی کہتے ہیں حالانکہ اگر خدائے قدوس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی پرستش کرنا قابل مذمت ہو تو قوم پرستی بھی اسی طرح سزاوار نکوہش ہے جس طرح فرقہ پرستی۔ (ظفر علی خاں)

پندِ سُود مند

چاہتے ہو تربیت اولاد کی — تو کرو پہلے تم اپنی تربیت

تم نمونہ اپنا دکھلا کر انہیں — اپنی اور ان کی بڑھاؤ منزلت

جیسا ڈھالوگے انہیں ڈھل جائینگے — موم کی رکھتے ہیں بچے خاصیت

نیک تعلیم ان کو دو دل کھول کر — تاکہ آگے چل کے دیں وہ منفعت

صحبت بد سے بچاؤ ان کو تم — ہے اسی میں انتہا کی مصلحت

خرچ تم تعلیم میں ان کی کرو — دی ہو گر تم کو خدا نے مقدرت

بھولے گر اولاد کے حق کو کوئی — شک نہیں اس میں کہ وہ ہے معصیت

کھیلنے دو کھیل میں ہے فائدہ — موعظت کے وقت پر ہو موعظت

کام گر اچھا کریں شاباش دو — تاکہ سیکھیں شوق سے انسانیت

مذہبی باتیں سکھاؤ ان کو تم — سدھرے جن باتوں سے انکی عاقبت

خوب علم و فن کی تم تعلیم دو — چاہتے ہو انکی گر تم عافیت

حد سے بڑھ کر لاڈ بھی اچھا نہیں — لازمی ہو گرچہ ان پر مرحمت

رکھو کل اولاد پر یکساں نظر

اچھا ہوتا ہے اصول معدلت

انتقامِ قدرت
ہسپانیہ کی تاریخ کا ایک خونی ورق

از مکافاتِ عمل غافل مشو

مولانا عبدالماجد دریابادی کے مشہور اصلاحی اخبار صدق میں مولانا خلیل الرحمٰن مصنف اخبار الاندلس کے قلم سے ایک دلچسپ اور دلکش مضمون شائع ہوا ہے جس میں مولانا نے ممدوح نے ہسپانیہ کی موجودہ جنگ کے متعلق بعض نہائت عجیب و غریب حقائق قلمبند فرمائے ہیں

ہسپانیہ جس کے فرزندانِ وطن آج ایک دوسرے کی گردن مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور جہاں جنرل فرنکو اور ہسپانوی حکومت کے مابین وقت کی ہولناک ترین جنگ ہو رہی ہے۔ آٹھ سو سال تک علم اسلام کے ماتحت زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ آج یورپ میں تہذیب و تمدن و فن اور ترقی و کمال کی صورت میں جو کچھ نظر آرہا ہے وہ اسلامی دورِ حکومت ہی کی برکات کا نتیجہ ہے جس وقت طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے مٹھی بھر مجاہدوں کو اندلس کے سواحل پر اتارا تھا۔ یورپ جہل و بے علمی بربریت اور گندگی و ناپاکی کا گھروندا تھا۔

اسلام کی آمد

لیکن اسلام کا آفتاب جونہی یورپ کے مغربی افق سے بلند ہوا چشم زدن میں تمام یورپ علم و تہذیب کی روشنی سے منور ہونے لگا۔ اور یورپی طلبہ اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں سے کسب علم کرکے واپس جانے اور جہالت کے پردہ ظلمت کو چاک کرنے لگے۔ لیکن آٹھ سو سال کی مدت میں جب مسلمانوں پر عیش پرستی کی بلا مسلط ہو گئی۔ اور مسلمان اس درس جہاد و اخوت سے بے خبر ہو گئے۔ جو انہوں نے خود عیسائیوں کو دیا تھا۔ تو وہ منحوس روز بھی آگیا۔ جس میں مسلمانوں کو بیک بینی و دوگوش اس خوبصورت سرزمین سے نکال دیا گیا۔ جسکو انہوں نے اپنے خون جگر سے سینچ کر رشک گلستان بنایا تھا۔ فرڈی ننڈ اور ازبلا کی عیسائی فوجوں نے اسلامی سلطنت کا چراغ گل کر دیا۔ اور مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کیلئے ایک معاہدہ لکھ دیا۔ جس میں اقرار کیا گیا تھا۔ اور اس اقرار کی وصیت اپنی آئندہ نسلوں کو بھی کی گئی تھی۔ کہ مسلمانوں کا جان و مال اور دین و مراسم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ رہیں گے۔ لیکن جونہی عیسائیوں کو اندلس کی سرزمین میں حکومت و اختیار حاصل ہوا۔ معاہدے کی تمام دفعات کو ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا گیا۔ اور ازبلا اور فرڈی ننڈ کے انتقال پر زمانے نے ابھی پچاس کروٹیں بھی نہیں بدلی تھیں۔ کہ ہسپانیہ میں مسجدوں کو گرجا بنا لیا گیا۔ اور عام فرمان جاری کر دیا گیا۔ کہ اندلس کی حدود میں کوئی مسلمان مسلمان رہ کر موجود نہ رہنے پائے۔

عیسائیوں کی بربریت

ہسپانیہ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ تھی۔ کہ انہوں نے جہاد و قربانی کی روایات پارینہ کا دفتر پہلے نگس کی موجوں کی نذر کردیا۔ اور اس کے بعد عیسائیوں کے عہد و پیمان پر انحصار اور تکیہ کرلیا۔ انہوں نے تاریخ اقوام کا ہر ہزار بار دہرایا ہوا فیصلہ فراموش کردیا۔ کہ حقوق صرف اسی قوم کے محفوظ رہتے ہیں۔ جو فرائض حیات ادا کرتی ہے۔ زندگی حقوق اور فرائض کا ایک لازم و ملزوم سلسلہ ہے اور جو قوم زندگی اور بقا کے لوازم سے محروم ہوجاتی ہے اور اغیار کے لطف و کرم پر اعتماد کرلیتی ہے۔ وہ دنیا میں کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتی نتیجہ یہ ہوا مسلمانان ہسپانیہ اپنے وطن سے نکال دیئے گئے اور ان کی تہذیب و شائستگی کے تمام نشانات مٹا دیئے گئے۔ بقول مولانا خلیل الرحمن قرطبہ کی مسجد میں آج اس کی اجازت بھی نہیں ہے۔ کہ کوئی مسلمان سیاح دو رکعت نماز ہی ادا کرلے۔ اور آج سے چالیس سال پہلے کاؤنٹ الگاذا مسلمان ہوگئے تھے۔ تو ان کو اندلس سے نکل کر پیرس میں منتقل ہوجانا پڑا تھا۔ اور جس زمین پر مسلمانوں نے آٹھ سو برس حکومت کی تھی۔ اس میں مسلمان کی ایک قبر بھی آج دستیاب نہیں ہوتی۔ (بجز قصر الحمراء کے)

انتقام قدرت

مسلمانوں کے ساتھ اندلس میں جو کچھ گذرا وہ قوانین الہٰیہ کی دفعات کا لازمی نتیجہ تھا۔ لیکن قدرت کا دست انتقام بھی منتظر تھا۔ اور جن بے رحم اور درندہ صفت عیسائیوں نے آج سے تین صدی پیشتر مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے ان کے وطن سے نکالا تھا۔ اور اسطرح نکالا تھا۔ کہ اپنے بدن کے چیتھڑوں اور قوت لایموت کے علاوہ کوئی شئے اپنے ہمراہ نہیں لے جاسکتے تھے۔ آج ان کی اولاد ہسپانیہ میں خدا کے قانون مکافات کے مطابق سزا بھگت رہی ہے۔

مولانا خلیل الرحمن کا بیان ہے۔ کہ:-

> اس منتقم حقیقی نے چند روز اسپین کے درندوں کو ڈھیل دی۔ پھر ان سے انتقام لینا شروع کیا۔ اس انتقام الٰہی نے بہت سی صورتیں اختیار کیں۔ نکبت افلاس جہالت گندگی خون ناحق غریبوں اور پیٹ کے مارے ہوئے مزدوروں پر ظلم و ستم اسپین میں طمطراق والے بیڑے کا غرق کیا جانا کس کس غضب الٰہی کو گنایا جائے اور مہینوں سے سخت خونریزی خانہ جنگی کے شعلے ملک اور اسکے باشندوں کو جلا رہے ہیں۔

سچ کہا ہے۔ تورات کے پروردگار نے کہ رب الافواج تجھ سے تیری اولاد سے اور اولاد کی اولاد سے بدلہ لے گا۔

قدرت الٰہی

انتقام الٰہی کی سخت گیری سے زیادہ حیرت انگیز انتخاب و انتقا ہے۔ جو انتقام کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا خلیل الرحمن فرماتے ہیں کہ

اس خانہ جنگی میں ایک عجیب کرشمہ قدرت الٰہی دیکھ رہا ہوں کہ ان ہی مقامات میں زیادہ خونریزی ہورہی ہے جہاں اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو زیادہ قتل کیا تھا۔ اگر میں ایک مقام کو بتلا دوں۔ کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا گیا تھا۔ اور وہیں ان ظالموں کی اولاد کو آج ذبح کیا جارہا ہے۔ تو آپ کو سخت حیرت

محکمہ آثار قدیمہ کی تحقیق و تدقیق کے زرّیں نتائج

سنہ ۲۵۰۰ء قبل از مسیح کے آثار دریافت کر لئے گئے

محکمہ آثار قدیمہ حکومت ہند نے آئندہ موسم سرما کیلئے جو پروگرام بنایا ہے۔ اس میں ہندوستان کے پرانے کھنڈروں کی تحقیق و تفتیش کا ہمہ گیر کام شروع کیا جائیگا اس میں پنجاب اور ممالک متحدہ کے بہت سے ٹیلوں کی کھدائی اور بنگال اور جنوبی ہند میں اکثر جدید انکشافات شامل ہیں۔

ضلع شیخوپورہ میں آثار قدیمہ

وسطی پنجاب میں لاہور کے قریب ضلع شیخوپورہ میں کچھ دن ہوئے چھ ٹیلے دریافت ہوئے ہیں۔ جن سے محکمہ آثار قدیمہ کی پرانی امید برآئی۔ کہ سندھ کی طرح پنجاب میں بھی قدیم ہندوستانی تہذیب کے آثار مل سکتے ہیں۔ ان ٹیلوں کی جانچ پر وادی سندھ کی کھدائی میں جیسے مٹی کے برتن سارے منقش ملے تھے۔ ویسے ہی یہاں بھی ملے ہیں۔

سب سے بڑا ٹیلہ اسرور میں ہے۔ جو تقریباً دو میل کی گولائی میں ہے۔ اور ساٹھ فٹ اونچا کھیتوں کے بیچ میں کھڑا ہے۔ گو اس ٹیلے کو سب سے پہلے ساٹھ برس ہوئے۔ جنرل کننگھم نے دیکھا تھا۔ لیکن اس کی قدیم تاریخی اہمیت پر محکمہ آثار قدیمہ کو ڈاکٹر سی آل فاری نے توجہ دلائی جو اس وقت مرکزی عجائب خانہ لاہور میں کام کر رہے ہیں۔ انہیں صاحب نے ایک اور جگہ بھی معلوم کی ہے جو کالا شاہ کاکو کہلاتی ہے۔ اور جہاں زمین پر منقش مٹی کے برتن گولیاں اور پکی ہوئی مٹی کی چیزیں دیکھی گئی ہیں۔ مسٹر ایچ۔ ایل سری واستو سپرنٹنڈنٹ آثار قدیمہ سرحدی سرکل لاہور نے چار اور جگہیں دریافت کی ہیں دو لاہور شیخوپورہ کی سڑک پر اور ایک لاہور سرگودھا کی سڑک پر۔ اور ایک لاہور گوجرانوالہ کی سڑک پر اور ان سب جگہوں میں مٹی کی مورتیاں اور رنگین مٹی کے برتن اور دیگر زمانہ قدیم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔

مناسب تحقیق و تفتیش سے شاید یہ منکشف ہوسکے کہ وادی سندھ کا قدیم تمدن شمال مغرب میں سرگودھا کے آگے وادی اندس کے علاقہ تک پھیلتا ہوا ضلع لدھیانہ تک چلا گیا تھا۔ اور غالباً اس کی وسعت دریائے جمنا کے پار تک پہنچ گئی تھی۔ چونکہ روپیہ بہت کافی نہیں ہے۔ اس لئے سردست پنجاب کے جنوب مشرق میں صرف چند ٹیلوں پر کام شروع کیا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ضلع حصار کے مقام اگروہا کے ٹیلے اور شہر رہتک کے قریب کھوکرا کوٹ کی وسیع سرزمین ہے۔ اگلے موسم سرما میں آخر الذکر مقام پر کام شروع کرایا جائیگا۔

اس سلسلہ میں قابل لحاظ بات یہ ہے۔ کہ جس وقت سے پنجاب میں مونٹگمری ولدہ اور ہڑپا کے مقامات پر زمانہ قدیم کے شہروں کے کھنڈر زمین کھود کر نکالے گئے ہیں۔

اور جن سے تین سو سال قبل مسیح کے زمانہ میں اعلیٰ شہری تمدن کے وجود کا انکشاف ہوا ہے۔ اس وقت ماہرین آثار قدیمہ ہندوستان کے قدیم ترین تمدن کی وسعت و اثر کی تفتیش کر رہے تھے۔ ان دو وسیع شہروں کی کھدائی کے بعد سے گذشتہ بارہ سال کی مدت میں مسٹر این جی موزمدار نے سندھ کے پہاڑی علاقہ میں اور بلوچستان کے شمالی اور جنوبی حصوں میں سر آرل اسٹین نے چھان بین کی جس سے پتہ چلا کہ کئی اور شہر بھی ایسے موجود تھے۔ جن کا تمدن موہنجو دارو اور ہڑپا کے تمدن کا ہمعصر یا اس سے کچھ پیشتر کا ہے۔ اس طرح ایک سرزمین میں جو اندس کے بائیں کنارے پر ہے۔ ڈاکٹر ای۔ جی۔ ایچ میکی نے امریکن اسکول آف انڈین ریسرچ کی طرف سے باضابطہ کھدائی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور اس کا کارآمد کام آئندہ موسم سرما میں پھر سے جاری کیا جائیگا۔ پنجاب میں اس وقت کوئی باقاعدہ پڑتال نہیں کی گئی۔ لیکن دو مقامات کی یعنی ایک تو سنرن کی طرف روپڑ ضلع انبالہ میں اور دوسرا ہڑپا کے قریب پیمائش اور پڑتال مسٹر ایم۔ ایس واٹس نے کی تھی۔ اور ان کا تمدن وادی اندس کے تمدن کا ہمعصر تھا۔

موسم سرما میں پڑتال کی جائیگی

اس لئے یہ امید کی جاتی ہے۔ کہ آئندہ موسم سرما میں جو پیمائش اور پڑتال شروع ہو گی۔ اس سے ہندوستان کی قدیم تاریخ پر خاصکر اس زمانہ کے تمدن کا جو دریائے اندس کے قبل از تاریخ دور اور آغاز تاریخ کے درمیانی زمانہ کا یعنی بدھ کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اور دریائے گنگا کے نشیبی علاقہ میں رائج تھا۔ اس پر بہت روشنی پڑے گی۔

ایک اور اہم کام جو زیر تجویز ہے۔ وہ یہ ہے کہ ممالک متحدہ کے بہت سے مقامات اور ٹیلوں کی پیمائش اور پڑتال کی جائے۔ جن میں سے تقریباً دو سو محفوظ ہیں۔ لیکن ان کے متعلق معلومات بالکل نامکمل ہے۔ اس سال اس کا آغاز اضلاع سہارنپور و جونپور میں کر دیا گیا ہے۔ جہاں ڈاکٹر کے اے انصاری نے کئی اہم جگہیں دریافت کی ہیں۔ سندھ کے ماقبل تاریخ تمدن کے انکشاف کے بعد اس پیمائش اور پڑتال کو بہت ہی اہم خیال کیا جاتا ہے اسلئے کہ اس میں ہندوستان کی تاریخ سنہ ۲۵۰۰ ق۔م سے لیکر سنہ ۱۵۰۰ ق۔م تک ایسے بڑے بڑے ٹیلوں کے اندر دفن ملے گی۔ جو بظاہر اب تک توڑے نہیں گئے ہیں۔ اس لئے کہ دریائے گنگا کی وادی کی زرخیزی اور وادی اندس کی خشکی میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کا ارادہ ہے کہ آئندہ ماہ نومبر میں الہ آباد کے قریب کسیمبی کے قدیم شہر کی کھدائی کا کام شروع کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ قدیم ترین تاریخی شہروں میں ہے۔ ممکن ہے کہ اس شہر کی بنیاد اس سے زیادہ قدیم آبادی پر ہو اور اسطرح اس کھدائی سے بہت فائدہ کی باتیں معلوم ہوں گی۔

ایک عجیب الشکل مندر

مسٹر این جی موزمدار نے لوریا مندن گڑھ واقع بہار میں ایک بہت بڑا مندر قبل از مسیح کے زمانہ کا معلوم کیا ہے۔ جس کی شناخت ایسی ہے۔ کہ اس طرح کی آج تک قدیم عمارات میں نہیں دیکھی گئی۔ ناگا مذہب یعنی اعلیٰ ذات کی پرستش کے رائج ہونے کا مزید ثبوت مسٹر جی سی چندر

سپرنٹنڈنٹ آثار قدیمہ مرکزی سرکل نے راجگیر میں معلوم کیا ہے جو اس صوبہ کا قدیم ترین دارالسلطنت تھا۔ اور نلندا کی قدیم بودھ یونیورسٹی کے جائے وقوع پر اب تک بیش قیمت اشیاء جیسے تانبہ کی مورتیاں وغیرہ مدفون خانقاہوں سے مل رہی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں جدید ترین انکشاف یہ ہے۔ کہ ایک چار خانوں کی انگیٹھی اور مورتیاں ڈھالنے کے آلات دستیاب ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں باضابطہ مورتیاں ڈھلتی تھیں۔ اور اس حیثیت سے یہ انکشاف علمی اعتبار سے بہت اہم ہے۔

بنگال میں بھی جہاں دریاؤں کی روانی اور سیلاب میں کسی قدیم بستی کے باقی رہنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی ایک جگہ دریافت ہوئی ہے۔ جہاں اس کے بعد کے زمانہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ جگہ جو اس وقت تک اپنی طرز کی بالکل الگ ہے۔ درگاپور کے پاس ضلع بردوان میں ندیٔ دمودر کے کنارے واقع ہے۔ اور یہاں پتھر اور مٹی وغیرہ کی چیزیں ایسی ملی ہیں۔ جن سے زمانہ قدیم کے تمدن کا نشان ملتا ہے۔ اس مقام کو تحفظ آثار قدیمہ کے ماتحت لیکر آئندہ موسم سرما میں کھدائی کا کام شروع کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

احاطہ مدراس نے اندر وادی کشنا میں بہت سے مقامات دریافت ہوئے ہیں۔ جہاں راجگان اکشواکو کے زمانہ کے آثار ملتے ہیں۔ یہ خاندان راجگان راسخ العقیدہ بودھ مذہب کا معتقد تھا۔ اور اس مذہب کے ادارات کو بہت دان کیا کرتا تھا۔ مگر گذشتہ چھ سال کے زمانہ میں یہاں کوئی کام نہیں کیا جا سکا۔ ایک امریکن جماعت نے ڈاکٹر ڈامنڈ کی قیادت میں تقریباً ایک درجن مقامات سے کچھ زمانہ قدیم کی چیزیں تلاش کر کے جمع کیں اور یہ کام ڈاکٹر موصوف کی نگرانی میں آئندہ موسم میں بھی ضلع کرنول کے بعض قبل از زمانہ تاریخ کے غاروں میں جاری رہے گا۔

لوہے کے زمانے کے آثار

مدورا اور تنا ولی کے اضلاع میں دور آہنی کے آثار اور قبرستان ایسے نظر آتے ہیں۔ جن میں باضابطہ کھودائی کے کام کی ضرورت ہے۔ اور پچھلے چند برسوں میں اس صوبہ کے مختلف حصوں میں خاصکر مالا بار میں بہت سے غار ایسے دیکھے گئے ہیں۔ جن میں تحقیق و تفتیش کا کام شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ قبل اس کے غیر ذمہ دار لوگ انہیں نقصان پہنچائیں۔

ایسے مقامات جہاں باضابطہ کھدائی سے اہم انکشافات کی توقع ہے۔ سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے۔ کہ بہت سے مقامات معلوم ہونے کے باوجود وہاں کھدائی کا کام نہ شروع ہو سکا۔ چنانچہ اوڑیسہ میں ایک مقام سیوپال گڑھ جو کہا جاتا ہے۔ کہ راجگان موریہ کے زمانہ ایک صوبہ کا صدر مقام تھا۔ اسی طرح ممالک متوسط میں دھارکوشل اور وار بھا کے علاقوں میں بہت سے مقامات ہیں۔ جہاں کار آمد کھدائی ہو سکتی ہے۔ مگر روپیہ کی قلت کی وجہ سے یہ کام ہاتھ میں نہیں لیا گیا۔ آسام میں بھی آثار قدیمہ ملنے کی توقعات ہیں۔ جن کی تحقیق و تفتیش نہیں کی جا سکی۔

محمود غزنوی اور راستباز بڑھیا

محمودِ غزنوی شہِ ذی شان نیک نام
تھا ایک روز بر سرِ اورنگ جلوہ گر

منصف مزاج، صلح پسند اور حق شنو
روشن دماغ، ہمدم و ہمدرد باخبر

غزنی سے راہ جاتی ہے ایران کی طرف
بلوچی راہزنوں سے تھی یہ راہ بے خبر

اک تاجروں کا قافلہ لوٹا گیا وہیں
مارا گیا اسی میں کوئی نوجوان پسر

غارت گروں سے لٹ کے پھر کارواں تباہ
اس حادثے کی پہنچی خراساں میں جب خبر

اس نوجوان کی ماں نے سنا قتل ہو گیا
فرزند نونہال و جگر بند خوش سیر

آئی حضورِ شہ سرِ دربار داد خواہ
روتی ہوئی بیحال شکستہ برہنہ سر

محمود سے کہا اے شہنشہ نیک دل
دن دہاڑے لٹ گیا مرا افسوس گھر کا گھر

مری کمائی لٹ گئی بوچھیوں کے ہاتھ
مارا گیا پسر جو تھا لختِ دل و جگر

میں انتقام کے لئے حاضر ہوئے حضور
آئی ہوں دادخواہی کو اب کیجئے نظر

شہ نے دیا جواب ذرا سن اے پیرزال
ہیں پائے تخت سے وہ مقامات دور تر

کیا انتظام ان کی کروں واردات کا
دشوار کام ہے نہیں آسان کوئی سگر

مظلومہ پیرزال نے سنکر دیا جواب
ہاتھوں سے اپنے آپ کلیجے کو تھام کر

امن و اماں کا جب نہیں ہوتا ہے بندوبست
ہے انتظامِ ملک سے تجھ کو فزوں خطر

قبضے میں اتنا رکھے ہے تو کیوں خدا کا ملک
پھر کیوں ہے دعویٰ تجھکو حکومت پہ سربسر

جب حوصلہ نہیں تو زمینِ خدا کو چھوڑ
وہ آپ انتظام کرے گا کوئی دِگر

بیباک گفتگو جو شہنشاہ نے سنی
ہر بات پیرزن کی ہوئی دل میں نیشتر

سنجیدگی سے شاہ بھی سر جھومنے لگا
سچ بات کا تو ہوتا ہے بے ساختہ اثر

فی الفور ہو گیا یہ ہی فرمانِ شہ صدور
آئندہ دستہ فوج ہو ہمراہ و راہبر

ہر قافلہ ہمیشہ حراست میں ہو رواں
پھر کارواں کو ہوگا نہ بیم و گزند و خطر

نامیؔ جہاں سے اٹھ گئے اربابِ حق شناس
محمود چوں ز ملکِ عجم از عرب عمر

میری سرگذشت

(نمبر ۴۷)

بلوچوں کے ابتدا کی تاریخ پردۂ ظلمت میں ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے وطنِ قدیم اور ان کے نسب کے متعلق اختلافات ہیں۔

ایک گروہ کے نزدیک بلوچ کی ابتدا سرزمینِ فارس سے ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ بلوچ کبھی بھی عرب میں نہیں گئے۔ بلکہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بہت مدت بعد وہ صرف حلب تک گئے۔ اور پھر وہاں سے ہی واپس فارس میں آگئے۔ اس روایت کے رو سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ بلوچ تورانی النسل ہیں۔

دوسرے گروہ کے نزدیک بلوچ کی ابتداء عرب سے ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلعم کی پیدائش سے پیشتر بلوچ ملک عرب میں تھے۔ جو بعد کے زمانہ میں عرب سے کوچ کرکے حلب میں آئے۔ اور پھر حلب سے ایران پہنچے۔ جہاں کرمان اور سیستان کے درمیان آباد ہوئے۔ اس روائت کے پیش نظر کہنا پڑتا ہے۔ کہ بلوچ عربی النسل ہیں۔

لیکن مؤخرالذکر گروہ اس پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ بلوچوں کے نسب کو جناب رسول اللہ صلعم کے عم محترم جناب حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نسب سے ملاتا ہے جس کی تائید کتب انساب سے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ پایا جاتا ہے۔ کہ جناب حمزہ رض جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور ان کے اولاد دختری ہی تھی۔[1]

تاریخی حیثیت سے یہ ذکر درمیان آگیا۔ ورنہ کسی قوم کے نسب کی تحقیقات میرے موجودہ فرائض میں داخل نہیں۔ اس لئے میں صرف اس بات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ کہ بلوچ ایک قدیمی قوم ہے۔ جو ظہورِ اسلام سے قبل بھی موجود تھی۔ کیونکہ واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ نوشیروانِ عادل نے تخت نشین ہونے کے بعد جب اپنی سلطنت کی حدود مشرقی کو دریائے سندھ تک بڑھایا۔ تو اقوام بلوچی اس وقت بھی موجود تھیں جن کی سرکشی کی بنا پر اس نے چڑھائی کرکے انہیں تباہ و برباد کر دیا ؎

بشد ایمن از رنج ایشاں جہاں[2]
بلوچی نماند آشکار و نہاں

نوشیرواں[3] سنہ ۵۳۱ء میں سریر آرائے سلطنتِ ایران ہوا اور اڑتالیس برس حکومت کرنے کے بعد ہفتاد و چہار سال کی عمر میں مرگیا۔

بلوچوں پر اس کی تاخت کا یہ واقعہ ظہور قدسی

---

[1] مدارج النبوت۔ جلد دوم۔
[2] شاہنامہ فردوسی۔
[3] نظام الملک۔

سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۵۷۰ء میں ہوئی بعض نے نوشیرواں کا سن جلوس ۵۳۱ء لکھا ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کی تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء۔ لیکن دونو صورتوں میں حضور کا سن مبارک بعہد نوشیرواں جو ۵۳۱ء تک ہوا ۵۷۹ء تک - آٹھ سال تھا۔ جس حد تک زمانہ حال کی تحقیقات کا تعلق ہے۔ اس کے روسے غیر مستند روایات کی الجھنوں میں پڑنے کے بغیر اسبات کا باور کرلینا اسب ترمعلوم ہوتا ہے۔ کہ بلوچ کرمان اور سیستان سے چلکر مکران میں آئے۔ اور پھر کچھ مدت کے بعد وہاں سے یلغار کرتے ہوئے اس حصۂ ملک پر قابض و متصرف ہوئے۔ جو اب بلوچستان کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ پندرہویں صدی عیسوی کے دوران میں رونما ہوا۔ جبکہ گروہ بلوچی کے قائد اعظم میر شہک نے قلات کو جو اب بلوچستان کا دارالخلافہ ہے۔ براہیوں سے چھین لیا۔ اور پھر تدریجاً گنڈاوہ - سیوی (موجودہ سبی) اور ملحقہ علاقہ کچھی بھی بلوچوں کے زیر تصرف آگئے۔

۱۹۱۱ء میں جب میں نیابت بھاگ علاقہ کچھی میں مستوفی تھا۔ تو اس وقت بلوچوں کی مجموعی تعداد کے متعلق مردم شماری کے روسے اعداد و شمار بقرار ذیل تھے۔ بلوچستان میں ایک لاکھ بہتر ہزار چار سو تہتر ۱۷۲۴۷۳۔ سندھ میں چھ لاکھ ایک ہزار نو سو تین ۶۰۱۹۰۳۔ اور پنجاب میں پانچ لاکھ بیس ہزار چار سو ننانوے ۵۲۰۴۹۹۔ ملک گیری کے لحاظ سے اگر بلوچوں کی رفتار ترقی پر بنظر تعمق غور کیا جائے۔ تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ آج سے ساڑھے چار سو سال پیشتر بلوچی قوت کا یہ ایک سیلاب عظیم تھا۔ جو مکران کی وادیوں سے امڈا ہوا آیا۔ اور قلات کی دیواروں تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ قلات سے گذر کر سندھ اور پنجاب کے میدانوں تک پھیلا۔ جس کے نتیجہ میں اگر سمجھا جائے۔ تو کرمان سے لیکر حدود پنجاب تک ایک وسیع بلوچ برادری کی بنیاد پڑ گئی۔

قاضی نظیر حسین فاروقی
مستوفی (ریٹائرڈ)

لے نوشیرواں کے عدل کے متعلق رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ وُلِدْتُ فِی زَمَنِ الْمَلِکِ الْعَادِل (میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا)

ملک معظم اور ملکہ معظمہ
۱۹۳۸ء میں ہندوستان آئینگے

بمبئی ۲۹ جولائی۔ ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدرآباد۔ سر دی۔ ٹی کرشنا ماچار دیوان آف بڑودہ اور سر مانک جی دادا بھائی صدر کونسل آف سٹیٹ بمبئی پہنچ گئے ہیں۔ سر اکبر حیدری کا سرکاری اور غیر سرکاری حکام کی طرف سے شاندار استقبال کیا گیا۔ سر مانک جی نے اخبار نویسوں کو مطلع کیا۔ کہ اب اس امر کی بعید امید ہے۔ کہ ملک معظم اور ملکہ معظمہ آئندہ سال ہندوستان تشریف لائیں گے۔

القریش امرتسر

ستمبر ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ —— نمبر ۹

فہرست مضامین

رحمۃ للعالمین کے حضور میں

اے شفیع المذنبیں اے صاحب لولاک دیکھ
امت عاصی کو وقف گردش افلاک دیکھ

اے علاج بیکساں اے چارۂ بیچارگاں
حسرت واندوہ میں اسلام کو غمناک دیکھ

اے کہ تیرا نام ہے مرہم دل مجروح کا
صورت گل اپنی امت کا گریباں چاک دیکھ

ہو رہا ہے حشر برپا عالم اسلام میں
اس قیامت کو خدا کے ای حبیب پاک دیکھ

تیری امت لوٹتی تھی جس پر زمانے کی بہار
ہوگئی ہے کمتر از خار و خس و خاشاک دیکھ

اک نظر ہو جائے اے آقا ہمارے حال پر
ڈال دے پردہ ہماری شامت اعمال پر

غلام مصطفےٰ از منٹگمری

نعت شریف

سورۂ واللیل کی تفسیر زلف عنبریں
ترجمان والضحیٰ ہے روئے تابان رسولؐ

کیوں کسی کے سامنے پھیلائیں ہم دست سوال
دولت کونین کا حاصل ہے دامان رسولؐ

دو مدوں پر منقسم ہے مومنوں کی کائنات
خان خالق کی امانت دل ہے قربان رسولؐ

ساری جنت کی بہاریں ختم ہیں رضواں یہیں
قصر جنت چیز کیا ہے پیش ایوان رسولؐ

حشر میں تیری شفاعت کا ذریعہ ہے یہی
دیکھ محشرؔ ہاتھ سے چھوٹے نہ دامان رسولؐ

حافظ عبدالرحیم محشرؔ از بدایوں

جلد ۲۴ —— نمبر ۹

"قاضی قوم نہیں عہدہ ہے"

فاضل جج کی مُبرہن تصریحات

دعوے استقرار حق کا عدالتی فیصلہ

صوبۂ پنجاب میں پیر، چشتی، مخدوم، شاہ شیخ اور قاضی کے مختلف اعزازی الفاظ قریشیوں کے لئے مختص ہیں۔

پیر، مخدوم، رہنمائے حقیقت کے لحاظ سے اور چشتی" سلسلہ طریقت کے خیال سے شاہ و شیخ، نسبی برتری اور شرافت و بزرگی کے اعتبار سے اور قاضی عہدہ امامت کی مناسبت سے، خیر القرون سے عہد حاضر تک یہ موقر و مفتخر الفاظ" قریش" کیلئے وقف ہیں۔ کوئی قریشی چودہری خان اور ملک وغیرہ اعزازی خطابات سے مخاطب نہیں ہوتا۔

مرور زمانہ سے" قاضی" کی معنوی حیثیت یکسر تبدیل ہوگئی۔ وہ جج منصف اور عادل کی بجائے مسجد کا ملّا بن کے رہ گیا۔ اور عوام کی نظروں میں اسکی کوئی وقعت باقی نہ رہی غلط فہمی و غلط استعمال سے عہد ماضی کی جلیل القدر ہستی (قاضی) عہد حاضر کی ادنیٰ ترین شخصیت اور ایک حقیر قوم شمار ہونے لگی۔ اسی طرح" شیخ" شیخ ہوگیا۔ نومسلموں اور کلالوں بقالوں نے اس کی معنوی حیثیت گم کردی۔ حتیٰ کہ وہ

دنیا کی ایک پس افتادہ قوم تعبیر ہونے لگا۔

القریش کی گذشتہ اشاعتوں میں "قاضی کوئی قوم نہیں" اور "کیا شیخ قریشی نومسلم ہیں" عنوانات کے تحت مدلل و مبرہن طریق پر بالصراحت و وضاحت تاریخی حیثیت سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ۔

۱۔ قاضی۔ ایک ممتاز عہدہ اور منصب ہے اور

۲۔ شیخ۔ بزرگ و برگزیدہ کو کہتے ہیں۔

مختلف قریشی خاندانوں کے حقوق اس غلط فہمی کی نذر ہوئے۔ اکثروں کی مساعی ناکام رہیں اور وہ مایوس ہو گئے۔

اتلاف حقوق کی اس زہرہ گداز کیفیت سے متاثر ہو کر قوم کی نمائندہ جماعت "ندوۃ القریش" نے اپنے اجلاس عام منعقدہ امرتسر مورخہ ۱۹ر جولائی ۱۹۳۶ء میں ایک قرارداد منظور کی۔ اور ایک کارکن جماعت منتخب کر کے تجویز کیا۔ کہ اس غلط فہمی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دور کرنے کیلئے عدالتی کارروائی کی جائے۔ اور قدیم و جدید ریکارڈ سے اپنے دعویٰ کے بدیہی ثبوت پیش کرنے کی کامیاب سعی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اولین اقدام "قاضی" کا مسئلہ طے کرنے کیلئے کیا گیا۔ حکیم قاضی غلام مصطفےٰ صاحب ساکنہ رملاس لا امرتسر کی طرف سے سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا ان کونسل کو ڈپٹی کمشنر امرتسر کے توسل سے زیر دفعہ ۸۰ نوٹس دیدیا جسکی میعاد ختم ہونے پر عدالت دیوانی میں دعویٰ استقرار حق دائر کر دیا گیا۔

"تذکرہ برادری" کے تحت مختصر نوٹ اس مقدمہ سے متعلق ناظرین ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ آج ہم اس فیصلہ کی نقل جو مدعی کو فاضل جج نے ۲۰ر اگست کو سنایا۔ قارئین کرام کی واقفیت کیلئے درج ذیل کرتے ہیں۔

فاضل جج نے فیصلہ لکھتے وقت مقدمہ کی روئداد پر ایک عمیق نگاہ ڈالتے ہوئے مخالف و موافق پہلوؤں پر عالمانہ روشنی ڈالی ہے۔ اور جملہ امور پر نقد و تبصرہ کے بعد مسلمہ سندات و مصدقہ دستاویزات کی بدیہی شہادتوں کی بنا پر یہ لاینحل عقدہ حل کر دیا ہے۔ کہ

۱۔ قاضی قوم نہیں عہدہ ہے۔ سلاطین مغلیہ کے عہد میں یہ عہدہ مذہبی قیادت اور متنازعہ فیہ امور طے کرنے کیلئے قائم ہوا۔ اور انگریزی عملداری کے اوائل تک بدستور قائم رہا۔ گویا وہ مسلمانوں کا مذہبی قائد ہونے کے علاوہ صاحب عدالت یا مجسٹریٹ بھی تھا۔

۲۔ عہد حاضر میں ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے مذہبی مراسم کی ادائیگی کا فرض انجام دیتا ہے۔ بلالحاظ قومیت قاضی کہلاتا ہے۔

فاضل جج نے مدعی کے پستہ اور زراعت پیشہ غیر رشتہ دار اور مقتدرین قریش کی شہادتوں کے ماسوا سرکاری ریکارڈ اور مدعاعلیہ یعنے فریق مخالف کے گواہوں کی شہادتوں کے لفظ لفظ پر فاضلانہ بحث کے بعد مدعی کے دعویٰ کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اسے قریشی قرار دیا ہے۔ اور یہ عین انصاف ہے۔ حق بحقدار رسید

ہم اس منصفانہ فیصلہ پر فاضل جج کی خدمت میں بصدق دل ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور مدعی کو اس کی حق رسی پر مبارکباد۔

مقدمہ استقرار حق

غلام مصطفےٰ ولد امام علی قوم قریشی ساکن رمداس ضلع امرت سر۔ مدعی

بنام

سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا ان کونسل معرفت کلکٹر بہادر، امرت سر۔ مدعاعلیہ

دعوےٰ

۱۔ یہ کہ مدعی کی قومیت قریشی ہے۔

۲۔ یہ کہ افسر مال کا حکم جو اسے قاضی قرار دیتا ہے۔ ناجائز اور غلط ہے۔

۳۔ یہ کہ اس کی پدری و مادری رشتہ داریاں قریشیوں سے ہیں۔

۴۔ یہ کہ اس کی قومیت بند و بست ۱۳-۱۹۱۲ء اور بعد کی جمعبندیوں میں قریشی درج ہے۔

۵۔ یہ کہ قاضی کوئی قوم نہیں۔

۶۔ یہ کہ کلکٹر بہادر امرت سر نے $\frac{6}{36}$ ۲۹ کو مدعی کی قومیت قریشی کی بجائے قاضی درج کرنیکا حکم دیا ہے

لہٰذا

سکرٹری آف سٹیٹ ان کونسل کے خلاف استقرارِ حق دعوےٰ دائر کرتا ہوں۔

جواب دعوےٰ

۱۔ مدعی قریشی نہیں بلکہ وہار۔ زرکھان یا قاضی قوم سے ہے

۲۔ مدعی کا دعوےٰ درست نہیں۔ اس کی قومیت کے متعلق افسران مال ہنوز تحقیقات کر رہے ہیں۔

فیصلہ

مدعی کا اہم بیان یہ ہے۔ کہ قاضی کوئی قوم نہیں بلکہ ایک عہدہ ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد کی امامت کے فرائض اور مذہبی مراسم انجام دے قاضی کہلاتا ہے خواہ اس کی قومیت کچھ ہو۔ اس کے ثبوت میں اس نے مصدقہ سندات و دستاویزات مشمولہ ۹ تا ۱۱ پیش کی ہیں۔ جو سکھوں کے عہد میں سردار شام سنگھ کی طرف سے فتح الدین اور سوندھی شاہ جو مدعی کے مادری جانب سے رشتہ دار ہیں کو عطا ہوئیں۔

پنجاب گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء جس کی رو سے قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ کی مشمولہ نقل نمبری ۸ پیش ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسمی گلاب شاہ جو مدعی کا دور کا رشتہ دار ہے۔ موضع رمداس میں قاضی مقرر ہوا۔

سندات اور دستاویزات پیش کردہ میں قاضی

کے ساتھ لفظ عہدہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ قاضی قوم نہیں بلکہ ایک عہدہ ہے۔

مغلوں کے دور حکومت میں قاضی ایک ممتاز اور جلیل القدر عہدہ تھا۔ مذہبی قیادت کے ماسوا مجسٹریٹی کے فرائض بھی اس سے متعلق تھے۔ یہ عہدہ سکھوں کے زمانہ اور انگریزی حکومت کے اوائل تک بدستور قائم رہا۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف اشخاص کو قاضی مقرر کرنے کیلئے سندات عطا کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔

نظیر حسین گواہ نمبر ۲ نے دو سندات پیش کی ہیں۔ جو ان کے ایک بزرگ رحمت اللہ کے جنڈیالہ میں قاضی مقرر ہونے کے متعلق ہیں۔ ان سے نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ ثابت ہے۔ کہ قاضی قوم نہیں بلکہ عہدہ ہے۔

مدعاعلیہ اس کے خلاف یہ ثابت کرنے میں قاصر رہا ہے کہ قاضی عہدہ نہیں۔ قوم ہے۔ بخلاف اس کے مدعاعلیہ کے گواہ نمبر ۲ مسمی کرم چند اور گواہ نمبر ۳ احمد الدین تسلیم کرتے ہیں۔ کہ فریضۂ امامت اور مذہبی امور انجام دینے والا ہر شخص قاضی کہلاتا ہے۔

مدعی کے تحریری و تقریری ثبوت جن پر میں ابھی بحث کرونگا۔ سے بلاشبہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قاضی قوم نہیں ایک عہدہ ہے۔

تحقیق طلب امر یہ ہے۔ کہ آیا مدعی قریشی ہے؟ اس نے اس امر کی بیس متفقہ شہادتیں پیش کی ہیں۔ کہ اسکی قوم قریشی ہے۔

ان گواہان میں سے بہت سے اس کے باپ یا ماں کی طرف سے رشتہ دار ہیں۔ اور کاغذات مال کے اندراجات شاہد ہیں۔ کہ ان میں بعض مسلمہ قریشی ہیں۔

عبدالحکیم گواہ نمبر ۴ نے نقل جمعبندی مشمولہ ۴/۱ سے ظاہر کیا ہے۔ کہ اس کا والد غلام نبی کاغذات مال میں قریشی درج ہے۔ اس کا بیان ہے کہ مدعی کے دو چچے اس کے خالو زاد بھائی ہیں۔ نذیر احمد گواہ نمبر ۵۔ نقیر العد گواہ نمبر ۶ محمد امین گواہ نمبر ۷ عبدالحکیم گواہ نمبر ۴ کے جدی رشتہ دار ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں۔ کہ مدعی قریشی ہے۔ اور عبدالحکیم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کا بھی قریبی رشتہ دار ہے۔ یہ سب نقول جمعبندی ملٹے مشمولہ ۵۔۶۔۷ کی رو سے قریشی ثابت ہیں۔ نذیر احمد گواہ نمبر ۵ اپنے گاؤں کا نمبردار ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ بلاشک وشبہ زراعت پیشہ ہے۔

محمد شفیع گواہ نمبر ۱۱ مدعی کا ماموں زاد بھائی ہے۔ اور قریشی ہے۔ برکت علی گواہ نمبر ۱۹ مدعی کا بہنوئی ہے اس کی لڑکی مدعی کی بہو ہے۔ یہ گواہ نقل جمعبندی مشمولہ ۱۶/۱ سے قریشی ثابت ہے۔

کوئی وجہ نہیں کہ گواہان ذیل کے بیانات صحیح تسلیم نہ کئے جائیں۔ عبدالحق گواہ مدعی نمبر ۱۷۔ محمد بخش نمبر ۱۸ محمد بخش نمبر ۲۰ ، اور رحیم بخش نمبر ۲۱ یہ تمام اشخاص جاٹ قوم سے ہیں۔

عبدالحق ڈسٹرکٹ بورڈ امرتسر کا ممبر ہے۔ اور محمد بخش نمبردار، یہ معزز اور غیر جانبدار گواہ ہیں اور میں ان کے بیانات کا لفظ لفظ صحیح تسلیم کرتا۔ مزید براں یہ لوگ اپنے حقوق کے سلسلہ میں یہ

حاسد واقع ہوئے ہیں۔ انہیں اپنے زراعت پیشہ ہونے پر بڑا فخر ہوتا ہے۔ اس لئے کسی غیر زراعت پیشہ کا زراعت پیشہ بننا انہیں گوارا نہیں ہوتا۔ ان کی شہادتیں بھی مدعی کے دعوے کی زبردست تائید کرتی ہیں۔

گواہان ذیل ایسے اشخاص ہیں۔ جو یا تو قریشیوں کے سرکردہ ہیں اور یا ان کے نہائیت گہرے واسطہ دار

محمد علی گواہ نمبر ۱، اخبار "القریش" کا ایڈیٹر اور قریشیان ہند کی نمائندہ جماعت "ندوۃ القریش" کا صدر ہے۔ اس کا بیان ہے۔ کہ مدعی اس کی برادری سے ہے۔ اور انجمن کا ممبر ہے۔

عبدالحق نمبر ۱۸ قریشیوں کا نسب نامہ مرتب کرنیکا دعویدار ہے۔ وہ بھی مدعی کو قریشی قرار دیتا ہے

مدعی گواہ کی حیثیت سے حلفیہ بیان کرتا ہے۔ کہ اسکی قوم قریشی ہے قاضی نہیں، اس نے اپنے بہنوئی کے دو خط مورخہ ۳، ۲۰، نومبر ۱۹۱۲ء مشمولہ ۱ و ۲ پیش کئے۔ جن میں اسکی قومیت قریشی لکھی ہے۔ علاوہ ازیں مدعی نے اپنے دو لڑکوں کی دسویں جماعت کی سندات، مشمولہ نمبری ۴ و ۵، اقرارنامہ مابین مدعی مسمی حرمت علی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء مشمولہ نمبری ۶ اور تمسک مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۱۸ء مشمولہ نمبری ۸ جس کے حاشیہ کا ایک شاہد مدعی بھی ہے پیش کئے۔ ان تمام دستاویزات و کاغذات میں مدعی کی قومیت "قریشی" درج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مدعی قدیم سے قریشی ہے۔

مقدم اور افضل ترین ثبوت اندراجات بندوبست ۱۲-۱۹۱۱ء کی نقل مشمولہ نمبری ۸ ہے۔ جس میں مدعی کے والد امام علی کی قومیت قریشی درج ہے۔ یہ اندراج کاغذات مال بھورے گل سے متعلق ہے۔ اسی طرح نقل جمعبندی مشمولہ نمبری ۱۸ میں خود مدعی قریشی تحریر ہے۔ موضع کوٹلی شاہ حبیب کی جمعبندی کی نقول مشمولہ ۱۴ تا ۱۷ میں مدعی کی اپنی قوم قریشی لکھی ہے۔ بہت سے زبانی و تحریری ثبوت مظہر ہیں۔ کہ مدعی کی قوم قریشی ہے۔ اور اندراجات مال ان کی مزید تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ

مدعا علیہ کے دو گواہ فضل الدین نمبر ۱ و کرم چند نمبر ۲ مدعی کو قریشی کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ مدعی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسکی قومیت قاضی نہیں قریشی ہے۔

تردید میں مدعا علیہ نے وثیقہ نویس کے رجسٹر مشمولہ ڈی ۱ تا ڈی ۳ پیش کئے ہیں۔ جن میں مسمی غلام مصطفےٰ ولد غلام نبی قاضی درج ہے۔ مقروض فضل الدین ولد غلامی نے بطور گواہ پیش ہو کر بیان کیا۔ کہ ۲۳ - ۲۴ سال ہوئے میں نے مدعی سے کچھ قرض لیا تھا۔ اسے یہ یاد نہیں رہا۔ کہ اس تمسک کا وثیقہ نویس کون تھا۔ اس کی شہادت مدعی کے حق میں ہے

کرم چند گواہ نمبر ۲ نے اپنے والد مرحوم کے رجسٹر وثیقہ کی نقل مشمولہ متذکرہ ۱ تا ۳ پیش کی۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکا کہ غلام مصطفےٰ مذکور مدعی ہی ہے یا کوئی اور، دونوں گواہان میں کسی نے واضح طور پر یہ نہیں بتایا۔ کہ اندراجات متذکرہ مدعی سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں۔

مواضعات ناگ، رمداس، بوڑے وال، بھورے گل اور کوٹلی شاہ حبیب کے کاغذات مال کے اقتباسات مشمولہ نمبری ۱۶ تا ۲۰ سپیشل قانونگو نے پیش کئے۔ ان

میں مدعی کی قوم قاضی درج کی گئی ہے۔ علی ہذا ان موضعات کی نقول جمعبندی اور اندراجات بندوبست مشمولہ ڈی ۶ تا ۱۴ میں مدعی قاضی درج ہے۔ مگر یہ تمام اندراجات ایک ہی بات پر متفق نہیں۔ ان میں سے بعض اس کی قومیت شیخ ظاہر کرتے ہیں۔

میری رائے میں یہ تمام اندراجات کسی طرح بھی مدعی کے دعویٰ کو کمزور نہیں کرتے۔ وہ خود تسلیم کرتا ہے۔ کہ اسے قاضی کہا جاتا ہے۔ مگر اس کی قوم قریشی ہے۔

کاغذات مال کے اندراجات کی تمام تر ذمہ داری افسران مال پر عائد ہوتی ہے۔ مگر ان کی طرف سے اس امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو۔ کہ مدعی کی قومیت کا اندراج باقاعدہ تحقیقات یا اسکی رضامندی سے کیا گیا ہے۔ بلکہ مدعی نے اپنے قاضی درج ہونے پر اسوقت اعتراض کیا جب افسران مال نے اس کے حقوق میں دست اندازی کی۔

آغاز فیصلہ میں تحریر ہو چکا ہے۔ کہ مدعاعلیہ کے چار گواہان میں سے دو نے مدعی کے حق میں گواہی دی باقی دو احمدالدین اور ابراہیم مدعی سے عداوت رکھتے ہیں۔

احمدالدین تسلیم کرتا ہے۔ کہ مدعی کی قومیت سے متعلقہ تحقیقات کے دوران میں اس نے افسر مال کے روبرو مدعی کے خلاف شہادت دی تھی۔ اور وہ فی الحقیقت اس درخواست کی پیروی فریق مخالف کے طور پر کرتا رہا ہے۔ اور موجودہ دعویٰ میں بھی وہ فاضل سرکاری وکیل کو ہدایات دیتا رہا ہے۔

ابراہیم تسلیم کرتا ہے۔ کہ مسمی فقیراللہ رشتہ دار غلام مصطفےٰ نے اس کے خلاف زیر دفعہ ۴۴۷ تعزیرات ہند ایک فوجداری دعوے دائر کر رکھا ہے۔ مزید برآں وہ اقرار کرتا ہے۔ کہ مدعی اس متنازعہ زمین کے مالکان میں سے ایک ہے۔

بایں حالات میں ان کے بیانات کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ مدعی کے ثبوت اس کے دعوے کو ثابت کرنے کیلئے کافی سے زیادہ ہیں۔ لہذا میں اس تنقیح کا فیصلہ مدعی کے حق میں دیتا ہوں۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے۔ کہ میں مدعی کو ڈگری دیتا ہوا اس کی قومیت قریشی قرار دیتا ہوں۔ چونکہ اس نے یہ دعویٰ اس نوٹس کے جواب کا انتظار کئے بغیر دائر کر دیا۔ جو اس نے ڈپٹی کمشنر امرتسر کو زیر دفعہ ۸۰ تعزیرات ہند دیا تھا۔ لہذا خرچہ فریقین بذمہ فریقین رکھتا ہوں غلام مصطفےٰ کو سنایا گیا۔ فاضل سرکاری وکیل کو اطلاع دی جائے۔

امرتسر
۲۰ اگست ۱۹۳۷ء

دستخط سلطان خاں
(بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) پی۔ سی۔ ایس
سب جج و رجسٹرار مطالبہ خفیفہ

تذکرہ برادری

مقدمہ استقرار حق، قاضی غلام مصطفےٰ اسکنہ رمداس بنام سکرٹری آف سٹیٹ جس کا ان کالموں میں بارہا ذکر آچکا ہے۔ ۲۰ر اگست کو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ فیصلہ مدعی کے حق میں رہا۔ جس کیلئے ہم انہیں بصدق دل مبارکباد دیتے ہیں۔ نقل فیصلہ قارئین کرام کے ملاحظہ کیلئے اسی اشاعت کے افتتاحیہ میں درج ہے۔

حکیم غلام مصطفےٰ صاحب رمداس (امرتسر) سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مقدمہ استقرار حق میں میری کامیابی دحق رسی پر میرے اکثر ہی خواہان نے مجھے تبریک نامے ارسال فرمائے ہیں۔ چونکہ فرداً فرداً ان تمام کا شکریہ ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں اپنے قومی آرگن "القریش" کے توسل سے ان تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس سلسلہ میں جو تبریک نامے قاضی صاحب کو موصول ہوئے ہیں۔ ان میں بعض کے اقتباسات آپ نے بغرض اشاعت ارسال فرمائے ہیں۔ اور وہ بلفظہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) بود شرف قریشیت مبارک   ترا ایں برہمہ سبقت مبارک
کلاہ ظفر بر فرقت مبارک   کشادی بند اخوانت مبارک

فضل کریم بھتوی شریف گنج امرتسر

---

(۲) مبارک مہربان ما مکرم   کہ بدلا شادی و فرحت سے ہر غم
سلام علیک تسلیمات مسنون   خدا رکھے سدا ماموں کو مامون
مبارک صد نوید کامیابی   خدا رکھے یہ شادی فیضیابی
عزیزان مکرم کو مبارک   خوشی رکھے سدا الصمد تبارک
ہر اک حاسد رہے ناکام و ناشاد   مرادیں اس کی سب ہو جائیں برباد
ہے خمیازہ ملا خود کردنی کا   شرارت بازی و آزردنی کا
ہماری عاجزی ہے کام آئی   اسے نہ راس آئی خود نمائی
ہو امداد الٰہی ظفرمندی   ہزار خوشدلی کی نغمہ سنجی
در و دیوار گلشن خوش گلی سے   رہیں مستانہ و فرحت خوشی سے
رہیں اہل چمن خندان و فرحاں   ہو شادابی گل سے مالی شاداں

دعا کرتا ہے اختر از تہ دل
خدائے پاک کی برکت ہو شامل

فتح محمد اختر محبوبی از چونڈہ

---

(۳) آج کا مکتوب ہم سب کیلئے انتہائی مسرت کا پیغام لایا۔ مقدمہ کی کامیابی اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و کرم ہے۔ جس سے انفرادی عزت کے علاوہ خاندان کی عزت افزائی ہوگئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ مقدمہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم سب آپ کو ہدیہ مبارک پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ

کے انعام کا شکر ادا کرتے ہیں۔

میر احمد حیدر از لاہور

---

(۴) خاک بر روئے دشمنان الحمد للہ۔ آپ فتح یاب ہوئے۔

رکھ لی تیرے خدا نے میری آبرو کی شرم

غلام بید مسرور و شاد کام ہوا ہے۔

(سید عبد الخالق قادری ریلوے روڈ لاہور)

افسوس ہے کہ مراہبت کا آخری عدالتی حربہ بھی ان کی حاجت براری نہ کر سکا۔ اور وہ ناکام و نامراد رہ گئے۔

برکت آزاد کی قوم نے ریاست پونچھ کی دیوانی عدالت میں بدیں غرض استقرار یہ دعوے دائر کر رکھا تھا کہ اسے قریشی قرار دیا جائے۔ لیکن شومئی قسمت ہے کہ ان کا یہ دعوے جو آخری حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ ۲۳ر اگست کو خارج کر دیا گیا۔ آخر حق بروئے کار آکے رہا۔ تفصیلی حالات کا انتظار ہے انشاء اللہ تعالیٰ نقل فیصلہ متعلقہ کوائف آئندہ اشاعت میں درج کئے جاویں گے۔

ہمارے دیرینہ کرم فرما ڈاکٹر محبوب عالم صاحب لدھیانوی نے طویل معنی خیز خاموشی کے بعد ایک گرامی نامہ اور ایک نظم ارسال فرمائی ہے۔ جن کیلئے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے سکوت کے عہد کی میعاد پوری ہو چکی ہو گی۔ اور آئندہ آپ تاریخ اسلام کے اولین عہد کی تاریخ کے اوراق پر ایک نگاہ غائر ڈال کر اس بات کے تجسس کی سعی کریں گے کہ مصلحین وقائدین کے اعزا و اقارب اصلاحی و ارتقائی امور میں ان کا کس قسم کا ساتھ دیتے آئے ہیں۔ اور مخالفت کی سنت جاریہ کب سے ہے۔ اور کس مصلح و ریفارمر نے اعزا کی بے اعتنائی سے مایوس ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل سے دست کشی اختیار کی؟ اگر نہیں تو آپ کس اصول کی پابندی میں خون جگر پیتے رہے۔ باقی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ پھر عرض ہو گا۔

بعض اہم اور ضروری مراسلات عدم گنجائش کی وجہ سے اس اشاعت میں شائع نہیں ہو سکے جس کا ہمیں افسوس ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سب کے سب درج کر دیئے جائیں گے۔ احباب معاف فرمائیں

جن حضرات کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی صاحب کسی وجہ سے اپنے قومی جریدہ کی اعانت جاری نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دیں۔ خاموش رہنا اور بروقت وصولی سے انکار کر دینا نہایت معیوب اور رنجدہ فعل ہے۔ اپنے تین پیسے کیلئے قومی رسالہ کا چار آنہ کا نقصان کر دینا بہت بری حرکت ہے۔ بعض احباب کے غلط طریق عمل سے مجبور ہو کر یہ سطور سپرد قلم کرنے کیلئے ہم مجبور ہوئے۔ احباب توجہ فرمائیں۔

زکوٰۃ یا اسلامی خیرات و صدقات

اسلام پاک نے زکوٰۃ کا ایک مصرف والغارمین قرار دیا ہے۔ یعنی مسلمانوں میں جو لوگ قرضدار ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں۔ کہ ایک طرف بار گران کی کمر توڑے ڈالتا ہے اور دوسری طرف نفقہ ضروریہ کا فکر تنگ کرتا ہو۔ تو ایسے مقروضوں کی مالی مدد کرنا بھی اسلامی زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہے۔ اس حد تک کہ مقروض بار قرض سے سبکدوش ہو کر نفقہ ضروریہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔ للغارمین سے وہ قرضدار مراد نہیں ہیں۔ جنہوں نے قرض کی مصیبت خود اپنے ہاتھوں مول لی ہے۔ اور عیش و عشرت۔ نام و نمود اور فضول رسم میں روپیہ اڑا کر قرضدار ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر کوئی ناگہانی مصیبت پڑی ہو یا کسی وجہ سے نفقہ ضروریہ کمانے سے معذور ہو گئے ہوں۔ شلاً کوئی عضو بیکار ہو گیا۔ مال چوری گیا۔ تجارت میں دوالہ نکل گیا۔ کوئی تاوان بھرنا پڑا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ للغارمین میں صرف ایسی ہی قرضداروں کی امداد کا حکم ہے۔ کیونکہ ایک اسلام کا سچا پیرو جو اسراف و تبذیر کو فعل شیطانی جان کر ان سے کوسوں بھاگتا ہے۔ کبھی قرض کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے مبذرین کو اخوان الشیاطین فرمایا ہے۔ اور جا بجا کفائت شعاری و مآل اندیشی سے زندگی بسر کرنے اور سوچ سمجھ کر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ عیش و عشرت نام و نمود اور لغو رسومات میں روپیہ اڑانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ بیکاری۔ کاہلی اور دنیا ترک کر کے گھر میں بیٹھ جانے کی مذمت کی ہے۔ ان احکام کی موجودگی میں جو لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ محنت و مشقت نہیں کرتے۔ مآل اندیشی کو بالائے طاق رکھ کر اندھا دھند روپیہ اڑاتے ہیں۔ چادر دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلاتے آمدنی سے چوگنا خرچ کرتے ہیں۔ منہیات شرعیہ میں اپنی گاڑھی کمائی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ اگر قرضدار ہوتے ہیں تو اپنے کرتوتوں کے خمیازہ میں اس لئے انہیں اسلامی زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسلامی زکوٰۃ کے مستحق صرف وہ مصیبت زدہ مقروض ہیں۔ جو نفقہ ضروریہ حاصل کرنے سے معذور و لاچار ہیں۔ جو محنت و مشقت کر کے کماتے ہیں۔ مگر کنبہ کی پرورش نہیں کر سکتے۔ یا جو غریب کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہو کر قرضدار ہو گئے ہیں۔ تو ایسے حالات میں بربنائے فقر و مسکنت قوم پر ان کی مدد کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ ایسے قرضداروں کا نہ صرف قرض ہی ادا کریں بلکہ ایسے وسائل بہم پہنچائیں کہ وہ نفقہ ضروریہ بسہولت پیدا کر سکیں۔ اور آئندہ قرض کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ اگر قرض مسلمانوں کا ہے اور وہ معاف کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو معاف کر دیں کہ اس کا اجر ان کو خدا تعالیٰ کے یہاں ملیگا۔ اور اگر اتنی حیثیت نہیں رکھتے یا معاف نہیں کرتے تو مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ مال زکوٰۃ میں سے ایسے لوگوں کی امداد کریں۔ تاکہ ان کو قرض کی مصیبت و ذلت سے نجات ملے۔ اور قرضخواہوں کو عدم وصول قرضہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح

سے زکوٰۃ قوم کے دونوں نقصانوں کو مٹا دے گی۔ اور چند اشخاص کے قرضہ کا بار قوم پر بٹ جانے کی وجہ سے کسی کو معلوم تک نہ ہوگا۔ مگر آجکل عام طور پر مسلمانوں کے قرضدار ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے۔ کہ وہ کسب معیشت سے معذور ہیں۔ اور ان کی کمائی ان کے کنبہ کی پرورش کیلئے ناکافی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ یہ وجہ ہے۔ کہ وہ مال کی قدر نہیں کرتے۔ مسرف و فضول خرچ ہیں۔ عیش و عشرت نام و نمود۔ عیاشی۔ شرابخوری۔ مذموم مراسم تن پروری پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ اور مرغ بازی وغیرہ میں روپیہ ضائع کرتے ہیں۔ عاقبت بینی اور مآل اندیشی سے کام نہیں لیتے۔ دوسروں کی روٹیوں پر گذارہ کرتے ہیں۔ خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ ایک کماتا ہے۔ دس کھانے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح دن بدن قرض کے بوجھ میں دبتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مقروض مسلمان ہرگز مد زکوٰۃ سے حصہ پانے کا حق نہیں رکھتے۔ کیونکہ زکوٰۃ انسانوں کیلئے ہے۔ اور وہ انسانیت سے گذر کر شیطنت کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

بیشک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ البتہ اگر یہ لوگ فضول خرچی کی تباہ کن عادت کو ترک کر دیں محنت و مشقت کر کے روزی کمانے لگیں۔ اور اس پر بھی اپنے کثیر کنبہ کی پرورش نہ کر سکیں۔ تب البتہ وہ عام مسلمانوں کے مال سے متمتع ہونے کے مستحق ہو سکیں گے۔ اور اس استحقاق کے ثابت کرنے کے بعد مد زکوٰۃ سے اپنا حصہ پا سکیں گے۔ ورنہ نہیں۔

جو لوگ قرضدار ہونے سے قبل خوب کماتے تھے۔ جن کا کاروبار عمدہ طور پر چل رہا تھا۔ ان کی آمدنی نہ صرف ان کی ضرورتوں کیلئے کافی تھی۔ بلکہ وہ اس کی وجہ سے متمول کہے جاتے تھے۔ اور زکوٰۃ و خیرات سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کرتے تھے۔ یکایک ان کا دوالہ نکل گیا یا کسی معاملہ میں ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ اسقدر مقروض ہو گئے۔ کہ کسی طرح اپنے قرضہ کو نہیں ادا کر سکتے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا بھی قوم کا فرض ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے تمول کے زمانہ میں اپنے نادار بھائیوں کی امداد کرتے تھے۔ تو اب کہ وہ مقروض و محتاج ہیں۔ متمول مسلمانوں کی زکوٰۃ سے مدد حاصل کرنے کا بہت کچھ استحقاق رکھتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو لوگ نہ پہلے دولتمند تھے اور نہ مسکین بلکہ باوجود خرچ کرنے میں محتاط ہونے کے اپنی آمدنی سے کچھ پس انداز نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اب کاروبار کے بند یا اس میں نقصان ہو جانے کی وجہ سے قرضدار ہو گئے ہیں۔ اور محنت و مشقت اور سعی و کوشش سے اتنا بھی نہیں کما سکتے۔ جو نفقہ ضروریہ کیلئے کافی ہو۔ ایسے مقروض بھی مسکین و فقیر کے حکم میں داخل ہیں۔ اور انہیں اسباب سے جو فقراء و مساکین کے حق میں بیان ہو چکے ہیں۔ مد زکوٰۃ سے مستحق امداد ہیں۔ اور صلاح قوم و ملت بھی اسی میں ہے۔ کہ ان کی مدد کی جائے۔ اور اس ننگ و عار کو روکا جائے۔ جو ان کی بدولت قوم و ملت کو لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ افراد ہی کی عزت سے قوم و ملک کی عزت ہے۔ اور افراد ہی کا ننگ و عار قوم و ملت کے ننگ و عار کا موجب ہے۔

زکوٰۃ کا یہ پانچواں مصرف بھی تقریباً ہم مسلمانوں سے بالکل چھوٹ گیا ہے۔ تارکان زکوٰۃ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ دیتے اور اس دینی فرض کو خندہ پیشانی سے بجا لاتے ہیں۔ افسوس کہ وہ بھی اس ضروری اور اہم مصرف کا خیال نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تجارت کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ وہ دیوالہ نکلنے کے اندیشہ سے بڑی بڑی تجارتوں میں سرمایہ لگاتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ کہیں تھوڑی بہت پونجی بھی ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ اور مقروض و محتاج ہو کر زندگی نہ گذارنی پڑے۔ چنانچہ کئی عالی حوصلہ مسلمان اسوقت ایسے موجود ہیں۔ جن کا لاکھوں روپے کا کاروبار چل رہا تھا۔ جن کی ذات سے ہزاروں مساکین و فقراء کی پرورش ہو رہی تھی۔ مگر وہ آج نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اور حکومت کی طرف سے دیوالیہ نہ قرار دیئے جاتے تو قرضخواہوں کی زیادتی سے کبھی کے خودکشی کر چکے ہوتے مگر کسی خدا ترس متمول مسلمان کو ان کے حال پر رحم نہیں آتا۔ کہ وہ ان کا قرض ادا کرنا تو درکنار ان کے لئے اسباب معیشت ہی انکی حیثیت و ضرورت کے لائق فراہم کر دے اگر آج زکوٰۃ باقاعدہ طور پر بیت المال میں جمع ہوتی اور اس کے تمام مصارف کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تو ایسے افسوسناک واقعات کیوں پیش آتے۔ مگر مسلمان ہیں کہ ان کو اسکا احساس تک نہیں۔ کہ زکوٰۃ کن مصالح قومی و ملی کو مدنظر رکھکر ان پر فرض کی گئی تھی۔ ایک طرف تو زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی غفلت و لاپرواہی اور اس کے حقیقی مصارف سے بے خبری اور دوسری طرف غیر مستحق خیرات لینے والوں اور مفت کے مال پر بے رحمی کا ہاتھ دراز کرنے والوں کی زیادتی۔ انہی دو مفسدوں نے زکوٰۃ و صدقات کے حقیقی فوائد و مصالح کو معدوم و مفقود کر رکھا ہے۔ اور قوم کی اقتصادی حالت روز بروز نہائت نازک اور خطرناک ہوتی جاتی ہے۔ اگر زکوٰۃ دینے والے اس کے صحیح مصارف سے واقف ہو جائیں۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات جم جائے۔ کہ جو زکوٰۃ غیر مستحقین کو دی جاتی ہے۔ اس کا ادا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور دوسری طرف غیر مستحق مفت خور زکوٰۃ کا مال قبول کرنے میں شرم و ندامت محسوس کرنے لگیں۔ تو بہت جلد ہماری قوم کی مالی حالت سدھر سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کے مسلمانوں پر فرض کرنے میں جو فوائد و مصالح مدنظر رکھے گئے تھے۔ وہ سب نہائت آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

جب تک مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکتا رہا۔ اس وقت تک وہ اپنے دینی فرائض کو بھی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ اور افراط و تفریط سے بچکر خدا اور رسول کے احکام پر خلوص نیت سے عمل کرتے رہے۔ نہ ان میں آجکل کے خوش عقیدہ اور متواضع لوگوں کی سی فیاضی تھی۔ کہ جو سائل ان کے دروازہ پر آیا۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا فی الواقع وہ مستحق بھی ہے یا نہیں۔ فوراً ہی اس کے سوال کو پورا کر دیا۔ اور نہ ایسی خست تھی کہ ہر غریب و مستحق شخص کے فقر و مسکنت کو خواہ مخواہ اس کی نالائقی پر محمول کر کے اس کی امداد و اعانت سے گریز کیا۔ جیسا کہ آجکل بعض مہذب اقوام کا شیوہ و وطیرہ ہے۔ الغرض وہ اپنے ہر ایک کام میں مسلک اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے اور اسی وجہ سے اسلامی برکات سے پورے طور پر مستفید

ہوتے تھے۔

حیف ہے ہم مسلمانوں پر کہ ہم زکوٰۃ جیسے مہتم بالشان اور پرمنفعت فرض سے بھی قومی ترقی میں مدد نہیں لیتے اور ایسے بیش بہا جوہر کو بری طرح برباد کر رہے ہیں۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلوائیں۔ اور اسلام کی حقیقی تعلیم سے محض ناآشنا و بےخبر رہیں۔ اور دوسروں کو طعنہ زنی کا موقع دیں۔

مسلمانو! خدارا ہوش میں آؤ۔ دیکھو یورپ و امریکہ کی متمدن عیسائی قومیں، تمہارے ہی خرمن مذہب سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ تمہاری ہی شریعت کے انجنیئر کی مدد سے قومی ترقی کی سڑکیں بنا رہی ہیں۔ تمہارے ہی دینی اصول پر عامل ہو کر اپنا امتیاز و اعتبار قائم کر رہی ہیں۔ مگر تم خواب غفلت میں ایسے مدہوش ہو۔ کہ ان حقائق کا احساس ہونا تو درکنار رالٹا اپنے اسلام کو بدنام کرتے ہو۔ کہ وہ دنیاوی اور تمدنی ترقی کا منافی ہے۔ کاش تم زکوٰۃ کے اس پانچویں مصرف **للغارمین** پر ہی غور کرو۔ اور یورپ کے خیراتی دستور العمل کا اس حکیمانہ اسلامی اصول سے موازنہ نہ کرو۔ تمہیں ظاہر ہو جائیگا۔ کہ ترقی یافتہ یورپ۔ مہذب یورپ۔ متمدن یورپ نے اپنی خیرات و صدقات کے مصارف کی فہرست اسلامی تعلیم ہی کو سامنے رکھ کر بنائی ہے۔ چنانچہ روزمرہ خبریں سننے میں آرہی ہیں۔ کہ فلاں ساہوکار کا دیوالہ نکل گیا۔ اسکی امداد و اعانت کیلئے چندہ ہو رہا ہے۔ ہم پیشہ اور دولتمند دریادلی سے کام لے رہے ہیں۔ فلاں کمپنی بیٹھ گئی۔ حصہ داروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ مگر اہل ہمت پھر بھی در پے تدارک ہیں۔ اتنی رقم جمع ہوگئی ہے۔ اور ہوتی جاتی ہے۔ اگر پورے خسارے کی رقم جمع نہ ہو سکی۔ تب بھی بہت کچھ ہو جائے گی۔ اور کمپنی اپنے کاروبار کو چلانے کے قابل بن جائے گی۔

اس قسم کی امداد میں کون حصہ لیتے ہیں؟ وہی جو دولتمند ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ وہ بھی دولتمندوں کا ایک مقررہ سالانہ چندہ ہے۔ جو بطریق حفظ ماتقدم اچانک پیش آجانے والی اور ناگزیر حاجتوں کے لئے جمع اور مصارف ضروریہ مفیدہ میں خرچ ہوتا ہے متمدن یورپ نے علم و حقائق شناسی کی بدولت جان لیا۔ کہ قوم کے جو افراد پراگندہ حال ہوں۔ یا بدحال ہو جائیں ان کی امداد کا کیا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ مدد کرتا ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ فارغ البال ہے۔ اور اس کے کاروبار کا دروازہ وسیع ہے۔ فقر و فلاکت کا نسبتاً کم اثر ہوتا ہے۔ اور تقریباً قوم مساوی الحال پائی جاتی ہے۔ ہم مسلمان اپنی بدنصیبی سے جہالت کی بدولت قرآن مجید کے اس حکم مؤکد کو بھی بھول گئے ہیں۔ اور مقروضوں کی امداد کو اپنا فرض ہی نہیں سمجھتے۔ اسی لئے قوم میں فلاکت کا سکہ جما ہوا ہے۔ ایک طرف دولتمندوں کے آہنی صندوقوں میں زر و سیم مقفل ہے۔ اور دوسری طرف مسکنت اور دفعتہً پیش آجانے والی آفتوں اور خساروں کے مارے ہوئے لوگ اسفل السافلین میں گرتے۔ اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس خصوص میں ہم ہندوؤں سے بھی بہت گرے ہوئے ہیں۔ نہ ہم میں اپنے مقروض بھائیوں کو معاف کرنے کی ہمت ہے۔

اور نہ زکوٰۃ سے ان کو بارِ قرض سے سبکدوش کرنے کی صلاحیت۔ برخلاف اس کے ہندو فراخ حوصلگی اور ہمت و حکمت سے کام لیتے ہیں۔ جہاں ان کی قوم میں سے کسی کا دیوالہ نکلا۔ قرضخواہوں نے قرض چھوڑ دیا۔ اوروں نے دیوالیہ کی دستگیری کی۔ اور قابل کاروبار بنا دیا۔ وہ نہیں تو اس کے بیٹے اس کے بھائی بھتیجے پھر اسی کام کو لے بیٹھے۔ اور چند ہی روز میں خود دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہو گئے۔ اگر کوئی فقر و مسکنت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کی مدد کرتے ہیں۔ اسی مدد میں قوم کی فلاح و تمول کا راز چھپا ہے۔ کیونکہ جو زر افراد قوم کی بھلائیوں میں متمول خرچ کرتے ہیں۔ وہ ضائع نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اسکا دوچند قوم میں آجاتا ہے۔ اور پھر پھرا کر خیرات سے زیادہ مخیّروں کو مل جاتا ہے۔

اسی ہندوستان کو دیکھو۔ ہم مسلمان مسلمانوں کی مالی بدحالی کو روتے رہتے ہیں۔ اور ہندوؤں کی قومی آسودگی پر رشک کھاتے ہیں۔ مگر ہم کیوں تباہ ہیں؟ اول اسراف سے اور دوسرے اس لئے کہ متمول ادنےٰ طبقہ کی جو کاروباری ہو سکتا ہے دستگیری نہیں کرتے اور خود کاموں سے کنارہ کرتے ہیں۔ اس طرح پر جو لوگ کاروبار اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور روز بروز قومی فلاکت بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اول تو ہندوؤں میں اسراف نہیں۔ اور پھر متمول خود کاروبار میں مصروف رہنے کے لئے کاروبار کی اہلیت رکھنے والوں کی امداد کرتے ہیں۔ یوں ان کی دولت دن دونی رات چوگنی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور ہم ہر طرح سے رہی سہی کو بھی کھوتے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ سے قرضداروں کی مدد کرنا۔ بشرطیکہ وہ مسرف نہ ہوں۔ اسکا بہترین علاج ہے۔ ایک طرف قومی تمول کے بڑھنے کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری طرف افراد قوم میں یک حالی کا موجب ہوتا ہے۔ جس سے قوم کے تمول و فلاکت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

انما الصدقات . . . . للغارمین

کے مفہوم کو دیکھیے۔ کہ کسقدر وسیع ہے۔ اور کس عمدہ طریقہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حد نہیں بتائی کہ قرضداروں کی کہاں تک مدد کرو۔ اور زکوٰۃ میں سے کتنا حصہ دو۔ یہ تعمیم و اطلاق اسی غرض سے ہے۔ کہ جتنی ضرورت ہو اور جہاں تک مدد کرنا قوم کی طاقت میں ہو اور جہاں تک اس کے فوائد قوم کی طرف رجوع کرنے والے ہوں زکوٰۃ سے مدد کر دو۔

اب ذرا غور سے سوچو کہ غارمین کی اعانت تمدن و فلاح قوم کے لئے کہاں تک ضروری و مفید ہے۔ اور کیونکر قومی طاقت اور اس کے تمدن کی حفاظت کرتی ہے۔ قرآن تو ہم کو خوشحالی و فراغ البالی کی بہتر سے بہتر تدبیر بتاتا ہے۔ لیکن ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی ہو ٭

قلمی معاونین مضامین ایسے صاف اور خوشخط لکھا کریں جن کے پڑھنے اور نقل کرنے میں دقت نہ ہو۔ ہمیں صاف کرنے میں اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کرنا پڑتا ہے۔ "ایڈیٹر"

مراسلت :-

ارمغانِ تشکر و امتنان

ذیل میں اس عظیم الشان مہم کا نتیجہ درج کیا جاتا ہے جو برادران قریش کی تگ و دو کے بعد حق بحقدار رسید کے متعلق چوہدری سلطان محمد صاحب سب جج بہادر امرتسر کے قلم سے صادر ہوا۔ دعوٰی میں سب سے ضروری چیز یہ تھی کہ "قاضی کوئی قوم نہیں"۔ چنانچہ فاضل جج کے یہ الفاظ " مدعی کے تحریری اور تقریری ثبوت میرے دل میں کوئی شک باقی نہیں رکھتے۔ کہ قاضی کوئی قوم نہیں بلکہ ایک عہدہ ہے"۔ فاضل جج نے قاضی کی تاریخی حیثیت پر بھی ایک مختصر سا تبصرہ کیا ہے۔ جو قارئین فیصلہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک طویل بحث کے بعد صاحب موصوف کے آخری الفاظ " نتیجہ " میں مدعی کو ڈگری دیکر اسکی قومیت قریشی قرار دیتا ہوں "۔ تمام فیصلہ کا نچوڑ ہے۔

موجودہ زمانہ میں اپنے حقوق کے مطالبہ میں کامیابی کوئی آسان کام نہیں۔ اور وہ بھی ایسے حالات میں جبکہ مخالف قوتیں اپنی پوری وسعت اور قوت و طاقت کے ساتھ حصول حقوق کی راہ میں حائل ہوں۔ کتنے ہی صحیح النسب بزرگان قریش ہونگے جو ان مشکلات اور تکالیف سے خوف کھاتے ہوئے علی الاعلان اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے میدان میں نہیں آئے۔ بلکہ خون جگر پینے کیلئے مجبور ہونگے۔

قبلہ والد صاحب کا شمار بجا طور پر ایسے اشخاص میں ہے جو عدالت کا نام سنکر کانپ کر رہ جائیں۔ انکی طبیعت کی کمزوری کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ دو چار دس میل سفر کرنے سے بھی گریز کرتے تھے امرتسر کی سرزمین میں انہوں نے گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں ایک بار بھی قدم نہیں رکھا تھا۔ حالانکہ مدراس اور امرتسر میں صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہے۔ یہ بیس پچیس میل بھی ان کیلئے ایک طویل مسافت سے کم نہ تھے۔ مگر خدا نے جو کام کسی سے کروانا ہوتا ہے بہرصورت وہ اسی سے انجام پاتا ہے۔ آج یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ مہم انہوں نے طویل تگ و دو کے بعد سر کی۔ وہی امرتسر اور وہی مدراس ایک کر دیا گیا۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں سے

این سعادت بزور بازو نیست ✦ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سطور لکھنے کا حقیقی مقصد یہ ہے۔ کہ میں ان تمام بزرگان کی خدمت اقدس میں ارمغان تشکر و امتنان پیش کروں جنہوں نے اس عظیم الشان مہم کو فتح کرنے کے دوران میں تا بحد امکان ہماری اعانت فرمائی۔ سب سے پہلے محترمی قبلہ رونق صاحب ہیں جنکی ذات گوناگوں محاسن کے سبب برادران قریش کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ برادر مکرم ڈاکٹر نذیر حسین صاحب کی اولوالعزمی اور استقلال تو ضرب المثل بن چکی ہے۔ ع آفریں باد بریں ہمت مردانہ

برادران محترم محمود، خورشید اور بشیر نے تو ہمیں مرہون منت بنا لیا ہے۔ زبان قلم بجا طور پر ان کے متعلق اپنی فرائض ادا نہیں کر سکتی۔ خاموشی از ثنائے او حد ثنائے اوست۔

ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ جو دوران مقدمہ میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اور جنکی دعاؤں کے طفیل خدا نے ہمیں کامران و شادکام بنایا۔

جریدہ "القریش" میں مقدمہ کے متعلق مختصر کوائف شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن کیلئے محترم رونق صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

ایران جدید

ترجمہ از ——— راجہ فاروق علی خاں

گزشتہ تھوڑے سے عرصہ میں ایران نے موجودہ تاجدار کی بدولت جو حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ لگانے کیلئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ جنگ عظیم سے پہلے ایران کی کیا حالت تھی۔ اور اس وقت ایک سیاسی حیثیت سے ایران کا شمار کن ملکوں میں ہوتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں انگریزوں اور روسیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کے مطابق ایران کا شمالی حصہ جس میں بڑے بڑے شہر اور زرخیز ترین حصے شامل تھے برطانیہ کے قبضے میں تھا۔ خوزستان اور ایرانی کردستان وغیرہ پر مختلف سرداروں کی حکومت تھی۔ جو حکومت کے اثر و اقتدار سے بے نیاز تھے۔ ڈاک۔ تار۔ بنک۔ محصول وغیرہ کے محکموں کے اہم ترین عہدوں پر غیر ملکی حکام متعین تھے۔

ملک کے بیشتر حصہ میں آمد و رفت گھوڑوں یا خچروں کے ذریعہ ہوتی تھی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا تھا۔ کہ قافلوں کو اکثر ڈاکو لوٹ لیا کرتے تھے۔ مگر افواج کی نقل و حرکت کے لئے بعض صوبوں میں انگریزوں اور روسیوں نے سڑکیں بنا رکھی تھیں۔ ایران کی وہ سلطنت جو کسی زمانہ میں مغرب کی طرف یونان اور مصر اور مشرق کی طرف سمرقند اور پامیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جس کی حکومت کا نشان چاندی کا شیر اور سونے کا سورج تھا۔ اب نزع کی حالت میں سسکیاں لے رہی تھی۔ ملک میں کوئی انتظام نہ تھا۔ باشندوں کو ڈاکوؤں نے تنگ کر رکھا تھا۔ اور بیرونی سلطنتیں ملک کے مظلوم اور مفلس باشندوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھیں۔

روس و برطانیہ کی رقابت

رضا شاہ پہلوی کے ظہور سے پہلے ملک کی حالت کا مختصر سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اسے اگر آپ اس سے کریں ۱۹۱۹ء میں سابق بادشاہ احمد علی شاہ انگریزوں سے ایسا معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ جس کی شرائط ایران کو جلد ہی ہمیشہ کیلئے انگریزوں کے حوالہ کر دیتیں۔ جب روس نے دیکھا کہ ایران میں انگریزوں کے قدم جمنے والے ہیں۔ تو ۱۹۲۰ء میں روسی افواج نے شمالی صوبوں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ایران اور روسی سرحد کے درمیان رضا شاہ نفضوان پر حکمران تھے۔ جب رضا شاہ نے یہ دیکھا۔ کہ ملک نہائت سرعت کے ساتھ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ تو ایسے جذبہ کے ساتھ جو آج سے چار سو سال پہلے کے مسلمانوں ہی میں موجزن تھا۔ وہ چند سپاہیوں کی معیت میں طہران کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس تھوڑی سی فوج کا چونکہ خدا مددگار تھا۔ اس لئے اسے طاقتور دشمن کے مقابلہ میں بھی فتح ہوئی۔ اور فروری ۱۹۲۱ء میں رضا شاہ نے

طہران پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کی خوش قسمتی

ایرانیوں کو خوش قسمت کہنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے جلد ہی رضا شاہ پہلوی کی جلیل القدر شخصیت کو پہچان لیا۔ آپ افواج کے کمانڈر انچیف بنا دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ وزیر جنگ کے عہدہ پر مامور رہے۔ اور وزیر اعظم بنے ہوئے ابھی آپ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ء کو آپ کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا۔

دَور ارتقاء

۱۹۲۵ء کے بعد تاریخ ایران کا ہر باب ایک مسلسل اور عظیم الشان ترقی کا حامل ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے ایک پسماندہ قوم کو جو دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہو چکی تھی۔ اب ایک ایسی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ جو صرف غیور اقوام کے لئے مخصوص ہے۔ اور جس کی طاقت کا لوہا ہر کوئی مانتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی کے دور میں ملک نے ہر پہلو سے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے ایران کو دور حاضر کی اعلیٰ ترین سلطنتوں میں شمار ہونے کے قابل بنا دیا ہے۔ ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ کہ ملک میں وفاقی نظام قائم تھا۔ اور ملک کے مختلف صوبوں میں سردار اپنی اپنی بین بجا رہے تھے

وفاقی نظام اور امتیازات خصوصی کا خاتمہ

جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ایران کی وسیع سلطنت مختلف سرداروں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور مختلف صوبوں کے ان حکمرانوں پر مرکزی حکومت کا کوئی اثر نہ تھا۔ بلکہ اس کے برعکس غیر ملکی طاقتیں مرکزی حکومت کے خلاف ان سرداروں کی پیٹھ ٹھونکتی تھیں لیکن یہ سب کچھ اس لئے تھا۔ کہ ان سرداروں کو نیچا دکھانے کیلئے حکومت کے پاس فوج تک نہ تھی۔ رضا شاہ پہلوی نے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی اپنے فرائض میں سب سے پہلے یہ بات شامل کی۔ فوج کی تنظیم اور نئی بھرتی کیلئے فوری احکام جاری کر دیئے۔ تاکہ ملک میں وفاقی نظام کا خاتمہ کیا جا سکے۔ جب حکومت کے پاس خاطر خواہ فوج ہو گئی۔ تو اعلیٰ حضرت نے سرداروں سے اسلحہ چھیننا شروع کر دیا۔ فوج کی مدد سے آہستہ آہستہ ان باغی سرداروں کی طاقت بالکل کم کر دی گئی۔ اور آخرکار ایران کے طول و عرض میں مرکزی حکومت کا کلیتہً اقتدار قائم ہو گیا۔

جب ایران کو باہمی طور پر قومی حیثیت حاصل ہو گئی تو اعلیحضرت نے ان امتیازات خصوصی کو ایک قلم منسوخ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جو روس اور دیگر ممالک کی طرف سے ایرانیوں کو عطا کئے گئے تھے۔ ملاؤں کے ہاتھ سے محکمہ عدل کی باگ ڈور چھین لی گئی۔ اور محکمہ عدل مشہور قانون دانوں کے زیر اہتمام قرار دیا گیا۔ اور تبدیلیاں کر دی گئیں۔ کہ تمام اقوام فوری امتیازات خصوصی سے دستبردار ہو گئیں۔ آج ہر ایک غیر ملکی کا مقدمہ خواہ وہ انگریز ہو یا فرانسیسی یا روسی ایرانی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ اعلیٰ خاندانوں کے ایرانی نوجوان فرانس اور یورپ کے دیگر ممالک میں اسوقت قانونی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ملک بھر میں عدالتیں قائم کر دی گئی ہیں اور طہران کے مدرسہ حقوق نے کئی ایسے لائق جج پیدا

کئے ہیں۔ جن کی قابلیت کا ڈنکا ایران میں بج رہا ہے محکمہ عدل پر ججوں کی ایک اور مجلس حکمران ہے۔ جس کے ذمہ یہ کام سپرد ہے۔ کہ وہ محکمہ عدل کے ان حکام کو قرار واقعی سزا دے۔ جو رشوت لیں یا اس قسم کی اور خلاف قانون حرکات کے مرتکب ہوں۔

اقتصادی آزادی

ملکی آزادی کے علاوہ ایران اقتصادی طور پر بھی آزاد ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مقصد ہے۔ کہ ایران تجارتی لحاظ سے کسی غیر ملک کا محتاج نہ رہے۔ چنانچہ ملک میں قومی تجارتی مجالس قائم کی جا چکی ہیں۔ جو ملکی ضروریات کیلئے کم و بیش ہر چیز مہیا کر دیتی ہیں۔ دول عالم کو یورپ کی جنگ عظیم نے سبق دے دیا ہے۔ کہ وہ ملک کبھی صحیح طور پر ترقی نہیں کر سکتا۔ جو اپنے لئے چھوٹی ضروریات کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے نہ سکتا ہو۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کی بیشتر سلطنتیں شاہ راہ ترقی پر گامزن ہیں۔ اور ایران کا تاجدار بھی اسی راستہ سے منزل مقصود کو پہنچ رہا ہے۔

مالی ترقی

زمانہ ماضی کی نسبت ایران کی مالی حالت اسوقت بہت اچھی ہے نیشنل بنک اور دیگر مالی مجالس نے مالی لحاظ سے ایران کو کئی ممالک سے بہتر بنا دیا ہے۔ اعلحضرت ممالک غیر سے قرضہ لیتے ہوئے بہت گھبراتے ہیں۔ اسلئے ملک کے تمام اخراجات اس روپے سے پورے کئے جاتے ہیں۔ جو بطور لگان فراہم کیا جاتا ہے۔

تعلیمی ترقی

ایران نے تعلیمی لحاظ سے حیرت انگیز ترقی کی ہے اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے دور سے پہلے ملک میں صرف چھ سو مدارس بری بھلی طرح قائم تھے۔ لیکن اس وقت مدارس کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے۔ جن میں مغربی طرز طریق پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ایرانی طلبہ ہر سال ممالک غیر میں بھیجے جاتے ہیں۔ سکاؤٹوں کی تحریک نہایت اعلیٰ طریق پر جاری ہے۔ حکومت کے مدارس کا ہر طالب علم سکاؤٹ ہے۔ اور اسے پوری فوجی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح ملک کا ہر نوجوان اعلیٰ درجے کا سپاہی بن کر نکلتا ہے۔

حفظان صحت

حفظان صحت کا محکمہ ملک کی بیش بہا خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ایران کے شہر جن کا انتظام بلدیات کے ماتحت ہوتا ہے نہایت صاف ستھرے ہیں ملک بھر میں سیدھی اور چوڑی سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ اور ہر شہر کے باغات اور تفریح گاہیں ملک کے اعلےٰ نظام کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔

"ایران ایرانیوں کیلئے ہے"

آج "ایران ایرانیوں کے لئے ہے" شاہان قاچار نے اپنے ملک کے اقتصادی اور ملی حقوق صرف اپنے عیش و عشرت کیلئے غیر ملکیوں کے حوالہ کر دیئے تھے یہاں تک کہ نوٹ جاری کرنے کا کام اور سکہ سازی کے فرائض بھی امپیریل بنک کے سپرد تھے۔ محکمہ تلغراف بھی غیر ملکیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے گفت و شنید

کے بعد امپیریل بنک سے یہ حقوق چھین کر ایران میں بنک ملی (نیشنل بنک) کا اجرا فرمایا۔ ملک بھر میں اسکی شاخیں قائم کی گئیں۔ اور اب حکومت نوٹ اور روپے خود جاری کرتی ہے۔

عمومی عروج

محکمۂ تلغراف کا انتظام ایک ملکی وزیر کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ایران کو مدت سے ریلوں کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن جب کبھی اس کام کی طرف توجہ دی جاتی۔ غیر ملکیوں کی رکاوٹیں کچھ پیش نہ چلنے دیتیں۔ حالانکہ ملک کی اقتصادی بدحالی کو دور کرنے ملکی تجارت کو فروغ دینے اور غیر ملکی اشیاء کو ملک میں تقسیم کرنے کا واحد طریق یہی تھا کہ

رسل و رسائل

ایران میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ریل گاڑیاں چلتیں۔ لیکن انگلستان اور روس کو تاجدار ایران کی ہر تجویز ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اور ایران اکیلا اتنے بڑے مزاحمات کا بار نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں پرزور کوششوں کے بعد اعلیٰ حضرت ایک جرمن اور امریکی کمپنی سے معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معاہدہ کی رو سے یہ کمپنی بحیرۂ کسپین سے لیکر پرشین گلف تک ریلوے لائن تعمیر کرے گی۔ یہ لائن بندر شاہ سے شروع ہو کر مازندراں کے زرخیز ترین صوبہ سے گزرتی ہے۔ اور پھر کوہ البرزا میں سے ہوتے ہوئے طہران۔ عراق عجم۔ لرستان۔ خوزستان میں جا داخل ہوگی۔ اور پرشین گلف پر بندر شاہ پور (بندر خرموسیٰ) کے قریب پہنچ کر اس کا سلسلہ ختم کر دیا جائیگا۔ بندر شاہ سے لیکر طہران تک کا ٹکڑا طیار ہو چکا ہے۔ چنانچہ ۱۹ر فروری ۱۹۳۷ء کے دن طہران اور بندر شاہ کے درمیان پہلی گاڑی چلتی نظر آئی۔

صنعت و حرفت

اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کے زیر اہتمام ایران کے صنعتی نظام کو اعلیٰ ترین معیار پر پہنچا دیا گیا ہے۔ یورپ سے کپڑا بننے والی مشینیں منگوائی جا چکی ہیں حکومت ان کارخانوں سے کوئلہ سکہ اور نکل مہیا کرتی ہے۔ توقع ہے کہ مستقبل قریب میں کئی نئے کارخانے جاری ہو جائیں گے۔ عقلمند اور دور اندیش بادشاہ نے اپنے تدبر اور حسن انتظام سے ایک نیا ایران بسا دیا ہے تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے آجکل ایرانی دنیا کسی مہذب ملک سے کم نہیں ہے۔

ملاؤں کو شکست

لوگوں پر اب ملاؤں (اخوند) کا جھوٹا اثر و رسوخ نہیں رہا۔ اور آج وہ اسلام کو دنیا کے سامنے صحیح معنوں میں پیش کر رہے ہیں۔ جب ملک کو دقیانوسی نظام سے نجات ملی۔ تو کئی مصائب کا خاتمہ ہو گیا۔ اور تعلیم کے عملی نصاب نے ملک کی موجودہ نسل کو بام رفعت تک پہنچا دیا ہے۔ صنعت و حرفت کے دقیانوسی طریقے بدل دیئے گئے ہیں۔ اور ان کی بجائے ایسی مشینوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ جو ملک کی تجارت روز بروز بڑھا رہی ہیں۔ جب ایرانی عظیم الشان کارخانوں میں سے کام کر کے نکلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو اس شخص

کی حب الوطنی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جس نے شبانہ روز کی محنت کے بعد ایران کو ایک ادر ہی رنگ میں پیش کر دیا۔

"ایران ڈکٹیٹر"

اگر ایران کی سابقہ اور موجودہ تاریخ کا مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے۔ کہ ایران کیلئے جو کچھ کیا۔ رضا شاہ پہلوی نے کیا۔ جسے درحقیقت ایران کا "ڈکٹیٹر" کہنا چاہیئے۔ اگرچہ ملک میں پارلیمان قائم ہے۔ لیکن اس "ادنٹ" کی نکیل بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ اسے جس طرف لے جانا چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ ایران کی پارلیمان سیاسی مجالس میں منقسم نہیں وزراء کی مدد سے پارلیمان کا تمام کام بادشاہ خود کرتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ اسی وقت تک ہے۔ جب تک ایران پر اعلٰحضرت کا سایہ ہے۔ لیکن اگر ان سطور پر ذرا سوچ سمجھ کر غور کیا جائے۔ تو یہ بات فوراً سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ بادشاہ اس وقت تک ملک میں اتنی زبردست تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ جب تک تمام قوم کو کلیتہً اس سے اتفاق نہ ہو۔ اور اگر بادشاہ اپنی سرگرمیوں میں حصہ لینا چھوڑ دیں تو قائم شدہ نظام کی بنیادیں اتنی پکی ہو چکی ہیں اور ایرانیوں میں اتنی سمجھ آچکی ہے۔ کہ وہ اس نظام کو ہرگز درہم برہم نہ ہونے دیں گے۔ موجودہ اصلاحات ایک زندہ قوم نے متحدہ طور پر کی ہیں۔ پھر بھلا یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ ملک کی ترقی رضا شاہ پہلوی کے بعد رُک جائے۔

اگر ہم ایران کی تاریخ اور اس کے ادب کا بغور مطالعہ کریں۔ تو ہم اس نتیجہ پر باآسانی پہنچ جائیں گے کہ ایران نے مغربی تہذیب سے بہت کچھ سیکھا۔ ایرانیوں کی اس خصوصیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے مختلف اقوام کے تہذیب و تمدن سے بہترین اصول اخذ کئے اور انہیں ایرانی تمدن میں شامل کر کے قابل عمل بنایا۔ عربوں کی فتح کے بعد انہوں نے عربی اور فارسی کو اس طریق سے ملایا۔ کہ موجودہ فارسی ایک اعلیٰ ترین زبان بن گئی۔ اسی طرح فلسفہ کو بھی انہوں نے خوب اچھی طرح سے سمجھا۔ اور ایسے صوفی پیدا کئے کہ دنیائے اسلام آج ان پر جتنا فخر کرے کم ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں انہوں نے مغربی تہذیب کو ایرانی تمدن میں اس طریق سے مدغم کیا ہے۔ کہ ایرانی تہذیب و تمدن آج اسلام کی صحیح طور پر پیش کر رہا ہے جس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ ایرانی کسی بات کی تقلید کرنے سے پہلے اس کے عواقب و نتائج پر اچھی طرح سے غور کر لیتے ہیں۔

مغربی تعلیم نے ایرانیوں میں حب الوطنی اور وطنیت کا "پر جوش جذبہ پیدا کر دیا ہے۔" شاہ نامہ اسلام کو جس میں ایرانیوں کے شاندار زمانہ کا ذکر ہے۔ آج ایرانی اپنی آنکھوں سے لگا رہے ہیں۔ ایران کے اس بہترین دور کی یاد نے ایرانیوں کو مجبور کر دیا ہے۔ کہ وہ ایک دفعہ پھر اسی بلندی پر پہنچ جائیں۔ جہاں کبھی دنیا انہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی۔

ساسانی اور خاندان کی عظمت و وجاہت کا نقارہ آج پھر ایران میں بج رہا ہے۔ ایران کے موجودہ بادشاہ نے بھی "پہلوی" کا لقب انہی دنوں کی یاد تازہ کرنے کیلئے اختیار کیا ہے۔ جب روما سے ایران کی زبردست ٹکریں ہوا کرتی تھیں۔ ایران کے ولی عہد کا نام بھی اسی لئے "شاپور" قرار دیا گیا ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں ایران کے شاہی خاندانوں میں اس نام کو بڑی وقعت دی جاتی تھی ایران کے موجودہ شاعروں نے بھی ایران کو گذرے ہوئے زمانہ کی یاد دلائی ہے۔ عارف۔ بہار۔ عشقی۔ سید اشرف الدین پور داؤد۔ سرور۔ قلزم وغیرہ شاعروں کے کلام میں ایران کے اس دور کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ سید میرزادہ عشقی نے جنہیں بدقسمتی سے ۳ جولائی ۱۹۲۴ء کے دن قتل کر دیا گیا۔ اپنی کتاب "رستخیز" میں ایران کی قدیم تاریخ کو اس عمدہ طریقہ سے پیش کیا ہے کہ ایران کے تمام شاعران کی قابلیت کا لوہا مان گئے ہیں ایران کے دور جدید کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے کہ ایران کے قدیم بادشاہوں کی کو اب پھر ترقی کے لئے بیقرار کر رہی ہے۔

جدید ایران کے نوجوان شاعروں نے دماغ اقتصادی معاشرتی اور سیاسی خیالات سے معمور ہیں۔ اور انہوں نے پردہ کے نقصانات۔ جمہوریت سوشلزم اور کمیونزم کے فوائد پر بہترین آراء کا اظہار کیا ہے۔

ادبیات

دور حاضر کے ایرانی ادیبوں نے مختلف موضوعات پر ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جوان کے اعلیٰ دماغ کے مرہون ہیں۔ اور فلاح ملک کیلئے واقعات کو اس رنگ میں پیش کیا ہے۔ کہ ان کا کلام پڑھ کر یہ ناممکن ہے۔ کہ کسی شخص میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود ایران کے نوجوان شاعر اپنی تشبیہ جانوروں کے ان بچوں سے دیتے ہیں۔ جو ابھی انڈوں ہی میں بند ہوں۔ اور جنہوں نے انہیں چھوڑ کر دنیا کا جائزہ لینے کے باہر آنا ہو۔ ایرانی شاعری نے ایرانیوں میں آزادی کی ایک روح پھونک دی ہے۔ پردہ کی ناجائز پابندیاں آج کہیں نظر نہیں آتیں۔ شرافت اور انسانیت کے ساتھ عورتیں اور مرد بازاروں میں چلتے نظر آتے ہیں۔

ایرانی زبان سے دوسری زبانوں کے الفاظ چُن چُن کر نکال دیئے گئے ہیں۔ فارسی زبان کو ایسی ترتیب دی گئی ہے۔ کہ وہ دور جدید میں استعمال ہونے والی تمام اصلاحوں کی حامل ہے۔

ایران جدید کی بنیاد رکھے ہوئے پورے تیس سال گذر چکے ہیں۔ اور جن اغراض و مقاصد کیساتھ اس بوجھ کو سر پر اٹھایا گیا تھا۔ ان میں بیشتر پورے کرکے دکھائے گئے ہیں۔ اب ایران ایک الٹی چھلانگ لگا کر کیخسرو۔ دارا۔ سیروس۔ حافظ۔ عمر خیام کے زمانہ کی فضا میں جانا چاہتا ہے۔ خدا اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی کوششوں کو کامیاب بنائے

زندہ باد تاجدار ایران

جور و ستم

کیا یہ ظلم ہے۔ کہ اسٹیشن ماسٹر پانچ منٹ کی عدم موجودگی سے سارے دن کی غیر حاضری لگا دیتے ہیں رپورٹ کرکے جرمانہ کروا دیتے یا افسر بالا کو باعث سختی بنا دیتے ہیں۔ لوگوں کا مال آپ تو بغیر ڈکار کے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ لیکن ماتحت اگر ایسا کریں۔ تو حوالہ پولیس کر دیتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ لیکن کیا بات ہے۔ کہ جب اعلیٰ حاکم ان پر ذرا سا عتاب نازل کرتے ہیں۔ تو کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں۔

کیا یہ جور ہے۔ کہ اہل پولیس خود تو رشوت لینے میں نہیں اُکتاتے۔ مگر اگر کسی اپنے غیرے میں یہ معلوم کریں تو فوراً گرفتار کر لیتے ہیں۔ نہیں نہیں بالکل نہیں پھر کیا راز ہے۔ کہ جب اُنپہ وہی بات وہی مقدمہ بنتا ہے تو فرد جرم لگنے سے پیشتر ہی بتیسی پڑ جاتی ہے۔

کیا اس کا نام ستم ہے۔ کہ ممتحن سخت پرچہ دیکر یا سخت نمبر دیکر طلباء کو فیل کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ پشیمان نہیں ہوتے بلکہ فخر کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے لڑکوں کی قابلیت کو نہیں جانچا بلکہ اپنی لیاقت ختم کر دی۔ نہیں صاحب نہیں۔ لیکن کیا راز ہے کہ جب خود امتحان کی خبر سنتے ہیں۔ تو الامان الامان پکار اُٹھتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس اگر وکیل بے گناہ آدمیوں کو قید کروا دیتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر بے پرواہی سے مریضوں کا ستیاناس کر کے زندہ درگور یا لاعلاج بنا دیتے ہیں۔ اگر تار والے ذرا سی کوتاہی سے شرح بدل کر بنیوں کا دیوالہ نکلوا دیتے ہیں۔ اگر ڈرائیور معمولی سی غفلت سے موجب حادثات ہوتے ہیں۔ یا اگر اہل اخبار غلط خبروں سے لوگوں کو بہکا دیتے ہیں۔ تو کیا ظلم کرتے ہیں۔ نہیں اور اصلاً نہیں لیکن کیا معمہ ہے۔ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسا واقع ہوتا ہے۔ جیسا یہ خود کرتے ہیں۔ تو دیوانہ وار پھرتے ہیں۔ اور کرنے والوں پر دندان خشم تیز کرتے ہیں۔

دنیا کو اگر دیکھا جائے۔ تو ایسے افسانے ایسی مثالیں بے شمار ان گنت ہیں۔ اور سب اس کے قائل بھی کہ تمثیلاً جب تک ایک سگنیلر سگنیلر ہوتا ہے۔ وہ اسٹیشن ماسٹر کے جور دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔ مگر جب خود اسٹیشن ماسٹر ہو جاتا ہے۔ تو ستمگری سے نہیں رُکتا۔ یا بالفاظ دیگر جب تک ایک آدمی ماتحت ہوتا ہے۔ وہ ظلم کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن جب افسری کے بام پہ قدم رکھتا ہے۔ تو بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس سے دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کہ یا تو طاقت احساس مفقود ہو جاتا ہے۔ یا گذشتہ جور کے انتقام لیتا ہے۔ حقیقت اول الذکر ہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اپنے افعال اسکی نظر میں مستحسن ہیں۔ اور اپنی آنکھ کا شہتیر ایک تنکا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایک غور طلب امر ہے۔ اور اسی کو خود پسندی کہتے ہیں۔ یا دوسرے معنوں میں ذریعۂ ظلم۔

مندرجہ بالا تمثیلات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ

ہم تم ؟ وہ دوسروں کے ظلم بیان کرنے کے تو گر ہیں لیکن اپنے
جور پہ اس طرح پردہ پوش جیسے کبھی کیا ہی نہیں۔ یہ سنکر
شائد اصحاب معترض ہوں۔ مگر حق بات کہنے سے جھکنا ڈرنا
یا خوف کھانا انصاف کا خون کرنا ہے۔ پس غور فرمایئے۔
کہ ظلم عظیم خود پسندی ہے اور دل وضمیر کے خلاف فعل کرنا
ہے۔ مگر اس کو تسلیم کون کریگا۔ وہی جس کے دل میں ایک
رتی بھر دم یا یقیں (Faith) ہوگا۔ ہاں اس پہ ایک اعتراض
بھی ہے۔ کہ دل تو چاہتا ہے۔ تیز رفتار گھوڑا ہو۔ عمدہ فٹن
ہو۔ موٹر ہو۔ لباس نفیس ہو۔ طعام خوش ذائقہ اور
لذیذ ہو۔ سامان عیش وعشرت میں کوئی کمی نہ ہو۔ اگر
یہ دستیاب نہ ہوں۔ تو چونکہ خلاف دل ہے۔ لہذا یہ
ظلم ہے۔ لیکن نہیں۔ یہ خواہش وحسرت ہے۔ آرزو و
تمنا ہے۔ یا ارمان ہیں۔ کیونکہ اس کے پورا نہ ہونیسے
پشیمانی وندامت نہیں ہوتی۔ پھر ظلم کی کیا صورت ہے
ظلم کی تصویر سادہ آسان الفاظ میں یہ ہے۔ کہ
جس فعل کے کرنیسے کف افسوس ملنا پڑے۔ دل تڑپے
ضمیر مرجھائے آنکھوں سے اشک ٹپکے۔ جگر کباب ہو
جائے۔ لیکن یہ منظر کہاں دکھائی۔ دور نہ جایئے۔
بلکہ اتور ہی میں ملایئے۔ کہ دکھ و درد میں رنج والم میں
شکل ومصیبت میں اللہ اللہ (جلشانہ) پکارتا ہے
لیکن جب دکھ سکھ سے۔ مصیبت راحت سے۔ غم
خوشی سے۔ اس ارحم واکرم کے فضل وعنائت سے تبدیل
ہو جاتے ہیں۔ تو پھر نہ صرف اس کی یاد سے غافل بلکہ
حاکم کے حکم کی صریح مخالفت۔ ارشاد مولیٰ سے اعلانیہ
سرکشی کرتاہے۔ خواہ دل پسیجے۔ ضمیر تاروا گیے پرواہ نہیں۔

لیکن سوال ہو سکتا ہے۔ کہ دل کب پژمردہ ہوتا
ہے۔ ضمیر کب ملامت کرتی ہے۔ پس عرض ہے کہ اس وقت
جب کوئی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا فعل بد کیا جاتا
ہے۔ مثلاً ایک شخص زنا کرتا ہے۔ لغو وبیہودہ بکتا ہے۔
دروغگوئی۔ مکر فریب و دغابازی کرتا ہے۔ تو کیا قلب
مسرور ہوتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ فعل کے
ختم ہوتے ہی دل لعنت۔ ضمیر ملامت کرتا ہے۔ بخلاف
اس کے اگر ذرا سا نیک فعل کیا جائے۔ تو بے اندازہ مسرت
وراحت ہوتی ہے۔ کہ ہوائی جہاز میں اڑکر بھی نہیں ہو
سکتی۔ موٹر وفٹن تو کیا شئے ہے۔

خلاصہ عرض یہ کہ وہ شخص کبھی ستمگر نہیں ہو سکتا
جو دل وضمیر کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور اگر دیدہ و
دانستہ کرکے یہ کہے کہ نا سمجھی سے ایسا ہوا۔ تو یہی دونو
فوراً بتلا دیتے ہیں۔ وہ ہٹ دھرمی کرے۔ یا نہ مانے
یہ دوسری بات ہے۔

آخر مضمون طویل ہوا جاتا ہے۔ جلد فیصلہ کر
کہ یا تو خود ظلم کرنا چھوڑ دے یا دوسروں کے جور وستم
کے افسانے فراموش کردے۔ کیونکہ ظالم کا ظالم کو
کوسنا موزوں ومناسب نہیں۔ بلکہ یہ کام مظلوموں
کا ہے۔ ظالموں سے خوف نہ کر بلکہ مظلوموں سے ڈر
بقول کسے ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

عبدالرسول انور سگنیلر پشاور شہر۔ آر۔ ایس۔)

یادِ خدا

(جناب مجید امجد بی۔اے جھنگ)

اے گرفتارِ کمندِ زندگی ہوشیار رہو
ہوش میں آ بیخودی کے ماجرا کو بھول جا

عالمِ موجود کے ساز و ساماں ہیچ ہیں
ساز و سامانِ جہانِ بے بقا کو بھول جا

سیم و زر کی پتلیوں کا ناچ گھر ہے کائنات
سیم و زر کی پتلیوں کی ہر ادا کو بھول جا

ہائے انسانیتِ مظلوم کی چیخیں نہ سن
دکھ بھرے سنسار کی دکھیا فضا کو بھول جا

نقدِ جاں اور اس کے لٹ جانیکا اتنا خوف حیف
نقدِ جاں کیا ہے؟ متاعِ دوسرا کو بھول جا

ہر طرف سے تجھکو ہی گھیرے ہوئے دامِ وجود
اس کے ہر اک رشتۂ لاانتہا کو بھول جا

تو رہیگا کب تلک زندانیٔ ارض و سما؟
بھول جا زنداں گہِ ارض و سما کو بھول جا

اک خدا کو یاد رکھ۔ بس اک خدا کو یاد رکھ!

ہاں خدا کو یاد رکھ اور ماسوا کو بھول جا!

تاریخ کا ایک صفحہ

سلطان نورالدین شہید محمد بن زنگی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار ان چند قدسی نفوس میں ہے۔ جو ایک عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے جن کی نظروں میں توانا ؤں اور ناتوانوں کی ایک حیثیت تھی۔ جن کا عدل اپنے اور بیگانے مسلم اور مسیحی میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتا تھا جن کو دیکھ کر خیرالقرون کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ اسلام کے اس بطل حریت کا ذکر گبن نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"زنگی کے نامور بیٹے نورالدین کی سپہگرانہ قابلیت نے دمشق کی حکومت کو حلب کے ساتھ ملا کر شام کی صلیبی طاقتوں کا سالہا سال تک مقابلہ کیا۔ اور ہر معرکہ میں اپنے حریفوں کو زک دیکر اسنے بتدریج اپنی قلمرو کی حدود کو دجلہ سے لیکر نیل کے ساحلوں تک وسیع کر دیا۔ خود لاطینی مسیحی بھی نہ صرف اپنے اس دشمن جان ستاں کی دانشمندی اور شجاعت بلکہ اس کے عدل و انصاف اور زہد و اتقا کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ اپنی روزمرہ کی زندگی اور اپنی سلطنت کے نظم ونسق میں اس مجاہد اعظم نے خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے اسلامی جوش اور سادگی کو تازہ کر دیا۔ اس کے محل میں سیم و زر اور دیبا و حریر کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس کی مملکت کے طول و عرض میں بادہ کش شراب کی ایک ایک بوند کو ترستے تھے۔ شاہی خزانہ رعایا کی ضروریات کے لئے وقف تھا۔ اس کے گھر کا غریبانہ خرچ مال غنیمت کے اس حصہ میں سے پورا ہوتا تھا۔ جو اسلامی فوج کے دوسرے سپاہیوں کی طرح جائز مقدار میں اس کے ہاتھ لگتا تھا۔ ایک دفعہ اس کی چہیتی ملکہ نے ٹھنڈی سانس لیکر تنگی خرچ کی شکایت کی۔ نورالدین نے جواب دیا۔ کہ بانو! افسوس ہے تمہاری خواہش پوری نہیں ہو سکتی خدا کا خوف بیت المال کی طرف میرا ہاتھ بڑھنے نہیں دیتا یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ میں صرف اس کا امین ہوں۔ اور اس میں سے ایک درم کا بھی مستحق نہیں۔ البتہ حمص میں میری تین دوکانیں موجود ہیں۔ ان پر تمہیں اختیار ہے۔ انہیں بیچ ڈالو۔ یا ان کے کرایہ سے اپنی ضروریات پوری کر لو"

نورالدین کا ایوان عدالت زبردستوں کی ہیبت گاہ اور زیردستوں کی جائے پناہ تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد یہ نقشہ بدل گیا۔ اور دمشق کی گلیوں میں ایک مظلوم رو رو کر پکارتا ہوا سنا گیا۔ کہ اے نورالدین تو کہاں ہے۔ خاک سے اُٹھ اور ہم ستم زدوں کی فریاد سن۔

(گبن تاریخ زوال و ہبوط دولت روما جلد ششم صفحہ ۱۰۶)

۵۵۷ھ کا ذکر ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات (ارواحنا فداہ) سلطان نورالدین کو متواتر تین رات خواب میں نظر آئے۔ ہر دفعہ دو شخصوں کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ اور سلطان کو حکم دیتے تھے۔ کہ مجھے

ان کے شر سے بچا۔ ازبسکہ عالم رویا میں کوئی طاغوتی طاقت حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ خواب از قبیل اضغاث احلام نہیں۔ بلکہ سچی رویائے صادقہ تھا۔ سلطان کی فراستِ ایمانی نے اسے یقین دلایا۔ کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی نہ کوئی واقعہ فاجعہ ایسا ظہور پذیر ہوا ہے۔ جس سے آقائے دوجہاں کی روحِ مبارک بیقرار ہے۔ تیسری بار جب حضور تشریف لائے تو پہر رات باقی تھی۔ سلطان اسی وقت بستر سے اُٹھا۔ اور بہت سا خزانہ ہمراہ لیکر بیس سفر بانِ دولت کے ساتھ دمشق سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سولہ دن کے سفر کے بعد مدینہ طیبہ پہنچکر سلطان نے خزانہ کا منہ کھول دیا۔ اور منادی کرادی۔ کہ اہلِ مدینہ پر آج درہم و دینار کی بارش ہوگی۔ ہر چھوٹا بڑا اس خبر کے سنتے ہی بارگاہ سلطانی کی طرف دوڑ پڑا۔ ہر شخص باری باری سے باریاب ہوتا تھا۔ اور انعام و اکرام سے مالامال ہو کر رخصت ہو جاتا تھا۔ اسی طرح سارا شہر سلطان کی نظر سے گذر گیا۔ مگر وہ دو موذی جو خواب میں دکھائی دیئے تھے۔ اور جن کا حلیہ پتھر کی لکیر کی طرح سلطان کے دماغ پر نقش تھا۔ نظر نہ آئے۔ آخر سلطان نے روضۂ نبوی کے بعض خدام سے دریافت فرمایا۔ کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا۔ جو انعام لینے نہ آیا ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ اور تو سب لوگ حاضر ہو چکے ہیں۔ دو خدا رسیدہ بزرگ نہیں آئے۔ جو مغرب کے رہنے والے ہیں۔ اور دن رات عبادت میں مشغول رہنے کے باعث کسی سے نہیں ملتے۔ سلطان نے حکم دیا۔ کہ دونوں کو بھی اسی وقت حاضر کیا جائے

کچھ دیر کے بعد سلطان کے سامنے دو آدمی لائے گئے۔ سلطان نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا۔ اور ایک نظر میں پہچان لیا۔ کہ یہ وہی شخص ہیں جنکی طرف حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اشارہ فرمایا تھا۔ پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ کہنے لگے کہ روضۂ مطہرہ کے مغرب کی جانب مسجد کی دیوار سے ملا ہوا ایک ویران سا مکان ہے ہم اسی میں رہتے ہیں۔ سلطان نے انہیں تو وہیں چھوڑا اور خود سیدھا اس مکان میں پہنچا۔ مکان میں داخل ہو کر اس نے ہر طرف تجسسانہ نگاہ ڈالی۔ مکان کا سامان مختصر تھا۔ مگر جسقدر تھا زبانِ حال سے مکینوں کے زہد و ورع کی شہادت دے رہا تھا۔ طاق پر قرآن مجید رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی تھیں۔ جن کے مضامین پند و موعظت سے مملو تھے ایک کونے میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کی غرض سے رسد کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی چیز بجائے خود قابلِ اعتراض نہ تھی۔ سلطان حیران تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر اُسی قدسی جذبہ سے جو اسے دمشق سے کشاں کشاں مدینہ طیبہ لایا تھا۔ اس کا ہاتھ بوریئے کی طرف بڑھا۔ کہ دیکھے تو سہی اس کے نیچے کیا ہے۔ بوریئے کا اٹھنا تھا۔ کہ ایک خوفناک حقیقت کا انکشاف ہوا ان ملعونوں نے جن کے تقدس کا گھر گھر چرچا تھا۔ ایک نقب لگا رکھی تھی۔ جس کا منہ حجرۂ نبوی کی طرف تھا اسی کے پاس ایک گڑھا تھا۔ جس میں کھدی ہوئی مٹی بھر دی جاتی تھی۔ اور جب رات ہوتی تھی تو دونوں نقب زن اس مٹی کو تھیلیوں میں بھر کر بقیع کے میدان میں ڈال آتے تھے

سلطان نے ان دونوں خبیثوں کو موقع پر طلب کر کے غضبناک لہجہ میں پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور یہ حرکت تم نے کیوں کی؟

پہلے تو انہوں نے واہی تباہی باتیں شروع کیں جب شکنجۂ عقوبت میں کھینچے گئے۔ اور موت سر پر منڈلاتی دیکھی۔ تو اس خیال سے کہ اب اخفائے حال بے سود ہے۔ نڈر ہو کر بولے کہ ہم نصرانی ہیں۔ ہماری قوم نے ہمیں اس مقدس خدمت پر مامور کیا تھا۔ کہ مراقشی حاجیوں کے بھیس میں مدینہ والوں کی آنکھ میں خاک جھونکتے ہوئے سیندھ لگا کر تمہارے جھوٹے پیغمبر کی قبر تک جا پہنچیں۔ اور اس کی لاش کو بے آبرو کریں۔ ہمارا کام ختم ہو ہی چکا تھا۔ اب نقب قبر تک پہنچ گئی تھی۔ کہ دفعتہً آسمان پر بادل گرجا۔ جھکڑ چلنا شروع ہوا۔ زلزلہ آیا۔ اور اس کے بعد تم آپہنچے۔

سلطان کی اس وقت عجیب حالت تھی۔ قلب الٹ گیا۔ اور جگر پانی پانی ہو کر آنکھوں میں آگیا۔ اتنا رویا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر سراپا جلال ہو کر اٹھا اور تلوار کھینچکر نقب ہی کے کنارے دونوں ملاعنہ کی گردن اڑا دی۔ اور ان کی ناپاک لاشیں آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں ڈلوا دیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والوں کا یہی حشر ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد سلطان کے حکم سے حجرۂ نبوی کے گرداگرد ایک عمیق خندق کھودی گئی۔ جسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا گیا۔ تاکہ پھر کبھی کسی خبیث نقب زن کا گستاخ ہاتھ حضور سرورِ عالم کی آرام گاہ تک نہ پہنچ سکے۔

اس واقعہ کو پیش آئے سات سو ننانوے ۷۹۹ سال گذر چکے ہیں۔ اس وقت دمشق کے زیر نگیں تھا۔ اور چند سال بعد صلاح الدین ایوبی کا مقدس ہاتھ بیت المقدس کی بلندیوں پر اسلام کا علم از سر نو نصب کرنیوالا تھا حرمین الشریفین کی حرمت پر کٹ مرنے کیلئے لاکھوں تیغ بکف مجاہد بیتاب تھے۔ صلیب پرستوں کی مجال نہ تھی۔ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ تسخیر حجاز کا گستاخانہ عزم ریجنالڈ ڈی شاٹیلان کی زبان سے اچھی طرح ادا بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ نور الدین زنگی کی کفر سوز تلوار کی طرح صلاح الدین ایوبی کی شمشیر خون آشام صاعقہ قہر ذوالجلال بنکر اسی کی گردن پر تھی۔

فیاض زمان والا دودمان، ہز اگزالٹڈ ہائی نس، اعلیحضرت حضور نظام شہریار دکن وبرار ادام اللہ اقبالہٗ واجلالہٗ نے ازرہِ مراحم خسروانہ مولانا شوکت علی کے لئے دوصد روپیہ کا گرانقدر وظیفہ تاحیات مقرر فرمایا ہے۔

افسانہ

اعتدال

(از انور کمال)

ممتاز ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ والدین کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے بڑے لاڈ پیار سے پالا گیا۔ اپنی عمر کے ساتھ ساتھ جماعتیں پاس کرتا رہا۔ مگر کالج میں کئی شوقین مزاج لڑکوں کی دیکھا دیکھی فضول خرچ ہو گیا۔ باپ صاحب جائداد تھا۔ اس لئے اس کی یہ عادت بیجا معلوم نہ ہوئی۔ پھر اس نے دوسرے لڑکوں کی دیکھا دیکھی سخاوت کرنی شروع کر دی۔ پہلے پہل یہ نیکی دکھاوے کی غرض سے کی جاتی تھی۔ پھر دولت کی کثرت کی وجہ سے جاری رہی۔ اور بعد میں یہی سخاوت عادت ہو کر رہ گئی۔

اسی شہر میں ایک اور شخص محمود نامی رہا کرتا تھا۔ وہ بھی غریبوں کیلئے جان دیتا۔ مگر چونکہ وہ دولتمند نہ تھا اس لئے وہ خود اپنے ہاتھوں سے بیمار اور دوسرے محتاج آدمیوں کی خدمت کرتا۔ ممتاز کسی طرح محمود کو شکست دینا چاہتا تھا۔ اسے ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا اور وہ غریبوں کی مدد روپے سے کرنا تھا۔ سخاوت کی عادت تو پہلے ہی سے تھی۔ اس پر محمود کو نیچا دکھانے کی ہوس نے تازیانے کا کام کیا۔ اور دھڑا دھڑ روپیہ کو اس نیک عادت پر قربان کرنا شروع کر دیا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ممتاز کے پاس اب سوائے ملازمت کے اور کوئی ذریعہ معاش نہ رہا۔

مگر عادت انسان کی دوسری فطرت ہے۔ اس لئے عادت سے مجبور ہو کر ممتاز نے تمام تنخواہ بھی سخاوت کی نذر کرنی شروع کی۔ تنخواہ سے کام نہ چلا تو دفتر سے غبن کرنے شروع کر دیئے۔ مگر یہ بات بھی بہت دیر تک چھپی نہ رہ سکی۔ مقدمہ چلا۔ عدالت نے غبن کے روپے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑے عرصے کی مہلت بھی تھی۔ روپیہ اور ممتاز کے پاس جیل کے گھونسلے میں ماس کہاں والی بات تھی۔ مہلت ختم ہونے سے پیشتر ہی ممتاز شہر سے روپوش ہو گیا۔

اب ممتاز وہ ممتاز نہ رہا۔ وہ چور تھا۔ ڈاکو تھا۔ قاتل تھا۔ بے گناہوں اور بے قصوروں کو ستانا اس کے لئے ایک ادنیٰ سی بات تھی۔ امیروں اور برسر اقتدار لوگوں کو لوٹنا اس کا شیوہ تھا۔ ان کے ننھے اور معصوم بچوں کو آگ میں پھینک کر خوش ہوتا تھا۔ وہ اب بھی امیروں کی تمام دولت سے خود ذرا بھی فائدہ نہ اٹھاتا ظلم اپنے آپ پر کرتا۔ اور اس تشدد سے کمائی ہوئی دولت کو غریبوں میں بانٹ دیتا۔ اتنی سخاوت اور

قربانی کے باوجود غریب لوگ بھی اس سے نالاں رہتے کیونکہ وہ ہر غریب آدمی کا پیٹ نہ بھر سکتا تھا۔ اور ایک غریب کو امیر بنا دینا اور دوسرے غریب کو تہی دامن رکھنا اس غریب کی دشمنی مول لینا تھا۔ جب وہ اس ظلم سے لوٹی ہوئی دولت کو غریبوں میں بانٹ چکتا تو وہ سوچتا کہ اس نے نیک کام کیا ہے۔ مگر اسے اس ظلم کا جو کہ وہ روپیہ حاصل کرنے کیلئے کرتا کبھی خیال نہ آتا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا وہ نیک نامی حاصل کرنے کی کوشش میں زمانے کی نظروں سے گرتا گیا۔

ایک تاریک اور ڈراؤنی رات کو ممتاز ایک امیر آدمی کے گھر چوری کرنے جا رہا تھا۔ اسے آج بہت کچھ ملنے کی امید تھی۔ مگر اس کی قسمت میں کچھ امید سے زیادہ لکھا تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا حوصلہ بھی بڑھ رہا تھا۔ اس نے چوری کی اور بہت سی دولت ہاتھ آجانے پر وہ بہت خوش ہوا۔ وہ سمجھتا تھا۔ کہ آج وہ بہت سے غریبوں اور مسکینوں کی دعائیں لیگا۔ اسے بڑا ثواب ہوگا۔ مگر وہ اس گناہ سے جو اس نے یہ ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا تھا۔ بالکل بے خبر تھا۔

غریب پہلے ہی سے اس میدان میں جمع تھے اس نے پہنچتے ہی مٹھیاں بھر بھر کر روپے بکھیرنے شروع کئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں تھیلی خالی ہو گئی۔ ممتاز خوشی خوشی واپس ہوا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ کہ اس کی گردن پر ایک تیز دھار کا آلہ لگا۔ اس کے بعد اس پر کئی اور وار ہوئے۔ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ "تجھے روپے بانٹنے بھی نہیں آتے۔ آج مجھ جیسے کئی غریب بھوکے سوئیں گے۔" حملہ آور نے کہا۔ ممتاز زمین پر پڑا دم توڑ رہا تھا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ "اعتدال سے تجاوز کرنے والی چیز خواہ اچھی ہی ہو۔ خراب پہلو اختیار کر لیتی ہے۔"

اسے امید سے کچھ زیادہ سبق مل چکا تھا۔

—•—

جن بہی خواہان قوم کے وی پی ڈاک خانہ کی غلطی سے واپس آگئے ہیں۔ وہ ازرہ حمیت قومی اپنا اپنا زرچندہ بصیغہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکور کریں۔ تاکہ یاددہانیوں کی ضرورت باقی نہ رہے۔

"القریش" کی قومی خدمات کے اعتراف کی بہترین صورت یہ ہے۔ کہ اس کی توسیع اشاعت میں تابحد امکان سعی کی جائے۔ قومی آرگن کی حمایت نہ کرنا اور قوم کی بیکسی و پس افتادگی پر آنسو بہانے فضول ہیں۔

میری سرگذشت

نمبر ۴۸

(۱)

بلوچوں کے مکران میں آکر آباد ہونے سے پہلے کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں ملتی۔ اور اگر کچھ روایات ملتی بھی ہیں۔ تو ان کے ساتھ افسانوں اور کہانیوں کا غیر مربوط سلسلہ اس طرح سے ملحق ہے کہ تاریخی واقعات کا انتخاب بہت مشکل ہے۔

(۲)

مکران اس حصۂ ملک کا نام ہے۔ جو بحر عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ قدیم الایام میں کئی سو سال تک ہندوستان میں اسی راستہ سے آمد و رفت جاری رہی۔ اس کا محل وقوع سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی حدود افغانستان۔ ایران۔ ہندوستان اور عمان سے ملی ہوئی ہیں۔ پانی کی قلت اور پہاڑوں کی پیچیدہ گذرگاہوں کی وجہ سے قدیم زمانہ کے حکمران اس ملک سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔

(۳)

جب بلوچوں نے سرزمینِ مکران پر تصرف پایا تو تقسیم ملک کے متعلق ان کے درمیان یہ صلاح ٹھیری۔ کہ میر اسحاق کو جو اسوقت اپنے ہمسر بلوچوں میں صاحب عظمت تھا۔ رودخانہ کلاں موسومہ ڈومبک دستارداری میں دیا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور رودخانہ مذکور کی مناسبت کے لحاظ سے اس کی قوم کا نام پھر ڈومبکی ہو گیا۔ ڈمبکی کو ڈومکی بھی لکھا جاتا ہے۔ ڈومبک اب ایرانی بلوچستان سے ملحق ہے۔ اور میر اسحاق مذکور لہڑی علاقہ کچھی کے موجودہ سردار خیل ڈومبکی کا جد امجد ہے۔

اسی طرح سے علاقہ بُگ جن کے حصے میں آیا وہ بُگٹی مشہور ہوئے۔ بُگ ایرانی بلوچستان میں ہے۔ جن کو رودخانہ گِش یا گِشک ملا۔ وہ گشکور یا گشکوری ہوئے۔ رودخانہ گشک وادی بلیدہ کو سیراب کرتا ہے۔ جن کے حصے میں علاقہ لاشار آیا۔ ان کا نام لاشاری ہوا۔ جن کو کلاچی دیا گیا۔ وہ کلاچ یا کلانچ کے نام سے موسوم ہوئے۔ کلاچی مکران میں واقعہ ہے۔ علاقہ مگس جن کے تفویض ہوا۔ وہ مگسی نامزد ہوئے۔ مگس ایرانی بلوچستان میں ہے۔

(۴)

یہ تمام متذکرہ بالا قبائل جب بعد میں مکران سے چلکر بلوچستان میں آباد ہوئے۔ تو اپنے ان سابقہ قبائلی ناموں کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتے آئے۔ اور انہی ناموں سے مشہور ہوئے۔ جن کو اب تک وہ قبائلی حیثیت میں نسلاً بعد نسل بطور قومیت استعمال کرتے چلے آتے ہیں۔

القریش امرتسر

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۷ء

جلد ۴ — نمبر ۱

فہرست مضامین

فریاد

سرکارِ دوعالم کے حضور میں

(محمد اشرف عطا)

سلام اے موجبِ تخلیقِ عالم، نورِ یزدانی
نظر کو خیرہ کرتی ہے ترے جلووں کی نورشانی

سلام اے صاحبِ معراج و تاجِ رمزِ ما اوحیٰ
فروزاں تیرے دم سے ہی چراغِ بزمِ انسانی

تری بعثت سے ٹوٹا سب طلسمِ قیصر و کسریٰ
مٹا دی نورِ وحدت نے اساسِ فتنہ سامانی

یہ صدقہ تھا تری ہی رحمت للعالمینی کا
شتربانانِ مکّہ کو ملا فخرِ جہانبانی
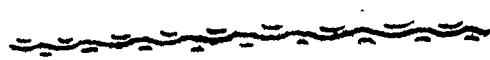
ہوئی ہے اہلِ حق پر لشکرِ کفّار کی یورش
مدد اے صاحبِ لولاک اے محبوبِ رحمانی

گداؤں کا عطا ہو پھر وہی شوکت وہی صولت
وہی اوجِ سلیمانی وہی جوشِ مسلمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتوبر ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ ——— نمبر ۱۰

شذرات

اس اشاعت کے دو مضمون بیشقدر اور دلچسپ معلومات کے حامل ہیں۔ میں ہندوستان کے کسان کی حالت پر محققانہ بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ کہ ہندوستانی کسان کن مصائب و آلام میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی گوناگوں تکالیف کے اسباب و علل کیا ہیں دوسرے مضمون میں مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں نہائت وضاحت و صراحت کے ساتھ اس بات پر اعداد و شمار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ فرزندان اسلام کی تعداد عام ممالک میں کس سرعت و تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اور دیگر مذاہب کی تبلیغی انجمنوں کی انتھک مساعی اور مخالفانہ و معاندانہ کارروائیوں کے باوجود عقیدت مندان توحید میں کس خوبی کیساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ دونوں مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ اوّل الذکر مضمون اپنی نوعیت کا غالباً پہلا مضمون ہے زراعت پیشہ بالخصوص کسان حضرات کو اس سے کچھ فائدہ اٹھانے کی سعی کرنی چاہیئے۔

عہد حاضر حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے۔ سائنس نے انسان کے دماغ میں اور انسانی عقل و شعور نے سائنس میں خدا جانے کیا کچھ بھر دیا ہے۔ کہ جو بات پیدا ہوتی ہے انوکھی و نرالی ہوتی ہے۔ ایجاد و اختراع کی انتہا ہو گئی ہے عورتوں سے مرد اور مردوں سے عورتیں بنائی جا رہی ہیں۔ بندروں کی غدودیں انسانوں میں اور انسانوں کی غدودیں بندروں میں بدل بدل کر تجربے ہو رہے ہیں۔

محو حیرت ہیں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

تازہ ترین اطلاع ہے۔ کہ پنجاب یونیورسٹی کی کیمسٹری لیبارٹری کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ایس ایس بھٹناگر اور مشن کالج کے پروفیسر مسٹر کارٹر سیپرا اور ایک دو اور پروفیسروں نے سائنس کی مدد سے تیار ہن (مصنوعی انسان) تیار کیا ہے۔ جس کا نام انہوں نے ROBOT تجویز کیا ہے۔ اس وقت تک یہ مشینی انسان صرف امریکہ میں ہی تیار ہوا تھا۔ لیکن اب ہندوستان میں ہندوستانی پروفیسروں نے بھی کمال کر دکھایا ہے۔ یہ "انسان" خدا کے بنائے ہوئے انسانوں کی طرح چلتا پھرتا ہے۔ اور خاص خاص سوالات کا جواب بھی دیتا ہے۔ کل صبح جب پروفیسر بھٹناگر نے ایک اخباری نمائندہ کو اپنی لیبارٹری میں انسانی دماغ کا یہ نمونہ دکھایا تو وہ محو حیرت ہوگیا۔ کہ انسان بھی اب انسان بنانے لگ گیا ہے۔ یہ "مشینی آدمی" بجلی کے زور سے سب کام کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ماہ دسمبر میں ہونے والی نمائش میں جو منٹو پارک میں ہوگی اس "حیرت انگیز آدمی" کو پبلک کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اس کا قد ۴½ فٹ ہے۔ کیا عجیب ایجاد ہے بیسویں صدی عیسوی کے انسانی دماغ کا کرشمہ ملاحظہ کیجئے۔ خدا معلوم ہنوز کیا کچھ ہونے والا ہے۔

اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں تاجدار دکن کے عہد حکومت میں مملکت دکن نے جو ہمہ گیر ترقیات کی ہیں ان سے اب ملک کا بچہ بچہ واقف ہوچکا ہے۔ ان ترقیات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور ہم نے بارہا اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے۔ کہ سلطنت حیدرآباد اپنی اقتصادی خوشحالی اپنی معاشرتی خوبی اور اپنے تعلیمی کارناموں کے اعتبار سے ہمیشہ ہندوستان کے دوسرے حصوں سے آگے رہے گی۔ اب باب حکومت کے صدر محترم اور ارکان مزید اصلاحات کی ایک سکیم پر غور کر رہے ہیں۔ جس کی تفصیلات تو ابھی معلوم نہیں ہوئیں اور جن کے متعلق عنقریب کوئی سرکاری اعلان شائع کیا جائیگا۔ لیکن جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نواب مہدی یار جنگ بہادر رکن تعلیمات عنقریب مجلس قانون ساز میں ایک بل پیش کرنے والے ہیں۔ جس کے رو سے ریاست کے طول و عرض میں لازمی ابتدائی تعلیم کو تدریجاً پھیلانے کا آغاز کر دیا جائیگا۔ اس میں شک نہیں کہ مالی حالات ساری مملکت میں ایک دم لازمی ابتدائی تعلیم پھیلانے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن رکن تعلیمات ایسے طریقوں پر غور فرما رہے ہیں۔ کہ کم سے کم مصارف کے ساتھ اس مفید سکیم کا اجرا کر دیا جائے۔

مملکت میں صنعت وحرفت پھیلانے کے امکانات پر بھی غور کیا جارہا ہے۔ اور مسئلہ زیر بحث ہے۔ کہ کون کون سی بڑی صنعتوں کو حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر منظم کرے اور کون کون صنائع کو افراد رعایا کے لئے چھوڑ دے۔ یہ تقسیم ایسے تعمیری اور سائنٹیفک اصول پر کی جائے گی۔ کہ دونوں پہلوؤں سے اس تنظیم صنعت کا فائدہ جمہور کو پہنچے۔ اس کے ساتھ ہی ایک سرکاری بنک کے قیام کی تجویز بھی زیر غور ہے۔ جس کا دائرہ اثر محض تجارتی مقاصد تک محدود نہ ہوگا۔ بلکہ دیہاتی

قرضوں کے ہلکا کرنے اور مختلف صنعتوں کو قلیل مدت
کے قرضے دینے کا کام بھی اسی بنک کے سپرد کیا جائیگا
تا کہ یہ بنک ملک کی زراعت اور صنعت دونوں کیلئے
طاقت و تقویت کا باعث بن جائے۔ ملازمت عامہ کی
تنظیم کے لئے ایک پبلک سروس کمیشن کا قیام بھی زیر
غور ہے۔

باقی رہیں سیاسی اصلاحات، ابھی ان کے متعلق کچھ
کہنا قبل از وقت ہے۔ لیکن انتہائی کوشش کی جا رہی ہے
کہ حکومت اور جمہور کے درمیان ایسا تعاون پیدا کیا جائے
جس سے حکومت عوام کے جذبات و ضروریات سے بہت
زیادہ واقف ہو کر ان کے سود و بہبود کی مؤثر تدابیر
اختیار کر سکے۔

مرکزی اسمبلی کے بعد کونسل آف سٹیٹ نے بھی
شریعت بل کے مسودہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے
ہم حافظ محمد عبد اللہ کو قابل مبارکباد سمجھتے ہیں۔ کہ ان کی
مساعی جمیلہ قانونی صورت اختیار کر رہی ہیں۔ یہ قانون
شرعی آزادی کی طرف پہلا قدم ہے۔ جو مرکزی مجلس آئین
ساز سے اٹھایا گیا ہے۔ اور خدا کرے کہ یہ قانون قابل نفاذ
ہونے کی حد تک پہنچ جائے۔ شریعت بل کی منظوری
نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر مسلمان فرض شناسی اور
مذہب دوستی سے کام لیں۔ تو اس محکومی و مجبوری میں
بھی ضوابط اسلامی کو قابل نفاذ بنا سکتے ہیں۔ اس سے
پہلے سرحد کی کونسل شریعت بل منظور کر چکی ہے چاہیئے
تو یہ تھا۔ کہ تمام صوبائی کونسلیں سرحد کی تقلید کرتیں۔
لیکن مذہبی بے حسی کے باعث یہ فرض ادا نہیں کیا گیا۔
آخر مرکزی اسمبلی نے غفلت کی تلافی کر دی۔ ہم امید
کرتے ہیں کہ شریعت بل جس وقت قابل استعمال ہو گیا
اسے نافذ و مؤثر بنانے کیلئے صوبائی اسمبلیاں انتہائی جوش
عمل کا ثبوت دیں گی۔

ضلع ہوشیار پور کے موضع چپلا نوالی میں سردار
گوپال سنگھ خالصہ پارلیمنٹری سکرٹری کی دعوت پر ایک
کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جالندھر ہوشیار پور اور
دوسرے ملحقہ اضلاع کے اودھرمی کثیر تعداد میں شامل
ہوئے۔ اس جلسے میں آنریبل وزیر تعلیم نے ایک نہایت
محبت آمیز تقریر کی۔ جس میں اچھوتوں کے متعلق نہایت
برادرانہ جذبات کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ حکومت پنجاب
ہر شعبے میں اچھوتوں کی امداد کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس
نے پارلیمنٹری سکرٹریوں کی سولہ اسامیوں میں سے
دو اچھوتوں کو دے دی ہیں۔ جو ان کے تناسب
آبادی سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ حکومت چاہتی ہے
کہ پنجاب کے ہر اچھوت بچے کو مفت تعلیم دی
جائے۔ اور اوپر کی جماعتوں میں ان سے نصف
فیس لی جائے۔ جالندھر ڈسٹرکٹ بورڈ نے اچھوتوں
کو لائی کلاسوں تک مفت تعلیم دلانے کا فیصلہ کر
دیا ہے۔

ہوشیار پور میں وزیر صاحب نے جو ڈنر دیا۔ اس میں
اچھوتوں کے تمام کارکن بھی شامل ہوئے۔ اور ان
کے علاوہ مسٹر سپید یو ڈپٹی کمشنر۔ لالہ رام داس پرنسپل

ڈی۔اے۔سی وی کالج۔ ڈاکٹر کوہلی پرنسپل گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج۔ ڈاکٹر فاروقی سول سرجن۔ سردار جگندر سنگھ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس۔ رائے صاحب ڈاکٹر ہرنام سنگھ میڈیکل افسر اور بعض دوسرے معززین بھی شریک ہوئے۔

اس ضیافت میں بھی اچھوتوں نے وزیر تعلیم کے حق میں نہایت مخلصانہ و محبانہ تقریریں کیں۔ اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے پر بےحد تشکر کا اظہار کیا۔

لاہور کے ہندو اخبار اس کانفرنس پر اور وزیر تعلیم کے رویہ پر بہت کھسیانے ہو رہے ہیں۔ وہ اب تک یہی سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ اچھوت ادھار صرف کانگرسیوں ہی کا اجارہ ہے۔ آنریبل وزیر تعلیم نے کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے صاف کہہ دیا۔ کہ میں حکومت پنجاب اور جناب وزیر اعظم کے نمائندے کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں اور اعلان کرتا ہوں۔ کہ حکومت پنجاب اچھوتوں کو بھی پنجاب کی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم سمجھتی ہے اور حتی الوسع ان کی خدمت کے لئے آمادہ ہے۔

کانگرسی رہنماؤں نے اچھوتوں کی حمایت میں شور تو بہت مچایا۔ اور عملی حیثیت سے کچھ بھی نہ کیا۔ لیکن پنجاب کی موجودہ وزارت اپنے عمل سے دکھاوے گی کہ وہ اچھوتوں کی حقیقی خیر خواہ ہے۔ اور ان کی تعلیمی معاشرتی اور سیاسی حیثیت کو روز بروز بہتر بنانے کی خواہاں ہے۔

ہندوستان کے پبلک ہیلتھ کمشنر نے ۱۹۳۵ء کے متعلق جو رپورٹ شائع کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آخر جون ۱۹۳۵ء کو برطانوی ہند کی آبادی ۲۷۸۱۹۹۵۴۵ تھی۔ سال زیر رپورٹ میں ۹۶۹۸۷۹۴ بچے پیدا ہوئے۔ اور ۶۵۷۸۷۱۱ موتیں واقع ہوئیں گویا اموات کی زیادتی کے باوجود برطانوی ہندوستان کی آبادی میں تینتیس لاکھ بیس ہزار کا اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۳۴ء کے مقابلے میں نومولودوں کی تعداد چار لاکھ دس ہزار زائد رہی۔ اور اموات کی تعداد میں دو لاکھ اٹھاسی ہزار کی کمی ہوگئی۔

کمشنر کا اندازہ یہ ہے۔ کہ سابقہ مردم شماری (۱۹۳۱ء) سے لے کر ۳۰ جون ۱۹۳۵ء تک صرف برطانوی ہند کی آبادی میں ڈیڑھ کروڑ نفوس کا اضافہ ہو چکا تھا۔ مگر دیسی ریاستوں کی آبادی میں بھی اسی شرح سے اضافہ فرض کر لیا جائے۔ تو ۳۰ جون ۱۹۳۵ء کو ہندوستان کی کل آبادی ۳۷ کروڑ ہوگئی ہے۔ ان حالات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آئندہ مردم شماری میں ہندوستان کی مجموعی آبادی چالیس کروڑ سے زائد ہو جائے گی۔ اور بہ اعتبار آبادی یہ دنیا بھر میں سب سے بڑا ملک بن جائیگا۔ اب تک چین بہ اعتبار آبادی دنیا کا سب سے بڑا ملک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چین کا اچھا خاصا شمالی حصہ جاپان کے قبضے میں جا چکا ہے۔ اور ابھی اس پر جاپانی استعمار کی قطع و برید جاری ہے اس لئے چین کو اب وہ حیثیت حاصل نہیں رہی۔ جو پہلے حاصل تھی۔ اب ہندوستان بہ اعتبار آبادی دنیا بھر میں اول نمبر پر آجائے گا۔

———•———

تذکرۂ برادری

ایک خاص اطلاع مظہر ہے۔ کہ ۱۲، ۱۳، اکتوبر کو کوہ مری کے مقام پر ایک قومی اجتماع ہونے والا ہے ریاست پونچھ اور ملحقات، مری اور ملحقات کے قریشی حضرات کے نام دعوتی مراسلات جاری ہو چکے ہیں۔ کارروائی جلسہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں شائع ہوگی۔

"آل انڈیا جمعیتہ القریش" کے نام سے ایک جماعت کے اعلانات اکثر اخبارات میں دیکھے جاتے ہیں۔ ناظرین کرام کو معلوم ہوگا۔ کہ کچھ عرصہ ہوا میرٹھ میں خان بہادر رشید الدین تاجر چرم کی سرپرستی میں قصاب برادری کی ایک اصلاحی انجمن قائم ہوئی تھی۔ جس کا نام "آل انڈیا جمعیتہ القریش" تجویز کرکے پراپیگنڈا شروع کیا گیا تھا۔ کئی سال کی خاموشی کے بعد اس میں پھر کچھ حرکت ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک اعلان مظہر ہے۔ کہ عنقریب "آل انڈیا جمعیتہ القریش" کی تعلیمی کانفرنس اور اصلاحی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوں گے۔ خدا جانے یہ کیسی آل انڈیا جمعیتہ القریش ہے۔ اور کونسی قسم کے قریشی اس کے ممبر ہیں۔ جو ان جلسوں میں شرکت کریں گے۔

اگر یہ وہی "آل انڈیا جمعیتہ القریش" ہے جس کا بلا لحاظ نسل و قوم ہر گوشت فروش ممبر ہو سکتا ہے اور جسے خان بہادر صاحب کی سرپرستی حاصل ہے۔ تو پھر اس گلہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہ صحیح النسب عربی نژاد قریشیوں کو کیوں دعوت شرکت نہیں دی گئی۔ ایجاد و اختراع کا دور ہے۔ اور قدامت پسندی کا عہد، کوئی کسے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

محترم عبد الرسول صاحب کے طویل استفسار یہ گرامی نامہ کے سلسلہ وار سوالات کا ایک ہی جواب کافی ہے۔ "آل انڈیا جمعیتہ القریش" کے اعلانات القریش میں کیوں درج نہیں ہوئے۔ پنجاب کے کونسے مقتدر قریشی حضرات کو جمعیتہ کی طرف سے دعوتی مراسلات موصول ہوئے ہیں۔ ایڈیٹر القریش اس میں شریک ہوگا یا نہیں وغیرہم کی صراحت کی ضرورت نہیں۔ امید ہے کہ آپ مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر صحیح جواب اور مناسب کارروائی کی خواہش ہے۔ تو گھر بھر کا جائزہ لیجئے یہ سب انتشار و تشتت اور تفریق و بے حسی کے سبب سے ہے۔

اور بس!

حافظ نسب رسولؐ قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی بارہا تحریر فرما چکے ہیں کہ "القریش" کسی حساس اور زندہ قوم کا آرگن ہوتا۔ یا دولت کسی فعال جماعت اور محرک برادری کا فرد ہوتا۔ تو ان بیشقدر خدمات کے صلہ میں جو ماضی میں انجام دی گئی ہیں۔ قوم انہیں اپنی سر آنکھوں پر جگہ دیتی، زر نقد نچھاور کرتی۔ اور اپنے محبوب رہنما

کی ہلکی سی آواز پر بھی لبیک لبیک کہہ کر میدان عمل میں بڑھتی۔ مگر اب مکرمی مولانا فصیح الدین فاروقی دہلوی ہیں۔ کہ پیہم مراسلات ارسال فرما رہے ہیں۔ تو خدمات لمبر کی اشاعت کی ترغیب وتحریص دلا رہے ہیں۔ آپ وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں۔ کہ القریش کی توسیع اشاعت کے لئے اور اس کی مالی امداد کیلئے یہ نمبر نہایت مفید ہوگا دو دو روپے پر پرچہ فروخت ہو جائے گا۔ دفتر پارینہ کی یاد تازہ ہوگی۔۔۔ واقف واقف ہو جائیں گے۔ جامع کتاب گوناگوں معلومات کی حامل ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ

تازہ مکتوب میں جو ۷ر اکتوبر کا لکھا ہوا ہے۔ اور کل ہی ہمیں موصول ہوا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "قاضی قوم نہیں عہدہ ہے" کے زیر عنوان ایڈیٹوریل نوٹ اور عدالتی فیصلہ کے مطالعہ سے مجھے انتہائی مسرت اور کمال خوشی ہوئی ہے۔ پنجاب کے اکثر قریشی خاندان اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے تھے۔ اور نا سمجھی سے بعض افسران "قاضی" کو ایک قوم سمجھتے تھے۔ اس مقدمہ میں دلائل وبراہین کے علاوہ پرانی سندات اور قدیمی دستاویزات اور حکومت کے ریکارڈ سے اس غلط فہمی کا کما ینبغی ازالہ ہو گیا۔ اس کے لئے قاضی غلام مصطفےٰ کا عزم، ندوۃ القریش کا وجود اور آپ کی مساعی قابل صد تحسین ہیں۔ میں بصدق دل ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں

اخیر پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

مجھے یہ معلوم کر کے دکھ ہوتا ہے۔ کہ "القریش" ایسا مفید آرگن خود کی اشاعت کے لئے پریشان ہے گویا یہ قوم کی انتہائی بےحسی کی دلیل ہے۔ برادری کی مختلف جماعتوں نے چھوٹی چھوٹی کئی انجمنیں بنا رکھی ہیں۔ اور ہر شخص اپنے اپنے گروہ کی رہنمائی وقیادت کا مدعی ہے۔ گویا طوائف الملوکی بھی ہے۔ اگر برادران قریش کی یہی ذہنیت ہے تو اس کی تنظیم واصلاح اور ترقی معلوم! ایسی حالت میں مراسیوں کا کیا گلہ اور قصابوں کا کیا شکوہ صاحب خانہ دروازہ کھلا چھوڑ کر گم ہو جائے۔ تو چوروں پر افسوس قرین دانش نہیں۔

خدا کی قسم القریش کی خدمات پر جان ودل قربان کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ کوئی قوم ہوتی، کوئی برادری ہوتی احساس دل وجگر ہوتے۔ تو پانی کی جگہ خون بہانا عین سعادت تھی۔ انسان روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے کام روز روز نہیں ہوا کرتے۔ کاش قدردان پیدا ہو جاتے۔ دست وبازو مضبوط ومستحکم ہو سکتے۔ تو نہ وہ "القریش" کا دائرہ اثر اور حلقۂ احباب اتنا وسیع ہوتا کہ قوم کی جملہ ضروریات کا کفیل ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ عواقب ونتائج پر غور کی ہم توفیق نہیں پاتے۔

یہ سطور تذکرہ برادری میں شائع کر دیجئے۔ شائد کوئی دل متاثر ہو۔ حسب ذیل چار احباب کے نام القریش جاری کر دیجئے۔ قیمت بصیغہ منی آرڈر ارسال ہو رہی ہے۔ والسلام"

سب کچھ صحیح ودرست، بشرطیکہ احساس ہو۔ اور جہاں احساس ہی فقدان ہو، دل وجگر درد سے معرّا ہوں۔ وہاں یہ امیدیں اور ان الفاظ کی اشاعت سے کچھ توقع رونا اور جان کھونا کے مترادف ہے۔

اس موضوع پر بارہا افتتاحی مقالے لکھے۔ دیگر مسلم برادریوں کی ساعی سے تذکروں سے غیرت دلائی گئی۔ کئی پرچے مفتوح شائع کئے گئے۔ رزولیوشنوں کا توسل لیا گیا۔ اور خدا معلوم کس کس طرح فرزندان قریش کی توجہ قومی ضروریات کی جانب معطوف کرانے کی سعی کی گئی لیکن یہاں ایک خاموشی سب کے جواب میں ہے۔ ان کا خون حرکت میں نہ آنا تھا اور نہ آیا۔

ہر ماہ القریش میں خاتمہ سال خریداری کا اعلان کر کے اجرائے وی پی کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی تاکید کر دی جاتی۔ کہ اگر کوئی صاحب کسی وجہ سے آئندہ رسالہ اپنے نام جاری نہ رکھنا چاہیں۔ تو دفتر کو اطلاع دیدیں۔ تاکہ وی پی کی واپسی نقصان کا موجب نہ ہو۔ لیکن جب وی پی جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ تو غیر متوقع طور پر واپسی شروع ہو جاتی ہے۔ اور خرچ ڈاک تک وصول نہیں ہوتا۔

گذشتہ مہینہ میں دفتر سے ۳۲ وی پی جاری ہوئے۔ جن میں سے صرف دو وصول ہوئے اور ۳۰ صحیح وسالم واپس آگئے۔ چار آنے ایک وی پی کا خرچ ڈاک ہے۔ سات روپے آٹھ آنے کا خالص نقصان ہوا جہاں خدمات کا یہ صلہ ہو اور قدر دانی کا یہ عالم وہاں "خدمات نمبر" کی اشاعت اور پھر دو دو روپے میں نمبر فروخت ہونے کی امید'

ایں خیال است و محال است و جنوں!

قوم کے بعض افراد قومی اصلاح اور فلاح ارتقا کو مذاق بنا رکھا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نام نہاد انجمنیں قائم ہیں۔ اور وہ محض اس لئے کہ نہ کچھ کرینگے اور نہ کرنے دینگے۔ افتراق و تشتت اور طوائف الملوکی وہ عین سعادت سمجھتے ہیں۔ اور اسی میں قومی فلاح کا راز مضمر پاتے ہیں۔ یہ مرض لاعلاج سا ہو گیا ہے۔ اور کوئی چارہ کار نہیں آتا۔

جنہیں کچھ فارغ البالی میسر ہے۔ وہ ان باتوں کو دردسری سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ اور جو متوسط الحال دارو گیر زمانہ میں مبتلا ہیں۔ وہ مجبور ہیں۔ فاضلہ کا کا اجلاس عام اس حیث و بحث کی نذر ہوا۔ آرام طلب امیر اپنی آرام گاہوں سے گرمی و سردی کا بہانہ لئے پڑے ہیں۔ اور دوسرے ان کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

خدمات کا سب کو اعتراف ہے۔ تذکرۃ القریش اور القریش کی کارگذاریاں سب کے دل پر نقوش ثبت ہوئے ہیں۔ مگر میدان عمل میں آنے اور کچھ کرنے کی جرأت نہیں القریش کے لئے تین روپیہ سالانہ یا چار آنہ ماہوار کی رقم کون دے۔ مراسیوں، ڈوموں اور دیگر ہیچ قسم فضولیات پر خرچ کر دینا تو عین جائز اور شریعت حقہ کے موافق۔ لیکن قومی مرکز یا قومی جریدہ کیلئے ڈیڑھ پائی یومیہ کا خرچ اسراف سمجھ رکھا ہے۔ ان وجوہات پر ہمارے محترم مولانا فصیح الدین صاحب ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ اور پھر کسی نمبر کی اشاعت کے مشورہ پر نور دیں۔ ہم ان کی ہمدردی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خدا انہیں اجر عظیم عطا کرے۔ اور قومی احساسات کی بیش از بیش توفیق عطا کرے۔ آمین!

مکرمی خانصاحب سردار محمد اکرم خانصاحب صاحب رئیس اعظم چھپانی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ستمبر کے رسالہ میں "قاضی قوم نہیں عہدہ ہے" کے سلسلہ میں کئی تہنیتی مراسلات شائع ہوتے ہیں۔ لیکن سرے استعجاب و حیرت کی کوئی حد نہیں رہی۔ کیا برطانوی ہند میں ابھی تک اور علم وعرفان کے عہد میں روشنی و بیدار مغزی کے زمانہ میں کوئی ایسا جاہل طبقہ بھی زندہ موجود ہے۔ جو اس بات کا قائل ہے۔ کہ قاضی اور شیخ اقوام ہیں لَاحول وَلاقوّة اِلّا باللہ۔ اس بات کو ہر علم آشنا انسان جانتا ہے۔ کہ قاضی کے معنی جج کے ہیں۔ اور عربی میں قاضی فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ تمام اسلامی سلطنتوں میں قاضی القضات کے عہدے مقرر رہتے اور ہیں۔ اسی طرح "شیخ" بھی عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی خواجہ، پیر، بزرگ، سردار قوم وغیرہ کے ہیں۔ عرب میں اب تک بھی سرداران قبائل کو شیخ القبائل کہا جاتا ہے۔ لیکن پنجاب باوصف اتنی ترقیات علم کے شیخ اور قاضی کے الفاظ پر مقدمہ بازی ہو رہی ہے۔ العجب ثم العجب۔ بہرکیف میری طرف سے بھی قاضی صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر دیجئے۔

"ندوۃ القریش" کی مجلس مشاورت کا سالانہ اجلاس حسب معمول گذشتہ جولائی میں منعقد ہونا چاہئے تھا۔ لیکن قاضی غلام مصطفٰے کے مقدمہ کے فیصلہ کی انتظار میں معرض التوا میں رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ پچھلے دنوں میں اجمیر شریف چلا گیا۔ اور اب قومی اجلاس کی شرکت کی غرض سے کوہ مری جا رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دسمبر کی تعطیلات میں جلسہ منعقد کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ممبران مجلس مشاورت مطلع رہیں۔

جن بہی خواہان قوم کے وی پی ڈاک خانہ کی غلطی یا کسی دوسرے سبب سے واپس آگئے ہیں وہ قومی ضروریات کی جانب توجہ فرمائیں۔ اور زر چندہ بعیسنہ منی آرڈر ارسال کر کے تشکر و امتنان کا موقع دیں۔

"القریش" کی قومی خدمات کے اعتراف کی بہترین صورت یہ ہے۔ کہ اس کی توسیع اشاعت میں تا بحد امکان سعی کی جائے۔ قومی آرگن کی حمایت نہ کرنا اور قوم کی پس افتادگی پر افسوس کرنا فضول ہے۔ ہر معاون و مربی اگر دو دو نئے خریدار بہم پہونچانے کی سعی کرے تو القریش کی کمی اشاعت کا قضیہ ختم ہو سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق!

جن معاونین کرام کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ ازرہ حمیت قومی سال آئندہ کیلئے زرچندہ بعینہٖ منی آرڈر ارسال کر کے عنداللہ و عندالقوم مشکور ہوں۔ بصورت خاموشی وی پی ارسال ہوگا جس کا وصول کرنا انکا اخلاقی و قومی فرض ہوگا۔ احباب خدانخواستہ کسی وجہ سے آئندہ جاری نہ رکھنا چاہیں وہ بواپسی ڈاک دفتر کو مطلع کر دیں۔ تاکہ وی پی کی واپسی نقصان کا موجب نہ ہو۔

اجمیر شریف

چند روز خواجہ غریب نواز کے قدموں میں

میں ۱۱ ستمبر کو مکرمی چودہری غلام رسول صاحب ذیلدار ممبر مصالحتی بورڈ امرت سر کی معیت میں ۹½ بجے صبح کی ایکسپریس ٹرین میں بعزم اجمیر شریف امرت سر سے روانہ ہوا۔ ٹرین کے جس ڈبہ میں ہمیں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں زیادہ تر عقیدتمندان خواجہ غریب نواز بیٹھے تھے۔ اور جہاں مجھے جگہ ملی۔ وہاں ایک سفیدریش نورانی چہرہ پیرمرد تشریف فرما تھے جن کے پاس تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبی تیلیوں کا ایک بنڈل تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر گمان ہوا۔ کہ شائد آپ آزاربند بننے کیلئے تیلیاں لے جارہے ہیں۔ ٹرین جب جالندہر سٹیشن سے چل نکلی، تو آپنے بنڈل کھولا۔ اور شمار شروع کردیا آپ دائیں ہاتھ کی تیلیاں گن کر بائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی دائیں ہاتھ رکھتے جاتے۔ یہ سلسلہ کم وبیش ایک گھنٹہ جاری رکھنے کے بعد آپ نے اسی طرح تیلیاں سنبھالیں۔ اور بنڈل باندھکر حفاظت و احتیاط اور احترام کے ساتھ سرہانے رکھیں۔ اور لیٹ گئے ظہر کی نماز کے وقت سب نے نمازیں ادا کیں۔ مگر آپ لیٹے رہے۔ نماز عصر کے وقت آپ اٹھے۔ ہمیں اور دیگر ساتھیوں کو نماز کے لئے کہا۔ خود وضو کیا اور پھر تیلیوں کا بنڈل کھول کر بدستور شمار کرنے اور انہیں دائیں سے بائیں رکھنے میں معروف ہوگئے۔

میں انہیں بغور دیکھتا رہا۔ گنتی کے وقت انکے چہرے پر بشاشت کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ اور رنگ سرخ ہوجاتا۔ آنکھیں خون آلود ہوجاتیں۔ نماز مغرب کا وقت قریب آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت حصہ لیجیئے اب کے تو بہت آپ نے وقت شمار ہی میں صرف کردیا۔ فرمانے لگے۔ کہ تھوڑا اور باقی ہے اسے ختم کرکے فارغ ہولوں۔ آپ مغرب کی نماز پڑھیں۔

سامنے کی نشست پر ایک صاحب حکیم احمد سعید نامی تشریف رکھتے تھے۔ میرے سوال پر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت کرم الہٰی صاحب گجراتی کے عقیدتمند ہیں۔ وہ بھی تیلیاں ہی گنا کرتے تھے۔

یہ بڑے عالم ہیں، شرعی رموز ونکات سے خوب واقف ہیں۔ پہلے شریعت کے سخت پابند تھے وعظ وتلقین آپ کا شغل تھا۔ نماز نہایت شغف وانہماک سے ادا کیا کرتے۔ تلاوت قرآن میں ہمہ دم مصروف رہتے۔ کافی اراضی اور دیگر جائداد رکھتے ہیں آپ کی اولاد صالح اور پابند شریعت ہے۔ فارغ البالی سے امیرانہ زندگی بسر کرتی ہے۔ لیکن آپ ایک عرصہ سے دنیا کے تمام مشاغل سے دستکش ہوچکے ہیں۔ اور اب شبانہ روز تیلیاں گنتے رہتے ہیں۔ اور اسی

اسی حالت میں آپ پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت جو کچھ کہہ دیتے ہیں پورا ہو جاتا ہے۔ بہت کم بولتے ہیں اور بہت کم کھاتے پیتے ہیں۔ ہر وقت باوضو رہتے ہیں۔ اب خواجہ اجمیری کی بارگاہ کی حاضری کے عزم سے ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔ اب آپ کبھی کبھی نماز پڑھتے ہیں۔ نیلیوں کے نذر کا حساب کچھ بھی جانتے ہیں یا نہیں معلوم نہیں۔

منگل رات دہلی پہنچے۔ یہاں سے اجمیر شریف کیلئے بی بی اینڈ سی آئی ریلوے کی گاڑی پر سوار ہونا تھا۔ ریلوے سٹیشن پر انسانوں کا ایک جم غفیر و انبوہ کثیر تھا۔ اور سب کے سب اجمیر ہی کا عزم رکھتے تھے۔ باوجود سپیشل گاڑیوں کے انتظام کے مسافر مارے مارے پھرتے اور گاڑی میں جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک سپیشل ابھی ابھی نکل چکی تھی۔ ایک تیار تھی اور گھنٹہ بعد روانہ ہونے والی تھی۔ ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ میں پہلے پہنچوں اور ختم شریف کی شرکت کا شرف حاصل کر لوں۔

گاڑی کے ساتھ تین اور ڈبے لگائے گئے جنمیں اس کثرت سے مسافر داخل ہو گئے کہ کہیں کھڑے ہونیکو جگہ باقی نہ تھی۔ فرط عقیدت اور پہلے پہنچکر ختم مبارک میں شریک ہونے کے سرور میں کسی کو نماز تک یاد نہ رہی۔ جہاں اور جس طرح بیٹھے بیٹھ گئے۔ اٹھنے کی گنجائش نہ تھی۔ ریواڑی، پھلیرا اور جے پور ہوتی ہوئی صبح ۱۱ بجے گاڑی منزل مقصود یعنی اجمیر شریف پہنچی۔ سید فخر الدین شاہ خلیفہ درگاہ معلی اجمیر شریف منتظر تھے۔ آپ نہایت خلوص و تپاک کے ساتھ ملے پھولوں کے ہار پہنائے اور تانگوں پر بٹھا کر اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ آپ نہایت شریف الطبع، منکسر المزاج، متواضع اور سنجیدہ و فہمیدہ انسان ہیں۔ تکلفات کے ساتھ ناشتہ لائے۔ ایک گھنٹہ استراحت کے بعد ہم آپ کی معیت میں درگاہ معلی کی حاضری کیلئے بالاخانہ سے اترے۔ بازار لوگوں سے اتنا اٹا ہوا تھا۔ کہ کندھے سے کندھا چھلتا اور قدم اٹھنا محال تھا۔ درگاہ کی جنوبی ڈیوڑھی سے گذر جد و جہد کا کام تھا۔ خیال تھا کہ ڈیوڑھی سے آگے بڑھ کر کچھ سہولت ہوگی لیکن وہاں باوجود وسیع اور بعید فراخ و کشادہ میدان ہونے کے باوصف وہی کیفیت، اسقدر مخلوق تھی۔ کہ گویا تمام جہان یہاں جمع ہو گیا ہے۔ جگہ جگہ سماع کی محفلیں گرم تھیں۔ ہزاروں قرآن خوانی اور تسبیح میں محو ہیں اور ہزاروں دیگر مشاغل میں مشغول۔ ہزاروں زیارت کیلئے گھوم رہے ہیں۔ اور ہزاروں فاتحہ خوانی کرتے ہوئے رقت قلب سے بحال رو رہے ہیں۔ کئی ملحقہ شاہی مساجد میں سجدہ ریز ہیں۔ اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دینی و دنیوی فلاح کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر خدا کی رحمتوں کا نزول ہے۔ اور زائرین ان سے متمتع ہو رہے ہیں۔ خدائے تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندوں پر کسقدر فضل و کرم کیا۔ کہ مخلوق ان کے قدموں پر جھکی رہتی ہے۔ اور وزاری سے اپنی اُخروی نجات کیلئے ان سے سفارش چاہتی ہے۔ اور پھر لطف بالائے لطف، کرم بالائے کرم یہ کہ ہر امیدوار اپنی مراد کو پہنچتا اور تسکین کی نعمت سے مالامال ہو جاتا ہے۔

اور آپ کی کرامات اور خیر و برکات سے کتابیں مزین ہیں۔ اسلئے
انکی صراحت و وضاحت کی ضرورت نہیں۔ درگاہ شریف سے
متعلق معتبر و موثق ذریعہ سے جو معلومات ہمیں بہم پہنچی
ہیں۔ ناظرین کرام کی واقفیت کیلئے بالاختصار درج ذیل
کی جاتی ہیں:۔

مزار مبارک ایک وسیع اور کھلے صحن کے عین وسط
میں سنگ مرمر کا تعمیر شدہ ہے۔ گنبد بہت بلند اور نہایت
شاندار ہے جس پر سنہری کام کمال صنعت کے ساتھ
کیا گیا ہے۔ مشرقی دروازہ نہایت شاندار اور طلائی کام
سے مرصع ہے۔ اور جنوبی دروازہ اس سے کچھ چھوٹا اور سادہ
ہے۔ ہمیں بڑے دروازہ یعنے مشرقی جانب سے اندر داخل
ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مزار مبارک کے گرداگرد
نہایت شاندار جالیدار کٹہرہ ہے۔ جو عقیدتمند سلاطین
اسلامیہ نے حسن و خوبی کے ساتھ تعمیر کرایا۔ اس کٹہرہ
کے گرداگرد زائرین کی فاتحہ خوانی کیلئے کھڑے ہونے کیلئے
کافی جگہ ہے۔ اندر باہر صحن اور دیگر حصص درگاہ شریف
میں مرمریں فرش نہایت اہتمام سے لگا ہوا ہے۔ اور
درگاہ معلیٰ کی ہر عمارت اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر سے تعمیر
کیگئی ہے۔ مغربی جانب شاہجہان بادشاہ نور اللہ مرقدہ
کی تعمیر کردہ وسیع جامع مسجد ہے۔ جسکی کرسی سطح زمین سے
پانچ فٹ بلند ہے۔ نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ کمرہ اور
برآمدہ بہت کشادہ ہے۔ اندازہ ہے کہ کم و بیش ڈیڑھ سو
نمازی ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔
۶ صفوں کا کمرہ اور پندرہ سولہ صفوں کا صحن ہے۔ صحن
سے کمرہ کی سطح کم و بیش تین فٹ اور بلند ہے۔ اندرونی
سیڑھیوں کے دونو جانب سفید پتھر کے کٹہرے اور ان پر سونے
کا کام کیا ہوا ہے۔ یہ میاں عظیم خاں رامپوری جو عرصہ سے
اجمیر ہی میں مقیم ہیں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

جامع مسجد کے عقب میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی
کا مزار ہے۔ جو چار یار کے نام سے مشہور ہے۔ آپ حضرت
مولانا فخرؒ جن کا مزار دہلی میں ہے کے خاندان سے ہیں
آپ کو قوالی سے سخت نفرت تھی۔ لیکن خدا کی شان کہ قوالی
میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔

کہتے ہیں۔ کہ آپ کو قوالی سے اسقدر نفرت تھی۔ کہ
جب کبھی محفل سماع کے قریب جانا ہوتا اپنے کانوں
میں روئی ٹھونس لیتے۔

ایک روز قوالی خوب زور سے ہو رہی تھی۔ اور آپ
دور اپنے شغل میں مشغول تھے۔ کہ اتفاقاً ایک کان سے
روئی نکل گئی۔ قوال اسوقت اس مصرعہ پر کیف آور طریق
سے زور دے رہے تھے۔

"خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی"

یہ آواز آپکے کانوں سے ہوتی ہوئی دل و جگر تک پہنچی۔
آپ پر حالت طاری ہوئی۔ اور بیخودی میں اپنی جگہ سے
اُٹھ کر محفل سماع میں تشریف لے آئے۔ وجد طاری ہوا
اور اسی میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے قدموں میں مولانا شمس الدینؒ دہلوی جو
حضور کے جاں نثار عاشق تھے۔ اپنی وصیت کے مطابق
آرام فرما ہیں۔

کہتے ہیں مولانا شمس الدینؒ مرہٹوں کے عہد میں
دہلی میں وصال ہوا۔ اور وصیت کے مطابق آپ کی

یت کو اجمیر شریف لایا گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا پولیس نے روکا۔ ہر چند منت سماجت سے کام لینا چاہا مگر وہ کسی طرح نہ مانے۔ اور کہا کہ مردہ شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس پر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ میاں زندوں کو بھی جانے دو گے کہ نہیں۔ اس واقعہ سے ایک سنسنی طاری ہو گئی۔ اور آپ کو اندر لاکر سپرد لحد کر دیا گیا۔ واللہ اعلم!

آپ کے فیض سے خلق خدا مستفیض ہوتی ہے آپ کے ذرہ پر ڈالی ہوئی شکر کند ذہن لوگ لیکر چاٹتے ہیں۔ تو نسیان اور کند ذہنی کے امراض سے شفا ہو جاتی ہے۔

چار یار کے نیچے ایک وسیع جھارا یعنے پانی کا تالاب ہے۔ اسکی ایک دیوار ٹوٹ جانے کی وجہ سے سالفہ کا راستہ بھی مسدود اور ناقابل گذر ہو گیا ہے افسوس ہے کہ مقامی میونسپلٹی اور اہم ضروری مرمت کی جانب توجہ کی مہلت نہیں ہوئی۔ رفاہ عام کے کاموں کی شکست و ریخت میونسپلٹی کا اولین فرض ہے۔ جس سے سخت کوتاہی کی جا رہی ہے۔ ارکان میونسپلٹی کو فوری توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ یہ تالاب نبگالی جھارا کے نام سے موسوم ہے۔ اور ماشکی اس سے پینے کیلئے پانی بھرتے ہیں سطح زمین سے بہت گہرا ہے۔ اور پانی کبھی خشک نہیں ہوا۔

جھارے کے اوپر مہمانوں کی آسائش کے لئے سنگ مرمر کا ایک دالان نواب آٹ گہاٹ (مدراس) نے تعمیر کرا رکھا ہے۔ اسی طرح ایک اور دالان اسی غرض سے حاجی سید وزیر علی صاحب آستانہ عالیہ نے بنوایا ہوا ہے۔ جس کی پیشانی پر سنگ مرمر کا کتبہ نصب ہے۔ جنوب میں ایک خالی مزار ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی جلالی بزرگ مدفون تھے۔ جن سے اکثر زائرین کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس مزار کے خالی ہو جانے کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اب بالکل خالی ہے اور بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان جلالی بزرگوار کا مزار اب تارا گڑھ (متصل اجمیر شریف) میں ہے۔ قریب ہی پانی کی سبیل ہے۔ اور یہیں حضرت خورد کے پوتے کا مرقد ہے۔ خالی مزار متذکرہ کے پہلو میں نظام الدین سقہ مدفون ہیں۔ ان کا مزار بھی سنگ مرمر کا ہے۔

قریب ہی ایک مرمریں خوبصورت چبوترہ ہے۔ اور محراب ہے جسے اولیاء مسجد کہتے ہیں۔ اس پر چھت کی بجائے درخت کا سایہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اجمیر میں ورود فرماتے ہی یہاں دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ اور یہاں حاکم اجمیر یعنے راجہ کے اونٹ بٹھایا کرتے تھے۔ اس مسجد کے ساتھ کے دروازہ کے باہر یعنے درگاہ کے بیرونی حصہ میں ملکہ معظمہ کوئن میری نے جیب خاص سے بصرف زر کثیر وضو کیلئے ایک حوض تعمیر کرایا ہوا ہے۔ یہ حوض بہت بڑا حوض ہے۔ اسپر چھت نہایت عمدہ ہے۔ سامنے ایک شاندار وسیع عمارت ہے۔ جو محفل خانہ کے نام سے موسوم ہے یہ عمارت نواب بشیر الدولہ وزیر اعظم حضور نظام نے تعمیر کرائی تھی۔ اب اس میں مدرسہ ہے۔ جس کا خرچ نواب معین الدولہ بہادر کی طرف سے مقرر ہے۔ اس کے پہلو میں ایک وسیع مسجد ہے۔

جو اکبر بادشاہ نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ مسجد بھی نہائت شاندار ہے۔ اور جداگانہ نمونہ کی ہے۔ اس کے ایک جانب ایک بلند دروازہ محمد شاہ غوری بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے جس کے نیچے ایک طرف دیگ کلاں جسمیں تقریباً ۱۲۵ من پختہ اور دوسری جانب دیگ خورد جسمیں تقریباً ۶۲ من پختہ چاول پکتے ہیں۔ بڑے بڑے چبوتروں پر رکھی ہیں۔ ان دیگوں کو زائرین آستانہ آکر بھرتے اور پکاتے ہیں۔ دوسری جانب دربار شریف کی طرف سے شفاخانہ کھلا ہے۔ جس سے غربا کو مفت دوا دی جاتی ہے۔ سامنے پولیس چوکی ہے۔ دروازہ میں کچہری ہے جہاں رہتے ہیں۔ پولیس چوکی کے سامنے شاہجہان بادشاہ کا نقارخانہ ہے۔ جہاں دو بڑے بڑے نقارے جو قلعہ چتوڑ گڑھ کی فتح کے وقت آپ کے ہاتھ آئے ہوئے ہیں۔ سامنے اعلیٰحضرت حضور نظام کا نوبت خانہ ہے۔ آپ کے اخراجات اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہٗ ادا فرماتے ہیں اسکے سامنے بڑا بازار ہے جو درگاہ بازار کے نام سے موسوم ہے۔ اس بازار سے سیدھا راستہ اناساگر تالاب کو جاتا ہے۔ یہ تالاب خام اور بہت طویل وعریض ہے۔ درگاہ شریف کی شرقی دیوار سے ملحق ایک اور مسجد ہے جو شہنشاہ اورنگ زیب کی تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ یہ بھی سنگ مرمر کی ہے اس کی چھت پرانی صنعت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ نہائت خوبی کے ساتھ پتھر کاٹ کاٹ کر آویزاں کیا گیا ہے۔ یہاں بھی کم وبیش ڈیڑھ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ یہ مسجد صندلی مسجد کہلاتی ہے۔ درگاہ اور مسجد کی مشترکہ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک راستہ ہے جو درگاہ کے مغربی صحن میں جا نکلتا ہے۔ اس صحن کے دائیں جانب حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکر رح کا چلہ مبارک ہے۔ جس کا دروازہ ہر سال محرم کی پانچویں تاریخ کو کھلتا ہے۔ چلہ مبارک کے قریب ہی حضرت خواجہ غریب نواز کے حرم محترم کے مزارات ہیں۔ جن پر چنبیلی کا درخت سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ مزارات چاردیواری کے اندر ہیں۔ دعائے فاتحہ باہر ہی پڑھی جاتی ہے۔

درگاہ شریف کے ادہر اُدہر اور کئی بزرگوں کے مزارات ہیں۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے کے مزار کے پہلو میں حوض کے ایک جانب خواجہ ابو سعید اور دوسری جانب خواجہ محمد صالح (خواجہ غریب نواز کے سالے) آرام فرما ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی آرامگاہ سے باہر آستانہ شریف کی چاردیواری کے اندر آپ کی دختر نیک اختر بی بی حافظ جمال صاحبہ اور دیگر چار بی بیوں کی اور آرامگاہیں ہیں۔ جن کے گرداگرد پختہ پردہ کیا ہوا ہے۔

مزار مبارک کے گنبد کی اندرونی جانب ایک قیمتی اعلیٰ قسم کے کپڑے کا پردہ مزار مبارک کی چھتری کے اُوپر آویزاں ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب رام پور نے ۷۰ ہزار کی لاگت سے تیار کرا کر حضور کی نذر کیا تھا۔ چھتری کا غلاف جو نہائت خوشنما خوبصورت اور مطلا ومجلا ہے۔ اعلیٰحضرت حضور نظام والئے دکن وبرار نے ۵۰ ہزار کے صرف کثیر سے تیار کرا کر

پیش کیا تھا۔ اسی طرح اور کئی قیمتی پردے ہیں۔ جو مختلف
والیانِ ملک نے عقیدتمندانہ پیش کئے لٹک رہے
ہیں۔ ایک قیمتی پردہ جس کی سفید زمین اور رنگا
رنگ گلکاریوں سے مرصع ہے۔ سلطان نجد علی الحضرت
ابن سعود نے ارسال کیا ہے۔ یہ پردہ آستانہ شریف
کی مغربی دیوار سے لٹک رہا ہے۔ کئی جھاڑ وفانوس
قیمتی آویزاں ہیں، بجلی کا خاص انتظام ہے۔ مزار
مبارک پر ایک قیمت لعل یالالڑی رکھی ہے۔ جو
شہنشاہ معظم شاہجہانؒ کی پیشکش بیان کیجاتی
ہے۔ یہ بہت کافی روشنی دیتی ہے۔ اب چاندی کی
ڈبیہ میں محفوظ ہے۔ اس کا صرف ایک حصہ ننگا ہے

درگاہ معلّی کے انتظامی امور کیلئے حکومت نے
ایک باقاعدہ ایکٹ بنا رکھا ہے۔ ایک انتظامی کمیٹی
ہے جس کے نو ممبر بذریعہ الیکشن منتخب ہوتے ہیں
اور چیف کمشنر اجمیر کی نگرانی میں کام ہوتا ہے۔
درگاہ معلّی کی جاگیر میں علاوہ شہری جائداد کے ۲۲
مواضعات ہیں۔ جو سلاطین اسلامیہ کے زمانہ سے
بدستور وقف چلے آتے ہیں۔ ان میں سے آٹھ مواضعات
کی آمدنی خلفائے درگاہ کے لئے وقف ہے۔ اور
باقی درگاہ کی درگاہ کی دیگر ضروریات کیلئے۔

درگاہ شریف کا بڑا دروازہ روزانہ صبح چار بجے
اذان کے ساتھ کھلتا ہے۔ یعنے جس وقت دروازہ
کھولا جاتا ہے اذان دی جاتی ہے۔ جنوبی دروازہ
کھولتے وقت سلام پڑھا جاتا ہے۔ اور زائرین
استادہ ہو کر سلامی دیتے ہیں۔ ۱۰ بجے رات دروازے
بند ہوتے ہیں۔ اسوقت بھی باقاعدہ حاضری دیجاتی
ہے۔ خلفا میں سے تین باریدار یکے بعد دیگرے باہر
آتے ہیں۔ جب تیسرا باریدار باہر آجاتا ہے۔ تو اندر
سے ۱۰ بجنے کی آواز آتی ہے۔ کوئی موسم اور کوئی وقت
ہو ۱۰ بجنے ہی کی آواز آتی ہے۔ یہ کلاک شاہی زمانہ
کا ہے اور یہ عین اسی وقت ۱۰ کی آواز دیتا ہے۔ جب
آخری باریدار باہر آجائے۔

رجب کی ۶ تاریخ کو ختم مبارک ہوتا ہے۔
اور ۱۰ کو غسل۔ اکثر زائرین واپس لوٹ جاتے ہیں۔
تاہم دو اڑھائی ہزار کا مجمع ہمہ وقت ہمیشہ موجود رہتا
ہے۔ اور لنگر جاری رہتا ہے۔

پہاڑیوں کے عین دامن میں پانی کا ایک وسیع
دل ہے جسے اناساگر کہتے ہیں۔

اناساگر تالاب کے مغربی کنارے پر تین شاندار
مرمریں بارہ دریاں ہیں۔ جو سلاطین اسلامیہ کے وقت
کی تعمیر کردہ ہیں۔ زمین پر پتھر کا فرش ہے، فرش کے
مشرقی حصہ میں آرائشی باغیچہ ہے۔ جو دور تک تالاب
اور فرش کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ یہ جگہ نہایت
پرفضا اور خوشگوار ہے۔ ساتھ ہی ایک وسیع باغ
ہے۔ جو رام باغ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں
نہائت صاف و مصفّے سڑکیں بنی ہیں۔ باغ کو
پانی دینے کیلئے اناساگر میں ایک انجن لگا رکھا ہے
اور اس کے ذریعہ سے باغ تک پانی پہنچایا جاتا ہے

(باقی دارد)

معراج النبیؐ

سبحان اللہ الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایتنا

پاک ہے وہ رب جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے بابرکت ماحول والی مسجد اقصےٰ تک لے گیا۔ تاکہ اسے اپنی آیات دکھائے؛

معراج کی بابرکت رات ہر سال آتی ہے۔ اور قیامت تک آتی رہے گی۔ اور ساری دنیا کے سامنے محمدؐ کی عظمت محمدؐ کے جلال اور محمدؐ سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریب الٰہی کا کبھی نہ مٹنے والا ثبوت پیش کرتی رہے گی۔ دنیا اسے ماننے یا نہ مانے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اور آپ کے رب نے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف فرما کر حضورؐ کو ساری کائنات سے اشرف و افضل بنادیا۔ حضورؐ کو معراج ہوا۔ اور اس حالت میں ہوا کہ بجز چند نفوس قدسی کے ساری دنیا حضور کی مخالف تھی۔ اور حضورؐ کی عظمت و جلالت کا اعتراف تو کجا حضورؐ کو نبوت الٰہی کے فیض پانے کا اہل بھی نہ سمجھی تھی کہ اس کے نزدیک پاکیزگی نفس اصلاح باطن اور دماغی اور ذہنی قویٰ نبوت کے استحقاق کے لئے کافی نہ تھے وہ ظاہری دولت و ثروت اور جاہ و حشم ہی کو ہر شرف و مجد کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حضورؐ نے نقیب الٰہی کی صورت میں جب سب سے پہلی مرا بلند کی تو کفار مکہ نے باوجود محمدؐ کی امانت محمدؐ کی صداقت۔ محمدؐ کی شرافت اور پاکیزگی نفس سے واقف ہونے کے محمدؐ کی اس ندا کو تعجب کے ساتھ سُنا اور اسے کسی طرح بھی یقین نہ آیا۔ کہ مکہ کے ایک یتیم ہاشمی کو نبوت کے شرف سے نوازا گیا ہے۔ وہ نبوت کا مستحق خود کو سمجھتے تھے کہ ان کے پاس دولت کے انبار تھے۔ وہ ظاہری جاہ و حشم کے مالک تھے۔ مگر یہ ان کی فہمی تھی۔ اور وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ رب کی نظر میں دنیا کی یہ سب چیزیں ہیچ ہیں۔ اس کے ہاں نہ دولت کے انبار عزیز ہیں اور نہ ہی ظاہری جاہ صرف ایک چیز دیکھتا ہے قلب سلیم۔ رضا طلب دل۔ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مادی دولت نہ سہی محمدؐ ظاہری جاہ و حشم کے مالک نہ سہی محمدؐ کے پاس (فداہ ابی و امی) رضا طلب دل تو تھا۔ اور یہی رضا طلب دل۔ یہی پاکیزگی نفس اور صلاحیت باطن؟ محمدؐ کے رب کو پسند تھی۔ اس نے اس کے صلہ میں محمدؐ کو شرف نبوت سے نواز کر ساری دنیا کی سروری اور آقائی عطا فرمادی۔ کفار اس بخشش الٰہی پہ ہنسا دنیا والوں نے محمدؐ کا مذاق اُڑایا۔ دنیا نے محمدؐ پر۔ ان کے ساتھیوں پہ زندگی کی راہیں بند کردیں مارا پیٹا۔ رسوا کیا میل جول ترک کردیا اور اس طرح کو تکلیف پہنچا کر محمدؐ کے اس شرف کو چھیننے کی کوشش کی۔ مگر محمدؐ سے رب کا یہ عطا کردہ شرف نہ چھینا جا سکا۔ محمدؐ اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتے چلے گئے۔ اور ۲۷ رجب کی اس رات کو جس کی آمد میں ہم اور آپ سب خوشیاں منا رہے ہیں۔ محمدؐ کے رب نے محمدؐ کو اپنے پاس بلا کر محمدؐ کی عظمت۔ محمدؐ کی جلالت اور محمدؐ سے اپنی محبت کا ایک کبھی نہ سننے والا ثبوت پیش فرمادیا؛

کفار کے لئے سرکار کے معراج کی خبر تکلیف دہ بھی تھی۔ اور تعجب انگیز بھی۔ وہ محمدؐ کی نبوت سے ہی انکار کر رہے تھے۔ کہ محمدؐ کو معراج کے شرف سے بھی نوازا گیا۔ وہ اس خبر پہ سانپ کی طرح لوٹے غصے اور حسد کی آگ میں بڑی طرح جلے اور دل بہلاوے کے لئے اس

خبر کا مذاق اڑایا محمدؐ کے دوست صدیق اکبرؓ کو طعنے دئے اور کہا کچھ سنتے ہو! تمہارے دوست کہتے ہیں کہ انہیں معراج ہوا؟ صدیق اکبرؓ کے لئے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی۔ وہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت سے واقف تھے۔ وہ محمدؐ کی صداقت محمدؐ کی شرافت کو دیکھ چکے تھے اور ان پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی تھی کہ محمدؐ خدا کے سچے اور برحق پیغمبر ہیں اور وہ جان چکے تھے کہ اس صفحۂ ارض پر محمدؐ ہی رب کے ہاں سب سے عزیز ہیں۔ اور انہیں علم تھا کہ رب ابراہیمؑ و محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی قوت رکھتا ہے کہ اپنے ایک عزیز ترین بندے کو زمین سے اٹھا کر عرش کی بلندیوں تک پہنچا دے۔ خالق کائنات کے نزدیک یہ بہت معمولی بات تھی اور اس پر نہ تو صدیقؓ اور نہ ہی جیسے دوسرے رب کے پجاریوں کو تعجب ہوا۔ اور یہ تعجب کی بات ہی کیا تھی۔ صرف نظر اور فہم کا فرق تھا۔ کفار کی نظر کوتاہ تھی۔ وہ مناظر قدرت کو دیکھتے خشک مردہ زمین سے ان کے سامنے خوشنما پودہ اگتا اور ساعتوں گھنٹوں اور دنوں میں بڑھتا اور ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ان کے سروں کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ ان کی آنکھیں صاف اور شفاف چاندی کی صورت اختیار کر لیتا ان کے سروں پر دیکھتے ہی دیکھتے سیاہی مائل سایہ چھا جاتا۔ اور اس سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ ان کی آنکھیں صاف اور شفاف چاندی کی صورت میں ندی اور دریا کو بہتا دیکھتیں۔ ان کے سامنے ہی زمین سے پانی کے چشمے پھوٹنے لگتے۔ اور وہ خود ایک غیر یقینی اور غیر محسوس چیز سے انسان کا قالب اختیار کر کے عجب بیچارگی کی صورت میں اس دنیا میں آتے اور بڑھتے عربوں کو یہ سب چیزیں دکھائی دیں۔ مگر وہ ان چیزوں پر غور و فہم کی قوت نہ رکھتے تھے۔

اگر انہیں یہ قوت حاصل ہوتی اور وہ ان مناظر قدرت پر غور کرنا جانتے۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج پر انہیں ذرہ برابر تعجب نہ ہوتا۔ وہ محمدؐ کے معراج کو خالق کائنات کیلئے کچھ مشکل نہ جانتے۔ یہی باعث تھا۔ کہ صدیق اکبرؓ اور ان کے ساتھیوں کو محمدؐ کے معراج پر تعجب نہ ہوا اور اسے اپنے رب کا ایک معمولی کارنامہ سمجھے۔ کہ ان کی نظر وسیع تھی۔ وہ مناظر قدرت کو دیکھ کر ان پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور انہیں علم تھا۔ کہ جو رب ایک غیر محسوس چیز سے ایک محسوس چیز پیدا کر لیتا ہے۔ جو مردہ زمین سے زندہ پودا اگا سکتا ہے۔ جو دریاؤں کو روانی عطا کرتا ہے۔ جو بارش برساتا ہے۔ وہ اپنے ایک عزیز ترین بندے کو اپنے پاس بلا بھی سکتا ہے۔ خواہ اس کیلئے ظاہری اسباب ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ ظاہر میں ہمیں یہ مشکل ہی معلوم ہو۔ مگر رب کیلئے یہ مشکل نہیں۔ وہ ظاہری اسباب کا پابند نہیں۔ ظاہری اور مخفی اسباب سب اس کے پیدا کردہ ہیں۔ وہ ظاہری اسباب سے بھی کام لے سکتا ہے اور باطنی اسباب سے بھی۔ عربوں نے اس چیز کو بہت جلد محسوس کر لیا۔ اور وہ چند سالوں ہی میں محمدؐ کی عظمت محمدؐ کی بڑائی کے ایسے قائل ہوئے کہ "معراج" ان کے نزدیک کوئی تعجب انگیز چیز نہ رہی۔ عربوں کی طرح ہر اس شخص نے جس نے محمدؐ کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جسے قدرت کی مخفی قوتوں سے آگاہی ہوئی "معراج" کی حقیقت تسلیم کر لی۔

گو معراج کی نوعیت میں اختلاف ہوا۔ مگر دنیا کی ایک بہت بڑی تعداد نے جسے اسلام قبول کرنیکا

شرف حاصل ہوا۔ "معراج" کی اصلیت سے انکار نہیں کیا اور آج تک کوئی سلیم الذوق مسلمان ایسا نہیں پیدا ہوا۔ جسے معراج سے انکار ہو۔ پھر آج تو دنیا نے بہت ترقی کر لی ہے۔ اور ظاہری اسباب کے ذریعہ سے زمین کے مخفیہ خزانے معلوم کر لئے ہیں۔ فضا میں بھاپ کے زور سے اُڑنا آسان کر لیا ہے۔ ہزاروں فٹوں کی بلندی پر ہم تن تنہا ایک طیارہ میں بیٹھ کر جدھر جی چاہے اڑتے پھرتے ہیں۔ ہزاروں میل کی مسافت پر ایک برقی آلہ کے ذریعہ سے آواز جیسی غیر مرئی چیز پھینک سکتے ہیں۔ اور اس برقی آلہ کی قوت سے اسی لمحہ سن لیتے ہیں۔ ہم اس تمام ترقی و عروج کے باوجود مخلوق ہیں۔ خالق نہیں۔ مجبور ہیں مختار نہیں۔ مگر وہ جو ہمارا خالق ہے۔ وہ جو مختار مطلق ہے۔ اس کے لئے یہ کیسے مشکل ہے۔ کہ وہ اپنی قوت کو استعمال میں لاکر اپنے ایک بندے کو ایک مختصر سی مدت میں سارے نظام عالم کی سیر کرادے۔

قرآن حکیم نے جن الفاظ میں معراج کا ذکر فرمایا ہے وہ الفاظ خود ہر صاحب نظر کو معراج کی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہٖ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ۔

سب پاکیزگیوں کے اہل ہے وہ ذات جو محمدؐ اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ تک لے گئی۔

قرآن حکیم نے "سبحان الذی" سے اس ذکر کی ابتدا کی ہے۔ اور پوری خبر سنانے سے پہلے انسان کو خالق کائنات کی پاکیزگیوں اور قدرت و اختیار پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ کیونکہ خدا کو یہ علم تھا۔ کہ کم فہم دنیا کو اس واقعہ پر تعجب ہوگا۔ مگر اس نے اس تعجب کو کم کرنے کیلئے خود ہی ایسے الفاظ میں اس کا ذکر کیا۔ کہ سننے والے کو متعجب ہونے کی ضرورت ہی نہ ہو۔

قرآن حکیم میں اس سے زیادہ معراج کے واقعہ کی تصریح نہیں کی گئی۔ حدیث میں معراج النبیؐ کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے۔ وہ بھی "معراج" کو ممکن مان لینے کے بعد تعجب انگیز نہیں رہتی۔ اور اس بحث کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ کہ معراج روحانی ہوا یا جسمانی اور پھر قرآن نے حضورؐ کو "عبد" کے لفظ سے یاد فرما کر اس اشتباہ کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ کہ حضورؐ کو جسم کے بغیر روحانی معراج ہوا تھا۔ عبد سے مراد صرف روح نہیں۔ دل نہیں۔ دماغ نہیں۔ ہاتھ پیر نہیں بلکہ جسم انسانی اپنے تمام اجزا کے ساتھ عبد کہلاتا ہے۔ صرف روح کو عبد نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی کسی اور تنہا انسانی عضو پر عبد کا اطلاق ہوتا ہے۔ عبد سے مراد روح اور جسم دونوں ہیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ معراج ہوا۔ اور اگر حضور کے معراج کو روحانی مانا جائے۔ تو پھر حضور کا کمال ہی کیا ہوا۔ اس میں حضور کے امتیاز کی بات ہی کیا ہوئی۔ اور قرآن پاک نے ایک انوکھی بات کی ندرت کو دور کرنے کیلئے "سبحان الذی" کیوں کہا۔ اسے کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ وہ ایک دماغی سیر کو ممکن بنانے کی کوشش کرتا؟

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم

معراج سب سے بڑا انسانی شرف ہے۔ اور اس

کیلئے ساری کائنات میں سے ہمارے آقا ہمارے ہادی
سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہوا۔ گویا اس
بات کا اعلان تھا اور ہے کہ ہمارے آقا۔ ساری کائنات
سے افضل اور سارے جہاں کے سردار ہیں۔ اور ان کا مشن
سارے مشنوں سے رفیع اور ممتاز ہے۔ قرآن نے حضور
کے مشن ہی کو اللہ کا پسندیدہ دین کہا ہے۔ باقی ادیان
اسلام کے سوا معطل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔
ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اور نہ صرف کہتا ہے
بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کے عالمگیر اسلام پیش فرما
کر دنیا کو اس کے قبول کی دعوت دیتا ہے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی قرآنی
حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ دوسرے اصحاب مذاہب
اللہ کے بڑے مقرب تھے۔ اللہ نے قرآن میں ان کی
بہت تعریف کی ہے۔ کلیم اللہ اور روح اللہ کے خطابات
انہیں حاصل ہیں۔ مگر یہ شرف جسے معراج کا نام دیا
گیا ہے۔ صرف سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
مخصوص تھا۔ کہ وہی آخری اور مکمل کبھی نہ بدلنے والی
شریعت لانے والے تھے۔ اسی نسبت سے مسلمانوں کو خیر امت
کا خطاب عطا ہوا ہے۔ کہ یہ اسلام اللہ کے پسندیدہ
دین کے حامل اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر
کے غلام ہیں۔ مسلمانوں کا ذاتی شرف کوئی نہیں۔ انہیں
تمام شرف اسلام اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے طفیل میں ملے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرف اور
امتیازات مسلمان کیلئے اسی وقت تک ہیں۔ جب
تک کہ وہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک
کہ وہ حضور سے صحیح محبت و عقیدت رکھتے ہوں۔ یوں
کہنے کو تو ہم محبت نبوی کے بہت لمبے چوڑے دعوے
رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت میں چند افراد کے سوا ہم سب
اپنے نفس کو دھوکا دینے والے ہیں۔ یہ کوئی خلاف واقعہ
قیاس نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ ہم اسلام سے بہت
دور جا پڑے ہیں۔ ہماری زندگی کی شاہراہیں اب چراغ
نبوی سے روشن نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں روشنی پہنچانے
والے ہمارے خود ساختہ چراغ ہیں۔

اپنی زندگی کی کسی حالت و کیفیت پر غور کر
دیکھئے آپ اس سے انکار نہیں کر سکیں گے۔ کہ ہم
اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور نہ صرف ہم
افعال و اعمال کے اعتبار سے اسلام کے پابند نہیں
ہیں۔ بلکہ ہمارے خیالات و اعتقادات بھی بڑی حد
تک بدل چکے ہیں۔ اور یہ تبدیلی دن بدن ناگوار صورت
اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہم سب اس تبدیلی کے
خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ ہم سب اس سیلاب سے
بچنے کیلئے چلا رہے ہیں۔ مگر اسے ہماری حماقت پر محمول
کر لیا جائے کہ ہم اسی سیلاب میں خود بھی بہ رہے
ہیں۔

بلا شبہ یہ زمانہ ترقی و عروج کا زمانہ ہے۔ اور
مسلمانوں کو بھی ترقی و عروج کی طرف قدم اٹھانا چاہئے
مگر ہم جسے ترقی و عروج سمجھ رہے ہیں۔ وہ اصل میں
زوال پذیری کے ابتدائی زینے ہیں۔ اور ہم ان کی وساطت
سے ذلت مسکنت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو رہے
ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری موجودہ حالت کسی غلط فہمی

کا نتیجہ ہو۔ اگر ہم اپنی غلطی مان لیں۔ تو پھر بھی نجات کی صورت نکل سکتی ہے۔ مگر ہماری حالت تو یہ نہیں ہم اپنی اس غلط فہمی کو انتہائی دانائی سے تعبیر کر رہے اور یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کی ہر غیر اسلامی حرکت اس کے لئے موت ہے۔ مسلمان دوسری غیر تربیت یافتہ قوموں کی طرح نہیں۔ کہ جن کی تربیت کرنے والے خود غیر تربیت یافتہ تھے۔ مسلمان ایک تربیت یافتہ قوم ہے۔ مسلمان ایک زندہ اور نہ صرف زندہ بلکہ زندگی بخش اصول حیات کا پابند ہے۔ اس کی تربیت دنیا کے سب سے بڑے مفکر اور دنیا کے سب سے بڑے مدبر کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ ساری دنیا سیدھی راہ سے بھٹک جائے۔ مگر محمدؐ کے قانون کا پابند سیدھی راہ سے ہٹ نہیں سکتا۔ آج کے مسلمان کو اس نکتہ حیات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس غلطی کی تلافی اب بھی ممکن ہے۔ ورنہ اگر چند سال اس طرح اور بیت گئے تو یاد رکھئے کہ آج تو ہم میں اپنی حالت پر آنسو بہانے والی چند آنکھیں نظر آجاتی ہیں۔ پھر یہ بھی نہ ہونگی۔ اور ہم انجام سے بے خبر تباہی کی طرف بڑی خوشی سے بڑھتے چلے جائیں گے۔

اس وقت ہمارے مخاطب معراج کی خوشیاں منانے والے مسلمان ہیں۔ اور ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس بابرکت رات کی خوشی میں تمہارے ہاں برقی قندیلیں روشن ہیں۔ تمہارے مکانوں کی منڈیروں سے روشنی بھی چھن رہی ہے۔ تمہارے گھروں میں پھولوں کے گلدستے بھی موجود ہیں۔ تمہاری گلیوں میں رنگدار کاغذ کی جھنڈیاں بھی لٹک رہی ہیں۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمہارے سینوں میں اس صاحب معراج کی کوئی عظمت بھی ہے۔ تم اس سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتے بھی ہو؟ اور اگر چاہتے بھی ہو تو محبت و عقیدت کے ان دلچسپ اور دلفریب مظاہروں کی بجائے خدارا اپنی قوم کی روش کو بدلنے کی کوشش کرو۔

ہماری قوم اس وقت موت کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اس کے ضعیف بدن سے سینکڑوں کہنہ امراض لاحق ہیں۔ اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ وہ ذہنی اور جسمی دونوں طریق پر دوسروں کی غلام ہے۔ وہ بے بس ہے۔ مجبور ہے۔ معذور ہے۔ اور جانتے ہو۔ اسکی تمام مجبوریوں اور معذوریوں کا اصل کیا ہے۔ ان تمام مجبوریوں اور معذوریوں کا اصل صرف یہ ہے۔ کہ وہ مذہب سے دور ہٹتی جا رہی ہے۔ اور اس کی دوری ہی اس پر مصائب و آفات لانے کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے اگر تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آقا اور مولا سے عقیدت اور محبت ہے۔ تو اس کے اظہار کے طریقے یہ نہیں کہ معراج کے موقعہ پر چراغاں کئے جائیں برقی شعاعیں روشن کی جائیں۔ یہ سب چیزیں وقتی اور بے نتیجہ ہیں۔ ضرورت تو اس کی ہے۔ کہ تم سب چیزوں سے منہ موڑ کر صرف اس بات کی کوشش کرو کہ مسلمان قوم صاحب معراج کی تعلیمات و ارشادات کی پابند بن جائے۔ صحیح معنوں میں صاحب معراج کی عظمت و جلالت تم سے صرف یہی چیز چاہتی ہے اور بس۔

جذباتِ عالیہ

اگر خدا خود سامنے میں آئے ہو جلوہ نما
اور ہر مخلوق کو عین الیقیں اس بات کا

پھر مخاطب کرکے ہر راہرو کو وہ یہ حکم دے
تو اگر میرا ہے، آنکھیں اپنی دیتی جا مجھے

بے یقیں بندے چرا کر آنکھ جائینگے نکل
دیدہ و دانستہ اس پر کون کرتا ہے عمل؟

سینما والے مگر ہر شہر میں ہیں صبح و نہار
دعوت اہلِ نظر کا دے رہے ہیں اشتہار

آؤ حسن و عشق کے پُر درد افسانے سنو
رقص دیکھو پردۂ سیمیں پہ اور گانے سنو

لوگ اُٹھتے ہیں ان آوازوں سے رشتے جوڑتے
روز راتوں کو چلے جاتے ہیں آنکھیں پھوڑتے

ایک ہی مرکز پہ ہیں مزدور اور سرمایہ دار
جیب پر دونوں کی پڑتا ہے بقدر ظرف بار

اس غلام آباد کے یہ کرّ و فر تو دیکھئے
مال و زر کے ساتھ، ایثارِ نظر تو دیکھئے

اس پہ شکوہ کم نگاہی کا ہے ہندوستان کو
دے خدا چشمِ بصیرت کاش اس نادان کو

سینما، ٹاکی، تھیٹر غارتِ ہوش و نظر
سب یہ لہو و لعب ہیں اے بصیرت الحذر

پردۂ سیمیں تو اصلاً اک سنہری ہے فریب
چلتی پھرتی چند تصویریں حسین و دیدہ زیب

ہاتھ چھو سکتا نہیں آغوش بھر سکتی نہیں
روح اپنے ذوق کی تسکین کر سکتی نہیں

جذبۂ جرم و ہوس کاری بڑھانے کیلئے
سینما ہیں ایک لعنت اس زمانے کیلئے

ہو نہیں سکتا بصارت میں اضافہ نور کا
اس کو ناکافی ہے سرمہ سارے کوہِ طور کا

اختیاری جسقدر تخریب کے اسباب ہیں
ترک کر دیں ان کو ایسے نوجواں کمیاب ہیں

دیدہ و دانستہ جب انسان ہو خود ہی تباہ
کون کہہ سکتا ہے اس جذبے کو فطرت کا گناہ

ہے تماشہ رات کو دن کو طبیعت منتشر
خود بخود زر دادن و خود خریدن درد سر

قدر کر آنکھوں کی اپنے مال و زر کی قدر کر
یہ نظر نعمت ہے دنیا میں نظر کی قدر کر

جو نظر، نذرِ خدا کرنے سے گھبراتا ہے تو
مفت یوں اس کے لٹانے کو کہاں جاتا ہے تو

— ۰ —

(سیماب اکبر آبادی)

خیالات و مشاہدات

از ظہور احمد

انسان کا دل ہر وقت قبول نصیحت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور جب تک صلاحیت پیدا نہ ہو۔ اسوقت تک اس کی اثر پذیری دشوار ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ لوہے کو اپنے مقصد کے مطابق راست و خم کریں انکو ضرورت ہے کہ پہلے اسے گرم کریں۔ اور پھر اپنا عمل شروع کریں۔ اسی طرح نصیحت کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ دل گرمایا ہوا ہے۔ یا نہیں اگر ایسا نہیں تو پہلے اسے گرما لو۔ جس طرح ہر کام کی کامیابی کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر بات کی تاثیر کے لئے ایک موقع ہوتا ہے۔ غور کرو ایسے اکثر موقع پیش آئے ہوں گے۔ کہ کسی جملے نے تمہارے دل پر تیر و نشتر کا کام کیا ہوگا۔ یہ جملہ تم نے اس موقعہ سے پہلے بھی سنا ہوگا۔ اور اس وقت تم پر کچھ اثر نہ ہوا ہوگا۔ اس غور و فکر کے بعد تم اندازہ کر سکتے ہو۔ کہ الفاظ موقع کے بغیر اپنا اثر نہیں دکھا سکتے۔ ایک مشہور مثل ہے کہ "قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید" لیکن اسے سن کر دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ لیکن ذرا یہ الفاظ اس شخص سے تو کہیئے۔ جو کسی مصیبت میں مبتلا ہے اور عملی طور پر عافیت کی قدر سے واقف ہو۔ ایک شعر ہزار آدمیوں کے مجمع میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن ہر شخص کے دل پر یکساں اثر نہیں کرتا۔ بعض لوگ اسے سن کر مذاق اڑاتے ہیں۔ اور مطلق متاثر نہیں ہوتے بعض لوگ اتنا اثر پذیر ہوتے ہیں کہ چلانے لگتے ہیں۔ ناصح کا فرض ہے کہ نصیحت سے پہلے مخاطب کی صلاحیت کا اندازہ کرے۔ ایک سچا قیافہ شناس جو دلوں کی صلاحیت معلوم کر سکتا ہے۔ انسانوں کی زندگی کچھ سے کچھ بنا سکتا ہے"

انسان کی دنیا میں ہر طرح کے رنج و غم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو یہ تکالیف اسقدر بڑھ جاتی ہیں۔ کہ انسان کو زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ تم نے غور کیا کہ غم کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میرے نزدیک تو صرف دو باتیں ہیں۔ جو ہمیں دنیا میں غمگین بناتی ہیں ایک یہ کہ ہمارے مقصود مراد کے حصول میں توقف ہو اور دوسری یہ کہ مقصود فوت ہو جائے۔ مثلاً ایک عزیز ہم سے جدا ہوتا ہے تو ہم غمگین ہوتے ہیں۔ اور ایک عزیز فوت ہوتا ہے تو ہمارا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز کے حصول میں دیر ہوتی ہے یا اس کے.... حصول سے مایوسی ہوتی ہے۔ یا حاصل شدہ چیز ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ تو ہمیں رنج پہنچتا ہے۔ صرف دو طاقتیں ہیں۔ جو ان غموں سے ہم کو نجات دے سکتی ہیں اور ان کی بدولت ہماری زندگی اطمینان و آسودگی سے لبریز ہو سکتی ہے۔ ان کا نام ضبط اور صبر ہے۔ ضبط

اس وقت غم کی سپر بنتا ہے۔ جب حصول مدعا میں تاخیر ہوتی ہے۔ اور صبر اس وقت ایک فرشتہ کی خدمت انجام دیتا ہے۔ جب مدعا فوت ہوجاتا ہے پس اگر تم عمر کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہو۔ تو ان دونو میں کمال مشق حاصل کرو۔

تجربہ اور مشاہدہ نے مجھے یقین دلادیا ہے۔ کہ جب تک ایک مسلمان پنج وقتہ نماز کا پابند نہیں ہوتا اس وقت تک اس میں وہ خوبیاں اور وہ نیکیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ جو زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے درکار ہیں۔ فجر کی نماز مجبور کرتی ہے۔ کہ سورج نکلنے سے پہلے سوکر اُٹھیں۔ ہائے صبح کا وقت کتنا پیارا وقت ہوتا ہے۔ نسیم اپنے دامن میں صحت اور شگفتگی لے کر آتی ہے۔ آسمان سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ سحر خیزی سے دو خاص فائدہ ہیں۔ ایک یہ کہ صحت اچھی رہتی ہے اور دوسرا یہ کہ روزانہ دو تین گھنٹہ وقت کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ عمر میں کئی سال کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ ظہر کی نماز دوپہر کی سستی و کاہلی اور خواب غفلت کو دور کرتی ہے۔ عصر کی نماز اس قدرتی اداسی کو دُور کرتی ہے۔ جو سورج ڈوبنے اور دن ختم ہونے سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مغرب کی نماز تمام دن کا کسل دور کرتی ہے۔ اور عشا کی نماز دل کو وہ سکون اور آسودگی عطا کرتی ہے۔ جو کاموں کی انجام دہی اور خدمات کے اختتام پر دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہری فوائد ہیں۔ باطنی فوائد یہ ہیں۔ کہ نماز سے وہ رشتہ مستحکم ہوتا ہے۔ جو خدا اور بندہ کے درمیان ہے۔ اور جس کے استحکام کے بغیر روح کو کبھی آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ نماز اخلاق کو درست کرتی ہے۔ اور معاشرت کی اصلاح کا واحد ذریعہ ہے۔ پس اگر تم دنیا کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کرنی چاہتے ہو۔ تو اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرو۔

اگر لوگوں کو ضروری اور غیر ضروری کا صحیح امتیاز ہوجائے تو دنیا کی ہزاروں مصیبتوں سے نجات پاجائیں ہم جسقدر مالی تکالیف اٹھا رہے ہیں۔ وہ تمامتر اسی غلطی پر مبنی ہیں۔ کہ ہم نے ضروری اور غیر ضروری میں امتیاز نہیں کیا۔ تم ایک مقروض کے حالات دریافت کرو اور اس برباد شدہ رئیس کی حالت پر غور کرو۔ جو لاکھوں روپے کی جائداد کھو کر آج نان جویں کو محتاج ہو رہا ہے۔ تم ان بربادیوں کی تہ میں اسی امر واقعہ کو مضمر پاؤ گے۔ کہ ضروری اور غیر ضروری میں امتیاز نہیں کیا گیا۔ آج جو لوگ آمدنی کی قلت اور افلاس کی مصیبت کے شاکی ہیں۔ وہ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ کہ ان کے اندر ضروری اور غیر ضروری میں امتیاز کی قوت نہیں ہے۔ تم صبح سے شام تک جو کچھ خرید کرتے ہو اگر اس پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ مصارف کا بیشتر حصہ غیر ضروری ہے۔ ضروری وہ ہے جس کے بغیر کسی طرح تم زندگی بسر کر سکتے ہو۔ روپے کی طرح تمہارا وقت بھی اس قوت امتیاز کے بغیر بیکار ضائع ہو رہا ہے۔ اگر رات کو سوتے وقت تم

حساب کرو۔ تو اندازہ ہو کہ دن کا کتنا حصہ تم نے فضول اور غیر ضروری کاموں میں رائیگاں کیا ہے۔ اگر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا چاہتے ہو اور دنیا کی تلخیوں سے بچاؤ مقصود ہے۔ تو صرف ایک بات کی عادت ڈال لو۔ اور وہ یہ کہ خرچ سے پہلے سوچ لو۔ کہ اس کے بغیر کام چل سکتا ہے یا نہیں۔ اور کام سے پہلے غور کر لو کہ اس کے بغیر تم رہ سکتے ہو یا نہیں۔ اور بات کہنے سے پہلے رائے قائم کر لو۔ کہ یہ بات زبان سے نہ کہو۔ تو کوئی حرج تو نہیں"۔

خودغرض انسان تو کسی کا نہیں، تیری کوئی بات خود غرضی سے خالی نہیں۔ تیرا خلوص لوث سے بھرا ہوا ہے۔ تیرا ایثار خود پسندی پر مبنی ہے۔ میں تیری چالاکیوں سے خوب واقف ہوں۔ تو جب تک کوئی بڑا فائدہ پیش نظر نہیں دیکھ لیتا۔ اس وقت تک کم فائدہ کی بات نہیں چھوڑتا۔ تو اپنے ہر کام کی جزا چاہتا ہے۔ تو ہر خدمت کے معاوضہ کا طالب ہے تو کبھی کسی کے کام نہیں آتا۔ تو جو کچھ کرتا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے لئے کرتا ہے۔ ادعیت کے دعویدار تیرے دعوے مسلم۔ مگر یہ تو بتا کس سے محبت کرتا ہے اسی سے جس کو تو پسند کرتا ہے۔ اور اپنی پسند کے پرستار کبھی ایسی ہستی سے بھی محبت کر جسے تو پسند نہیں کرتا۔ ایسی محبت پر تجھے ناز ہے۔ جو سراسر تیری خواہشوں کے ماتحت ہے۔ اگر تجھ میں اخلاص ہے۔ تو اپنی خواہشوں پر غالب آ کر ان سے محبت پیدا کر۔ جو تیری خواہش کے مطابق نہیں ہیں۔ کسی شے کے گم ہو جانے کا یا کسی شخص کے جدا ہو جانے کا تجھے بہت غم ہے اس کا نام تیری اصطلاح میں وفا ہے۔ تیری وفا کا کیا کہنا۔ سچ بتا۔ کیا تجھے فی الحقیقت کسی سے محبت ہے۔ اور محض اس محبت کی بنا پر تو غمگین ہے یا تو اپنے ان فوائد کے لئے بے چین ہے۔ جو اس چیز یا اس شخص سے وابستہ تھے۔ اور اب وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو محبت و وفا کو کیوں بدنام کرتا ہے۔ سن او مطلب آشنا۔ اگر درحقیقت تو چاہتا ہے۔ کہ خلوص کی دولت اور مہر و وفا کی نعمت سے مالامال ہو تو پہلے اپنی روح کو مفاد کی آلودگیوں اور لوث و غرض کی کثافتوں سے پاک کر اس کے بعد تو اس منزل میں پہنچے گا۔ جہاں کوئی چیز اپنی نہیں یعنی ہر چیز اپنی ہے اور جہاں دشمن و دوست اور رنج و مسرت کے الفاظ کوئی مفہوم نہیں رکھتے"۔

کبھی تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر تمہارے خیالات پبلک میں آ جائیں۔ یا کوئی آنکھ دل کے پردوں کو عبور کرتی ہوئی تمہارے خیالات تک جا پہنچے تو کیا ہو؟ تم نے بارہا دیکھا ہو گا۔ کہ جب کوئی برا خیال عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تو تمہاری بدنامی و رسوائی اور ذلت خواری میں کچھ کسر نہیں رہتی۔ جب برے خیالات دل و دماغ پر متمکن ہوں۔ اس وقت یہ فرض کرو۔ کہ وہ عملی

صورت اختیار کر رہے ہیں۔ اور تمہاری طرف چند ایسی آنکھیں نگران ہیں۔ جنکا تم لحاظ کرتے ہو۔ شائد اس تصور سے شرما جاؤ گے۔ اور پھر ان خیالات کی جرأت نہ کرو گے۔ تم کسی کو پسند نہیں کرتے۔ یا تم کسی سے خفا ہوتے ہو یا تم کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہو۔ اس وقت تمہارے خیالات کیا ہوتے ہیں؟ یہ خیالات اگر اس شخص کو معلوم ہو جائیں۔ تو تمہیں کیسی ندامت ہو۔ تمہیں سنائی نہ دیتا ہو۔ لیکن تمہارا ضمیر باآواز بلند تم کو ان خیالات سے روکتا ہے۔ تم دل میں بُرے خیالات چھپا کر بے خوف نہ ہو جاؤ۔ ممکن ہے کہ کوئی انسان ان سے واقف نہ ہو سکے۔ لیکن اس حاضر و ناظر ہستی سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ جو عالم الغیب ہے۔ اور یعلم ما فی الصدور؟

———— + ————

پیدائش کے بعد انسان کا بچپن سے لڑکپن تک پہنچنا یقینی نہیں۔ لڑکپن کی منزل طے ہو جائے تو جوانی کی بہار دیکھنا یقینی نہیں۔ جوانی بھی میسّر آجائے تو بڑھاپا یقینی نہیں۔ تعلیم و تربیت شادی بیاہ، اولاد، مال، دولت غرض ان میں سے کوئی بھی یقینی نہیں۔ اگر زندگی کے بعد کوئی چیز یقینی ہے تو صرف موت۔ یہ ایک ایسا یقین ہے جس میں کبھی تزلزل واقع نہیں ہو سکتا۔ جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان کا حافظہ موت کے معاملہ میں جتنا کمزور واقع ہوا ہے۔ اتنا دنیا کے کسی معاملہ میں نہیں۔ ریل کے سفر میں دیکھو۔ جو مسافر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمیں تھوڑی دیر کے بعد اتر جانا ہے۔ یا جو مسافر یہ جانتے ہیں۔ کہ ایک دو سٹیشنوں کے بعد ہم چلے جائیں گے وہ دوسرے مسافروں سے جھگڑا نہیں کرتے۔ لیکن جو مسافر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم کو ریل ہی میں رہنا ہے۔ اور وہ گھر کی طرح آرام و راحت کی جستجو کرتے ہیں۔ ان کو اپنے ہم سفروں سے ہمیشہ ناگواری پیدا ہوتی ہے۔ یہی حالت اس بڑے سفر کی ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ زندگی دو دن کی ہے۔ وہ بنی نوع کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور دل میں بے ایمانی و بددیانتی کا خیال نہیں آنے دیتے۔ لیکن جو لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ ہمیں اور ہماری نسلوں کو عرصہ دراز تک دنیا میں رہنا ہے۔ وہ دوسروں کی حق تلفی۔ جبر و ستم اور بے ایمانی کو روا رکھتے ہیں۔ پس جن کو نیک بننا ہے۔ وہ موت کو کبھی نہ بھولیں۔ اور موت کی یاد کو اپنا اتالیق بنائیں۔

———— + ————

تاریک ہیں زندگی کی راہیں ساقی
ظلمات فزا ہیں میری آہیں ساقی
ہو جلوۂ آفتاب پیمانہ مے
ہوں نور سے لبریز نگاہیں ساقی

فرخندہ بنیاد حیدرآباد

عوام کی تعلیمی اور اخلاقی ترقی

اعلیحضرت حضور نظام دکن و برار کا پیغام اپنی رعایا کے نام

حیدرآباد (دکن) ۲۲ ستمبر آج صبح حیدرآباد کی مجلس آئین کے ایک خاص جلسہ میں سر اکبر حیدری نے اعلان کیا۔ کہ اعلیحضرت حضور نظام نے ۵۔ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی ہے۔ جس میں مع صدر کے تین غیر سرکاری ارکان ہیں۔ اور دوسری ارکان اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام ہے۔ کہ تحقیقات کرنے کے بعد ایسی تجاویز پیش کرے۔ جن کے مطابق حکومت اور ریاست کی مختلف اقوام کے درمیان مؤثر تعاون قائم ہو سکے۔ تاکہ حکومت کو ان کی ضروریات اور خواہشات کا ہر وقت علم رہے۔

کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں:۔ دیوان بہادر اروا مودو آئینگر (صدر) مسٹر غلام محمد قریشی ایچ۔ سی ایس پروفیسر قادر حسین خاں کاشی ناتھ راؤ دیدیا۔ میر اکبر علی خاں اور سید یوسف علی ایچ۔ سی۔ ایس (سیکرٹری)، کمیٹی کو ہدایت کی گئی ہے۔ کہ ۶ ماہ کے اندر اندر اپنی رپورٹ پیش کرے۔

اعلیحضرت حضور نظام کا پیغام

کمیٹی کے تقرر کے سلسلہ میں سر اکبر حیدری نے رعایا کے نام اعلیحضرت حضور نظام کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا۔ جس میں اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اس امر کا تذکرہ کیا۔ کہ ۱۹۱۹ء میں میں نے اس وقت کے صدر المہام سے ایسے مواد فراہم کرنے کیلئے کہا تھا۔ جس سے میں اپنی رعایا کی تعلیمی اور اخلاقی ترقی کیلئے مفید اصلاحات اور قوانین مرتب کرنے کے قابل ہو سکوں اس وقت سے میں اس مسئلہ پر مسلسل غور کر رہا ہوں کہ ریاست کے مختلف مفاد کی نمائندہ جماعت یا جماعتوں کی وساطت سے حکومت اور رعایا میں زیادہ سے زیادہ تعاون ہونا چاہیئے۔ تاکہ میری حکومت ہمیشہ رعایا کی ضروریات اور خواہشات سے باخبر رہ سکے۔

اس سلسلہ میں تجاویز مرتب کرنے کا کام میں نے آئینی معاملات سے متعلق کمیٹی کے سپرد کر دیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اس کمیٹی کو ایسی تجاویز مرتب کرتے وقت جن کا تعلق براہ راست پبلک سے ہوگا۔ سرکاری اور غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کی موجودگی سے بہت زیادہ امداد ملے گی۔ کیونکہ اس کے سامنے ایک آزاد کمیٹی کے نظریات بھی ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کمیٹی اپنا کام کم از کم مدت میں ختم کر کے اپنی رپورٹ ۶ ماہ کے اندر اندر پیش کر دے گی۔ آخر میں حضور نظام نے فرمایا میرا

کام کوشش کرنا ہے۔ اور اس کو انجام تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

سر اکبر حیدری کی تقریر

اپنی تقریر کے دوران میں سر اکبر حیدری نے کہا۔ کہ کمیٹی کے تحقیقات کے دائرہ کو دانستہ طور پر وسیع رکھا گیا ہے۔ تاکہ مسائل کا مفصل مطالعہ کرتے وقت اس کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ آپ نے کہا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ صیغہ راز میں رکھی رکھی جائے گی۔

اگرچہ حکومت کمیٹی کی سفارشات تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ تاہم اس امر کا اطمینان دلایا جاتا ہے۔ کہ ان پر نہایت ہمدردانہ غور و خوض کیا جائے گا۔

اس کے بعد کمیٹی نے اس پیغام پر اعلیٰحضرت حضور نظام کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس معاملہ میں اپنے پورے پورے تعاون کا یقین دلایا۔

حضور نظام کے جشن سیمیں کی یادگار

ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ ۲۴ ستمبر کو کاچی گوڑہ سٹیشن میں اعلیٰحضرت ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام والئے دکن و برار نے "جوبلی سرائے" کی افتتاحی رسم ادا فرمائی۔ اس شاندار تقریب میں شاہزادہ بلند اقبال، نواب معظم جاہ بہادر۔ شہزادی نیلوفر سر محمد یعقوب ایم۔ ایل۔ اے اور متعدد حکام اعلیٰ رونق افروز تھے۔ یہ سرائے ایک معزز جاگیردار نواب داؤد جنگ بہادر نے اعلیٰحضرت حضور نظام کے جشن سیمیں کی یاد میں ۳۵ ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر کی ہے۔

قلمرو دکن میں رسل و رسائل:-

۲۹ ستمبر کو سر اکبر حیدری بالقابہ نے محکمہ ڈاک کے افسروں کے ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حکومت نظام حکومت کی مشینری کی تجدید ترتیب، مختلف محکموں کی تجدید تقسیم اور فیڈریشن میں شمولیت کی صورت میں مواصلات اور اس سے متعلق دوسرے امور کے جداگانہ سکرٹری اسٹیٹ کے قیام کے بارہ میں غور و خوض کر رہی ہے۔

فوج کیلئے نماز باجماعت :-

ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ اتاترک مصطفےٰ کمال نے ایک روز نماز کے بعد جنرل عصمت سے گفتگو کرنے کے بعد اسی وقت لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ خود یہ اعلان کیا۔ کہ نماز فوجی ضابطہ میں داخل ہے۔ جو شخص اس سے غیر حاضر ہوگا اس کو ڈبل ڈرل کی سزا دی جائے گی۔

افغانستان جدید

پردے کی شدید پابندی کے باوجود نسواں کا انتظام

ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈی صوفی ایم۔ اے ڈی لٹ ایجوکیشنل سروس سی۔ پی دنیا کے اہم ممالک میں تعلیمی دورہ کرنے کے بعد کلکتہ واپس آئے ہیں۔ آپ نے ایک ملاقات کے دوران میں افغانستان جدید کے متعلق نہائت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا۔ کہ مملکت ایران کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ سارے ایران میں عورتیں یوربین عورتوں کی طرح برہنہ رو پھرتی ہیں۔ مگر افغانستان کی عورتیں پردہ کی پابند ہیں۔ ایران کے پرائمری سکولوں میں لڑکیاں اور لڑکے اکھٹے پڑھتے ہیں۔ مگر افغانستان میں صرف لڑکیوں کا ایک پرائمری سکول ہے۔ اور لڑکیوں کی درسگاہیں بالکل جدا ہیں۔

ڈاکٹر صوفی اکتوبر ۱۹۳۶ء میں ہندوستان سے عازم افغانستان ہوئے تھے۔ آپ درہ خیبر کی راہ جلال آباد پہنچے تھے۔ جہاں آپ نے چند روز تک قیام کیا تھا۔

افغانستان کی تعلیمی حالت

شہر کابل میں طلبہ کے لئے تین اہم درسگاہیں ہیں۔ جن کا نصاب تعلیم لندن کے میٹرکیولیشن کے نصاب کے مساوی ہے۔ ان درسگاہوں میں ذریعہ تعلیم فارسی ہے مگر ہر ایک طالب العلم مجبور ہے۔ انگریزی۔ فرانسیسی یا جرمن زبانوں میں سے کسی ایک کو ضرور پڑھے۔ ان سکولوں کے طلبا، تمام مروجہ مضامین کو فارسی زبان میں پڑھتے ہیں۔ مگر دیہات میں ذریعہ تعلیم پشتو ہے حکومت افغانستان پشتو کی اصلاح کیلئے سرگرمی سے کوشش کر رہی ہے۔ خیال یہ ہے۔ کہ کسی وقت پشتو افغانستان کی رسمی زبان بن جائے گی۔ اور علمی اور فنی امور اسی زبان کے ذریعے سر انجام پایا کریں گے۔

مقبرہ بابر

ڈاکٹر صوفی نے کابل میں ظہیر الدین بابر کے مقبرہ کی زیارت کی جو ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی تھا۔ آپ کا بیان ہے کہ مقبرہ نہائت اچھی حالت میں ہے۔ اس کے بعد آپ سیاحت کے طور پر پغمان تشریف لے گئے۔ آپکا خیال ہے۔ کہ پغمان کابل کے گرد و نواحی مقامات میں سب سے زیادہ صحت افزا اور خوشنما مقام ہے۔ کابل کے بالکل قریبی مقامات میں سابق شاہ امان اللہ خاں کا ناکمل دار الامان بھی قابل ذکر ہے۔ اس مقام کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ سابق شاہ اس شہر کو کتنا با عظمت بنانا چاہتا تھا

اس کے بعد ڈاکٹر صوفی غزنی تشریف لے گئے تھے جہاں آپ نے روضہ سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ قدیم شہر کی گلیاں نہائت تنگ اور پیچ در پیچ ہیں۔ اور مکانوں کی چھتیں بہت پست ہیں قدیم قلعے کے نزدیک ایک جدید شہر بھی آباد کیا جا رہا ہے۔

قندھار افغانستان کے مشہور شہروں اور تجارت

کے مراکز میں سے ہے۔ اس شہر کی تجدید تعمیر کا کام شروع ہے۔ شہر کی آب و ہوا نہائت اچھی ہے۔ لوگوں کے مکانات پر فضا۔ سڑکیں چوڑی۔ دکانیں بالکل جدید نمونوں کی ہیں۔ شہر کا عام منظر بھی اچھا ہے۔ سلطان احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ بھی قندھار ہی میں ہے۔ قندھار تجارتی لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ وہ سڑک کے ذریعہ چمن اور کوئٹہ سے مربوط ہے۔ اور موٹریں اور لاریاں قندھار کے میوے کو چمن اور کوئٹہ لے آتی ہیں۔

ڈاکٹر صوفی قندھار کے راستے ہرات بھی تشریف لے گئے تھے۔ جہاں آپ نے مولانا عبدالرحمن حاجی کی قبر کی زیارت کی۔ یہ شہر بھی تجارتی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور اسے تجدید تعمیر کے ذریعے نہائت خوبصورت بنانے کی کوشش کی جارہی ہے امام فخرالدین رازی کا روضہ بھی ہرات ہی میں ہے اس شہر کا قدیم مدرسہ ابتر حالت میں ہے۔

جدید ترین رسٹ ہاؤس

افغانستان میں ہر جگہ نہائت اچھے اور آرام دہ رسٹ ہاؤس موجود ہیں۔ جہاں سیاحوں کے لئے ہر قسم کی تسہیلات فراہم کی جاتی ہیں۔ سفر بالعموم موٹروں یا لاریوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم

افغانستان میں لڑکیوں کی تعلیم کو کامیاب بنانے کی بھی کوشش کی جارہی ہے۔ چنانچہ شہر کابل میں لڑکیوں کے لئے ایک پرائمری تعلیم جاری کر دیا گیا ہے دایہ گری کی تعلیم کے لئے بھی ایک کلاس کھولی گئی ہے۔ جس کا انتظام متذکرہ صدر پرائمری سکول کے زیر اثر ہے۔ شہر کابل کے تینوں ہائی سکولوں اور لڑکیوں کی درسگاہوں میں دوپہر کا کھانا مفت دیا جاتا ہے۔ افغانستان کا سفر نہائت آرام اور تھوڑے مصارف سے پایۂ تکمیل پہنچ سکتا ہے

وزیر اعظم پنجاب اور تنظیم زکوات

سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کی حکومت دانشمندانہ و مدبرانہ طریق پر فرائض جہانداری انجام دے رہی ہے۔ ان تمام اصلاحی و ارتقائی امور کے علاوہ جو عامتہ الناس کے مفاد سے متعلق خاص امور کا ہی خیال رکھتے ہیں۔ اچھوتوں کے لئے آپ دردمندانہ توجہ دے رہے ہیں اسلامی مفاد کے لئے آپ تنظیم زکوٰۃ کے ذرائع پر غور کر رہے ہیں۔ اسلامی بیت المال کے قیام کے لئے یہ تجویز نہائت مفید ہے۔

میری سرگذشت

نمبر ۴۹

(۱)

علاقہ کچھی میں ہز ہائی نس خانِ قلات کی پانچ نیابتیں ہیں۔ (۱) ڈہاڈر۔ (۲) بھاگ (۳) گنداوہ (۴) میرپور (نصیر آباد) (۵) لہڑی جن میں ان کی طرف سے نایب مقرر رہتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء کے موسم سرما میں مجھے میسرس شاہ پٹیل اینڈ واٹرز کے ہمراہ بحیثیت سررشتہ دار علاقہ کچھی کے دورہ کا اتفاق ہوا۔ شہر بھاگ سے قصبہ لہڑی ۲۷ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم بھاگ سے چلکر طلوع آفتاب سے قبل لہڑی پہنچے گر بدرقہ کی غلطی سے ہمارا کیمپ احاطۂ نیابت کی بجائے وڈیرہ سہراب خاں صاحب تمندار قوم ڈومبکی کے مہمان خانہ پر پہنچا جس کی وجہ سے بلوچی آئین کے مطابق مہمان اور میزبان دونو کے لئے لازم آگیا۔ کہ وہ ایک دوسرے کی توقیر کو ملحوظ رکھیں۔ اس لئے تمندار ڈومبکی ہی کے مہمان خانہ میں فروکش ہونا پڑا۔

مہمان خانہ خوبصورت طریق پر پختہ اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ میر محراب خاں صاحب خلف وڈیرہ سہراب خاں ایک روشن خیال اور شائستہ نوجوان تھے۔ انہوں نے دوران قیام میں تمام کیمپ کیلئے لوازم مہمانی فیاضی اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیئے۔ اور بحیثیت ایک معزز میزبان کے ان کا طریق عمل صحیح طور سے۔ اور خانِ قلات کی جانب سے ملا محمد حیات قوم شیخ سکنہ بھاگ نائب لہڑی تھا۔

(۲)

قصبہ لہڑی کی وجہ تسمیہ رودخانہ لہڑ سے بھی منسوب کی جاتی ہے۔ رودخانہ مذکور ایک مشہور ندی ہے۔ جس کے دہانہ کو جو بالکل تنگ ہے۔ اگر بند لگایا جائے۔ اور سیلاب کا پانی آہستہ آہستہ چھوڑا جائے۔ تو لہڑی کے تمام علاقہ کے آباد ہوسکنے کا کافی امکان ہے۔ نیابت لہڑی کا حدود اربعہ یہ ہے۔ شمالاً علاقہ سیوی۔ جنوباً علاقہ اپر سندھ فرانٹیر شرقاً علاقہ اقوام بگٹی و مری۔ غرباً علاقہ بھاگ ناڑی۔ رقبہ ۲۸۲ مربع میل۔ شہر لہڑی کوہ سلیمان کے دامن سے چھ میل کے فاصلہ پر۔ سطح سمندر سے ۴۹۵ فٹ بلند۔ ۲۹ درجہ ۱۰ دقیقہ شمالاً اور ۶۸ درجہ ۱۲ دقیقہ شرقاً۔ سیوی سے جیکب آباد کو جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ سیوی سے ۳۵ میل اور جیکب آباد سے ۶۹ میل ہے۔ اس کے قریبی ریلوے سٹیشن بیل پٹ اور لنڈسی ہیں۔ بیل پٹ سے ۲۴ میل اور لنڈسی سے ۲۰ میل۔

شہر کے گرداگرد خام دیوار کی فصیل ہے۔ جو اب اکثر جگہ سے شکستہ حالت میں ہے۔ چیف آف ڈومبکی کا شاندار محل شہر کے غربی جانب ہے۔ جو اپنی نمایاں بلندی کی وجہ سے دور ہی سے دکھائی دیتا ہے۔ قصبہ لہڑی اپنی متعدد خصوصیتوں کے لحاظ سے ایک مشہور مقام ہے۔ جس کی سرزمین نے عروج و زوال کے متعدد دور دیکھے۔ اور جس کے وسیع اور عبرت آموز

قبرستان میں بہت سے اولیائے کرام اور مجاہدانِ اسلام استراحت فرما ہیں۔

بلوچستان میں اجرائے ریل سے پیشتر سندھ سے براہ درہ بولان افغانستان اور ایران کو جانے والوں اور ان ممالک سے براستہ درہ مذکور سندھ میں آنیوالوں کے لئے لہڑی بھی ایک ایسا مقام تھا۔ جو مفید گذرگاہ کا کام دیتا تھا۔ لیکن جب جیکب آباد سے لیکر سیوی تک ریل کا آہنی جال بچھایا گیا۔ تو لہڑی کی وہ سابقہ اہمیت برقرار نہ رہ سکی۔ علاقہ لہڑی کے قابل ذکر دیہ جات یہ ہیں:-

(۱) وزیرآباد۔ زرخیز خطہ ہے۔ اسکو میر وزیر خاں کلان ڈومبکی طرح نے آباد کیا تھا۔ اور ان کے نام پر ہی موسوم ہے

(۲) کشپار۔ اسمیں قابل ذکر خاندان میاں خیل کا ہے۔ جن کی شخصیت کی وجہ سے کشپار شریف کہا جاتا ہے۔

(۳) ٹنیہ آباد جگہ ہے۔

(۴) عمیرواہ۔ سردار صاحب ڈومبکی کے نائب کلاں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

(۵) ترہ پڑ۔ اوسط درجہ کی تجارتی منڈی ہے۔

(۶) دولی۔ چیف آف ڈومبکی کی جاگیرات کا نمایاں مقام ہے

(۳)

نیابتِ لہڑی کی انتظامیہ حالت دوعملی کی سی ہے اراضیاتِ جاگیر کا انتظام سردار صاحب ڈومبکی سے متعلق ہے۔ اور اراضیات متعلقہ مدی لہڑی نائب خانصاحب کے زیر اہتمام ہیں۔ سیاسی اعتبار سے سردار ڈومبکی کا تعلق ضلع سیوی سے ہے۔ اور انتظامی لحاظ سے نائب لہڑی کا تعلق ضلع قلات سے ہے۔

(۴)

وڈیرہ سہراب خاں صاحب تمندار ڈومبکی نہ صرف جری اور شجاع ہی تھے۔ بلکہ صاحب تدبر و فراست بھی میر خداداد خاں صاحب والئی قلات کے اقبال کا آفتاب خانہ جنگیوں کی وجہ سے ڈھل چکا تھا۔ اس لئے برطانوی اثر و اقتدار کی کمان کو چڑھتے ہوئے دیکھ کر وڈیرہ مذکور بھی طلوع ہونیوالے آفتاب کو ڈوبنے والے پر ترجیح دینے کیلئے مجبور ہو گئے۔

(۵)

لہڑی کی تمامتر تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اور سرمایہ داری کے لحاظ سے وہ ترقی پذیر حالت میں ہیں ان کی تجارت کا دائرہ حدود نیابت سے باہر سیوی جیکب آباد اور اقوام مری و بگٹی کے علاقوں تک وسیع ہے۔ مگر مسلمانوں کی آنکھیں بند ہیں۔ اور وہ ہل کو ترازو پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ سود در سود کی زنجیروں نے انہیں کس طرح سے جکڑ رکھا ہے۔

میں نے اس دورہ میں پہلی مرتبہ لہڑی کو دیکھا۔ اور میرا یہ دیکھنا آخری دیکھنا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد بحیثیت سررشتہ دار مجھے کبھی بھی لہڑی کے دورہ کا اتفاق نہ ہوا۔ دورانِ قیام میں لہڑی کے پر فضا منظر کو دیکھ کر مجھے اپنا وطن مالوف (سادو گورایہ ضلع گوجرانوالہ) یاد آگیا۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی۔ مستوفی
(ریٹائرڈ)

القریش
جدید

القریش امرتسر

بابت ماہ نومبر ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ —— نمبر ۱۱

فہرست مضامین

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو وہ کہ ذات پاک ہے تیری بلند تر
تو وہ کہ ہے خطاب ترا سیّد البشر

تو نے دیا قرار ہر ایک بیقرار کو
تیرے قدم گئے شبِ معراج عرش پر

تو نے دیا پیام اخوت جہان کو
تیری تجلّیاں ہیں ستاروں میں جلوہ گر

ہے کائنات تیری تجلی سے منجلی
ہر پھول ہر کلی میں ترا نور مستتر

ہیں اہل آسمان بھی مدحت سرا ترے
جھکتے ہیں مہر و ماہ تری بارگاہ پر
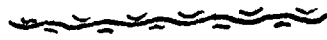
اسلام اور طعنۂ اغیار حد ہوئی
شیدائی تیرے اور پریشان و بے خبر

کب تک ترے فدائی اسیر بلا رہیں
للّٰہ اس تباہی پیہم کو دور کر

تو مائل کرم ہو تو آساں ہوں مشکلیں
دنیا ہے تیری چشم عنایت کی منتظر

تو ہو جو مہرباں، تو خدا بھی ہو مہرباں
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حاجی نبی احمد بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

نومبر ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ —— نمبر ۱۱

شذرات

ملت اسلامیہ کی مصیبتیں

مسلمانوں کی جماعتی مصیبتوں کی داستان بڑی ہی دردانگیز ہے۔ گذشتہ دس برس کی مدت میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا۔ کہ ان غریبوں کو اطمینان کے ساتھ داخلی اصلاحات کی طرف توجہ کی فرصت نصیب ہوئی ہو۔ نہرو رپورٹ کا دور آیا۔ تو وہ لوگ جواب احرار بنے بیٹھے ہیں۔ ہندوؤں کے ایجنٹ بن کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے درپے ہو گئے۔ اور سال بھر تک داخلی جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ان کو ناکامی و نامرادی نے تحت الثریٰ میں پہنچا دیا۔ تو دہلی کی جمعیۃ العلماء کے کاربرداز ہندوؤں کی گود میں جا بیٹھے۔ اور مسلمانوں میں داخلی جنگ جاری رہی۔ دو سال کے بعد فرقہ وار فیصلہ کے صدور سے قدرے اطمینان کی صورت پیدا ہوئی۔ تو ایک گروہ ازسرنو سمجھوتے کی سکیم لے کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر باہمی ردوکد کا ہنگامہ گرم ہو گیا۔ اس ہنگامہ میں افسردگی پیدا ہوئی۔ تو اب پھر غداروں کی ٹولیاں جا بجا صف آرا ہو کر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو درہم برہم کرنے کے درپے ہو گئیں۔

یہ سب کچھ ہے اور مسلمانوں کے کسل و سہل کے نتیجہ میں خدا جانے اور کیا کچھ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پیٹ کے بندوں اور نام و نمود کے غلاموں اور نفس پرستوں کو شرم نہیں آتی۔ وہ کلمہ پڑھ کر ملت اسلامیہ سے مکر و دجل کر رہے ہیں۔ اور طوق غلامی کو عین آزادی اور کفر کو عین اسلام بنا رہے ہیں۔ خدا ان غداروں سے

مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین!

حیدرآباد دکن میں سر اکبر حیدری کے صدر اعظم مقرر ہونے کے بعد وزارتِ مالیات کا قلمدان نواب فخر یار جنگ بہادر کو عطا ہوا۔ جنہوں نے حال ہی میں ۱۳۴۷ف فصلی کا میزانیہ پیش کیا ہے۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ نئے وزیر مالیات نے بھی میزانیہ کو اسی بلند معیار پر قائم رکھا ہے۔ جو سر اکبر حیدری کے زمانے کا امتیاز خصوصی تھا۔ سال زیر میزانیہ کے مداخل کا تخمینہ آٹھ کروڑ چہتر لاکھ اکیاون ہزار کیا گیا ہے۔ گویا اس سال سترہ لاکھ چھیاسٹھ ہزار کی بچت کی توقع ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مصارف میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو غیر متوالی ہیں۔ یعنی ایک ہی دفعہ ان پر روپیہ صرف ہوگا۔ ان مصارف کی مقدار پندرہ لاکھ چوراسی ہزار ہے۔ ان میں سے سات لاکھ تین ہزار حیدرآباد کے واٹر ورکس اور بدررؤں کیلئے اٹھائیس ہزار ادبی تالیفات کیلئے تینتالیس ہزار خاص وظائف کیلئے پچپن ہزار سنٹرل یونانی ہسپتال کے سامان کیلئے اور پانچ لاکھ تیس ہزار شہر اور اضلاع میں ہوائی جہازوں کے مقامات نزول اور ایک مزید ہوائی جہاز کی خرید کیلئے مخصوص ہے

اس کے علاوہ جو رقوم سرمایہ و اثاثہ پر صرف کی جائینگی ان کی مقدار ایک کروڑ پچپن لاکھ ستتر ہزار ہے۔ اس میں سے پچیس لاکھ روپیہ یونیورسٹی اور پولیس کی عمارتوں پر صرف کیا جائیگا۔ ایک کروڑ تین لاکھ سات ہزار روپیہ ریلوے کی تعمیر کیلئے ہے۔ جو ناندیڑ عادل آباد و اوجانی بھیڑ اور نگ آباد کی لائنوں کے لئے مطلوب ہے گیارہ لاکھ ستتر ہزار روپیہ آبپاشی کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔

اعلیحضرت حضور نظام نے اس بجٹ پر اپنی دلی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور ہدایت کی ہے۔ کہ سکرٹریٹ کی عمارتوں کی تعمیر اور حیدرآباد کے ٹیلیفون کو دوسرے مقامات بیرونی کے ساتھ ملانے اور دوسرے امور ضروریہ کو سال آئندہ میں مدنظر رکھا جائے۔

ہم نواب فخر یار جنگ بہادر کو اس تدبیری میزانیہ پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی وزارت مالیات کا عہد بھی سر اکبر حیدری کے عہد کی طرح ملک و مالک کی فلاح و بہبود کا باعث ہوگا۔

اعلیٰ حضرت شہریار دکن کی بہو حضرت خلیفۃ المسلمین کی شہزادی اور ہز ہائینس ولی عہد دکن کی بانوے محترم درِ شاہوار خانم نے حال ہی میں تحریک ترقی نسواں کے سلسلے میں ارشاد فرمایا۔

> ہماری بیداری کی بین دلیل یہ ہے۔ کہ ہم نے اپنی محکومی کو خواہش آزادی سے بدل دیا ہے۔ میری ہمیشہ سے یہی آرزو رہی ہے کہ کوئی عورت اپنی اور اپنے بچوں کی تعلیل امداد کے لئے کسی کے آگے سر نہ جھکائے۔ اور نسوانی خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ بلکہ محنت۔ ہنر اور دستکاری کو قائم رکھے۔

ہندوستان جیسے مفلس و نادار ملک کی عورتوں کے تمام معاشی آزادی کا یہ پیغام فی الحقیقت بے انتہا مبارک

ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ عورتوں کی معاش مردوں کے ذمے ہے۔ لیکن اگر عورتیں اپنی دستکاری اور محنت اور علم سے کافی روپیہ کمانے لگیں۔ توجہاں گھروں کی دولت میں اضافہ اور خوشحالی میں ترقی ہوگی۔ وہاں عورت کی عزت، اہمیت اور حیثیت پہلے سے دوچند ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ شوہر کی بے روزگاری یا اپنی بیوگی کی حالت میں عورت کو اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہوگی۔ شہزادی دیرشاہوار کا یہ پیغام ہندوستان بھر کی مسلم خواتین کو خاص طور پر گوش ہوش سے سننا چاہئے اور اپنی معاشی ترقی کے رستے پر بلا توقف گامزن ہوجانا چاہئے۔

---

۱۴ اکتوبر کو ڈیرہ نواب صاحب سے ایک لاری جس میں مسافروں کو لے کر جارہی تھی۔ کہ سمہ سٹہ کے پاس ۴۴ ڈاؤن ٹرین سے اس کا تصادم ہوگیا۔ لاری پاش پاش ہوگئی۔ چودہ نفوس ہلاک اور بارہ مجروح ہوگئے۔ اس حادثہ کی تفصیلات محکمہ اطلاعات بہاولپور کے ایک بیان میں درج ہیں۔ جو کسی دوسری جگہ شائع کیا جارہا ہے۔ کمشنر پولیس وزیر معارف اور پرائیویٹ سکرٹری فی الفور موقع پر پہنچ گئے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ آدھ گھنٹے کے اندر اندر اعلیٰحضرت تاجدار بہاولپور اپنی موٹر کار کو پوری تیزی سے اڑاتے ہوئے مقام حادثہ پر پہنچ گئے۔ آپ کی تشریف آوری سے پولیس، فوج اور طبی امداد فی الفور حرکت میں آگئی۔ اور آپ نے نعشوں کو اور زخمیوں کو اپنی نگرانی میں وکٹوریا ہسپتال پہنچایا۔ جہاں مجروحین کی مرہم پٹی کی گئی۔ نعشیں وارثوں کے سپرد کی گئیں۔ جن کے وارث نہ پہنچ سکے۔ ان کی تجہیز و تکفین سرکار عالی کی طرف سے کی گئی۔

اعلیٰحضرت کوئی چھ گھنٹے تک مقام حادثہ پر احکام نافذ فرماتے رہے اور باچشم پرنم مجروحین کو اور نعشوں کے وارثوں کو صبر جمیل کی تلقین کرتے رہے۔ چار بجے بعد دوپہر مراجعت فرمائی۔ آپ کی اس دردمندی اور رعایا پروری کا گھر گھر چرچا ہو رہا ہے۔ اور لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کہ ایسا رحمدل تاجدار ان کے سر پر ہمیشہ قائم رہے۔

ٹوکیو کے ایک مقتدر روزنامے میں یہ اطلاع شائع ہوئی ہے۔ کہ جاپان۔ اٹلی اور جرمنی کے درمیان کامل اتحاد ہوگیا ہے۔ اور عنقریب ان کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہوکر اس پر نمائندگان دول کے دستخط ثبت ہوجائینگے۔

بحالات موجودہ دنیا بھر کے اہل الرائے کو یہی توقع تھی کہ یہ تینوں حکومتیں متحد ہوجائینگی۔ کیونکہ جرمنی اور اٹلی ہسپانیہ میں روسی اقتدار کے خلاف مصروف پیکار ہیں۔ اور جاپان بھی چین میں لڑ رہا ہے جسکو روس سے امداد پہنچ رہی ہے گویا یہ اتحاد ثلاثہ روس کے خلاف ہے۔ یہ تینوں طاقتیں توسیع واستعمار میں بہت شدت سے مصروف ہیں۔ جاپان چین پر قبضہ کرلینا چاہتا ہے۔ اٹلی حبشہ پر قابض ہوکر اب ہسپانیہ میں اقتدار حاصل کررہا ہے۔ جرمنی اپنی نوآبادیوں کا مطالبہ کررہا ہے۔ اس کے مقابلے میں انگریزوں روسیوں اور فرانسیسیوں کو متحد ہونا چاہیئے۔ لیکن ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ بولشویک حکومت اور ان سرمایہ دار سلطنتوں کے درمیان اتحاد ہوگا یا نہیں۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

تجدید حیات کے پروگرام کی عملی پیروی

رمضان کا مبارک مہینہ آگیا۔ اور اسلامی دنیا نے
قرآن اور احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق
خورد نوش پر اپنے کام و دہان کے دروازے بند کر لئے۔ مسلمانوں
کو دنیا کی تمام نعمتیں میسر ہیں۔ خورد نوش کی تمام آسانیاں
مہیا ہیں۔ اور جلوت میں نہیں تو خلوت میں ہر مسلمان اپنی
مرضی کے مطابق کھا پی سکتا ہے۔ اسلامی عبادات میں سے
ہر عبادت کا تعلق انسانوں کے مشاہدہ سے ہے۔ اور بہت سی
انسان رائے عامہ کے خیال سے انہیں ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی
شخص نماز، روزہ یا حج کے ارکان ادا نہیں کرتا تو انسانوں کے
علم و اطلاع سے باہر نہیں رہ سکتا لیکن روزہ ایسی عبادت اور
ایسا رکن اسلام ہے جس کی اطلاع بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی
کو نہیں ہو سکتی۔ اور ایک مسلمان ساری دنیا میں روزہ دار
مشہور ہو کر بھی غیر روزہ دار ہو سکتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت
خدا پرستی کا یہ بلند ترین مقام ہے۔ کہ ایک مسلمان تمام دنیوی
نعمتوں کے استعمال پر قدرت رکھنے کے باوجود محض اللہ
تعالیٰ کے لئے ان سے دستکش رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے۔ کہ روزہ میرے لئے ہے۔ اور میں ہی اس کا
اجر دیتا ہوں۔

جہاں تک کھانے پینے اور اس سے اجتناب کا تعلق
ہے۔ علاوہ طبی نقطۂ نگاہ کے دینی اعتبار سے اسکو کوئی
اہمیت حاصل نہیں۔ اسلام کے نزدیک ترکِ غذا اور مجرد
میں کوئی خوبی نہیں۔ خوبی صرف اس میں ہے کہ ان امور
کو اللہ کی رضا کے لئے اختیار کیا جائے۔ اور مسلمانوں
کے اندر تقویٰ و طہارت اس عمل سے پیدا ہوتا ہے۔
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک خاص وقت کیلئے حلال و
طیب چیزوں سے پرہیز کامل کرتا ہے۔

دوسری اقوام کے روزے

قرآن مجید میں جہاں روزے کا ذکر آیا ہے وہاں
صاف طور پر فرما دیا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں پر بھی روزہ
اسی طرح فرض ہوا ہے۔ جس طرح دوسری اقوام پر یعنی
جہاں تک نفس روزہ کا تعلق ہے۔ یہ شئے نہ اسلام کے
لئے انوکھی ہے اور نہ دوسرے مذاہب کیلئے نئی۔ لیکن جو
شئے ممیز اور امتیازی ہے۔ وہ اسلامی روزے کی نوعیت
ہے۔ ہم دوسرے مذاہب کے روزوں کا استخفاف نہیں
کرنا چاہتے۔ بلاشبہ ان میں بھی انسانی نفس کی اصلاح
و ترقی کیلئے بہت سے عناصر موجود ہیں۔ ہندوؤں کا برت
اور اس برت کی بہت سی قسمیں صحت جسمانی کیلئے مفید ہیں
لیکن ان کی وہ نوعیت جو آج ہمارے سامنے رائج ہے۔
منافع سے زیادہ نقصان کی موجب ہے۔ اور کم سے کم
یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان میں منافع کے علاوہ نقصانات
بھی ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے بعض برت ایسے ہیں۔ جن
میں انسان صرف چکی کی پسی ہوئی غذاؤں سے احتیاط

کرتا ہے۔ یہ برت محض رسمی ہے۔ اور اسکا نفع بالکل موہوم
اس کے علاوہ ایک برت وہ تھے۔ جو زیادہ عام اور
رائج ہے۔ اور وہ یہ ہے ہر قسم کی غذا سے ایک مدت مدید
تک اجتناب۔ مثلاً سات روز سے چالیس روز تک سوائے
پانی کے کسی شئے کا استعمال نہ کرنا۔ یہ طریقہ جسم کو بہت
سے عوارض سے نجات دلاسکتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت
مذہبی نہیں طبی ہے۔ اس پر عمل ہر شخص نہیں کر سکتا
اور نہ کرتا ہے۔ بلکہ مریض یا تپسیا کرنے والے ہی کرتے
ہیں۔ مگر اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ
انسان کو فرائضِ حیات ادا کرنے سے بالکل محروم کردیتا ہے

اسلام نے روزے کا جو انداز۔ جو اصول اور جو طریق
بتایا ہے۔ اس میں حسن ہی حسن ہے۔ جمال ہی جمال ہے
پاکیزگی ہی پاکیزگی ہے۔ معقولیت ہی معقولیت ہے اور
فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور اسلامی شریعت کی یہی خوبی
اسے تمام دوسرے شرائع پر فائق ثابت کرتی ہے۔ اس
کے احکام میں کوئی شئے اپنی ذات میں نئی نہیں ہے لیکن
اس کا ہر حکم ہر قسم کے عیب و مضرت سے پاک اور ہر
فائدے پر مشتمل ہے۔

اسلامی روزے کے فوائد

اسلامی شریعت کے احکام کی اس بنیادی نوعیت
کا مظہر اتم روزہ بھی ہے۔ اس کے آداب و شروط پر
سرسری نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا۔ کہ کس طرح تکلیف
واذیت کو کم سے کم کرکے افادیت ونافعیت کو زیادہ
سے زیادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ترکِ غذا اور تجرد کے لئے
صرف دن کے مخصوص اوقات رکھے گئے ہیں۔ جن کے
بعد غذا کی پوری اجازت ہے۔ بلکہ حکم ہے۔ اس کا فائدہ
یہ ہے۔ کہ انسان کا جسم روزے کے اوقات میں
غذا کو پوری طرح ہضم کرلیتا ہے۔ اور نئی غذا کو قبول
کرنے کیلئے پوری طرح آمادہ ہوجاتا ہے۔ اور جو کچھ کھاتا
ہے۔ وہ پوری طرح جزو بدن ہوجاتا ہے۔ پھر چونکہ روزے
کے اوقات مختصر ہیں۔ اس لئے انسان زندگی کے تمام
مشاغل اور فرائض میں خود کو کوتاہ دست اور کمزور نہیں
پاتا۔ دنیا کا کاروبار بھی پوری طرح چلتا رہتا ہے۔ اور مسلمان
بھی روحانی اعتبار سے ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسلام عمل اور
سرگرمی کا مذہب ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کی طرح ایسے
احکام نہیں دے سکتا۔ جس سے بے عملی اور نقاہت پیدا ہو

اس سلسلے میں دوسری شئے یہ ہے۔ کہ دن کو روزے
کیلئے اور شب کو عبادت وریاضت اور نماز و تلاوت کے
لئے خاص کیا گیا ہے۔ تاکہ دن میں جسم نے جو جسمانی فوائد
حاصل کئے ہیں۔ ان پر شب میں روحانی منافع کا اضافہ
ہو اور انسان غیر معلوم اور غیر محسوس طور پر جسمانی و روحانی
ترقی کرتا جائے۔ اور ان دونوں باتوں کو اس اعتدال کے
ساتھ مرتب کیا ہے۔ کہ افراط وتفریط کا شائبہ گمان
بھی باقی نہیں رہا۔

تیسری شئے جس نے اسلامی روزے کو امتیاز خاص
عطا کر دیا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
روزہ دار کو ہر قسم کے اخلاقی عیوب سے اجتناب کرنے
کا حکم فرمادیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے روزہ دار کو اپنی آنکھ
ناک۔ کان اور زبان کو منہیات سے دور رکھنا چاہیئے۔
اور جو شخص ایسا نہیں کرتا۔ وہ روزہ نہیں رکھتا۔ فاقہ

کرتا ہے۔ اور خدا کو اس کی قطعاً پروا نہیں۔ کہ وہ بھوکا مرتا
ہے یا نہیں۔ (او کما قال)

رمضان کا مقصود

ان تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ رمضان
مسلمانوں کی روحانی اور جسمانی اصلاح کا ایک مکمل اور
مسلسل پروگرام ہے جس پر دنیائے اسلام پورے ایک
مہینے تک عمل کرتی ہے۔ آج ہم اپنی بدبختیوں کے باعث
رمضان کی برکات و فوائد کا احساس نہ کر سکیں۔ لیکن عقل
ہم کو بتاتی ہے۔ کہ جو اشخاص اور جو قوم پورے ۲۹ یا ۳۰
روز اس حال میں بسر کرتی ہے۔ کہ دن میں ایک ان دیکھے
خدا کی خوشنودی و رضا کی خاطر جائز و حلال چیزوں سے
اجتناب کرتی ہے۔ اور شب کو نیند اور آرام سے دستکش
ہو جاتی ہے۔ وہ تیس دنوں کے بعد اپنی روح اور جسم میں
عظیم الشان انقلاب محسوس کر سکتی ہے۔

افسوس ہماری بدبختی! ہم روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن
اس کے آداب و شروط کا لحاظ نہیں رکھتے۔ ہم صرف
منہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ پورے جسم کا روزہ نہیں رکھتے
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم تقویٰ کے حصول کے
لئے دیا تھا۔ ہم جسمانی فوائد سے تو ایک حد تک بہرہ مند
ہو جاتے ہیں۔ لیکن روحانی اخلاقی اور دینی منافع سے کامل
طور پر محروم رہتے ہیں۔

ہم نے شب برات کی برکات کے متعلق اظہار خیال
کرتے ہوئے بتایا تھا۔ کہ یہ مسلمانوں کی تجدید حیات کے
عہد و پیمان کی رات ہے۔ اس رات میں ہم اللہ تعالیٰ
کے سامنے اپنی زندگی نئے سرے سے خدا کی مرضی کے
مطابق بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ شب برات کے ۱۵ روز
کے بعد ہی رمضان کی آمد کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس تجدید حیات
کے عہد کو عملی طور پر پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے اہتمام کیا جاتا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو رمضان
گزرنے سے پہلے اپنے جسم اپنی روح اپنے دماغ اور اپنے
دل میں خوشگوار اور خدا کی رضا کے مطابق انقلاب
پیدا کر لیں۔

سلسلہ تذکرہ برادری

ضرورت

اضلاع گوڑگانوں، دہلی، رہتک، کرنال، انبالہ اور حصار کے مقتدر تعلیم یافتہ قریشیوں کی فہرست
جس میں نام ولدیت سکونت ڈاکخانہ اور ضلع وغیرہ کے اندراجات کے علاوہ یہ بھی درج ہو۔ کہ
مالکان اراضی حضرات کی قوم کے کاغذات مال کے خانہ قومیت میں کیا درج ہے۔ تاکہ یہ معلوم کرنے میں سہولت و آسانی
ہو کر اضلاع متذکرہ میں کتنے خاندان ایسے ہیں۔ جو صدیقی، فاروقی، عباسی اور عثمانی وغیرہ کے اندراج کی وجہ سے
حقوق زراعت سے محروم ہیں۔ اور کتنے خاندان ایسے ہیں۔ جنہیں سے کچھ تو قریشی درج ہیں اور کچھ صدیقی، فاروقی و عباسی
وغیرہ تاکہ محکمہ مال کے حکام کی توجہ اس فروگذاشت کی جانب معطوف کرائی جائے۔ ایسی فہرستیں بہت جلد موصول ہو جانی
چاہئیں۔ امید ہے کہ قاضی امان الحق صاحب صدیقی بی۔اے بی ٹی خط کا جواب دیتے وقت فہرست مطلوبہ بھی ارسال کریں گے۔ اضلاع
متذکرہ کے دیگر حضرات بھی اس قومی ضرورت کی اہمیت پر غور کرتے ہوئے فہرستیں مرتب کر کے ارسال کر دیں تو تشکر و امتنان کا موجب ہوگا۔

چیف سیکرٹری ندوۃ القریش

تذکرہ برادری

کوہ مری میں قومی اجتماع

مکرمی خانصاحب سردار محمد اکرم خانصاحب، رئیس اعظم و جاگیردار چھیانی نے ۱۳ اکتوبر کو اطلاع دی۔ کہ

"کوہ مری کے مقام پر ۱۲، ۱۳، اکتوبر ۱۹۳۷ء کو "انجمن اصلاح عباسیان" کا جلسہ منعقد ہوگا اکابرین قوم علمائے عظام شرکت فرمائینگے تاکیداً ارقام ہے۔ کہ آپ بالضرور شرکت اجلاس کیلئے کوہ مری تشریف لاکر مشکور فرمائیں"

چنانچہ میں ۱۱۔ اکتوبر کی شام کو ۶ بجے کی ٹرین میں امرتسر سے چلکر صبح راولپنڈی اور ۱۲ بجے وہاں سے مری کو روانہ ہوا۔

راولپنڈی و مری کا درمیانی سفر قدرتی مناظر کی وجہ سے نہائت دلکش و دلچسپ ہے۔ سترہ میل کے مقام پر جہاں سے پہاڑی علاقہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ سڑک پر ایک پھاٹک لگا رکھا ہے۔ اور پولیس چوکی کے علاوہ ایک چھوٹا سا دفتر ہے۔ جس کے کارکن آنے جانے والے مسافروں سے ۶ ر فی کس کے حساب سے ہل ٹکس (پہاڑی محصول) وصول کرتے ہیں۔ غالباً پہاڑی سیر وسیاحت اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کا یہ جذیہ ہے۔ جس کی وصولی کا اہتمام حکومت کی طرف سے ہے۔

لوگ اپنی تجارتی واقتصادی اغراض کے پیش نظر ریل گاڑیوں اور موٹر لاریوں کے کرائے خرچ کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ تجارتی مال و اسباب پر ٹکس بھی ادا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹکس محض اجسادِ انسانی پر ہے۔ جو ان مجبوریوں پر سوا ہو جانے کی وجہ سے نہائت معیوب اور برا معلوم ہوتا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ حکومت کمال فیاضی سے یہ ٹیکس موقوف کر دے۔ تاکہ مناظر قدرت سے بہرہ اندوز ہونے میں یہ بار گراں نہ ہو۔

چالیس میل کا یہ سفر بوقلموں پہاڑی دلچسپیوں اور گوناگوں جاذب نظر نظاروں سے اسقدر دلفریب ہے کہ اس کا صحیح فوٹو پیش کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے۔

سرسبز و شاداب بلند پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیوں پر اور غاروں کی انتہائی گہرائیوں میں مختلف النوع طویل قامت درختوں کے پیڑ قطار اندر قطار کھڑے یہ قدرت کی صناعی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے جھوم جھوم کر صانع حقیقی کی تسبیح و تحلیل کر رہے ہیں۔ قلب کوہ سے پانی رس رس کر آبشاروں کی دلاویز شکل میں سبزہ زار کو سیراب کرتا ہوا بہ رہا ہے۔ اور دامن کوہ میں ندیاں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئیں انداز خاص میں جاری ہیں۔

سڑک گیسوئے دراز کی طرح پیچ و خم کھاتی ہوئی بتدریج نشیب سے فراز کی جانب جگر کوہ کو چیرتی ہوئی جبال و تراکم کے اس لامتناہی سلسلہ کو بے تکان عبور کرتی جا رہی ہے۔ جس کی بلندی و پستی موٹر لاریوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ایسا دلاویز منظر پیش کرتی ہے

سے طبیعت مسرور ہوتی ہے۔

سڑک پر جاتے ہوئے بائیں جانب نظر ڈالئے۔ تو اسی سڑک کے تہ در تہ چار حصے نظر آتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا غار کے داہنے لب پر کمال صنعت سے بلورین فرش بچھا دیا گیا ہے۔ اور اس پر بالالتزام چمن بندی کر دی گئی ہے۔

سڑک کے دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، ادھر، ادھر رہائشی کوٹھیاں اور بنگلے ہیں۔ جو نہایت خوبصورت و خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ دو دو تین تین میل کی دوری پر سڑک کے دو رویہ دکانات سے بازار بنائے گئے ہیں۔ جن سے ہر قسم کا سامان خورد و نوش اور دیگر ضروریات میسر آ سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ یہاں کے رہنے والوں کی پر لطف بود و ماند پر رشک ہوتا ہے

چالیس میل کی یہ خوشگوار راہ طے کر کے سوا چار بجے کے قریب ہم مری پہنچے۔ مری بازار تک جانے کے لئے اڈہ سے تقریباً میل بھر کی مسافت پیدل طے کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ اتنی چڑھائی ہے۔ کہ قدر عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ چند ہی قدم میں سانس پھول گیا۔ اور ٹانگیں جواب دے گئیں۔ کشاں کشاں بازار تک پہنچے۔ کہ رہنما مزدور نے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ یہ ایک سڑک ہے۔ جو مری بازار سے نچلے بازار کو جاتی ہے۔ اور اتنی ڈھلوان ہے۔ کہ لڑھک جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے نچلے بازار پہنچے تو اسی طرح کی ایک اور راہ تھی۔ جتنی کہ اترتے اترتے اتنا اتر گئے۔ کہ ہوا بدل گئی۔ اور سردی سے ہم ٹھٹھرنے لگے۔ گھومتے گھماتے آخر جلسہ گاہ کا پتہ چلا۔ اور تقریر کی آواز سے تسکین ہوئی۔

جلسہ گاہ اہتمام کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ اور مسٹر نفیس خلیلی امرتسری اپنے خاص انداز میں ایک نظم کہہ رہے تھے۔

چند ہی منٹ بعد انجمن کے ایک کارکن سٹیج پر آئے۔ اور حاضرین سے انجمن کے مقاصد کی تکمیل میں امداد و اعانت چاہتے ہوئے کہا۔ کہ بعض عاقبت نااندیش جنہیں خود میدان عمل میں اترنے کی خدا نے توفیق نہیں دی۔ کام کرنے والوں کو سوقیانہ حملوں سے پریشان اور اتہامات و الزامات سے بدنام کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ لہذا میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ وہ علی الاعلان بھرے اجلاس میں سامنے آئیں۔ اور اپنا اطمینان کریں۔ پس پردہ باتیں بنانا قوم سے صریح دشمنی کرنا ہے اور یہ کسی طرح روا و جائز نہیں۔ میں ان جملوں سے متاثر ہوا۔ اور اس خیال سے کہ مسلمانوں کی ہر جگہ یہی حالت ہے۔ بیحد متاسف ہوا۔ مسلمانوں کے قومی و ملی مفاد کی باتیں بالعموم اسی تو تو میں میں اور بدظنی کی نذر ہو جاتی ہیں۔ ایثار کرنے والے کارکنوں کی ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اصلاحی و ارتقائی پروگرام جوں کے توں دھرے رہ جاتے ہیں۔ خدا واسطے کے عناد کا یہ سلسلہ بالاکثر ذاتیات سے پیدا ہوتا ہے۔ اور قومی و ملی کشتیوں کو غریق بحر مذلت کر دیتا ہے۔

بدگمانی کے یہ قضیے مسلمانوں کی ہر مجلس و محفل اور ہر انجمن و ادارہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور سکون و اطمینان کے ساتھ کام نہیں ہو سکتا۔ ہم کارکنان انجمن اصلاح عباسیاں کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کی لغو حرکات پر ہرگز ہرگز توجہ نہ دیں۔ اور جس کام کو وہ لیکر اٹھے ہیں۔ اور جن مقاصد کی تکمیل ان کے ذمے ہے۔ کمال انہماک و شغف

کے ساتھ وہ اس میں معروف رہیں۔ عملی کارگذاریوں سے یہ گھناؤنے بادل اکثر چھٹ جایا کرتے ہیں۔ اور اکثریت کی ہمدردی اور فضل ایزدی شامل حال ہوجایا کرتا ہے۔ خداوند کریم ان عاقبت نااندیش لوگوں کو ہدایت دے اور نیک کاموں میں نیک نیتی کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

آپ کے بعد جناب صدر نے طویل تقریر کے دوران میں کانگریس کے گن گاتے ہوئے فرمایا۔ کہ

۱۔ یہ انجمن اب تک سیاسی امور سے بالکل الگ تھلگ رہی ہے۔ آج میں نے اسے سیاست سے پیوست کر دیا ہے۔

۲۔ اس انجمن کا دائرہ عمل آئندہ اصلاح عباسیان تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ یہ عامۃ المسلمین کی نمائندگی کے فرائض انجام دے گی۔

مگر افسوس ہے۔ کہ آپ اس بات کی صراحت و وضاحت سے قاصر رہے کہ انجمن کو آپ نے کانگریسی سیاست سے ملحق کیا ہے۔ یا اسلامی سیاست سے، اور عامۃ المسلمین کی خدمات کے ضمن میں کون کون سی خدمات اس کے سپرد کی گئی ہیں۔

یہ امر بھی تشنۂ تشریح رہا۔ کہ مسلمانوں کے ملی مفاد میں کانگریسی سیاست کو کیا دخل ہوگا؟ خیر!

کاش ہم آپ کی صدارتی تقریر سے متمتع ہوتے اور ارشادات عالیہ سے کچھ اخذ کرنے کا موقع پاتے!

مسلمانوں اور ان کے اصلاحی اداروں کی فلاح و بہبود اسی میں ہے۔ کہ وہ اسلامی سیاست سے کام لیں۔ اور آئین اسلام کی پوری پابندی کریں۔ اپنے ملی مفاد اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر پائیں۔ اور اسی کو راہ نجات خیال کریں۔

کانگریس نہ پہلے مسلمانوں کی بنی اور نہ اب بن سکتی ہے۔

اختتام اجلاس کے بعد ۱/۲ ۶ بجے شام مکرمی سردار فضل داد خانصاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس رئیس چھپائی کی ملاقات سے مسرت ہوئی۔ آپ کے پہلو میں ایک درد مند دل ہے۔ آپ قوم کے اصلاحی امور میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ مکرمی خانصاحب سردار محمد اکرم خانصاحب ریٹائرڈ سب رجسٹرار، آنریری مجسٹریٹ رئیس چھپائی جو قومی امور میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور جنہوں نے مرزائیت کے قائد آزاد کو بونچھ کی مہم سے ناکام و نامراد لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ کے آپ بھائی ہیں۔ آپ اخلاق مجسم ہیں۔ اپنے قومی جریدہ القریش کی دل سے قدر کرتے ہیں۔

صبح ۷ بجے مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ قوم کے اصلاحی امور پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اس اثناء میں معلوم ہوا۔ کہ جناب صدر کا اسم گرامی پیر بخش ہے۔ آپ پشاور کونسل کے ممبر ہیں۔ اور کانگریس کے دلدادہ شیدا ہیں۔ آپ نسباً قریشی نہیں۔ محض انجمن اصلاح عباسیان کے ایک کارکن کی دعوت پر فرائض صدارت انجام دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔ انجمن کے پیش نظر قومی مفاد کے اسقدر مسائل ہیں۔ کہ اسے سیاسی پہلوؤں پر توجہ دینے کی مہلت ہی نہیں۔ اور جب تک انجمن اپنے مجوزہ پروگرام میں عہدہ برآنہ ہولے۔ دوسرے امور پر غور نہیں کر سکتی۔

اس اثناء میں مکرمی سردار فضل داد خانصاحب کی تحریک پر چند حضرات نے القریش کی معاونت قبول کر کے اجراء وی پی کی اجازت دی۔

دس بجے دن رسٹ ہاؤس جو بہت بلندی پر واقع ہے

میں انجمن کے مستقل صدر سردار نور خاں صاحب رئیس کی زیر صدارت امور خصوصی پر غور و خوض کرنے کیلئے جلسہ منعقد ہوا۔ سولہ سترہ ریزولیوشن پیش ہوئے۔ جو بحث و تمحیص کے بعد بالاتفاق منظور ہوگئے۔ اور تجویز ہوا کہ ایک ہزار ایسے ممبر پیدا کرنے کی سعی کی جائے۔ جو دو روپے سالانہ چندہ ادا کرسکیں۔ اس رقم میں سے کچھ دارالعلوم کے اجراء پر صرف کی جائے۔ تاکہ دینی تعلیم کا تسلی بخش انتظام اور کما حقہٗ تبلیغی اہتمام ہو سکے۔

ایک رزولیوشن بایں مطلب منظور ہوا۔ کہ عباسی (ڈھونڈ) خاندان کا کوئی فرد اس وقت ریاست پونچھ کے محکمہ مال میں اعلیٰ عہدہ پر مامور نہیں۔ اور اب جبکہ پانچ نائب تحصیلداران کی نئی اسامیاں پُر کی جانیوالی ہیں۔ سردار غلام نبی کسٹم افسر کو بھی نائب تحصیلداری کے عہدہ پر مامور کرکے حق رسی کیجائے

اصلاح رسوم کے ضمن میں انجمن کے وضع کردہ قوانین پر سختی کے ساتھ پابندی کی جارہی ہے۔ چنانچہ اسی اجلاس میں دو متقدرین قوم کے خلاف شکائت ہوئی۔ کہ انہوں نے مختلف تقاریب شادی پر انجمن کے منظور کردہ دستور کی خلاف ورزی کی ہے۔ صدر جلسہ نے یہ شکائت نہائت خوبی کے ساتھ سماعت کی۔ ہر دو معززین نے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے عذر خواہی کی اور آئندہ محتاط رہنے کا اقرار کیا۔ اس پر فیصلہ ہوا۔ کہ آئندہ اگر کسی صاحب نے اصلاح رسوم کے قانون کی خلاف ورزی کی۔ تو اسے ممبران انجمن سے خارج کر دیا جائیگا۔ حاضرین بالخصوص ان دونوں حضرات نے جن کے خلاف شکائت کی گئی تھی۔ نہائت شرافت اور ادب کے ساتھ اس فیصلہ کو تسلیم کیا۔

یہاں کی عباسی برادری میں احساس ہے۔ اپنی قومی انجمن کو فروغ دینے کا بجائے خود ہر شخص متمنی ہے۔ قرائن شاہد ہیں۔ کہ یہ قومی ادارہ بہت جلد حسب دلخواہ ترقی کرے گا۔

مکرمی سردار نور خاں رئیس صدر، سردار کالا خاں رئیس نائب صدر، سردار یار محمد جاگیردار و رئیس۔ سردار فضل داد خاں رئیس، اور سردار سرفراز خاں صاحبان انجمن کے کاموں میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور عملی کاموں میں ان کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ سردار کالا خانصاحب سینکڑوں روپے کے ایثار سے دریغ نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ اب کے بھی مہمانوں کے خورد و نوش کے تمام اخراجات کی متحمل انہی کی جیب ہوئی۔ اسی طرح سردار نور خاں صاحب بیحد ایثار سے کام لیتے ہیں۔ غرض علیٰ قدر حیثیت ہر ممبر اور ہر کارکن پوری دلچسپی سے کام کررہا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

جلسہ کی کارروائی اور رزولیوشنوں کی نقل سکرٹری صاحب نے وعدہ کے باوصف ابتک ارسال نہیں کی معلوم نہیں اسمیں کیا مصلحت ہے۔

ساڑھے تین بجے جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اس موقعہ پر پانچ بہی خواہانِ قوم نے القریش کی خریداری منظور کرکے اجرائے وی پی کی اجازت دی۔ اور توسیع اشاعت کا وعدہ کیا۔

کارکنان انجمن نے اگر چاہا۔ اور کوائف و حالات کی اطلاع ہمیں ہوتی رہی۔ تو تکمیل مقاصد میں القریش کی ہمدردیاں ان کے ہمنوا ہونگی۔

ایک خط | مکرمی قاضی امان الحق صاحب صدیقی بی۔ اے

بی ٹی، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول بخف گڑھ سے تحریر فرماتے ہیں:-

مکرم بندہ جناب سکرٹری صاحب ندوۃ القریش امرتسر بعد از سلام مسنون واضح رائے بندگان عالی ہو کہ راقم کو معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ کی انجمن نے قوم قریش کے دیگر مفاد مدنظر رکھنے کے علاوہ اس طرف بھی توجہ فرمائی ہے۔ کہ قوم قریش کو جو مختلف چند اضلاع میں زراعت پیشہ نہیں تھی۔ گورنمنٹ عالیہ کو متوجہ کر کے۔ زراعت پیشہ بنوا دیا ہے۔ لیکن اس ضمن میں گذارش یہ ہے۔ کہ اس طرح صرف وہ لوگ زراعت پیشہ ہوئے ہیں۔ جن کی قومیت میں لفظ قریش یا قریشی درج ہے اور جن کی قومیت میں یہ لفظ درج نہیں۔ صرف صدیقی فاروقی یا عثمانی وغیرہ درج ہے۔ ان کو قریشی تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے آپ نے یہ تو بیشک بہت اچھا سوچا۔ کہ قریش کو زراعت پیشہ بنوا دیا۔ مگر قبلہ ام اس سعی مشکور کا فائدہ بہت کم لوگوں کو پہنچا۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا معاملہ رہا۔ مثلاً ایک ہی کنبہ میں سے جس کسی کی قومیت میں قریش لکھا چلا آرہا تھا۔ وہ تو زراعت پیشہ بن گیا۔ اور جسکو محض صدیقی یا فاروقی وغیرہ لکھا ہوا تھا۔ وہ غیر زراعت پیشہ ہی رہا۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجئے۔ کہ ایکٹ انتقال اراضی کے بموجب آدھے خاندان کی جائداد تو محفوظ رہی۔ اور آدھے کی غیر محفوظ چنانچہ میں جناب کی توجہ اس طرف مبذول کرانیکی جرأت کرتا ہوں۔ کہ جہاں آپ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب چہارگانہ کی اولاد کی اس حد تک خدمت کی ہے۔ کہ ان کو قعر مذلت سے نکال کر کنارہ پر بحفاظت تمام لا بٹھایا ہے۔ اسقدر اور کیجئے۔ کہ جو بیچارے محض صدیقی یا فاروقی یا عثمانی لکھے ہوئے ہیں۔ اور قعر مذلت میں ابھی تک بدستور غرقاب ہیں۔ ان کو بھی تو کنارہ سلامتی پر لائیے۔ میرے خیال میں اس کام کے واسطے آپ کو زیادہ وقت نہیں کرنی پڑے گی۔ کیونکہ بہت کچھ کام آپ نے کر لیا ہے۔ مثال راجپوتوں کی ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور بالکل موزوں۔ مطابق اور مساوی ہے۔ وہ اس طرح سے کہ راجپوت خواہ وہ تنور لکھے ہوئے ہوں۔ یا چوہان۔ یا راٹھور یا یادو ہوں۔ سب راجپوت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور زراعت پیشہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح بالکل ہم قریش ہیں۔ خواہ ہم صدیقی ہوں یا فاروقی ہوں یا عثمانی اور علوی وغیرہ ہوں۔ بہرحال سب قریش ہیں۔ کیونکہ اصحاب چہارگانہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کے نام نامی پر ہم صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی۔ علوی کہلاتے ہیں۔ چنانچہ اس مثال کے مطابق اگر ہم قریش قوم کے تمام فرقے قریشی تسلیم کرلئے جاویں تو ایک فائدہ کی بات ہے۔ ورنہ سو میں سے اگر پانچ کو فائدہ پہنچ گیا۔ تو کیا ہوا۔ آپ کا اصلی منشا غالباً یہی ہوگا۔ جبکہ آپ نے تمام قریشی قبیلہ کو زراعت پیشہ تسلیم کرانے کا سوال اٹھایا ہوگا۔ اس مصیبت میں صرف میں اکیلا نہیں ہوں۔ بلکہ اضلاع گوڑگانوہ۔ دہلی رہتک۔ کرنال۔ انبالہ۔ حصار وغیرہ کے بہت سے صدیقی فاروقی۔ عثمانی۔ علوی۔ قریشی صاحبان اسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اگر یہ معاملہ اس طرح طے نہیں ہوا۔ تو چند سال کے بعد ہم لوگ صرف مزدور پیشہ ہو جائیں گے۔ زراعت پیشہ رہنا تو درکنار۔ امید ہے کہ آپ میرے عریضہ کا ضرور بالضرور جواب عنایت فرمائیں گے۔ اور کافی امداد کرینگا

ذریعہ سوچیں گے۔ یہ سوال آپ کی انجمن کی طرف سے ہی کچھ کارگر ہو سکتا ہے۔ ہماری انفرادی کوشش اب تک بیکار ہو چکی ہیں۔ اور نہ ہمیں آئندہ امید ہے۔ کیونکہ کوئی فرد واحد یا اجتماعی طور پر اودھر ایسے لوگ نہیں ہیں جنہیں کچھ ہمت یا مالی حالت اس معاملہ کو ہاتھ میں لے کر منزل مقصود تک پہونچانے کی طاقت ہو۔ مرا ارادہ تھا۔ کہ جواب کیلئے لفافہ رکھدیتا۔ لیکن میں نے اخوت اسلام اور آپ کے ہمدردانہ اخلاق کے خلاف اس امر کو سمجھا۔ باقی والسلام علیکم و علی من اتبع الھدیٰ۔

میں نے ضمناً یہ بھی سنا ہے۔ کہ میرا موجودہ سوال بھی اسمبلی پنجاب میں درپیش ہے۔ اگر یہ صورت ہو تو براہِ مہربانی اپنی واقفیت سے یہ جواب بھی عنایت فرمادیں۔ مین کرم گستری ہوگی۔ باقی عداداب۔ بندہ کے لائق اگر کوئی کارخدمت ہو تو مطلع فرمایا جاوے۔

(مفصل جواب علیحدہ ارسال ہو چکا ہے۔ زمانہ سعی وجہد اور کوشش وعمل کا ہے۔ بے حس وحرکت پڑے رہنا افراد قوم کی عادت ثانیہ ہو چکی ہے۔ آپ حساس تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بفضل خدا عواقب ونتائج خوب سمجھتے ہیں۔

" ندوۃ القریش " آپ کے اس معاملہ میں ہر ممکن امداد کے لئے تیار و آمادہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ بھی کچھ حرکت وہمت کریں۔ اتحاد عمل ہی کی قوت سے ترقی کی شاہراہ پر جلدہ پیمائی ہو سکتی ہے۔ اور اسی کی طاقت سے منصۂ شہود پر پرچم کامرانی لہرایا جا سکتا ہے۔ گوڑگاؤں، دہلی، رہتک کرنال، انبالہ اور حصار کے ماسوا ہوشیارپور، فیروزپور وغیرہ کئی اور مقامات کے قریشیوں کی اسی طرح حق تلفی ہو رہی ہے۔ لیکن آپ غور کریں۔ کہ جب تک کارپردازان ندوۃ القریش کے علم میں کوئی بات لائی ہی نہ جائے۔ اور ان سے پورا پورا تعاون نہ کیا جائے۔ وہ کیونکر ان مقاصد کی تکمیل میں عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ آپ اتنی سعی کریں۔ کہ کسی ایک مقام پر برادری کے تمام متقدر حضرات کو مدعو کرکے ایک جلسہ کی شکل میں تبادلہ خیالات سے ایک نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ " ندوۃ القریش " کے نمائندگان تاریخ مقررہ پر آپ کے ہاں پہنچ جائیں گے۔ اور جو تجاویز متفقہ رائے سے قرار پائینگی۔ جماعتی حیثیت سے وہ اس پر عمل کرکے ان تکالیف کی کما ینبغی سدباب کی سعی کریں گے۔ باقتضائے حالات قومی شیرازہ بندی کی شدید ضرورت ہے۔ سعی فرمائیں۔ اور قومی خدمات میں ہمارے ممد ومعاون ہو کر عنداللہ ماجور وعندالقوم مشکور ہوں۔

" القریش " کے چند پرچے جن میں مسئلہ متذکرہ سے متعلق مضامین ہیں۔ آپ کی وسعت معلومات کیلئے ارسال کر دیئے گئے تھے۔ امید ہے کہ ملاحظہ سے گذرے ہوں گے جواب کا انتظار ہے، والسلام،

استفسار " چک قاضی " جس کے ڈاکخانہ اور ضلع کی تفصیل لکھنے کی راقم نے ضرورت نہیں سمجھی، سے ایک صاحب سردار علی نامی استفسار کرتے ہیں۔ کہ

" کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ قریشی صدیقی اور سید آپس میں رشتہ وناطہ کر سکتے ہیں یا نہیں یعنے قریشی سید کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے

یا نہیں ؟ جواب بروئے قرآن کریم وحدیث
شریف مطلوب ہے ۔
سائل کے بزرگان اب تک مغل اور افغان
خاندانوں میں رشتے کرتے رہے ہیں ۔ سید قوم
میں رشتے دیئے ہیں ۔ مگر اب تک لئے نہیں ۔
میں اپنے لڑکے کی شادی سید خاندان میں
کرنا چاہتا ہوں ۔ لہذا فتویٰ مطلوب ہے ۔"

سبحان اللہ قریشی صاحب کتنے محتاط واقع ہوئے ہیں ' قریشی صدیقی اور سید کے باہمی رشتہ کے سوال میں کس قدر تخصیص روا رکھی گئی ہے ۔ افسوس ہے کہ القریش کا مدیر مفتی نہیں ۔ اور نہ اس پراسے جواز و عدم جواز کا فتوےٰ دینے کا حق حاصل ہے ۔ مستفسر صاحب کسی مفتی صاحب کی جانب رجوع فرمائیں ۔ اور قرآن کریم و حدیث کی رو سے اپنا وہم دور کر لیں ۔ "چک قاضی" کا ڈاکخانہ و ضلع لکھ دیا ہوتا تو ہم اس استفسار کو القریش میں جگہ نہ دیتے ۔ ناظرین القریش میں سے کوئی صاحب اس پر ان کے مطلب کے موافق کچھ روشنی ڈال سکیں ۔ تو توجہ فرمائیں ۔

حضرت نامی اور جناب شاکر توجہ فرمائیں

جون گذشتہ کے تذکرہ برادری میں قریشی عبدالرشید نے اپنے نو تعمیر مکان کے لئے شاعرین باکمال سے قطعہ تاریخ جس سے مادہ تاریخ تعمیر نکلتا ہو کا مطالبہ کیا تھا ۔ مولوی فتح محمد صاحب اختر کے سوا کسی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی ۔ حالانکہ مکرمی پیر غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی ، اور شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کی خاص طور پر توجہ معطوف کرائی گئی تھی ۔ قریشی عبدالرشید صاحب کا تقاضا بدستور ہے ۔ لہذا ہم حضرت نامی اور حضرت شاکر سے مکرر سفارش کرتے ہیں کہ وہ مطلوبہ قطعہ کی ترسیل سے اپنے ایک بھائی کو مشکور فرماویں ۔

یاد دہانی

جن بہی خواہانِ قوم اور معاونین القریش کی خدمت میں خاتمہ سال خریداری کی وجہ سے یا جن حضرات کی فرمائش کی تعمیل میں وی پی ارسال کئے گئے تھے ۔ ان میں بعض حضرات کے خلاف توقع واپس آ گئے ہیں ۔ اور ان میں اکثر ایسے احباب کے ہیں ۔ جو القریش کے خاص محسن و مربی ہیں ۔ اور یا القریش کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اعانت قبول فرماتے ہیں ۔ یقیناً ان احباب کے وی پی ان کے کسی ملازم یا پوسٹ مین کی غفلت کی وجہ سے واپس آئے ہیں لہذا ان حضرات سے التماس ہے ۔ کہ اپنا اپنا زرچندہ بصیغہ منی آرڈر بواپسی ڈاک ارسال کر کے مشکور فرماویں ۔ مکرر وی پی کی انتظار نہ کریں ۔ "القریش" برابر ان کے نام جاری رہے گا ۔ امید ہے ۔ کہ مزید یاد دہانی کی ضرورت لاحق نہ ہوگی ۔

اِطلاع

جن معاونین کرام کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے ۔ یا جن کی خدمت میں ان کے مطالبہ پر نمونہ کے پرچے پہنچ چکے ہیں ۔ وہ اپنا اپنا زرِ چندہ بصیغہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور کریں ۔ ورنہ وی پی کی وصولی کیلئے تیار رہیں (مینیجر)

وہم کا عجیب علاج

مثل ہے۔ کہ وہم کا لاعلاج مرض ہے۔ لیکن مولانا رشدی نے چند قصص ایسے بیان کئے ہیں۔ جن سے قابل اطباء نے وہم کے علاج میں مدد لی ہے۔ قصص عجیب و دلچسپ ہیں۔ لہذا قارئین الفریش کے تفنن کیلئے چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک نزاکت مآب شہزادہ کو یہ وہم ہوگیا تھا۔ کہ اس کا جسم شیشہ کا بنا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے ہر وقت یہی خطرہ لگا رہتا تھا۔ کہ کہیں اس کے شیشہ جسم کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اور وہ چور چور نہ ہو جائے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خبط میں یہ شعر پڑھکر مبتلا ہوگیا ہو۔

آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما
بس نازک است شیشہ دل در کنار ما

چنانچہ وہ دن رات اپنی مسہری پر بے حس و حرکت پڑا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کیلئے بھی مسہری سے نیچے قدم نہ رکھتا تھا۔ بہتیرے نامی گرامی اطباء علاج کے لئے آئے۔ اور انہوں نے ہزاروں جتن کئے۔ لیکن کوئی بھی اسکا علاج نہ کرسکا۔ آخر انہوں نے ہار مان لی۔ اور کہہ دیا کہ مرض لاعلاج ہے۔ اس جواب سے بادشاہ بالکل مایوس ہوگیا۔

بالآخر ایک ذہین طبیب آپہنچا۔ اور اس نے یقین دلایا کہ میں اسکا علاج کرونگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میں جانوں اور میرا مریض دوران علاج میں کوئی شخص مداخلت کا مجاز نہ ہوگا۔ بادشاہ نے بخوشی یہ شرط منظور کرلی۔ طبیب نے شہزادہ کے پاس ایک ڈھیر شیشہ کی بوتلوں کا لگوا دیا۔ اور دوسرا ڈھیر روئی کے گالوں کا اور موٹے ڈنڈے کے ذریعہ سے علاج شروع کردیا۔ وہ ایک ڈنڈا بوتلوں پر مارتا۔ ایک ڈنڈا روئی پر لگاتا۔ اور ایک ڈنڈا شہزادہ کے شیشہ کے جسم پر پوری قوت کے ساتھ رسید کرتا۔ جس سے وہ بلبلا اٹھتا۔ اور چیخ پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیتا۔ آخر کئی روز تک اس طرح پٹنے کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ ڈنڈے کی ضربوں سے بوتلوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اور اسکا جسم چوٹیں کھانے کے بعد بھی کہیں سے نہیں ٹوٹا۔

ایک عورت کو وہم ہوگیا۔ کہ اس کے حلق میں مچھلی کا کانٹا پھنس گیا ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں نے گلے کا معائنہ کیا۔ اور عرصہ تک علاج ہوتا رہا۔ لیکن اس کا یہ وہم دور نہیں ہوا۔ آخر ایک ڈاکٹر کا ذہن لڑ گیا۔ اس نے کہا لاؤ میں تمہارے حلق کا کانٹا نکال دوں۔ اپنا سر اونچا رکھو۔ چھت کی طرف دیکھو اور حلق کو اچھی طرح کھولو۔ اس کے بعد اس نے نہایت سبکدستی کے ساتھ اپنے پاس سے ایک مچھلی کا کانٹا اسکے حلق میں پہنچا دیا۔ اور فی الفور اسے اپنے آلہ سے باہر نکال کر عورت کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ کانٹے کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی اور چلا اٹھی۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ کہ میرے حلق کے اندر ضرور مچھلی کا کانٹا پھنس گیا ہے۔ اور اس کے بعد اسکا حلق بالکل ٹھیک ہوگیا۔ جس میں وہ اپنے وہم کی وجہ سے سخت درد محسوس کیا کرتی تھی۔

مسلمانوں کی تبلیغی کوششیں

رسالہ مسلم ورلڈ (جولائی ۱۹۳۶ء) میں اطالوی جریدہ الپنسیرو مشینریو کے ایک مقالہ کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے جس میں مقالہ نگار نے مسلمانوں کے اعداد وشمار پیش کر کے ان کی تبلیغی سرگرمیاں دکھائی ہیں۔ اور اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو مسلمانوں کے جمود سے متعلق عیسائیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مضمون طویل ہے ہم اسکا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ان متعدد قدیم اور غلط خیالات میں جو تبلیغی اور مذہبی حلقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے۔ کہ اسلام ایک ساکن اور غیر ترقی پذیر مذہب ہے۔ صورتِ واقعہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام ہر طرف آگے بڑھ رہا ہے خاموشی کے ساتھ لیکن مسلسل اور مستقل طور پر آج مسلمان پھر یورپ اور ساری دنیا کی فتح کے لئے قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔ اب بجائے اسلحہ کے وہ نرم اور دلنشیں طریقوں سے کام لے رہے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ جن کا آبائی مذہب عیسائیت ہے۔ اسلام قبول کرنے کیلئے آمادہ نظر آتے ہیں۔

ہر مسلمان جو اپنے مذہب کا پابند ہے ایک مبلغ ہے اسلام اپنی تمام مشرقی دلآویزیوں کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اعداد و شمار سے اس کی صاف شہادت ملتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء سے دنیائے اسلام دو سو مطابع کی مالک تھی۔ آج اس کے مطابع کی تعداد آٹھ سو اسی ہے۔ دنیا میں اسلام کی اشاعت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد سے ہوگا۔

ملک	مسلمان	کیتھولک
یورپ	۲۲۴۳۴۴۱۹	۲۰۹۹۶۷۲۶۷۹
ایشیا	۱۵۴۱۳۸۲۹۱	۱۹۱۹۶۹۵۶
افریقہ	۵۳۸۴۵۶۶۶	۶۶۰۴۹۶۴
شمالی وجنوبی امریکہ	۱۲ ۰۰۰۸	۱۳۴۳۵۷۴۲۵
اوشانیا	۲۹۶۷۵۰۰۹۵	۲۰۸۵۸۱۴

دنیا کی مجموعی آبادی (۲۰۵۲۶۰۰۰۰۰) ہے کل میں مسلمان (۲۶۰۲۸۸۵۷۹) اور کیتھولک (۴۴۳۶۱۹۸۴۸) یعنی تناسب فی صدی کیتھولک کا (۱۸۰۲) اور مسلمانوں کا (۱۲۰۶) ہے۔

ایشیائی ممالک میں ہندوستان کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ڈچ ایسٹ انڈیز (جاوا۔ سماٹرا۔ بورنیو) میں ہے۔ جہاں ان کا شمار (۴۰۰۰۰۰۰۰) ہے۔ وہاں کے مسلمان بہت منظم ہیں۔ بہتیرے پرائیویٹ اسکول ہیں۔ جن کے اخراجات کی (۷۵) فیصدی آمدنی چندوں سے حاصل ہوتی ہے ایک ادارہ یونیورسٹی کی حیثیت کا ہے جس کے ساتھ ہوابازی کا ایک اسکول بھی ہے۔ ابتدائی تعلیم کی اشاعت کے باوجود (۹۵) فیصدی آدمی ابھی تک بے پڑھے لکھے ہیں۔ انجمنیں بہت سی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی انجمن "شرکت اسلام" ہے۔ ایک اور طاقتور انجمن "محمدیہ"

ہے۔ ان کے ممبروں کی تعداد پندرہ ہزار ہے۔ یہ ممبر ایک سو تیس حلقوں میں تقسیم ہیں۔ اور ہر حلقہ میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے۔ علاوہ بریں انجمن کی طرف سے شفاخانے اور یتیم خانے قائم ہیں۔ ڈچ ایسٹ انڈیز کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت عموماً اچھی ہے۔

چینی ترکستان یا سنکیانگ تقریباً تمام تر ایک اسلامی علاقہ ہے۔ حال کی بغاوتوں کے بعد اس ملک نے ایک مسلمان فرمانروا کی سرکردگی میں آزادی حاصل کر لی ہے۔ آزادی کے بعد سے ہر قسم کے مذہبی علمی اداروں نئے سرے سے قائم ہو گئے ہیں۔ مدرسے اور انجمنیں بن گئی ہیں۔ اور متعدد اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ ہے۔

دوسرا ملک جس میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ منچوکو (سابق منچوریا) کی نئی ریاست ہے۔ یہاں متعدد بڑے بڑے آدمی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے ہیں۔ جن میں کچھ فوجی افسر بھی ہیں۔ ۱۹۳۵ء سے شہنشاہ چین کے ایک بھائی شہزادہ علی یوکان نے بھی نہایت سرگرمی سے اپنے جدید مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کر دی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب سے تیس سال قبل تاتاری اور باشقیری نووارد وں کی ایک چھوٹی سی جماعت خاربین میں آ کر آباد ہوئی تھی۔ جس کی تعداد اس وقت تقریباً دو ہزار ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بھی تعمیر کر لیا ہے۔ مصانات میں ایک اسلامی گاؤں آباد ہو گیا ہے جس میں تین مسجدیں ہیں۔ پایہ تخت سن کنگ میں پچیس ہزار مسلمان ہیں۔ اور فوج اور حکومت کے بڑے بڑے عہدہ دار مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ مکڈان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً تیس ہزار ہے۔ پانچ مسجدیں ہیں۔ اور مسلمانوں کا ایک اخبار بھی ہے۔ جو ملک کے بہترین اخباروں میں ہے ۱۹۳۴ء کی مردم شماری کی رو سے منچوکو میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار اور مسجدوں کی ایک سو پچاس ہے۔

ایسی ہی حیرت انگیز ترقی کوریا میں بھی نمایاں ہے۔ جہاں سوویٹ روس کے جلاوطنوں کو حکومت کی طرف سے مدد اور ایک مسجد دی گئی ہے۔

قابلِ اعتماد اعداد و شمار کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے چین میں مسلمانوں کی تعداد کم سے کم پچاس لاکھ اور زیادہ سے زیادہ پانچ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ بہرحال مسلمان کچھ نہ کچھ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑی تعداد قنصو اور یون نان کے صوبوں میں ہے۔ پائپنگ میں مسلمانوں کا شمار ڈیڑھ لاکھ ہے۔ جمہوری دور سے پہلے حکومت مسلمانوں کی مخالف تھی۔ اور آج بھی وہ عموماً اچھی نظروں سے نہیں دیکھے جاتے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے کو علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے مسلمان بھی اپنے چینی بھائیوں کے حالات سے بہت کم واقف ہیں جس کی وجہ فاصلہ کی دوری اور آمد و رفت اور زبان کی مشکلات ہیں۔ لیکن ان حالات کے باوجود چینی مسلمان ترقی کر رہے ہیں۔ آج یون نان فو پائپنگ شنگھائی اور تریچوان میں ابتدائی مدرسوں اور مسجدوں کے علاوہ جدید طرز کے ہائی سکول بھی ہیں۔ ان ہائی اسکولوں میں سے (۳۶) نانکنگ میں (۳۵) پائپنگ میں (۱۱) شنگھائی میں (۱۴) ٹینس ٹن میں (۱۰) چنگ ٹو میں (۶) یون نان فو میں اور (۵) کانٹن میں ہیں ۱۹۱۱ء سے ایک انجمن ترقی اسلام کام کر رہی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اس انجمن نے اماموں اور مبلغوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ

قائم کیا ہے۔ چین میں ایک سو سولہ ابتدائی مدارس باسٹھ انٹر میڈیٹ اسکول اور آٹھ اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ ۱۹۳۱ء سے چینی طلبہ تعلیم کیلئے جامع ازہر جا رہے ہیں۔ اور وہاں سے اسانذہ کی حیثیت سے وطن آتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک مطبع پاینگ میں ہے۔ جہاں سے ایک رسالہ نکلتا ہے۔ دوسرا ٹینس ٹن میں جاری ہو رہا ہے۔ تیسرا مطبع شنگھائی میں ہے۔ جہاں سے بین الاقوامی انجمن اسلامیہ کا رسالہ (جو غالباً تحریک احمدیہ کی ایک شاخ ہے) چینی، جاپانی اور انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ اور اسکا مقصد صاف طور پر تبلیغ و اشاعت ہے۔

سیاسی حیثیت سے اگرچہ چینی مسلمانوں کی حالت بہ نسبت پہلے کے بہتر ہے۔ تاہم قوم پرور حکمران جماعت مسلمانوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتی اور ان کی حب الوطنی کے اعتراف اور قدردانی کے باوجود چاہتی ہے۔ کہ وہ بتدریج فنا ہو جائیں۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے شہر اور دیہات کے مسلمانوں میں نمایاں فرق ہے۔ بڑے بڑے شہروں کے مسلمان جو عموماً تاجر ہیں۔ آسودہ حال ہیں دیہات کے لوگ نسبتہً غریب ہیں بحیثیت مجموعی ان کی اقتصادی حالت اچھی نہیں ہے۔ حکومت کے بہت سے عہدہ دار اور متعدد فوجی افسر مسلمان ہیں۔

حال تک جاپان میں اسلام داخل نہیں ہوا تھا۔ لیکن با اثر اشخاص اور حکومت کی مہربانی نیز بہتیرے آدمیوں کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے آج یہ صورت نہیں ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مذہب اور تمدن کی اشاعت کیلئے ٹوکیو میں انجمن اتحاد اسلامی قائم کی گئی۔ دس سال کے اندر اس انجمن نے ایک مدرسہ اور ایک مطبع قائم کر لیا۔ ٹوکیو میں ایک مسجد اور ایک قبرستان بنوایا۔ قرآن مجید کا ایک ترجمہ شائع کیا۔ اور دوسری مسجدوں کی تعمیر کا خاکہ تیار کر لیا۔ اس انجمن کو جاپان کے روشن خیال اشخاص کی حمایت حاصل ہے۔ ۱۹۳۴ء سے حکومت کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ ترکی زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی ممالک سے رابطہ اتحاد زیادہ مضبوط کیا جائے۔ اسی سال ٹوکیو میں ایک اور انجمن اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے قائم کی گئی۔ ۱۹۲۸ء میں ایک مسجد کوب میں تعمیر ہوئی۔ ہندوستان۔ ملایا۔ عرب اور روس سے بہت سے مسلمان جاکر جاپان میں آباد ہو گئے۔ اسوقت جاپان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ساڑھے چار ہزار ہے۔ جاپانی لوگ قبول اسلام کے بعد اپنے جدید مذہب کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھا رہے ہیں۔

افریقہ کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۲۷ فی صدی ہے۔ لیکن یہ تناسب براعظم کے مختلف حصوں میں بہت زیادہ مختلف ہے۔ چنانچہ شمال شرقی میں مسلمانوں کا اوسط (۸۲) فی صدی ہے۔ مشرق میں (۸) فیصدی مغرب میں (۳۲) فیصدی وسط میں (۴) فی صدی اور جنوب میں صرف (۲) فی صدی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ افریقہ میں سب سے بڑا اسلامی ملک مصر ہے۔ اس کے بعد مراکش الجزائر شمالی نائجیریا۔ اور انگریزی مصری سوڈان ہے۔ الجزائر صدیوں سے ایک اسلامی ملک ہے۔ لیکن آج کل اس میں ایک تازہ مذہبی سرگرمی نمایاں ہو رہی ہے اور متعدد انجمنیں مسلمانوں کی مذہبی۔ اجتماعی اور سیاسی تنظیم کے لئے قائم ہو رہی ہیں۔ یہ اس امر کا تازہ ثبوت ہے۔ کہ ایسے ملکوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت بہت زیادہ ہے۔ یہ لوگ اپنی مذہبی اجتماعی اور سیاسی تنظیم کے لئے قائم ہو رہی ہیں۔ یہ اس امر کا تازہ ثبوت ہے کہ ایسے ملکوں میں بھی جہاں

مسلمانوں کی اکثریت بہت زیادہ ہے۔ یہ لوگ اپنی مذہبی سرگرمیاں کو چھوڑتے نہیں۔ اور وقتاً فوقتاً تبلیغ و اشاعت کیلئے جوش ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ اور جمہوریہ ترکیہ کے قیام کے بعد مصر دنیائے اسلام کا مرکز ہو گیا ہے۔ اور اس کا قلب جامع ازہر ہے۔ ان تمام مسائل پر جن کا تعلق دنیائے اسلام سے ہے۔ ازہر میں بحث ہوتی ہے۔ کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جس کے طلبہ یہاں تعلیم نہ حاصل کرتے ہوں۔ یہیں انجمن شبان المسلمین قائم ہوئی ہے۔ جس کی تحریک تمام دنیائے اسلام کے نوجوانوں میں پھیل رہی ہے۔ اس انجمن کا مقصد تعلیم قرآن کی اشاعت اور دین کی حمایت و حفاظت ہے۔ نوجوانوں کی جتنی انجمنیں اس تحریک سے پیدا ہوئی ہیں۔ سب کا مرکز قاہرہ میں ہے۔ اور ان سب کے صدر ڈاکٹر عبدالحمید سعید بے ہیں۔ جو عیسائیت اور مغربیت کے مشہور مخالف ہیں۔ مصر سے تبلیغی مشن دوسرے ملکوں کو بھی بھیجے جاتے ہیں۔ خود مصر کے اندر اوسطاً آٹھ سو قبطی ہر سال اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

مغربی افریقہ کے بت پرست حبشیوں کا حال بھی وہی ہے۔ جو ہندوستان کے اچھوتوں کا ہے۔ وہ بھی تبدیل مذہب کے لئے اچھوتوں ہی کی طرح آمادہ ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی پستی سے برداشتہ خاطر ہیں۔ اور ایک ایسے دین کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے ان کی سوشل حیثیت بلند ہو سکے حبشیوں کو یہ چیز اسلام میں آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اسلامی تبلیغ ان میں بہت زیادہ کامیاب ہو رہی ہے۔ نیاسا میں دس سال کے اندر اسلام عام طور پر پھیل گیا ہے۔

ہر گاؤں میں کچھ مسلمان ہیں۔ اور ان کی جھونپڑے کی مسجدیں ہیں۔ فرانسیسی مقبوضات میں جن میں شمالی اور مغربی افریقہ کا ایک بڑا حصہ شامل ہے۔ حکومت اسلامی مبلغوں کی حامی ہے جس کی وجہ سے تبلیغ میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مغربی افریقہ میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ سے بھی اسلام کی اشاعت ہوتی رہتی ہے یہ تاجر ساحلی مرکزوں سے نکل کر اندرون ملک میں دورے کرتے رہتے ہیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلمان زیادہ تر بڑے بڑے شہروں میں آباد ہیں[1] مثلاً نیویارک ڈٹرائٹ پٹس برگ شکاگو بوسٹن اور سان فرانسسکو ان میں سے ہر شہر میں ایک مسجد ہے مسلمانوں کی بڑی بڑی انجمنیں ہیں۔ مثلاً ترکی ہلال احمر انجمن فلاح المسلمین انجمن اتحاد اسلامی اور انجمن تبلیغ الاسلام بڑے مرکزوں میں تبلیغ کا کام جاری ہے۔ اور تخمیناً پندرہ ہزار آدمی ہر سال اسلام قبول کرتے ہیں۔

برطانیہ میں اسلامی تبلیغ کی سرگرمی بہت نمایاں ہے۔ وہاں ایک برٹش مسلم سوسائٹی ہے۔ جس کا مرکز لندن میں ہے

---

[1] ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد مقالہ نگار کے بیان کے مطابق ۱۷۵۰۰۰ ہے جن میں سے ۵۰۰۰ انگریز نومسلم ہیں۔ لیکن مسلم ورلڈ کا ایڈیٹر لکھتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۴۰۰۰۰ سے کم ہے۔ ڈاکٹر ذکی علی کی پیشکردہ اعداد کی رو سے جو رسالہ اسلام لاہور ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئے تھے۔ شمالی امریکہ میں مسلمانوں کا شمار ۱۰۰۰۰ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم ہے۔

لارڈ ہیڈلے اپنی وفات تک اس کے صدر رہے۔ برطانوی مسلمانوں کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے۔ ان میں سے اکثریت لندن والوں کی ہے۔ بعض ممتاز خاندانوں کے رکن ہیں۔ احمدی جماعت کا بہت اثر ہے۔ لارڈ ہیڈلے کی وفات کے بعد ان کے جانشین سر عمر ہیوبرٹ رینکن نے احمدی تحریک کی مخالفت کی اور انہیں استعفا دینے کیلئے مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد رینکن لندن کی ایک دوسری اسلامی انجمن کے صدر ہو گئے۔ جو الازہر کی ہدایت کے مطابق تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے۔ اس انجمن کا نام مسلم سنی ایسوسی ایشن آف گریٹ برٹین ہے۔ اسوقت تک اسکے ڈیڑھ سو ممبر ہو چکے ہیں۔ جو برٹش مسلم سوسائٹی سے علیحدہ ہو کر اس میں شامل ہو گئے ہیں۔

فرانس کے نصف سے زیادہ مسلمان پیرس میں آباد ہیں جہاں ان کی تعداد (۶۰۵۰۰) ہے۔ پیرس میں ایک خوبصورت مسجد بھی ہے۔ جو حکومت کے روپیہ سے بنی ہے۔ اور اسکا افتتاح جنگ عظیم کے بعد ہوا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں ایک مسلم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔ جس میں زبان اور مذہب کی تعلیم ہوتی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں ایک عظیم الشان ہسپتال پچیس ملین فرینک کی لاگت سے کھولا گیا ہے۔ اور پیرس کی میونسپلٹی نے قبرستان کیلئے بھی زمین عطا کی ہے۔

جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی دو ہزار ہے۔ یعنی پوری آبادی کی ۱۳ فیصدی برلن میں ایک مسجد ہے۔ اور وہاں سے ایک بلین اسلامی رسالہ الاتحاد الاسلامی بھی شائع ہوتا ہے۔ برلن میں مسلمانوں کی ایک انجمن بھی ہے جس کے صدر ایک نو مسلم ڈاکٹر حامد مارکس اور ناظم مسجد کے ہندوستانی امام ایس۔ ایم عبداللہ ہیں۔

وسط یورپ میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں وائنا۔ وارسا اور بوڈاپسٹ میں ہیں۔ وارسا میں ایک مسجد زیر تعمیر ہے۔ اور بوڈاپسٹ میں بھی جہاں مسلمانوں کی تعداد دو ہزار ہے۔ ایک مسجد بنانے کی تجویز ہے۔ پریگ میں ایک انجمن اتحاد الاسلام کے نام سے قائم ہے۔

جوگوسلاویا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵۶۱۳۳ ہے اور انہیں پوری آزادی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوب منظم ہیں۔ ان کے سینکڑوں ابتدائی مدارس اور سائنس کے ہائی اسکول ہیں۔ دو عدالتیں ہیں۔ مسلمانوں کو حکومت میں قوت اور اثر کی جگہیں بھی حاصل ہیں۔ پارلیمنٹ میں تین مسلمان نائب اور متعدد سنیاتی ہیں۔ مسلمان اپنے اخبار اور رسائل شائع کرتے ہیں۔ اور بوسنیا میں ان کے متعدد مطبعے ہیں۔ دو ہزار مسجدیں ہیں۔ جن میں سے ایک دوسرا جیو دیمیں ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی پچاس فیصدی ہے

یونان میں بھی جہاں مسلمان صرف دو فیصدی ہیں۔ حکومت نے ایک قطعہ زمین مسجد کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کو دیدیا ہے۔ یہ اس جہان نوازی کا صلہ ہے جو یونانی شہریوں کے ساتھ مصر میں برتی گئی تھی۔

اسپین میں جمہوری حکومت کی حوصلہ افزائی سے اسلامی علوم و فنون کی تحقیق و مطالعہ کے لئے دو ادارے میڈرڈ اور غرناطہ میں ۱۹۳۲ء میں قائم ہو گئے ہیں۔ ان اداروں کی وجہ سے قدیم اسلامی تہذیب و تمدن سے دلچسپی لے جانے لگی ہے۔ اور یہ تحریک ترقی کر رہی ہے ◆

فسانہ

ناکام تمنّا

(جناب مولانا عزیز حسن صاحب بقائی)

حامد ایک بہت ہی محنتی اور جفاکش نوجوان تھا۔ اس نے آغاز جوانی میں اپنے باپ سے یہ سن رکھا تھا کہ میسور کے پہاڑوں میں سونے کی بہت سی کانیں ہیں۔ اور ان میں بے حساب سونا بھرا پڑا ہے۔ سونے کی اسقدر افراط کا تذکرہ سننے کے بعد حامد کو اس کی ایک دھن سی لگ گئی اور کالج کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اس نے کان کھودنے اور زمین سے سونا نکالنے کے متعلق ضروری علم حاصل کرنا شروع کیا۔ تقریباً چار سال کی محنت شاقہ کے بعد اسے امید بندھی کہ اب اگر وہ کسی ایسی سرزمین میں پہنچ جائے۔ کہ جہاں سونا موجود ہے۔ تو ضرور اس کے معلوم کرنے اور نکالنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کر لیا۔ کہ وہ ضرور میسور کے علاقہ کا دورہ کریگا۔

حامد کے بچپن کے دوستوں میں ایک لڑکا مراد تھا۔ جسے پڑھنے لکھنے سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی۔ اور اسی لئے وہ اسکول ہی سے تعلیم کے سلسلہ کو منقطع کرکے اپنا وقت بیکاری اور آرام طلبی میں گذارنے لگا۔ اب مراد بھی خوب جوان ہو چکا تھا۔ اور پرانے تعلقات کی بنا پر حامد اور مراد میں بہت ہی گہری دوستی اب بھی قائم تھی۔ حامد نے مراد سے اپنے اس ارادہ کا تذکرہ کیا۔ اور یہ بھی خواہش ظاہر کی۔ کہ اگر کچھ قباحت نہ ہو تو مراد بھی اس سفر میں اس کے ساتھ رہے۔ مفت کی بے شمار دولت کے لالچ اور ایک نئے کام کرنے کے شوق نے مراد کو بھی آمادہ کر دیا۔ اور دونوں ایک سال کے سفر کے ارادہ سے گھر سے چل دیئے۔

ایک مدت دراز تک جنگلوں اور پہاڑوں کی ٹھوکریں کھاتے پھرے۔ ایک ایک چشمہ کی ریت کا معائنہ کیا۔ جا بجا پہاڑوں کو کھود کھود کر مٹی نکالی۔ اور اس کا امتحان کرتے رہے اور اس طرح انتہائی تکلیفیں اور بھوک پیاس اور گرمی کی شدید ترین اذیتیں برداشت کرتے کرتے جب ان کی جسمانی صحت نے جواب دینا شروع کیا۔ اور وہ ناکام و نامراد واپسی پر آمادہ ہوئے تو یکایک ایک روز بالکل خلاف توقع حامد کو ایک سونے کی کان کا نشان مل گیا۔ جسے کچھ عرصہ تک کھودنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت ہی بڑی کان ہے۔ جس سے اربوں روپے کا سونا نکالا جا سکتا ہے۔

اس ناگہانی کامیابی پر حامد اور مراد دونوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور متفقہ مشورہ سے یہ رائے قرار پائی۔ کہ جسقدر سونا کھود کر نکال لیا گیا ہے۔ اسے ہمراہ لیکر آبادی کی طرف واپس چلا جائے۔ اور وہاں پہنچکر باقاعدہ طریقہ پر حکومت میسور سے ٹھیکہ اور اجازت حاصل کرکے کان کھودنے کا کام اعلیٰ پیمانہ پر شروع کر دیا جائے۔ سونا جو انہوں نے نکالا تھا۔ وہ کچے سونے کی شکل میں مٹی اور پتھر کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اور اسے اپنے ساتھ لینا انہوں نے

اس لئے ضروری خیال کیا۔کہ اگر اسی طرح وہاں چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص وہاں پہنچ جائے۔اور بلاکسی دقت کے کان کی موجودگی کا علم اسے ہوجائے۔نیز یہ خیال تھا۔کہ اعلیٰ پیمانہ پر کام شروع کرنے کیلئے روپے کی ایک کثیر رقم کی ضرورت ہوگی۔اور وہ اس سونے کو فروخت کرکے حاصل کی جاسکتی ہے۔ایک خیال یہ بھی تھا۔کہ اگر دربار سیسور نے کسی وجہ سے اجازت نہ دی تو ان کی اتنے دنوں کی محنت کا بہت ہی کافی معاوضہ ان کی جیبوں میں ہوگا۔

دونوں نے اچھی طرح اندازہ کرکے حساب لگایا۔ تو معلوم ہوا۔کہ سب سے نزدیک کے ریلوے سٹیشن سے وہ تقریباً تین سو میل کے فاصلہ پر تھے۔اور یہ تمام راستہ سنگستانی اور ریگستانی تھا۔کسی قسم کی سواری یا باربرداری چونکہ کہیں دستیاب نہ ہوسکتی تھی۔اس لئے مجبوراً یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جتنا زیادہ سے زیادہ سونا لادا جاسکے لادکر روزانہ بیس میل کے اوسط سے پیدل چلا جائے۔

ایک عرصہ دراز سے دونوں فاقہ کشی کی سی مصیبت میں مبتلا تھے۔کیونکہ ان کی بندوقیں جن سے وہ پہاڑی جانوروں کا شکار کرکے خوراک کے کام میں لایا کرتے تھے اب کارتوس باقی نہ رہنے کی وجہ سے تقریباً بیکار ہو چکی تھیں۔اب وہ باقیماندہ کارتوسوں کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک چلانا چاہتے تھے۔اس لئے مہینے میں دو ایک دفعہ سے زیادہ شکار نہ کیا کرتے۔اور عام طور پر دو مٹھی چنوں اور ایک ایک پیالی چاء پر گذارہ کرنے کے عادی ہوگئے تھے خوراک کی کمی نے دونوں کو بہت ہی کمزور کردیا تھا۔اور روزانہ بیس میل چلنا ہی ان کے لئے ناقابل برداشت محنت تھی۔کہ اس پر ایک بندوق چند کارتوس تھوڑے سے چلے۔ایک پانی کی بوتل ایک چاء کی کیتلی ایک کمبل اور اتنے بہت سے سونے کے ڈلوں کے وزن کا اضافہ۔کسی طرح ہمت نہ پڑتی تھی۔لیکن اب جبکہ اسقدر سونا انہوں نے کھود لیا تھا۔تو اسے چھوڑنے کو بھی کسی طرح دل نہ چاہتا تھا۔چنانچہ دوسرے دن جب وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کے جسم پر کم وبیش ایک ایک من وزن لدا ہوا تھا۔جس کی وجہ سے انہیں راستہ چلنا دوبھر تھا۔

آہستہ آہستہ اور بہت ہی خراماں چلکر انہوں نے کوئی پانچ گھنٹے میں دس میل کا سفر طے کیا اور اسی میں وہ اسقدر تھک گئے۔کہ ایک گھنا اور سایہ دار درخت کو دیکھتے ہی خود بخود ایک غیر اختیاری طور پر اس کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور بوجھ کندھوں سے اتار کر زمین پر رکھدیا۔

حامد۔ یہ تین سو میل کس طرح طے ہوں گے ؟

مراد۔ ہوں یا نہ ہوں، بہرحال طے کرنے ہیں۔

حامد۔ بھئی مجھ سے تو اتنا بوجھ لیکر نہیں چلا جاتا میری رائے تو یہی ہے۔کہ ہمیں لالچ نہ کرنا چاہیئے۔اور کم سے کم ان سونے کے ڈلوں کو تو ضرور یہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔

مراد۔ تم چھوڑ دو میں تو ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ کسے خبر ہے کہ ٹھیکہ ملیگا بھی یا نہیں ایسی صورت میں بھلا اتنے دنوں کی اپنی محنت اور تکلیف کے معاوضہ کو یہیں چھوڑ جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں بھی تمہاری ہی طرح کمزور ہوں۔مگر میں تو اس تمام بوجھ کو لے کر جاؤں گا۔

خواہ راستہ میں دم نکل جائے۔ اور یہ تو میں کسی طرح گوارا کر ہی نہیں سکتا۔ کہ سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے اسی طرح یہاں چھوڑ دیئے جائیں۔ کیونکہ اگر کوئی اور آدمی اس طرف آنکلا تو اسے کان کا پتہ مل جائے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ ہماری واپسی تک یہاں کچھ بھی نہ ملے۔

حامد۔ یہاں بھلا کون آجائیگا۔ آج سات مہینے ہو چکے۔ اور اس تمام مدت میں ہم نے صرف ایک انسان کی شکل کوئی چار مہینے ہوئے جب دیکھی تھی۔

مراد۔ وہی عبدالقادر ناجو ہمیں تین پیڑوں والی پہاڑی کے پاس ملا تھا۔ میں تو خود اسی کا ذکر کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ وہ بھی کانوں ہی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے اگر وہ اس طرف آنکلا تو ہماری یہ تمام محنت اکارت جائیگی۔

حامد۔ میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ میں اپنا سونا نہیں چھوڑ جاؤنگا۔ مجھے سونا اپنی جان سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ اور کچھ گھاس اور تنکے تلاش کر کے چاء پکانے کیلئے آگ جلانے میں مصروف ہو گئے چنے کھانے اور چاء پینے کے بعد دونوں آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے لیکن اب بھی اسی طرح خاموش تھے۔ حامد بہت تھکا ہوا تھا اور تھوڑی ہی سی دیر میں سو گیا۔ لیکن مراد کسی خاص اور گہرے خیال میں منہمک تھا۔ اسے نیند نہ آئی۔ اسکا دماغ برابر کسی خاص ادھیڑ بن میں مبتلا تھا جس سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چونک کر وہ ایک نگاہ حامد پر ڈال لیتا تھا۔

لیٹے لیٹے تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا اور اپنے جھولے کے اندر سے چھری نکال کر اسکی نوک اور دھار کا امتحان کرنے لگا۔

اس کمبخت پر کیسے میرا ہاتھ اٹھیگا؟ مگر کیا کروں مجھے تو یہ گوارا نہیں ہوتا۔ کہ پچیس تیس ہزار روپے کا سونا اسی طرح یہاں پھینکدیا جائے۔ میرے تو جب تک دم میں دم ہے ایک ایک رتی جو ہم نے کھود کر نکالی ہے لے بھی لیکر جاؤنگا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ حامد کو اسی جگہ ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اور پھر مزے سے اس تمام سونے پر بھی قبضہ کر لیا جائے جو اس کے پاس ہے۔ اگر کان کھودنے کا ٹھیکہ نہ ملا۔ تب بھی میرے پاس یہ پچاس ہزار روپے کی رقم ہوگی۔ یہی کیا کم ہے میں پچاس ہزار روپیہ کی رقم سے ایک بہت بڑا آدمی بن سکتا ہوں بس اب دیر نہ کرنی چاہیئے۔ حامد کا قتل ضروری ہے"!

مراد کا چہرہ بہت ہی خوفناک سا ہو گیا۔ وہ دبے پاؤں وہاں سے اٹھا۔ اور حامد کے قریب پہنچکر اپنی پوری طاقت سے چھری عین دل کے مقام پر اس کے سینہ میں بھونک دی!

حامد کے منہ سے ایک آہ نکلی۔ اس نے آنکھ کھولی۔ اور مراد پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ مراد ابھی اسی طرح چھری تانے اس انتظار میں تھا۔ کہ شائد حامد میں کچھ جان باقی ہے۔ اور وہ حملہ کر بیٹھے تو ایک ہاتھ اور لگا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہ یکایک اس کے پیچھے سے کسی شخص نے اس کی پیٹھ میں اتنی ہی طاقت سے چھرا بھونک دیا۔ "ہائے مار ڈالا" کہکر اس نے مڑ کر اپنے قاتل کو دیکھا۔ اور انتہائی غصہ کے ساتھ "ایں! عبدالقادر" کہکر اس نے یہی چھری سے اس پر حملہ کر دیا۔ مراد چونکہ بیٹھا ہوا تھا اس لئے اس کی چھری عبدالقادر کی ران میں لگی۔ اور اگرچہ عبدالقادر بہت ہی تیزی سے پیچھے ہٹا تاہم چھری ران کے پار ہو گئی۔

حامد کو قتل کرکے مراد کو بھی دنیا سے نامراد ہی رخصت ہونا پڑا۔ اور اب سونے کا وہ انبار کہ جسے یہ دونوں شخص لاد کر لئے جا رہے تھے۔ عبدالقادر کے قبضے میں آگیا۔ فاتحانہ تبسم کے ساتھ عبدالقادر نے اپنی ران سے چھری کھینچکر نکالی۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ خون کا ایک فوارہ بھی نکلنا شروع ہو گیا۔ سُرخ سُرخ خون اور اسقدر کثیر مقدار میں اپنے جسم سے نکلتے دیکھ کر عبدالقادر گھبرایا اور مراد کی پگڑی سے خوب کس کر زخم باندھ لیا۔ اور اب یہ امید کرکے کہ خون بند ہو جائیگا۔ اس نے سونے کے ان ڈلوں کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ جو چاروں طرف پھیلے پڑے تھے۔ اور جن کی چمک اس کے دل میں کھبی جاتی تھی۔ ایک ایک ڈلے کو اٹھا اٹھا کر اس نے حد سے زیادہ للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ اور دو ایک جو بہت ہی بڑے تھے۔ انہیں محبت اور تعظیم کے جذبات کے ساتھ چوم بھی لیا۔

حامد اور مراد کی لاشیں سرد ہو چکی تھیں۔ اور ایک عالم بیکسی میں اس کے سامنے پڑی تھیں۔ سونے کے ڈلوں کا انبار داہنی جانب کو اس کے بالکل قریب رکھا ہوا تھا۔ اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا۔ کہ اس کان کا کس طرح پتہ لگائے۔ کہ جہاں سے یہ سونا نکالا گیا تھا۔ اس کی ران سے خون برابر جاری تھا۔ اور اس وقت وہ پگڑی جو اس نے لپیٹ لی تھی۔ خون میں بالکل تر ہو گئی تھی۔ اس نے زخم اور زخم سے خون کے سیلان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اس کا دل فرط مسرت سے اچھل رہا تھا۔ اور اس کی نگاہوں کے سامنے کامیابی اور کامرانی کا خوشنما باغ لہلہا رہا تھا۔ اچھی طرح غور و فکر کر لینے کے بعد وہ اُٹھا اور حامد اور مراد کا لایا ہوا تمام سونا کسی نہ کسی طرح اپنی پیٹھ پر لادا۔ اور جسقدر تیز رفتار سے ممکن تھا۔ اسی طرف چل پڑا کہ جدہر سے حامد اور مراد آئے تھے۔ اسے یہ تو معلوم نہ تھا۔ کہ سونے کی کان کس جگہ ہے لیکن وہ آج صبح سے اسی جگہ تھا۔ اور اس نے حامد اور مراد کو آتے ہوئے دیکھ کر چھپ گیا تھا۔

عبدالقادر بہت مضبوط اور توانا جسم کا آدمی تھا اور ران میں اسقدر کاری زخم موجود ہونے کے باوجود اس نے بہت تیزی سے راستہ طے کرنا شروع کیا۔ اور کوئی پانچ میل تک اس طرح گیا۔ کہ گویا وہ مجروح ہی نہ تھا۔ اس ران سے خون اب بھی برابر جاری تھا۔ خون کی کوئی اچھی بڑی رگ کٹ گئی تھی۔ اور اس سے رِس رِس کر اب اسقدر خون نکل چکا تھا کہ اس کے دل کی حرکت کمزور ہونے لگی۔ اور اسے اسقدر تکان محسوس ہوئی۔ کہ وہ مجبور ہو کر بیٹھ گیا۔

دیو پیکر عبدالقادر نے اپنی کمزوری اور ناطاقتی پر کسی قدر تعجب سا کیا۔ اور پھر کسی قدر خوف زدہ ہو کر پٹی کھولی۔ زخم سے خون بدستور جاری تھا۔ اب اس نے اپنی پگڑی کا ایک حصہ پھاڑ کر زخم کو اور بھی سختی سے کس کر باندھا۔ اور اس اندیشہ سے کہ مبادا اس کی کمزوری بڑھ جائے۔ اور وہ آج کان تک نہ پہنچ سکے۔ وہ ٹانگ کو ایک جھٹکا سا دے کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر چل پڑا۔ لیکن اب اسکی رفتار اسقدر تیز نہ تھی۔ کسی ہوئی بندش ٹانگ کا ورم اور قلب کی بڑھتی ہوئی کمزوری اس کی انتہائی ہمت کے باوجود اس کا قدم نہ اٹھنے دیتے تھے۔ خون کے سیلان میں کچھ کمی ضرور آگئی تھی۔ لیکن وہ بند نہیں ہوا تھا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یہ نئی پٹی بھی تربتر ہو گئی۔ اور خون کی بوندیں

پہلے کی طرح ٹپک ٹپک کر زمین پر گرنے لگیں۔

پہاڑی سامنے آ رہی تھی۔ اور نہ معلوم کیوں اس کا دل اندر سے کہہ رہا تھا۔ کہ وہ کان جس کی اسے تلاش ہے۔ اسی پہاڑی میں ہے۔

لنگڑا لنگڑا کر آہستہ آہستہ اس نے ایک میل مسافت طے کی۔ اور اب پہاڑی صرف دو میل اور رہ گئی۔ پیاس کی شدت سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ ایک درخت کے سہارے کھڑے ہو کر اس نے پانی کی بوتل منہ کو لگائی۔ اور ایک ہی دفعہ میں خالی کر دی۔ اس میں دیوانوں کی سی ضد اور ہٹ آ گئی تھی۔ اور خوب زور سے دانت بھینچ کر اس نے ایک مرتبہ زخمی ٹانگ پر پورا بوجھ دیا۔ اور پھر چل پڑا۔ خون اب بھی اسی طرح جاری تھا۔ اور قلب کی حرکت اب بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ قدم رکھنا کہیں تھا۔ پڑتا کہیں مگر سونے کی کان کا عشق اسے کھینچے لئے جا رہا تھا۔ ایک میل کی مسافت اور طے ہو گئی۔ اور اب امید نے پھر اس کے نیم مردہ جسم میں کسی قدر جان ڈال دی

اس نے اپنی رفتار کسی قدر تیز کی اور بالکل اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہوا بڑھے چلا گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا۔ ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ نبضیں ٹوٹ کے قریب تھیں۔ اور دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اس حال سے وہ خدا خدا کر کے پہاڑی کے دامن میں پہنچا۔ اور زبردستی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کہ شائد کسی جگہ پتھروں کی کھدائی کے نشانات نظر آ جائیں۔

تازہ کھدے ہوئے گڑھے کی چند قدم کے فاصلہ پر اسے ایک جھلک سی نظر آئی۔ وہ خوش ہوا اور اسی طرح لدا پھندا اس گڑھے کی طرف دوڑا۔ اور ٹھیک اس گڑھے پر پہنچ کر ایک بے جان لاش کی طرح گر پڑا۔ وہ درحقیقت بے جان تھا۔

وہ رات کی دیوی تین پجاریوں کی بھینٹ لیکر پھر اپنے سنگاسن پر آ بیٹھی تھی۔

اعتذار:- اکتوبر کے رسالہ کی کتابت ہو رہی تھی۔ کہ مجھے قومی اجتماع کی شرکت کیلئے کوہ مری جانا پڑا۔ چنانچہ میری عدم موجودگی ہی میں کاپیاں بلا مقابلہ و بلا تصحیحوں کی توں چھپ کر پوسٹ ہو گئیں۔ اور کتابت کی بے شمار غلطیوں کی صحت نہ ہو سکی۔ اور اس پر کارپردازان مطبع نے سونے پر سہاگہ یہ کیا کہ طباعت میں اسقدر لاپرواہی سے کام لیا۔ کہ رسالہ بالکل بدزیب ہو گیا۔

اغلاط بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً صفحہ ۴، نظم کے مقطع کا پہلا مصرعہ "گداؤں کو عطا ہو" کی بجائے "گداؤں کا عطا ہو" چھپ گیا ہے۔ صفحہ ۵، شذرات کے تحت پہلے کالم کی دوسری سطر "ایک میں ہندوستان کے کسان" کی بجائے "میں ہندوستان کے کسان" لکھا ہے۔ اسی طرح "تذکرہ برادری" "اجمیر شریف" اور دیگر مضامین میں کئی اغلاط ہیں۔ جن کا ہمیں افسوس ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس فروگذاشت کیلئے ہمیں معذور سمجھیں گے۔ "اجمیر شریف" کے تحت مضمون کا آخری حصہ جسمیں اجمیر کے "سونے کے مندر" کا تذکرہ تھا۔ قلت گنجائش کی نذر ہو گیا۔ افسوس ہے کہ یہ کمی اب پوری نہیں ہو سکتی۔

فضول خرچی کا حشر اور محنت کا ثمر

شیخ محمد یوسف ہمیشہ کے دریادل سخی اور جواد مشہور تھے۔ باپ دادا نے دمڑی دمڑی اکٹھی کرکے دولت جمع کی تھی عشرت سے زندگی بسر کی تھی۔ بعض موقعوں پر ذلت بھی سہی۔ لیکن انہیں صرف اتنا خیال تھا۔ کہ اولاد کے لئے کچھ نہ کچھ چھوڑ جائیں۔ شیخ محمد یوسف کو دوسروں کی گاڑھی کمائی کا پیسہ جب یوں مفت ہاتھ آیا۔ تو انہوں نے خوب اڑایا۔ اپنی کمائی اور دوسروں کی کمائی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ جب دن بھر کی محنت کے بعد لہو پانی کرنے پر انسان کو دو چار پیسے ملتے ہیں۔ تو ان کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ لیکن جب اسلاف کی کوئی چیز ملتی ہے تو اس کے متعلق نہ کوئی فکر ہوتی ہے۔ اور نہ اس کے خرچ میں کوئی درد۔

شیخ محمد یوسف بھی انہیں بدنصیب خوش قسمتوں میں سے تھے جنہیں یہ فکر بالکل دامنگیر نہ تھی۔ ان کا روپیہ پانی کی طرح بہتا۔ اور شہر بھر کے حریص و طماع ان کے روپیہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے۔ شیخ صاحب کے کھاؤ دوستوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ شیخ صاحب کی دولت پر ہنڈی دل ٹوٹا۔ لیکن یہ بے وقوف کسان ان کے تماشہ میں مشغول رہا۔

شیخ کے والد امجد جب مرے تو انہوں نے دولت کی حفاظت کیلئے بہت کچھ سمجھایا۔ نصیحت یا وصیت میں خود ان کی حسرتیں بھی شامل تھیں۔ لیکن سب سے زیادہ انہیں یہ خوف دامنگیر تھا۔ کہ جو چیز انہوں نے حد سے زیادہ پیاری سمجھ کر کلیجہ سے لگا رکھی تھی۔ محمد یوسف اسے لاپروائی سے دشمنوں کی طرح جدا نہ کردے۔ شیخ صاحب کے والد کو ان کے دوستوں اور اقارب نے جب کبھی وقف علی الاولاد کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ تو وہ صرف یہی کہتے رہے۔ "اچھا تھوڑا اور جمع کر لوں۔ فلاں زمین اور خرید کر لوں۔ تھوڑی سی جائداد اور لے لوں۔ ابھی میرے پاس دھرا ہی کیا ہے"۔ وہ لوگ تو چپ ہو رہتے۔ لیکن حضرت ملک الموت اس ٹال مٹول کے عادی کہاں۔ انہوں نے شیخ محمد یوسف کی طرفداری کی۔ اور بڑے میاں کا گلا ایک دن اچانک گھونٹ دیا۔ شیخ محمد یوسف بہت روئے پیٹے مگر مصاحبوں کا جتھا اکٹھا ہو گیا۔ تسلی دی۔ اور اپنے پرانے مخصوص راستے پر لگا لیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں کایا پلٹ ہو گئی۔ محفل سرود و نشاط جمنے لگی۔ بی فلاں۔ اور میاں فلاں آنے لگے۔ عشق کا سودا بھوت کی طرح سر پر سوار ہوا۔ اور ایک کی زلف گرہ گیر میں پھنسائے گئے۔ جس دن عید اور شب شبرات کے جشن اڑنے لگے۔ اور برسوں کے منجمد اور زنگ آلود سکے گھل گھل کر نکلنے لگے۔ بالآخر لڑکی کے والدین سے راہ و رسم پیدا کر لی گئی۔ اور اعلیٰ پیمانہ پر شادی کا اہتمام شروع کر دیا گیا۔ مختلف اضلاع کے رؤسا امراء و جاگیردار شادی پر مدعو کئے گئے۔ ہر قسم کی ضروریات فرش فروش و شیشہ و آلات

سے تیار پلنگ بستر تکئے تک مہیا کئے گئے۔ غرض شادی کی
دھوم دھام، عظمت و شان کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ایک چٹیل
میدان میں خیمے استادہ کئے گئے۔ کوسوں تک ارد گرد آدمی
ہی آدمی نظر آتے تھے۔ پرانے لوگ جنہیں یہ شادی یاد ہے۔
اب تک اس کا ذکر بڑے چاؤ سے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔
کہ چشم فلک نے ایسے موقعے بہت کم دیکھے ہوں گے۔ تمام
اضلاع سے روسا اور سردار تو بلائے ہی گئے تھے۔ لیکن فقیر اور
مسکین بھی ہر مقام سے بن بلائے بہ توقع انعام و بخشش
موجود تھے۔ تمام راستے فقیروں سے بھرتے۔ آگے پیچھے اِدھر اُدھر
فقیر ہی فقیر تھے۔ اس کے علاوہ کنجر، بھنگی، ڈوم، چمار
نقال، سادھی اور طوائف کا اندازہ لگانا سخت مشکل تھا۔
مس گوہر جان اور ماسٹر محمد حسین کا گانا صوفیوں کو وجد میں
لاتا تھا۔ اور ہزاروں روپے ان پر نچھاور کئے جاتے تھے کئی
ہزار روپے آتشبازی کی نذر ہوئے۔ جب کہیں شہزادہ
کھڑک سنگھ ولیعہد کے بیٹے کنور نونہال سنگھ کی شادی
اختتام پذیر ہوئی۔ شادی کے بعد کئی دنوں جشن ماہتابی
کے جلسے ہوئے۔ اور ہر طبقہ کے آدمیوں کی پر تکلف دعوتیں
ہوتی رہیں۔

جب جونکوں نے خوب پیٹ بھر لیا۔ اور خون میں
سیلان باقی نہ رہا۔ تو شیخ صاحب نے قمار بازی سے فصد
کا کام لیا۔ جب ایک دو بازیاں ہارتے۔ تو کان پکڑتے۔
اور توبہ کرنے لگتے۔ لیکن پھر کوئی بازی جیت لیتے۔ اور پھر
تمنائیں عود کر آتیں۔ غرض قمار بازی کی دنیا ان سے مشتاق
ماہی گیر کا کھیل کھیلتی رہی۔ جو مچھلی کو شست میں پھنسانے
کے بعد گرفت کو مضبوط کرنے کیلئے چٹکی ڈھیلی کر دیتا ہے

لیکن جس کا نتیجہ محض مچھلی کی موت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب انہوں
نے آباؤ اجداد کی ساری جائداد ختم کر دی۔ تو یہ ساری گھوڑ
دوڑیں بھی ختم ہو گئیں۔ اب نہ بی فلاں سلام کرتیں۔ اور نہ
میاں فلاں دکھائی دیتے۔ سب ایک ایک کر کے کھسک
گئے۔ سچ تو یوں ہے کہ شمع جل چکی تھی۔ پروانے بھی لاپتہ
ہوئے۔ البتہ اتنا فرق تھا۔ کہ وہ با وفا جب جاتے ہیں۔
تو پر وہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور یہ گئے تو جو کچھ باقی تھا وہ
بھی سمیٹ لے گئے۔

شیخ محمد شریف اور ان کے بچوں کے پاس نہ اب
کھانے کا سہارا تھا نہ تن ڈھانپنے کا ذریعہ پت جھڑ ہو چکا
تھا۔ اور جلانے والے پتیاں سمیٹ کر چولھے بھاڑ میں ڈال
چکے تھے۔ اب صرف ایک بے برگ و ثمر درخت تھا۔ جو فقط
اس کام کا تھا۔ کہ اسے کلہاڑیوں سے کاٹ کر گرا دیا جائے

(۲)

ابتدا ابتدا میں شیخ محمد یوسف کی بیوی ان کی
بڑی اطاعت کرتیں۔ ہمیشہ اسی کا خیال رہتا۔ کہ شیخ صاحب
کی خواہش و ایماء کے مطابق سارا کام ہوتا رہے۔ اور گھر
ان کے لئے زیادہ دلچسپ جگہ بن جائے۔ جب کبھی یہ باہر
سے گھر آ جاتے تو بڑی لگاوٹ اور پیار کی باتیں کرتیں۔
لیکن یہ سب اس لئے نہیں۔ کہ شیخ صاحب کو خود بھی یہ
باتیں پسند تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ شاید شیخ صاحب اس
اہتمام کے بعد گھر کے قورمہ پلاؤ پر بازار کی روٹی کو ترجیح
نہ دیں۔ لیکن زبان کے چٹوروں نے بھلا پلاؤ قورمہ سے سیر
ہوتے ہیں۔ انہیں تو کچھ چٹ پٹا چاہیئے۔ کچھ سلونا۔ کچھ
ترش۔ ذرا نمک مرچ بھرا۔ یہ چٹنی گھر میں کہاں نصیب

غرض جب بار بار کی کوششوں سے بھی میاں کا دل ہاتھ میں نہ لے سکی۔ (ذرا دیکھئے شادی کس چاؤ سے کی تھی) تو مایوسی کے ساتھ کپڑے لتے کی طرف سے بے احتیاطی بڑھی کپڑے میلے چیکٹ ہو جاتے۔ جب کہیں بدلتیں۔ ان باتوں پر دل ضرور کڑھتا۔ لیکن خاموش بیٹھی رہتیں۔ خیال یہ تھا۔ کہ یونہی۔ شیخ صاحب خوش نہ تھے۔ مفت کی لڑائی کون مول لے۔ پھر وہ بھی کھڑے کھڑے آئے اور چلے گئے۔ گویا ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے۔ آدمی کی طرح اٹھتے بیٹھتے تو باتیں بھی ہوتیں شکائتیں بھی کی جاتیں۔

عورتوں کی فطرت بھی عجیب و غریب ہے جب تک ان سے بے رخی کیجئے۔ چپکی زبان بند کئے دن کاٹتی رہینگی بات کہتی رہیں گی۔ خاطر تواضع۔ محبت و خلوص سب کچھ برتیں گی۔ اور سب کا اظہار کرینگی۔ لیکن جہاں شوہر التفات سے پیش آیا۔ اور محبت کی قسمیں کھانے لگا۔ بس آفت آگئی۔ بیوی سے بگڑ کر استاد۔ اتالیق۔ ماں سب ہی کچھ بن بیٹھتی ہیں۔ شیخ صاحب کی بے التفاتی نے ان کی بیوی کو موم کی گڑیا بنا رکھا تھا۔ جس بل جی چاہتا اٹھاتے اور جس کل جی چاہتا چلاتے۔ لیکن جیسے جیسے غربت کے ساتھ ساتھ ان کا اخلاص بڑھا۔ ویسے ویسے ان کی زبان کھلی۔ گویا روپے کی ضرورت کے بعد جیسے ہی افلاس کی بلا نے انہیں دبوچا ویسے ہی ان کی بیوی نے اپنے مزاج کی آتشبازی کو آگ دکھادی۔ پہلے نصیحت کی پھوبھڑی چھوٹی۔ پھر شکائتوں کے انار دانے اور آخر میں طعن و تشنیع کی چرخی چلنے لگی۔ کئی برس کا مواد دل میں پڑا اسٹر رہا تھا۔ اب پکا پھوڑا پھوٹ بہا۔ شیخ صاحب بیچارے کے پاس چارہ ہی کیا تھا۔

سر جھکائے سنتے۔ آنکھ سے آنسو۔ ناک سے پانی اور پیشانی سے پسینہ پونچھتے رہتے اور "کر کر کہ یافت" کے معنی پر مختلف پہلوؤں سے غور کیا کرتے۔

ایک دن بیوی کی باتوں سے عاجز آ کر بولے۔ نیک بخت بس اب چرخے کو بند بھی کرتی ہے۔ یا نہیں۔ کہاں تک نصیحت کرو گی۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بیوی صاحبہ یہ سنکر گلا پھاڑ کر بولیں۔ میری ہی زبان بند رکھنے کا تو یہ نتیجہ ہے۔ کہ اس دن کو پہنچے ہو۔ اب کیا دشمنوں کا اس سے بھی کچھ زیادہ ارادہ ہے۔ شیخ صاحب جھلا کر بولے۔ اچھا تو تمہارے طعنوں سے اگر کچھ فائدہ ہونا ہو تو تم دن رات طعنے دیئے جاؤ۔

بس بیوی نے سر پیٹ لیا۔ اچھا صاحب تو ہم ہی ہر طرح برے ہیں۔ ہم ہی عذاب جان ہیں۔ ہم ہی نے ساری دولت حرام خوروں اور مال زادیوں کو دے دی ہے۔ نہیں نہ جب سوجھا تھا نہ اب سوجھے گا۔ نہ جب غیرت تھی نہ اب غیرت ہے۔

شیخ صاحب چیخ کر بولے۔ اچھا بس اب زبان بند کرو۔ وہ ان سے زیادہ چیخ کر بولیں۔ ہرگز نہ بند کرونگی۔ ہرگز نہ بند کرونگی۔ یہ لال پیلے دیدے ان کو دکھاؤ جو....

شیخ صاحب نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور دروازے کی طرف چلے۔ وہ بولیں جاتے کہاں ہو۔ بڑے عجیب حضرت ہو۔ میری اور بچوں کی فکر بھی کرتے جاؤ۔ ہم نے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ بچوں کی چیخ پکار نے گھر کو بلا کا مقام بنا رکھا ہے۔

شیخ صاحب نے ان کو پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اور

بے تحاشا باہر بھاگے۔ جب گھر کی بیوی تلوار کی طرح زبان چلا رہی ہو۔ تو مردوں کیلئے بس مردانخانہ ہی جائے حفاظت وپناہ ہے۔ بڑے بڑے دلیروں کا زہرہ پانی ہو جاتا ہے اور پامردی و استقلال جواب دے دیتے ہیں۔ شیخصاحب ہم ہی آپ کے سے تھے۔ بھاگے اور زُک دُم بھاگے۔ کچھ منفعل اور کچھ منقبض پلنگ پر آ کر گر پڑے۔

شیخصاحب تھوڑی دیر تو پلنگ پر پڑے اپنی حالت زار پر غور کرتے رہے۔ آخر خودکشی کی ٹھانی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن پھر کچھ خیال آیا۔ تو گھر میں بال بچوں اور بیوی کے آخری سلام کے لئے آ حاضر ہوئے شیخصاحب حواس باختہ تھے۔ بیوی کے پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر رک رک کر بولے ...... تم سے ...... ہم ...... اے ...... شہ کے لئے ...... جدا ہوتا ہوں۔

عورت کی فطرت تو دیکھئے یا تو سینہ غصہ کی آگ سے بھڑک رہا تھا۔ یا دفعتہً شوہر کی کمزوری دیکھ کر محبت کی کافوری ٹھنڈک سے لبریز ہو گیا۔ آہستہ سے بولیں اچھا تم لیٹ جاؤ۔ تہاری طبیعت ناساز ہے۔ اس قسم کے خیالات تندرست آدمیوں کے دماغ میں نہیں آتے۔

شیخصاحب چپکے بچوں کی طرح لیٹ گئے لیکن بولے میں لیٹ تو رہوں۔ آج رات کو کھائیں گے کیا؟ بیوی کچھ دیر سوچتی رہیں۔ اس کے بعد بولیں قبلہ وکعبہ کے پاس چلے جاؤ۔ تم نے اپنے زمانہ میں ان کو بہت کچھ دیا ہے۔ اب شائد وہ دوسروں سے خمس اور زکوٰۃ لے کر کچھ تمہیں دے دیں۔

شیخصاحب کانپ کر بولے۔ تو گویا میں ان سے بھیک مانگوں۔

بیگم کو شیخصاحب کی یہ بات بہت ناگوار گزری اپنی رائے کی ذلت سے مخالفت بہت کم لوگ برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ ذرا جھنجلا کر بولیں۔ بھیک نہ مانگوگے تو کروگے کیا۔ تمہارے لئے ان دو گھنٹوں میں کیا ہو سکتا ہے۔

شیخصاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پلنگ پر بیٹھے جھوما کئے۔ بیوی کا یہ فقرہ "بھیک نہ مانگوگے تو اور کیا کروگے" دل پر جا کر تیر کی طرح لگا تھا۔ اور عجیب بات یہ تھی۔ کہ تیر نیم کش کی طرح وہیں اٹک بھی رہا۔ "بھیک نہ مانگوگے تو اور کیا کروگے"۔

بس یہی ایک صدا تھی۔ جو کانوں میں آتی۔ اور دماغ میں گونج رہی تھی۔ غیرت۔ حمیت۔ شرافت اس زخم پر نمک پاشی کر رہی تھیں۔ زبان بار بار ہونٹوں پر پھرائی جاتی۔ اور لعاب دہن کوشش کر کے حلق کے نیچے اتارا جاتا۔ بیگم صاحبہ نے کہا بیٹھے جھوم کیا رہے ہو۔ جاتے کیوں نہیں۔

انہوں نے بڑی حسرت سے انہیں دیکھا اور بولے ہاں ہاں جاتا ہوں۔ اور جوتہ پہن کر گھر سے نکلے۔ قبلہ وکعبہ کے گھر تک ٹہلتے ہوئے آہستہ آہستہ گئے۔ جب مکان کوئی دو سو قدم پر رہ گیا ہوگا۔ تو ایسا معلوم ہوا جیسے گہری نیند سے چونکے۔ جلدی ادھر ادھر دیکھا محض اس خیال سے کہ شائد راستہ جانے والوں میں

سے کسی نے ان کی غرض نہ سمجھ لی ہو۔ سارا جسم پسینہ سے تر ہو گیا۔ کرتہ کے دامن سے پیشانی اور منہ کا پسینہ پونچھتے ہوئے سرعت سے مڑے اور سیدھے لمبے لمبے ڈگ رکھتے ہوئے غلہ والی منڈی میں پہنچے جسم سے کرتہ اتار کر سر پر پگڑی کی طرح لپیٹ لیا۔ اور دن بھر کم سے کم مزدوری پر ٹوکرے اور بورے ڈھوتے رہے۔ شام تک ایک روپیہ کما لیا۔ دو پیسے کے چنے لئے اور بڑے اسٹیشن پر پہنچے۔ وہاں قلیوں کے جمعدار سے ملے اور اس سے یہ طے کیا۔ کہ وہ ان کی مزدوری میں سے نصف لے لیا کرے۔ اور گیارہ بجے شب تک قلی کی طرح کام کرنے دے۔ اس نے اس شب میں گیارہ بجے تک اپنی نگرانی میں ان سے کام لیا۔ جمعدار کے خوف سے کسی نے چوں چرانہ کی۔ شیخصاحب نے چار گھنٹے میں ڈیڑھ روپیہ کمایا۔ بارہ آنے جمعدار کو دیئے۔ اور بارہ آنے خود لیکر سیدھے گھر پہنچے۔

رگ رگ دکھ رہی تھی۔ ہاتھ پیر شل ہو رہے تھے۔ گردن۔ کمر دونوں بیکار تھیں۔ لیکن شیخصاحب نے عمر بھر میں پہلی بار پونے دو روپے اپنے دست و بازو کی محنت سے کمائے تھے۔ آپ کی روح اسقدر مسرور تھی۔ اتنی سچی مسرت تھی۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تخت سلیمان پر بیٹھے ہیں۔ اور جنوں کے کاندھوں پر اڑے چلے جا رہے ہیں۔

گھر میں جھومتے ہوئے داخل ہوئے۔ بیوی بارہ بجے شب تک انتظار کرنے سے اور زیادہ ناراض تھیں۔ لیکن ان کی صورت دیکھتے ہوئے جیسے کسی نے ان کی زبان پکڑ لی۔ تعجب سے ان کا منہ تکنے لگیں شیخصاحب نے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں بلایا۔ اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔ کیوں تم کہتی تھیں۔ کہ میں شریف نہیں۔ لو یہ لو پونے دو روپے اپنی قوت بازو سے کما لایا ہوں۔

(۳۷)

شیخصاحب نے خداوند کریم سے تمام گناہوں کی خلوص دل سے معافی مانگی۔ اور آئیندہ کیلئے پکی توبہ کی۔ چنانچہ ان کی دعا بارگاہ ایزدی میں پایہ قبول کو پہنچ گئی۔ اور ایک کمپنی میں ادنیٰ ملازمت کم سے کم تنخواہ پر اختیار کر لی۔ لیکن کام نہائت محنت اور دیانتداری سے کرتے رہے۔ شیخصاحب کی دیانتداری اور شریف النفسی نے چند دنوں میں ہی مالکان کمپنی کو اپنا گرویدہ و معتقد کر لیا۔ چنانچہ انہی کی مہربانی سے آج شیخصاحب ایک جلیل القدر عہدہ پر فائز ہیں۔ خوب آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بال بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ اور گاہے گاہے غریب اور محتاج ہمسایوں کا ہاتھ بھی بٹاتے ہیں۔

(سودمند)

انشاءاللہ تعالیٰ

"صراط مستقیم" "شمس المشائخ" اور دیگر جرائد و کتب پر آئندہ اشاعت میں ریویو ہوگا۔ ہرچند کوشش کے باوصف میں ان پر تنقیدی نظر ڈالنے سے قاصر رہا۔ احباب معذور سمجھیں۔

(ایڈیٹر)

بصائر و عبر

گذشتہ دنوں روزنامہ "انقلاب" کے بہرۂ افکار وحوادث" میں ایک فیشن زدہ نوجوان کی بدتمیزی و بے غیرتی ایسے الفاظ میں شائع ہوئی۔ کہ پڑھکر مغربی تہذیب کے دلدادگان کی عقل و خرد پر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ ہم اس واقعہ کو بلفظہٖ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ناظرین کرام اندازہ کریں کہ یہ تہذیب وشائستگی ہے یا بے غیرتی و بے حیائی کی انتہا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آجکل ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ کا فیشن عام ہو رہا ہے۔ اور سیر گاہوں میں یہ منظر کمیاب نہیں۔ کہ گورے چٹے میاں بیوی چلے آرہے ہیں۔ اور میاں کا چہرہ بیوی کے رخ انور سے بھی زیادہ صاف نظر آرہا ہے۔ بعض حالات میں تو میاں اپنی بیوی سے زیادہ حسین وجمیل بھی دکھے گئے ہیں خصوصاً اوائل شباب میں تو صرف چہرے کو دیکھنے سے یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ مکھڑا میاں کا ہے یا بیوی کا۔

لائلپور سے ایک نہایت مزے کی خبر موصول ہوئی ہے وہاں ایک معزز سرکاری عہدہ دار شکل صورت کے اعتبار سے بہت ممنون واقع ہوئے ہیں۔ آپنے اپنے حجام کو حکم دے رکھا ہے کہ روزانہ علی الصبح منہ اندھیرے آیا کرو۔ اور ہماری خوابگاہ میں داخل ہو کر بستر ہی پر ہماری حجامت بنا جایا کرو۔ چنانچہ وہ حجام روزانہ صبح کو آتا۔ حاکم صاحب کے چہرے سے کپڑے کا کونہ اٹھاتا۔ اور آہستہ آہستہ صابون لگا کر ڈاڑھی مونچھ صفاچٹ کر جاتا۔

ایک دن کرنا خدا کا کیا ہوتا ہے۔ حجام صاحب صبح ہی صبح خوابگاہ میں داخل ہوئے اور حسب عادت رُلائی کا کونا اٹھا کر صابون کی جھاگ سے بھرا ہوا برش سونے والوں کے گالوں پر آہستہ آہستہ پھیرنا شروع کیا۔ پہلے تو سونیوالا کسی قدر کسمسایا۔ اس کے بعد پھر نیند میں غافل ہو گیا۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد حجام نے پھر برش پھیرا۔ تو سونے والے نے آنکھیں کھول دیں۔ اور چونک کر کہا۔ کون ہے؟ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ کیا بے ہودگی ہے؟

یہ حاکم مذکور کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ جو اپنے رخساروں پر صابون کی جھاگ لئے ہوئے حجام کو جلی کٹی سنا رہی تھیں۔

اتنے میں حاکم صاحب باہر سے آگئے۔ اور اپنی زینت آغوش کا یہ حلیہ دیکھ کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ لیکن جب اسکو بہت زیادہ غصہ میں پایا۔ تو حجام سے بگڑ کر کہا۔ کہ کیوں بے نوٹے یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔ سرکار میں تو ہمیشہ سے اسی بستر اور اسی پلنگ کے پاس حاضر ہو کر سرکار کی حجامت بناتا رہا ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ آج سرکار کی میم صاحبہ تشریف رکھتی ہیں۔ کمرے میں کسی قدر اندھیرا بھی تھا۔ میں آپ کی اور میم صاحبہ کی صورت میں امتیاز نہ کر سکا"

خیر حجام کی تو تقصیر معاف ہو گئی۔ لیکن یہ واقعہ لائل پور کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔

۷۸۶

"القریش" امرتسر

بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۷ء

جلد ۲۴ ——— نمبر ۱۲

فہرست مضامین

لا الٰہ الا اللہ

(از جناب چودہری امیر احمد خانصاحب)

مدار ارض و سما لا الہ الا اللہ
عیار صدق و صفا لا الٰہ الا اللہ

نہیں ہے خوف کوئی کاروانِ ایماں کو
ہے اسکی بانگ درا لا الہ الا اللہ

ازل کا عہد وفا کچھ نہ تھا بجز توحید
بیان حرف "بلیٰ" لا الہ الا اللہ

اسی اساس پہ جاری ہے نظم کون و مکاں
ہے مہر حکم قضا لا الہ الا اللہ

غرض جہاں کی کیا ہے "لیعبدو" کے سوا
ربابِ کن کی نوا لا الہ الا اللہ

قدم قدم پہ ہیں سو سحر سامری درپیش
کلیمیوں کا عصا لا الہ الا اللہ

مدینے والے کا فرمان ہے امیر یہی
زمانے بھر کو سنا لا الہ الا اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ
القریش امرتسر
دسمبر ۱۹۳۷ء
جلد ۲۴ —— نمبر ۱۲

تاریخ سیاستِ ہند کا ایک دلچسپ باب

حقائق و شواہد کی روشنی میں واقعاتِ گذشتہ پر ایک نظر

مسلمان اسقدر غافل، کاہل، بے پروا یا متوکل واقع ہوا ہے۔ کہ وہ زمانہ کے مد و جزر، تغیر و تبدل اور انقلاب بعد انقلاب سے متاثر ہونے اس کے اسباب و علل پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا تا آنکہ حوادث کے خوفناک تھپیڑے اس کا عرصہ حیات تنگ نہ کردیں۔ اور امن و عافیت گوناگوں مصائب و آلام سے ٹکرا نہ جائے۔

۱۸۶۶ء میں سر سید علیہ الرحمتہ نے اسوقت کروٹ لی جب مسلمانوں پر نکبت و ادبار اور مسکنت و مذلت کی گھٹائیں پورے طور پر چھا گئیں۔ اور ان کی سیاسی زندگی دم توڑنے لگی۔ ۱۸۸۸ء میں سر سید مغفور اس تلخ تجربہ کی بنا پر مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کرنے لگے۔

جب بنارسی متعدد ہندوؤں نے سرکاری عدالتوں سے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کی تنسیخ اور بھاشا زبان اور دیونگری ناگری رسم الخط کی ترویج کی بنا ڈالی۔ اور ان کے منصوبے نشو ونما پا چکے۔

مارچ ۱۸۹۸ء میں نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کی قیادت میں مسلمانوں نے اس وقت آنکھ کھولی جب سر انتھونی میکڈانلڈ کی اعانت و حمایت سے یوپی کی عدالتوں میں ناگری رسم الخط رائج ہو گیا۔ اور اردو و ہندی رسم الخط کی باہمی مخالفت و رقابت کا بیج سرکاری طور پر بو دیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں مسلم قائدین سر آغا خان کی حمایت

میں اس وقت بیدار ہوئے۔ جب کانگرس کی رقابت مذہبی
کی نشتر نے اسلامی حقوق پر پوری قوت و طاقت کے
ساتھ چرکا لگا دیا۔ اور پہلی بار وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے
کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت اس وقت تک
ممکن نہیں۔ جب تک کہ مسلمان جداگانہ قومی نیابت اور
جداگانہ قومی انتخاب کیلئے ساعی نہ ہوں۔ چنانچہ یہ پہلا موقعہ
تھا۔ جبکہ ایک آل انڈیا مسلم وفد نے لارڈ منٹو وائسرائے
ہند کی خدمت میں اپنے جداگانہ مطالبات پیش کئے۔

کانگرس کی ملکی نمائندگی کی یہ کیفیت تھی۔ کہ وہ خاص
اجلاس منعقد کرتی۔ اور مسلم زعما کی شرکت کے بغیر مسلم
مفاد کے خلاف تجاویز منظور کرکے انہیں مشترکہ و متحدہ مطالبہ
قرار دیدیتی۔ جب نواب وقار الملک، مولانا محمد علیؒ، اور خواجہ
سر سلیم اللہ اور دیگر مسلم اکابرین اس تلخ تجربہ سے دوچار ہوئے
تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ ہندو مسلم اشتراک و اتحاد محالات
بلکہ ناممکنات سے ہے۔ لہذا اسی بنا پر

۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ کے مقام پر ان دردمندان
ملت نے "آل انڈیا مسلم لیگ" کی بنا ڈالی۔ اور انتھک مساعی
سے اس کی شاخیں ہندوستان کے تمام صوبوں میں قائم کرکے
ایک شاخ لندن میں قائم کردی۔ یہی دوڑ دھوپ تھی۔ جس نے
لارڈ مارلے وزیر ہند کو لارڈ منٹو کے اعلان اور مسلمانوں کی
جداگانہ نیابت کو قبول کرنے پر مجبور کردیا۔

۱۹۰۹ء میں لارڈ منٹو اصلاحات میں مسلمانوں
کے لئے جداگانہ نیابت اور جداگانہ انتخاب تسلیم ہوا۔ لیکن
بنگال و پنجاب اور سی پی میں مسلمانوں کے لئے پھر کوئی نشست
محفوظ نہ کی گئی۔

۱۹۱۱ء کے دربار دلی میں مسلمانوں کی رائے عامہ
کا لحاظ کئے بغیر بنگالیوں کی تحریک سودیشی، دہشت انگیزی
اور بمبازی تقسیم بنگال کے اعلان کی تنسیخ کا موجب ہوئی
اور جنگ طرابلس و بلقان کے تاثرات نے مسلمانوں پر پھر
ایک تلخ حقیقت کا انکشاف کیا۔

۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کے دور جدید
کا افتتاح ہوتا ہے۔ جبکہ انہوں نے میدان سیاست میں
قدم بڑھانے کی باقاعدہ کوشش ضروری سمجھی۔

دسمبر ۱۹۱۶ء میں "آل انڈیا مسلم لیگ" اور "کانگرس"
کے اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ جن میں مسٹر محمد علی جناح
مسٹر گوپال کرشنا گوکھلے کی کوشش سے لیگ اور کانگرس
کے مابین میثاق لکھنؤ قرار پایا۔ جس میں برطانوی ہند میں
مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت اور جداگانہ انتخاب کا
حق تسلیم کرتے ہوئے پنجاب و بنگال میں اس طرز کی نمائندگی
کی توسیع کی گئی۔ اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلم
اقلیات کو پاسنگ یعنے تناسب آبادی کے لحاظ سے کچھ
زیادہ نیابت کا حق تسلیم کرتے ہوئے حکومت خود
اختیاری کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء کی عالمگیر تحریکات خلافت
ترک موالات نے یکسر تاریخ ہند کی کایا پلٹ دی۔ یہ زمانہ
سخت ہنگامہ خیزی کا تھا۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ
کانگرس کے قدم میدان عمل سے اکھڑ چکے تھے۔ صرف مولانا
حسرت موہانی اور ان کی لیگ ہر قسم کی قربانیوں کے لئے
پیش پیش رہی۔ واقعات شاہد ہیں۔ کہ مسٹر گاندھی، لالہ
لاجپت رائے اور دیگر زعمائے ہنود کی مخالفت کے باوجود

آزادیٔ کامل کیلئے مسلم زعما ہی میدان عمل کے شاہسوار تھے اور ترک وطن و ہجرت وغیرہ سے انہیں قطعاً گریز نہ تھا۔

سنہ ۱۹۲۰ء کا ہندو مسلم اتحاد ایک اضطراری ضرورت کی پیداوار تھا۔ جس کی بنیاد باہمی محبت و مفاہمت پر نہیں۔ بلکہ ایک مشترکہ مصیبت کے احساس پر تھی۔ لہٰذا وہ دیرپا ثابت نہوا بلکہ

سنہ ۱۹۲۴ء میں دستور اساسی کی ترمیم اور آئندہ حکومت ہند کے مسائل زیر بحث آتے ہی ہندو مہا سبھا ہندو سنگھٹن اور عام فسادات کے دور نے اس اتحاد کی بیخ اس طرح کاٹ دی۔ کہ گویا کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا۔

اسی سال جب آئینی جنگ کا دور شروع ہوا۔ تو آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانوں کی پوزیشن آئندہ اصلاحات کے متعلق واضح کی۔ اور اپنے سنہ ۱۹۲۴ء، سنہ ۱۹۲۵ء اور سنہ ۱۹۲۶ء کے جلسوں میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات (سنہ ۱۹۱۹ء) کو ناکافی قرار دیتے ہوئے چند ضروری شرائط کے ساتھ خود مختار، ذمہ وار حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں مسلم اکابرین اور ممبران اسمبلی کا ایک اہم اجلاس دہلی میں منعقد ہوا جس میں مسٹر محمد علی جناح، مولانا محمد علی رح، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، راجہ صاحب محمود آباد، نواب محمد اسمٰعیل، مولوی محمد یعقوب صاحب مسٹر عبدالقیوم صاحب۔ شاہ محمد صاحب زبیر، مولوی شفیع داؤدی مسٹر ذوالفقار علی، مولانا سید مرتضیٰ بہادر مسٹر محمود سہروردی اور راجہ غضنفر علی خانصاحب نے انتہائی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے سر محمد شفیع کی مخالفت کے باوجود ہندو زعما کے پاس خاطر مخلوط انتخاب منظور کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اور قرار پایا۔ کہ مجالس آئین ساز میں جہاں تک نیابت کا تعلق ہے۔ مسلم زعما ہندو مسلم مفاہمت پر آمادہ و تیار ہیں۔ بشرطیکہ

۱۔ صوبہ سندھ جہاں ۷۵ فیصدی مسلم اکثریت ہے۔ بمبئی احاطہ سے علیحدہ و آزاد کر دیا جائے۔

۲۔ صوبہ شمال مغربی سرحد، میں وہی اصلاحات جاری کی جائیں۔ جو دوسرے صوبوں میں کی جائیں۔

۳۔ پنجاب اور بنگال میں ہندو مسلم نیابت تناسب آبادی کے لحاظ سے ہو۔

اولین دو شرائط کے متعلق یہ تشریح بھی کر دی گئی کہ صوبہ سندھ، سرحد، اور بلوچستان میں ہندو اقلیت کو وہی مراعات دی جائیں۔ جو دوسرے صوبوں میں مسلم اقلیتوں کو دی جائیں۔

۴۔ مرکزی مجلس آئین ساز دہلی میں مسلم نیابت کسی طرح ایک تہائی سے کم نہ ہو۔ انتخاب یہاں بھی مخلوط ہو۔

۵۔ مردسوں اور ایسے بلوں اور تجویزوں کا معاملہ جو مذہب پر اثر انداز ہوں۔ باہمی مفاہمت سے طے ہو لیکن ان روادارانہ اور منصفانہ مطالبات کو ہندو مہاسبھا کی نیشنلسٹ پارٹی کے اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۲۷ء نے سندھ کی علیحدگی سرحد کی اصلاحات اور بنگال و پنجاب میں مسلم اکثریت کی تجاویز کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اور صرف مخلوط انتخاب جو حقیقتاً ان کے ذاتی مفاد کی بات تھی قبول کر لیا۔

کانگرسی زعما مسلمانانِ ہند کو اپنا دست نگر غلام بنانے کے متمنی تھے۔ اس لئے انہوں نے مسلم لیگ اور مسلم

قائدین کی ہر وہ تجویز ٹھکرانے کی کوشش کی۔ جو مسلم
مفاد کے موافق تھی۔ چنانچہ کانگرسی زعمانے مخلوط نیابت
و مخلوط انتخاب کے سامنے مسلمانوں کو جھکتے دیکھ کر ناجائز
فائدہ اٹھانے کیلئے کئی اور راہیں نکالنے کی کوشش
شروع کر دیں۔ اور مسلم زعما میں اختلاف رائے نے افتراق
و تشتت کی شکل اختیار کی۔ اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

۱۹۲۸ء میں مسٹر گاندھی اور پنڈت مالوی کے ہمخیال
ہندو اکابرین کی خود ساختہ "آل انڈیا پارٹیز کانفرنس"
کے ایک جلسہ میں "نہرو کمیٹی" کا وجود معرض شہود میں لایا گیا
اور "نہرو رپورٹ" کی ترتیب و تدوین عمل میں آئی۔ جو مولانا
محمد علیؒ کے عدم موجودگی میں شائع کر دی گئی۔ اور مسلم
لیڈروں کی اجتماعی رائے لئے بغیر مسلمانوں سے بالکل بے
پروا ہو کر آل پارٹیز کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ
لکھنؤ میں چند تجاویز منظور کیں۔ اور اسے میثاق ملی قرار
دے کر ملت اسلامی کو سیاسی خودکشی پر مجبور کرنا چاہا۔

یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں۔ کہ نہرو رپورٹ جو
سراسر مسلم مفاد کے خلاف تھی۔ کے اصول و ضوابط مسٹر
گاندھی نے پنڈت مالوی کے مشورہ سے موتی لال نہرو
کو سابرمتی آشرم احمد آباد میں قلمبند کرائے۔ اور مسلمانوں کی
مخالفت کے باوجود خود وزیر ہند کے پاس اس الٹی میٹم
کے ساتھ بھجوا دیئے۔ کہ یہ ہندوستان کا متحدہ و متفقہ
نیشنل مطالبہ ہے۔ ۳۱ دسمبر ۲۹ء تک اسے قبول کرو
ورنہ آزادی کامل کا علم بلند کر دیا جائے گا۔

نہرو رپورٹ کا مقصد ہندوستان میں خالص ہندو
راج کا قیام اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کو ابدی غلامی کے لئے
مجبور کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

مسلم لیگ، خلافت کانفرنس، جمعیۃ العلماء، اور
دیگر متعدد مسلم رہنماؤں کی مخالفت کے باوصف دوسری
یادداشت یہ ارسال کی گئی۔ کہ دسمبر ۲۹ء تک سال
کے اندر اندر اس مطالبہ ہند کو قبول نہ کیا گیا۔ تو کانگرس
سول نافرمانی۔ عدم ادائیگی ٹیکس اور آزادی کامل کی
تحریک جاری کر دے گی۔

ہندو مہاسبھا کے اجلاس منعقدہ ڈھاکہ، دسمبر
۲۸ء کو پھر تیسری یادداشت یہ بھیجی گئی۔ کہ ہندو سبھا
کو نہرو رپورٹ پوری طرح منظور و قبول ہے۔ اگر مسلمان
کے کہنے سے اس میں ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی
ترمیم کیا گیا۔ تو مہاسبھا اس کی سختی کے ساتھ مخالفت
کرے گی۔

مسلمانوں کے مفاد کی اس کھلی مخالفت سے متاثر
ہو کر مولانا محمد علیؒ، مولانا شوکت علی ممبران خلافت کمیٹی
مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید سیکرٹری جمعیۃ العلماء
وغیرہم مسلم اکابرین "مسلم کانفرنس" کے اجلاس دہلی
میں شریک ہوئے۔ اور سر آغا خاں۔ سر محمد شفیع کے مشورہ
سے کمال تدبر و تفکر کے ساتھ تحفظ حقوق کیلئے ایک
دستور اساسی مرتب کیا۔ جو مسلمانان ہند کی سیاسی
زندگی کا موجب ہوا۔

یہ ہے ہندوستان کی تاریخ سیاست کا ایک
باب، اور یہ ہے اس جماعت کی ذہنیت و رواداری جو
مختلف اقوام ہند کی واحد مشترکہ نمائندہ ہونے کی دعویدار
ہے۔ اور یہ ہے اس کا اصول کار اور طریق عمل جسے

بعض مسلمان ملکی نجات اور ملی فلاح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔

کانگرس کے مسلمان فدائی واقعات متذکرہ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور عقل سلیم سے خود اندازہ کریں۔ کہ ان کے لئے راہ عمل کیا ہے؟

۱۹۳۷ء میں اب مسلمان پھر ایسے وقت میں بیدار ہوتے ہیں۔ جبکہ اکثر مسلمانوں پر کانگرس کی سنہری و روپہلی جادوگری کا اثر ہو چکا ہے۔ مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلما مولانا حسین احمد صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہم غلط راہ اختیار کر چکے ہیں۔ مسلم اکثریت کے صوبوں پر کانگرس حکمران ہونے کیلئے دندان آز تیز کر چکی ہے۔ کاش مسلمان ژرف نگہی و باریک بینی سے کام لیں۔ اور ملت کے مفاد کو کسی قیمت پر ضائع نہ ہونے دیں۔

مسٹر محمد علی جناح اور دیگر غم گساران ملت کی ہمت و فکر سے "آل انڈیا مسلم لیگ" جو فی الحقیقت مسلمانوں کے ملی مفاد کی ضامن ہے۔ اور جس کی مساعی بر آرسے وقت بروئے کار آئی ہیں۔ کی تجدید پھر عمل میں آئی ہے۔ خدا کرے اس کا یہ احیاء مستقل احیا و بقا کا موجب ہو۔ اور مسلمانوں کو اس سے اشتراک عمل کی توفیق! آمین ثم آمین ٭

درس عمل

مسلم ذی ہوش کیوں طاری ہے اب تجھ پر جمود
تیرے دل میں آتش جوش عمل تھی شعلہ زن

ننگ ملت ہو گیا ہے کس لئے تیرا وجود
کس طرح تو نے گوارا کر لیا اسکا خمود

ٹھوکریں کھائیگا کب تک ابتو اے ناداں سنبھل
اپنی پستی کا تجھے احساس بھی تو اب نہیں

اب بکھر جائینگے وگرنہ غیر تیرا تار و پود
ہو رہا ہے کیا اسی برتے پہ خواہان صعود

شمع کی مانند پھیلا ہر طرف اپنی ضیاء
نور ایماں سے مجلےٰ دل کے آئینہ کو کر

کہتک آوارہ رہیگا تو جہاں میں مثل دود
تاکہ پھر حسن ازل کا تجھ کو حاصل ہو شہود

رہنما اپنا بنالے تو اگر قرآن کو
پھر عنایت کی نظر تجھ پر کرے رب ودود

(زاہدی)

تذکرۂ برادری

اعتراف خدمات

مکرمی مولانا شاہ ولی صاحب صدیقی وکیل نکودر سے اپنے نامۂ گرمی قدر محررہ ۲۰ نومبر میں تحریر فرماتے ہیں۔

میں آپ کی قومی خدمات اور قابل فخر کارنامے بذریعہ القریش پڑھ پڑھ کر خوش ہوتا رہتا ہوں۔ اور جناب باری میں دست بدعا ہوں۔ کہ آپ کی ہمت مردانہ میں اور اور مزید برکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ قوم کے جمود وخمود کی جیسے کہ انتہا نہیں ویسے ہی توفیق ایزدی نے آپ کی ہمت بابرکت کیلئے انتہا نہیں ہونے دی، ع

جستش آخری دارد نہ سعدی را سخن پایاں

والا معاملہ ہے۔ مگر اب بفضلہ تعالیٰ آپ کی پر درد آواز پر بیش از پیش لبیک کے نعرے اٹھتے معلوم ہو رہے ہیں۔ جیسے کہ کوہ مری میں قومی اجتماع کی دعوت اور قاضی امان الحق صاحب صدیقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول نجف گڈھ کے خط مندرجہ القریش ماہ رواں وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے۔

ہم قرآن پاک میں بار بار لا تضیع اجر المحسنین کا ارشاد الٰہی پڑھتے ہیں۔ اور اس خدائے وحدہٗ سے مطمئن ہیں کہ عنقریب ایک نہ ایک دن آپ کا واحد قومی آرگن القریش ہفتہ وار کیا روزانہ بنکر رہے گا۔ جس کیلئے ہم مدت سے متمنی ہیں۔

علاوہ دیگر کارنامجات [illegible] آپ کے چند خصوصی کارنامے مثلاً ۱۔ ردّ مراسیت۔ ۲۔ باقیماندہ اضلاع پنجاب میں حصول حقوق زراعت۔ ۳۔ کامیابی بمقدمہ استقراریہ قاضی غلام مصطفیٰ صاحب رمداس ضلع امرتسر نہائیت ہی مشکوری کا باعث ہیں۔ جس نے اہل برادری کے دلوں میں گھر کرلیا ہے۔ اور جو سمجھدار ہیں وہ آپ کے گرویدہ وشیدا نظر آرہے ہیں۔ مغالطہ نہیں۔ کہ اب وہ توسیع القریش میں خاص اور نمایاں حصہ (الله، الله قریش اور یہ احساس؟ ایڈیٹر) لیکر آپ کا ہاتھ بٹائیں اور ندوہ کے ممبر بنکر اجتماعی فوائد برکات سے بہرہ اندوز ہوں۔ (خدا توفیق دے۔ آمین۔ میں آپ کی اس قدردانی اور عزت افزائی کا مشکور ہوں۔ ایڈیٹر)

جواب استفسار

استفسار مندرجہ تذکرہ برادری ماہ نومبر کا جواب مکرمی مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی نے جن الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ وہ ناظرین کرام کی واقفیت کے لئے عموماً اور مستفسر کی معلومات کے لئے خصوصاً بلفظہ درج ذیل ہے:۔

اس استفسار کے جواب میں جو کسی صاحب سردار علی نامی ساکن چک قاضی کی طرف سے نومبر ۳۴ء کے القریش میں شائع ہوا ہے۔ جواباً عرض ہے۔ کہ

سید فی الحقیقت کوئی قوم نہیں۔ یہ "شیخ" کی

طرح ایک تعظیمی لفظ ہے۔ اس کے متعلق بحث القریش میں درج ہو چکی ہے۔ اور میں نے بھی تاریخ جلیلہ میں اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ بہتر ہو کہ حضرت آرونی کتاب مذکور کے صفحہ ۱۹، ۲۰ و ۲۴۰ سے مضمون درج القریش کر دیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں درج کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آرونی) اور نیز صفحہ ۲۳۲ و ۲۴۴ کا مضمون "کیا سید قریشیوں سے الگ قوم ہے" بھی نقل فرمائیں۔ تاکہ مستفتی صاحب کا خلجان رفع ہو۔ اور انہیں پتہ چلے۔ کہ قرون اولیٰ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے کتنی بی بیاں سادات قریش کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ میں یہاں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔ کہ تمام قریش ہمکفو ہیں۔ خواہ ہاشمی ہوں خواہ اموی، صدیقی ہوں یا فاروقی، عثمانی ہوں یا علوی، وقس علی ہذا۔ ان کے باہمی ازدواج و مناکحت کی کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔ اگر تمدن اجازت دے اور فریقین کی عادات و اطوار اور حیثیتیں یکساں ہوں تو

درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

ہم تو ایک شخص کی بیٹی سے جو سید کہلاتا تھا۔ قریشی لڑکے کی شادی کر کے بہت پچھتا رہے ہیں۔ دو تین دن کی بات ہے۔ کہ میرے پاس ایک شخص جو موضع قریشیان ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا۔ ایک عرضی لایا۔ خانۂ قومیت میں "ہاشمی قریشی" لکھا تھا۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ آج کل عام طور پر حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رح کی اولاد ہاشمی کہلانے لگی ہے۔ اس سے دریافت کیا کہ آپ ملتانی قریشیوں میں سے تو نہیں؟ جواب ملا کہ ہمارا سلسلہ نسب شیعوں کے امام نہم سے ملتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ پھر آپ نے یہاں کے رواج کے مطابق اپنی قوم سید کیوں درج نہیں کی؟ بولے!

"ہمارے علاقہ میں لوگ سیدوں کو ذلت سے اور قریشیوں کو عزت سے دیکھتے ہیں"

پوچھا گیا، کیوں؟ جواب ملا۔ ان میں مراثی وغیرہ بھی آ ملے ہیں۔ میں نے کہا، الحمد للہ۔ قریشیوں میں یہ گھس نہیں سکتے۔ کیونکہ قریشی ایک قوم ہے۔ اور سید جو چاہے بن جائے۔ کیونکہ یہ ایک تعظیمی لفظ ہے۔ اور ہر شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہے۔

جو ذی علم اور سمجھدار لوگ ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ صحیح النسب "سیدوں" اور "قریشیوں" میں کوئی فرق نہیں، دونوں ایک ہی دادا کی اولاد سے ہیں۔ جو سید کہے کہ میں قریشی نہیں۔ وہ ضرور میر عاصی یا میراثی یا میرانی ہوگا۔ قریشیوں کے لئے یہ فخر بس ہے۔ کہ ان کی شان میں قرآن مجید کی ایک سورۃ موجود ہے۔ اور کسی کے لئے نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ۔

"سید و قریشی باہم نکاح کر سکتے ہیں"

دونوں ایک ہی شجر کے ثمر ہیں۔ ہاں ؎

کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

۲۔ اسی سلسلہ میں مکرمی مولانا قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

ہاں اس مہینہ کے رسالہ میں میں نے ایک قاضی کے میاں سردار علی صاحب کا استفسار فتویٰ طلب پڑھا۔

اور سخت حیران ہوا۔ کہ آپ قریشی ہوتے ہوئے ایک
سیدانی کو نکاح میں لینے سے جھجکتے کیوں ہیں۔ کاش آپ
نے رسالہ "حقیقۃ السیادت" ہی دیکھ لیا ہوتا۔ تو
یہ فتویٰ نہ پوچھتے۔ قریشی اور سید کو دو نہ سمجھیں بلکہ
مترادف جانئے۔ البتہ ہاشمین کو باقی قریشیوں کی نسبت
فضیلت و شرف بغرض امتیاز و تعارف ضرور حاصل ہے
خود امامین ہمامین علیہما السلام کہ جن کی اولاد کو ہندوستان
میں آپ سید کہتے ہیں۔ ہاشمی ہی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ
کی صاحبزادی ام کلثوم جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے
بطن مبارک سے تھیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے نکاح میں آئیں۔ جو ہاشمی نہ تھے۔ بلکہ ملادی تھے
مگر سب کے سب قریشی ہی تھے۔ اور باہم رشتہ و ناطہ
بطیب خاطر اور جھجک کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ نکاح کے
متعلق کنز الدقائق میں لکھا ہے۔ کہ ہمسری اور برابری
نکاح میں نسب کی راہ سے معتبر ہوتی ہے۔ پس قریشی
آپس میں ایک دوسرے کے کفو اور برابر ہیں۔

حضرت آپ بسم اللہ مجریہا و مرسہا پڑھتے ہوئے
مجوزہ یا اندیشیدہ سیدانی صاحبزادی کو بے تکلف آپ
نے لڑکے کے نکاح میں لاکر خانہ آبادی کریں۔ ع

"در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"

آپ کا ابتدائی زمانہ کچھ اور تھا۔ اور اب کا کچھ اور زمانہ
ہے۔ بیشک آپ اپنے آپ کو سید کہیں یا قریشی ایک
ہی بات ہے۔ میں اب آپ کو ایک برادرانہ مشورہ دیتا
ہوں کہ خود بھی رسالہ القریش امرتسر کے خریدار بنیں
اور دوسرے اہل برادری رفقا کو بھی خریدار بنائیں۔ تا
میں آپ کو دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ دنیا کیا سے
کیا ہو رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کا قومی آرگن اپنے
پاؤں پر کھڑا ہو کر آپ کو تازہ تازہ معلومات بہم پہنچا
دیا کریگا۔ اکیلا آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ جماعت بن کر
ایک نظام کے نیچے سب کچھ کر سکتا ہے۔ ع

دو تن یک شود بشکند کوہ را

اوپر کے کارنامے پڑے ہیں۔ کہ حضرت رونق سلمہ اللہ تعالیٰ نے
کیا کیا کچھ کر کے قوم کو دکھا دیا ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ
پس تین روپیہ ایک سال بعد القریش کی قیمت دے دینا
بڑی بات نہیں ہے۔

قطعہ تاریخ

قریشی عبدالرشید کے نو تعمیر مکان کیلئے ان کی
خواہش مندرجہ نومبر ۱۹۳۰ء پر کی مولانا غلام دستگیر
صاحب نامی ہاشمی اور محترمی قاضی شاہ ولی صاحب
صدیقی وکیل کی طرف سے حسب ذیل تاریخی قطعات
موصول ہوئے ہیں۔ ہم ہر دو احباب کی توجہ فرمائی کا شکریہ
ادا کرتے ہیں۔

قطعہ مرسلہ مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی

برپا شد ایں مکان جو بصرف کثیر شیخ
بس طرفہ منزلیست ہر آنکس کہ دید گفت
نامی بپاس خاطر رونق بسال آں
پائندہ باد خانۂ عبدالرشید گفت

۱۳ ۵ ۶

قطعہ از مولانا قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی وکیل

بنائے نمودہ چو عبد الرشید
مکانِ وسیع و توازن جدید
زہجری چہ تاریخ قاضی بگفت
مبارک مکیں را عمارت مزید

۱۳ ـ ۵۶

تعزیت

مکرم و محترم خانصاحب سردار محمد اکرم خانصاحب رئیس اعظم چیباٹی کے ایک گرامی نامہ سے یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ معلوم ہوئی۔ کہ گذشتہ دنوں آپ کے اقارب میں دو افسوس ناک اور الم ناک موتیں ہوگئیں۔ سردار صاحب کے پہلو میں دردمند دل ہے۔ قوم کے اصلاحی وارتقائی امور سے آپ کو گہرا شغف ہے۔ آپ کے اس صدمہ سے جو اعزا کی وفات سے ہوا ہمیں بیحد ملال ہوا۔ خدائے تبارک وتعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس عطا کرے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

تصرف بیجا

قریشی خاندان چوہدری والا کے نسب نامہ میں کسی نامعلوم ذاتی ضرورت کے پیش نظر مولوی بشیر الحق صاحب نے تصرف بیجا کی جرأت کی۔ ایک صاحب نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ اور خواہش کی کہ ان کے نسب نامہ میں دست اندازی نہ کی جائے۔ یہ خواہش واجب اور عین مناسب تھی اسی سلسلہ میں مولوی بشیر الحق کے والد محترم سے خط و کتابت بھی ہوئی۔ جو بشرط ضرورت شائع کر دیجائیگی مختصر سے وقت میں زبانی گفتگو بھی ہوئی۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ مفاد مشترک بجا خواہش ہے اور نسب مشترک کی ایجاد غیر موزوں۔

اسی سلسلہ میں اب مولوی غلام احمد صاحب برانچ پوسٹماسٹر چک ۱۰۶ (لائلپور) کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اور آپ لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"سنا ہے۔ کہ بشیر الحق پسر مولوی محمد حسین (صاحب) سکنہ بھگواں نے اپنی اختراع سے ہمارے نسب نامہ میں کوئی تصرف کیا ہے۔ یعنی اس میں کئی اور نام درج کر دیئے ہیں۔ جن کا نسبی طور پر ہمارے خاندان سے نہ کوئی تعلق تھا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اور جعلسازی کے مترادف ہم اسے کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہیں"

مولوی صاحب کی خواہش ہے۔ کہ ان کی یہ آواز مولوی بشیر الحق صاحب تک القریش کے توسل سے پہنچا دی جائے۔ تاکہ وہ اپنے تیار کردہ نسب نامہ کی اصلاح کرلیں اور معاملہ طوالت نہ کرے۔

اسی سلسلہ میں مکرمی مولانا عبد الحمید صاحب ابن مولانا شیر محمد صاحب (مرحوم) گورداسپوری تحریر فرماتے ہیں۔ کہ" ہمارے نسب نامہ میں اتنی گنجائش ہی نہیں۔ کہ کوئی دست اندازی کی جا سکے۔ وہ جو کچھ ہے بالکل صحیح ہے۔ اور اصل از اصل کے عین موافق طبع ہو چکا ہوا ہے۔ اگر اس میں کچھ حیلہ جوئی کی گئی ہے تو وہ بالکل قابل اعتراض ہے" اسی خط میں مکرمی مولانا جان محمد صاحب گورنمنٹ پنشنر جن کے زیر اہتمام

جون ۱۹۰۱ء میں نسب نامہ ہذا اصل کے مطابق کتابت ہوکر طبع ہوا کی طرف سے بھی نسب نامہ کی صحت کی تائید و تصدیق کی گئی ہے۔

غالباً مولوی بشیرالحق صاحب نے نسب ناموں کی مشترکہ ترتیب سے قریشیوں کی ان تمام برادریوں کو ایک مورث اعلیٰ کی اولاد ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں رشتہ داریوں اور دیگر ہمہ قسم تعلقات سے پیوند ہو گئے ہیں۔ چونکہ یہ طریق کار اصول کے سراسر منافی ہے۔ اس لئے ضرورت کا اقتضا تھا کہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی۔ لہٰذا ہم مولوی بشیرالحق کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ اس بارہ میں جبرو اکراہ سے کام نہ لیں۔ اور تخلیط نسب کی بدعت کو ترویج دے کر تفریق و تشتت کی تخم ریزی نہ کریں۔ اور مطالبہ حق میں ضد نہ کریں۔

ڈھونڈ عباسی

مکرمی پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی نے "ڈھونڈ عباسی" پر ایک مقالہ تحریر کرنے کی اطلاع دی ہے۔ اس کے متعلق مکرمی خانصاحب سردار محمد اکرم خاں صاحب عباسی رئیس اعظم چیپالی نے بھی ایک مستند کتاب "قریش" تحریر فرمائی ہے جس کے اہم اقتباسات اسی اشاعت میں شائع کرنے کا ارادہ تھا لیکن بوجوہ ملتوی رہا۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے متعلق کچھ آئندہ اشاعت میں درج کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پیر صاحب انتظار فرمائیں۔

"القریش" کے معاون خصوصی نمبر ۲۴۲ (اظہار نام کی اجازت نہیں) ان دردمندان قوم میں سے ہیں۔ جن کے پہلو میں دل اور دل میں قومی ضروریات کا احساس اور برادری کے عروج کے ارتقا کی تمنا ہے۔ آپ اپنے قومی جریدہ القریش کا احیا و بقا قومی احیا و بقا کے مترادف خیال کرتے ہوئے زرِ اعانہ میں معقول رقم ارسال فرمایا کرتے ہیں۔ دو ایک دفعہ تو اکٹھی سو سو کی رقم ترسیل سے حق امانت ادا کیا۔ اور بارہا چالیس چالیس اور پچاس پچاس کی رقم سے اس دفعہ پھر آپ کی طرف سے چالیس روپے کی رقم بصیغہ منی آرڈر موصول ہوئی ہے اپنا اپنا احساس اور اپنی اپنی ہمت ہے۔ ایک ایسے کرم فرما بھی ہیں جو وی پی کی واپسی سے نقصان کا موجب ہوتے ہیں اور تین روپے سالانہ کی رقم اسقدر بارگراں سمجھتے ہیں کہ اس کی ادائیگی انہیں کسی طرح گوارا نہیں ہوتی۔ اور یہ حضرات بالاکثر وہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مالی توفیق تو دی ہے۔ لیکن قومی امور میں ایثار سے کام لینے کی توفیق نہیں دی۔ ہم اپنے محسن معاون کے اس قومی احساس پر انہیں قابل صد ستائش سمجھتے ہیں۔ خدائے تبارک و تعالیٰ ان کی ہمت میں برکت دے، آمین!

خط و کتابت کے لئے جوابی کارڈ یا ایک آنہ کے ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔

"منیجر"

ساہوکار اور کاشتکار

ایک تقابل

از سید ضمیر جعفری بی۔ اے (متعلم)

اس طرف سیم و زر و دولت کا قارونی غرور
اس طرف اک مفلسی، اک بیکسی، اک انتشار

اس طرف ابھرے ہوئے پیٹ اور موٹی گردنیں
اس طرف پچکے ہوئے گال، ادنگھا ہیں سوگوار

اس طرف دہقان سے لوٹی ہوئی دولت کے ڈھیر
اس طرف فاقے مصائب رنج جورِ روزگار

اس طرف شوکت، حکومت، دبدبہ فرعونیت
اس طرف، ہر چیز سے عجز و غلامی آشکار

اس طرف، دربان کا ملبوس بھی زربفت کا
اس طرف، بیوی کے تن پر بھی کوئی ایک آدھ تار

اس طرف کُتّوں کے برتن میں بھی سوالوان ہیں
اس طرف انسان کے بچے بھی فاقوں کے شکار

اس طرف جام شرابِ کہنہ کی سرمستیاں
اس طرف جاگی ہوئی راتوں کا آنکھوں میں خمار

ایک اُجالا سا اُدھر اور اک سیاہی سی ادھر
ان کے جوتوں پر چمک سی ان کے چہروں پر غبار

اس طرف دنیا کی سب رنگینیاں جنت فروش
اسطرف جینا عذاب اور زندگی دوزخ شعار

اس طرف انسان کا خوں چوسنے والے ضمیر
اس طرف انسان کا ان داتا، یعنی کاشتکار

سید، شیخ اور قریشی

مولانا غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی نے "کیا قریشی سید کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟" سے متعلقہ استفسار مندرجہ القریش ۱۱ نومبر کا جواب لکھتے ہوئے تحریک کی ہے۔ کہ ناظرین القریش تفہیت اور وسعت معلومات کیلئے ان کی "تاریخ جلیلہ" کے صفحہ ۱۹، ۲۰ اور ۲۴۰ کا مضمون نقل کر دیا جائے۔ اسی اشاعت کے "تذکرہ برادری" کے تحت آپ کا جواب استفسار درج کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے۔ کہ انشاءاللہ تعالیٰ آیندہ "تاریخ جلیلہ" کا متذکرہ مضمون نقل کیا جائے گا چونکہ اس کی اشاعت جواب استفسار کی مناسبت سے اسی اشاعت میں ضروری معلوم ہوتی ہے اس لئے ہم اسے بلفظہٖ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وھو ہٰذا۔

سید کے معنی ہیں سردار مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضؓ کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ معمر جنتیوں کے سردار ہیں۔ یا ابوسفیان رضؓ بن حارث کے متعلق فرمایا۔ کہ السفیان اھل الجنتہ یعنی ابوسفیان رضؓ جوانمردانِ جنت کے سردار ہیں۔ یا حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت بلال حبشی رضؓ کے متعلق کہا۔ کہ ہمارے سید نے ہمارے سید کو آزاد کرایا ہے۔ اسی طرح شیخ خاندان یا قبیلے کے سردار کو کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام نے قومی افتخار کی بجائے ذاتی اتقا کو قابلِ وقعت جانا (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) اس لئے نومسلم دیندار بھی یا سیدی اور شیخنا کہہ کر پکارے جانے لگے۔ قریشی بزرگ تو بوجہ اپنے قومی افتخار اور ذاتی اتقا کے سیدنا و شیخنا کہہ کر پکارے جاتے ہی تھے۔ نومسلموں پر بھی انہیں القاب کا اطلاق ہونے لگا۔ حتیٰ کہ ان کی اولاد بھی سید و شیخ ہی کے القاب سے پکاری جانے لگی۔ مثلاً مغل بادشاہوں نے وزیر خاں انصاری کو میرزا کا خطاب دیا۔ تو ان کی اولاد بھی میرزا کہلانے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کو سید اشباب اھل الجنتہ کہا۔ تو ان کی اولاد بھی سید کہلانے لگی۔ یونہی کسی بزرگ قوم کی اولاد کو بھی بخطاب شیخ پکارنے لگے۔ میرے خیال میں یہ بات اصولاً صحیح نہیں کہ ایک خانصاحب یا خان بہادر کے خطاب یافتہ شخص کی اولاد کو بھی خانصاحب یا خان بہادر کہا جائے۔ موجودہ حکومت میں تو ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اس کے بعد دوسری حکومت میں اگر کہنے لگیں تو کوئی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے شائد سید و شیخ کی طرح اس کا بھی رواج ہو جائے۔ میری تحقیق کے مطابق شیخ و سید تعظیمی الفاظ ہیں نہ کہ قومی ان کا اطلاق انہیں بزرگوں پر ہونا چاہیئے۔ جو واقعی سردارِ قوم ہوں۔ مثلاً ریاست بہاولپور میں لفظ مخدوم سجادہ نشین کے لئے مستعمل ہوتا تھا۔ مگر اب سلطان حاکم کی اولاد کے ہر فرد کو مخدوم کہنے لگے ہیں۔

اسی طرح جیسے ہمارے ہاں لفظ پیر عام ہوگیا ہے۔ اور ہر اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو تعویذ دھاگہ کرکے دے یا دم سے علاج کرے۔ لفظ شیخ تو ہمارے ہاں نومسلم اور ان کی اولاد کیلئے خاص ہوگیا ہے۔ جو قوم پوچھیں تو کہہ دیں گے شیخ۔ اس سے سننے والا فوراً بھانپ جائیگا۔ کہ یا تو آپ کی قوم کا حال مخدوش ہے۔ یا خوجہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے بزرگ بوجہ سرداری شیخ کے تعلیمی لفظ سے پکارے جاتے تھے۔ مگر اب یہ لفظ نومسلموں اور نامعلوم اقوام نے چھین لیا ہے۔ شاہ جی اور سردار جی تو ہندو سیٹھوں اور سکھوں کے لئے خاص ہوگیا ہے۔ اور لفظ پیر کی بھی خوب خاک اڑی ہے۔ اب سادات قریش کیا کہلائیں ؟

جب سے قانون انتقال اراضی کی رو سے بہت سے اضلاع کے قریشی ہر جگہ زمینوں کے مالک ہونے کی وجہ سے زراعت پیشہ اقوام میں آگئے ہیں جبھی سے بہت سی قومیں قصابوں اور میراثیوں سمیت قریشی بننے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ حالانکہ وہ شخص ملعون قرار دیا گیا ہے۔ جو اپنے آپ کو غیر باپ سے منسوب کرے الحمد للہ تاحال انہیں تبدیلیٔ قوم کی فضول کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب اگر کوئی اپنے آپ کو قریشی کہے تو سننے والے کو فوراً خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آجکل قریشی بننے کا مرض عام ہے۔ اس لئے یہ بھی کوئی ایسا ہی مریض ہوگا۔ سید بننے کا عارضہ تو مدت سے لوگوں کو لاحق ہے اور ہمارے سامنے کئی لوگ سید کہلانے لگے ہیں۔ لہذا جب مصنوعی سید اور جعلی قریشی عام ہیں۔ اور اصلی اور نقلی میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ تو سید یا قریشی کہلانا کیا وقعت رکھتا ہے۔ ہاں نقلی سید اور مصنوعی قریشی بڑے اہتمام سے اپنے نام کے ساتھ سید و قریشی لکھتے ہیں مگر قریشی کے اوصاف ان میں کہاں پیدا ہوسکتے ہیں؟

گیرم کہ مارچوبہ کنند تن بشکل مار
کو زہر بہر دشمن و کو مہرہ بہر دوست

اندریں حالات اب سید یا قریشی یا شیخ لکھنا کوئی امتیازی نشان پیدا نہیں کرتا۔ تاریخی کتابیں بتادینگی۔ کہ ہم کون ہیں۔ ہماری صدیوں کی ہمسایہ قومیں گواہی دینگی کہ ہم کس باغ کے پھول ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔

لفظ سید کے معانی۔ ہم اس کتاب میں لفظ سید و شیخ پر بحث درج کرچکے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں مشفقی محمد الدین صاحب فوق نے تاریخ اقوام پونچھ عطا کی۔ اس میں آپ نے رسالہ القریش بابت ستمبر ۱۹۲۹ء سے لفظ سید کے معانی بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ لسان العرب صحاح ستہ۔ فتاوی شامی و طبری اور قرآن و حدیث میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے۔ اس کے معانی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جناب باری عزّ اسمہٗ کو سید کہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ مجھے سید نہ کہو بلکہ اللہ کو کہو۔ السید ھو اللہ (۲) سید کے معنی شوہر کے ہیں جیسا سورہ یوسف میں ہے۔ والفیا سیدھا لدی الباب میں ہے۔ یا جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ کان سیدنا رسول اللہ صلعم (۳) بزرگ اور مقدم جیسا یحیٰی علیہ السلام کی نسبت کہا گیا۔ سیداً و حصوراً۔

(۴) سخی اور کریم جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت یوسف کے متعلق فرمایا۔ کہ سیّد یوسف ہیں۔ نیز فرمایا کہ میری امت میں سیّد وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ مال سے سخاوت کرے۔ اور خدا کا شکر گذار ہو۔

(۵) بزرگ اور بڑی عمر والا جیسا کہ فرمایا ان ثنیۃ من الضّان خیرٌ من سیّد من المعز یعنی دوسالہ بھیڑ بڈھے بکرے سے بہتر ہے۔ (۶) فاضل وافضل ورد جیسا فرمایا سیّد الایام یوم الجمعۃ۔ سیّد الطعام لحم۔ سیّد القوم خادمھم یعنی جمعہ تمام دنوں سے فاضل ہے۔ گوشت سب کھانوں سے افضل ہے۔ قوم کا سردار ان کا خادم ہے۔

ان تمام معانی پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زمانہ نبوی میں یہ لفظ (سیّد) ذات کے معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔ اب ہندوستان میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چونکہ مسلمان ان تمام اشخاص اور اشیاء کو جو رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہوں۔ عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے خود سیّد بننے اور اپنے بزرگوں کو سید بنانے کا رواج قائم ہو گیا ہے۔ اور ہمیں شبہ ہے۔ کہ شیخ موسیٰ کو سید بنانے والے اسی اصول پر کاربند نہ ہوئے ہوں۔ حالانکہ ولایت اللہ کی داد ہے۔ اور سید کیلئے خاص نہیں۔ جو اللہ کی اطاعت وعبادت کریگا۔ اس کا مقبول بندہ ہو جائیگا۔ شیخ موسیٰ کی مسلمانوں کے دلوں میں اس وجہ عزت نہ تھی۔ کہ وہ انہیں سید سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے تھی۔ شیخ علم الدین کا فرض تھا کہ وہ اس کتاب (مناقبات موسوی) میں کمو کمر لکھاتے۔ بوجہ گانڈی ہماری نگاہوں میں کم نہیں ہو گئے۔ اور نہ سید بنانے سے ان کا رتبہ بڑھ سکتا ہے۔ سیّد بننے اور بنانے کا ایک مرض ہے۔ جو پھیلتا جاتا ہے۔ اور جیور اور شیخ بیانی اور ڈہو بھی سیّد بن رہے ہیں۔

ذات تبدیل کرنے والوں کیلئے وعید میں شفقی فوق صاحب کے ان الفاظ مندرجہ تاریخ اقوام پونچھ سے متفق ہوں۔ کہ حسب نسب کو تبدیل کرنے اور اپنی ذات کو چھپانے اور اپنے خون کو اوروں کے خون میں ملا کر ناخلف بننے والوں کو کاش ارشاد نبوی کا بھی کچھ علم ہوتا۔ حضرت سعد رض فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے۔ کہ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی اولاد بنے۔ اور جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے۔ اس پر جنت حرام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول صلعم نے کہ تم اپنے باپ دادوں سے نہ پھرو۔ بس جو کوئی اپنے باپ دادوں سے پھرا۔ اس نے کفر کیا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر آپ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ جو اپنے نسب کو کسی اور سے ملائے۔

شذرات

دورِ دنیا جاپان کی فوجیں چین کے جمہوری حکومت کے مرکز نانکن میں داخل ہو رہی ہیں اور بیسویں صدی عیسوی کے لیل و نہار اس حقیقت کبریٰ کا ایک بار پھر مشاہدہ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ کہ جو قوم اپنے ضعف و انتشار کے باعث اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتی۔ وہ آزادی کی نعمت سے بزور شمشیر محروم کر دی جائے گی۔ اور ذلت و اسیری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گی۔

جاپان نے آج سے پانچ سال پہلے مانچوریا کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ وہ ڈھائی سال ہوئے اٹلی نے حبشہ کا تیا پانچا کر دیا۔ چین اور حبشہ کی طاقت و سیاست کمزور تھی۔ انہیں اس انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ اور دنیا کی بڑی بڑی قہرمان سلطنتیں جن کی ایک جنبش جاپان اور اٹلی کا دماغ درست کر سکتی تھی۔ تماشہ دیکھتی رہیں اس المیہ میں اقوام کیلئے جو ریاستہ دلیل کو آپ ٹوڈیٹ رکھنے کی طرف سے غافل رہیں۔ اور جن کی معنویات پست ہو چکی ہیں۔ عبرت و موعظت کے ہزاروں سبق موجود ہیں۔

زمانے کے جن انقلابات کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے باعث جمعیتہ الاقوام کی بیچی اپنی انتہائی عریانی کے ساتھ دنیا کے سامنے آ گئی ہے۔ اقوام عالم جو بین الاقوامی قوانین و معاہدات کے تقدس کو حرف غلط کی طرح مٹانے پر تل گئی ہیں۔ آج ایک دوسرے کی رفیق مددگار معاون اور حلیف بن رہی ہیں۔ ہم کسی گذشتہ مقبرہ میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات جاپان۔ جرمنی۔ اٹلی اور باغی جرنیل کی ہسپانوی ریاست کو متحد و یکجان پائیں گے۔ اور جمعیتہ الاقوام کے یہ باغی اس کے مقابلہ میں نیا محاذ پیدا کر کے رہیں گے۔ جاپان۔ جرمنی اور باغی ہسپانیہ تو اس جمعیتہ سے پہلے ہی الگ ہیں۔ اب اٹلی نے بھی اس سے ٹوٹ کر جاپانی ساخت کے ائتلاف میں شامل ہونے کے عزم کا اعلان کر دیا ہے۔ اور خیال ہے کہ یورپ کی بعض چھوٹی موٹی ریاستیں جو مسولینی کے زیر اثر ہیں۔ اس کے اقدام کی تقلید کرینگی۔

اس صورتحال نے برطانیہ اور فرانس کو متحدہ محاذ کھانے پر مجبور کر دیا۔ روس کی بولشی حکومت اگرچہ فرانس کی متعاہد اور دوست ہے۔ لیکن سردست برطانیہ کے ساتھ اس کا قارورہ نہیں ملتا۔ امریکہ جنگ کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے ناچار جو سلطنتیں کمزور اقوام کی آنکھوں کی اسلب کرنے کے معاملہ میں بیباک ہو گئی ہیں۔ بڑی بڑی دولتیں یعنی برطانیہ۔ فرانس۔ امریکہ اور روس اپنی اپنی جگہ پر یہ ظاہر کر رہی ہیں۔ کہ ہم پر حملہ کیا گیا۔ تو ہم حملہ آور کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ لیکن ان

میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا۔ کہ کمزور اقوام کے لئے جنگ کا خطرہ مول لے۔

شائد باغی طائفہ یا غاصب گروہ کی سرگرمیاں انہیں متحدہ محاذ بنانے اور عملی اقدام کرنے پر مجبور کر دیں۔ چنانچہ برطانیہ اور فرانس کے مدبر ہم رائے ہونیکا اعلان کرنے کا بعد مختلف مراکز میں ساز باز کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر خارجہ مشرق اور وسطی یورپ کے اتحادی ادنیٰ یعنی رومانیہ۔ یوگوسلافیہ اور زیکوسلاویکی کے ساتھ امداد باہمی کا معاہدہ کرنے کیلئے روانہ ہو چکا ہے۔ اور انگلستان کا وزیر اعظم مستعمرات و مقبوضات سے جنگ کے لئے رائے طلب کرنے لگا ہے۔

آزاد دول اسلامی کی خارجی سیاست جو ترکی۔ ایران۔ عراق اور افغانستان کے مابین معاہدہ مودت اور رابطہ اخوت قائم کرنے پر منتج ہوئی۔ مصر و شام کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے بیتاب اور کوشاں ہے اٹلی۔ جرمنی اور جاپان کے اتحاد نے دوسرے اور تیسرے درجہ کی طاقت رکھنے والی اقوام کے لئے جو خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان کے پیش نظر سعودی عربستان کیلئے بھی ضروری ہے۔ کہ وہ اسلامی اخوت کی اس سلک میں منسلک ہو جائے۔ لیکن سردست اس حکومت کو برطانی امداد پر بھروسہ ہے۔ دول اسلامی کے اس اتحاد کو اب انگریز بھی اپنے لئے باعث خطر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ یہ اتحاد مسولینی کی ہوس استعمار سے بچنے کیلئے معرض وجود میں لایا گیا ہے۔ اور برطانیہ اٹلی کی روز افزوں طاقت سے لرزاں و ترساں ہو کر اس جرعہ تلخ کو اپنے حلق سے نیچے اتارنے پر مجبور رہے۔ کہ دول اسلام اتنی مضبوط و مستحکم ہو جائیں۔ کہ مسولینی کے دانت کھٹے کر سکیں۔ برطانیہ کے مدبر اس لئے اسلامی ممالک کو گلیڈ اسٹونی حکمت عملی کا شکار بنانے کے بجائے سردست انہیں اپنا حلیف بنانے کی طرف مائل ہیں۔ لیکن فلسطین کے اندر برطانیہ کی یہود نوازی اور ہندوستان میں اس کی ہنود نوازی مسلمانان عالم کو برطانیہ کی حقیقی نیت کی طرف سے بدظن کر رہی ہے۔ اور شبہات پیدا کرنے کی موجب ہے۔ جو روز بروز ترقی پذیر ہیں۔

کانگرسی حکومتیں برطانیہ کی امپیریل حکومت کے لئے اپنی نیک نیتی اور عیر سگالی کے ثبوت فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ اور کانگرسی لیڈروں اور برطانی مدبروں کے مابین روابط آئیندہ کے متعلق علنی اور مخفی مذاکرات ہو رہے ہیں۔ جو جانبین کیلئے تسلی بخش رفتار کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔

لیکن کانگرسی وزیروں کو عہدے قبول کرنے کا معاملہ کانٹوں کی سیج ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ کانگرسی وزارتیں اپنے اعمال سے عامتہ الناس کو مطمئن کرنے کے معاملہ میں قطعاً ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔ اور ان کی چند ماہہ کارگذاری نے "بلند نام" انڈین نیشنل کانگرس کو اپنے اصلی روپ میں بصورت برہنہ پیش کر دیا ہے۔ کہ یہ ٹولی ہندوستان کے ان ہندو سیٹھوں، تاجروں، ساہوکاروں، سرمایہ داروں اور تعلقہ داروں کی غلام اور آلہ کار ہے۔ جو

برطانوی سنگینوں کے سایہ کو اپنے سر پر ہمیشہ کیلئے قائم رکھنا آیۂ رحمت سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سچے حریت پسند مولانا حسرت موہانی ایسے لوگ اور حقیقی سوشلسٹ کانگرس سے بیزار ہونے لگے ہیں۔ اور کانگرسی صوبوں میں کسانوں اور مزدوروں کا اضطراب ترقی پذیر ہے۔

دوسری شکل کانگرسی وزارتوں کو ان کی بدترین فرقہ پرستانہ مہاسبھائی حکمت عملی کی وجہ سے مسلمانان ہند مسلم لیگ کے زیر علم اپنی ہستی منوانے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے ہیں۔ اور ملک کے طول وعرض میں مسلم لیگ کی نئی حرکت عمل مقبول تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اگرچہ غلامانہ ذہنیت رکھنے والے چند قابل ذکر اور ناقابل ذکر مسلمان کانگرس کے ٹوڈی بن کر مسلمانوں کے اتحاد ملی کو برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اور طرح طرح کی فریب کاریوں سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن ان کا اثر زائل ہونے لگا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی نظروں سے ذلیل ہو کر گر رہے ہیں۔ ہندوؤں نے پنجاب۔ بنگال۔ سندھ اور آسام کی وزارتوں کے خلاف ان کے غالب اسلامی عنصر کے باعث نشر اکاذیب اور اباطیل کا جو گھناؤنا معرکہ شروع کر دیا ہے۔ وہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کا موجب بن رہا ہے۔ پنجاب میں جب سے اتحادی وزارت نے فرقہ دار فساد برپا کرنے والوں کے متعلق کسی قدر مضبوط حکمت عملی اختیار کی ہے۔ صوبہ کی فضا مقابلۃً پُرسکون نظر آتی ہے۔ اولاً یہاں کے ستیہ پالی اور تاراسنگھی کارندوں نے سر سکندر حیات خاں کی طبعی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے صوبہ کی فضا کو فرقہ وارانہ فسادات سے مکدر کر دیا تھا۔ اب انہوں نے براہ راست مقابلہ پر آنے کا خیال ترک کرکے احرار کی بدنام ٹولی کو اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ جن کے ایک ذمہ وار لیڈر مظہر علی نے مسجد شہید گنج کے لئے سول نافرمانی کا سوال ازسرنو محض اس لئے چھیڑا ہے۔ کہ موجودہ وزارت کو پریشان اور بدنام کرنے کا ایک بہانہ پیدا کیا جائے۔ احرار کو دوسرے کیمپ سے نہایت مناسب جواب مل گیا ہے۔ کہ ہم اس مرحلہ پر سول نافرمانی کو انسب خیال نہیں کرتے لیکن اگر احرار نیک نیتی سے یہ تحریک شروع کریں گے۔ اور مسجد شہید گنج کی واگذاری کی سعی کرتے ہوئے سکندر کی وزارت کے ہاتھوں قید یا شہید ہو جائیں گے۔ تو مسلم لیگی مسلمان اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لینگے

واضح رہے کہ اتحادی وزارت کے خلاف پنجاب کے کانگرسی اور اکالی حلقوں کی طرف سے جو جو سازشیں اور ریشہ دوانیاں کی جارہی ہیں وہ کسی اصول پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض اس وجہ سے ہیں۔ کہ ان حلقوں کو وزارت سکندر پر اسلامی حکومت ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا ہے اور یہ شبہ سر سکندر حیات خاں اور ان کے رفقا کی اس طبعی کمزوری کے باعث اور بھی بڑھتا جارہا ہے۔ جو ان میں اپنے کو حد سے زیادہ "روادار پنجابی" ظاہر کرنے کیلئے پائی جاتی ہے۔ اگر سر سکندر اور ان کے رفقاء روز اول ہی سے بنگال کے وزراء کی طرح اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور پنجابی بننے کی کوشش میں اپنی کمزوری نہ دکھاتے تو ہندوؤں اور سکھوں کی فرقہ وارانہ

شورشیں یا تو پیدا ہی نہ ہوتیں۔ اگر ہوئیں تو ان کی حیثیت معمولی قسم کی ہوتی۔ کیونکہ ڈرنے والے کو ڈرانا اور دبنے والے کو دباتے چلے جانا مہاسبھائی عنصر کی فطرت میں داخل ہے۔ پنجاب کے مسلمان وزیروں کو اس نفسیاتی مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیئے

مجسٹریٹ علاقہ بٹالہ سردار جسونت سنگھ کے خلاف ایک سنگین شکایت اخبار وطن میں شائع ہوئی ہے۔ کہ انہوں نے ایک مقدمے کی سماعت کے دوران میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے متعلق ایک دل آزار فقرہ استعمال کیا۔ اور شیخ چراغدین صاحب ایڈووکیٹ کے ٹوکنے کے باوجود اس فقرے کو دہرایا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ ناپاک رویہ ایک ذمہ وار حاکم عدالت کو کہاں تک زیب دیتا ہے۔ کیا سردار جسونت سنگھ کو یہ معلوم نہیں۔ کہ مسلمان اپنے آقا و مولا کی عزت و ناموس کو اپنی عزیز ترین متاعوں سے بھی ہزار درجے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جو شخص مسلمانوں کے جذبات کے اس نازک ترین نقطہ سے بے خبر ہے۔ وہ یقیناً اس قابل نہیں۔ کہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے۔ جو شخص حکومت کی طرف سے اس فرض کی بجا آوری پر متعین ہے۔ کہ لوگوں سے بلا امتیاز مذہب و ملت انصاف کرے۔ اور تمام مذاہب کے پیشواؤں کی تعظیم کرائے۔ اگر وہی اپنی زبان پر پہرا نہ بٹھا سکے۔ اور بے احتیاطی سے ایسے فقرات کہہ بیٹھے۔ جن سے مسلمانوں کے دلوں کو انتہائی صدمہ پہنچے۔ تو وہ یقیناً اس قابل ہے۔ کہ حکومت کی طرف اس کو سخت سے سخت سرزنش کی جائے تاکہ وہ آئندہ اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھ کر مقدمات کی سماعت کیا کرے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ حکومت پنجاب اس معاملے میں فوری کارروائی کرے گی۔ مسلمان اس مجسٹریٹ کی طرف سے غیر مشروط اظہار افسوس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حکومت ایران نے حال ہی میں ایک قانون نافذ کیا ہے۔ جس کے مطابق عوام الناس کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ تجارتی حساب و کتاب اور خط و کتابت صرف فارسی زبان میں کیا کریں۔ تجارتی کمپنیاں خط و کتابت اور حساب و کتاب کے لئے جو کتابیں فارم اور مطبوعہ خطوط استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اا مارچ ۱۹۳۶ء تک فارسی زبان میں تبدیل کر لیں۔ مندرجہ ذیل امور میں غیر ملکی زبانوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے:۔

خط و کتابت جس صورت میں کہ ایک پارٹی ایران سے باہر ہو۔ ڈاکٹری نسخے۔ علمی اصلاحات ہوا بازی یا جہاز رانی سے متعلق اعلانات غیر ملکی افراد۔

تجارتی نشانوں (ٹریڈ مارک) اور کمپنیوں اور دکانوں کے ناموں پر بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ تاکہ وہ غیر ملکی زبانوں میں نام نہ رکھیں۔

عامر یمنی

ایک بُت پرست یہودی بارگاہ نبوی میں

(از مولانا ابوالقاسم حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

عامر یمن کا باشندہ اور مذہباً بت پرست تھا اُس کے فقط ایک بیٹی تھی۔ جو فالج اور مرض جذام میں مبتلا تھی۔ اور حس و حرکت سے قطعاً معذور۔ یہودی اپنے اعتقاد کے مطابق روزانہ اسکو بڑے بت کے سامنے ڈال دیتا۔ اور نہائت آہ و زاری کیساتھ اس سے مخاطب ہوکر کہتا۔ کہ اے صنم اکبر میرے یہی ایک دختر ہے۔ اور اسکی جو حالت ہے۔ وہ تیرے سامنے ہے۔ اگر واقعی تجھ کو نفع و ضرر کا اختیار ہے۔ اور تو ہر شئے پر مختار ہے۔ تو میری اس بچی پر رحم کھا اور اسکو اس حرکت سے نجات دلا۔ پتھر کی مورتی کیا جواب دیتی۔ اور کیا کر سکتی۔ وان یسلبهم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب الآیہ کی صحیح مصداق کیا اس کو شفا بخشتی آخر کار روز و شب کی الحاح و زاری اور مقصود کی ناکامی نے اس کو یہ کہنے پر مجبور کر ہی دیا۔ کہ اس خاموش اور غیر ناطق و غیر حس جسم کی پرستش کے کیا معنی۔ یہ محض دھوکہ ہے۔ انسان جیسی اشرف المخلوقات اور اپنے تراشیدہ پتھر کے سامنے جھکے۔ اور اس کو مالک خیر و شر سمجھے۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ ہم سالہا سال سے اس پتھر کی پرستش کر رہے ہیں۔ لیکن تم دیکھتی ہو۔ کہ اس غیر متحرک مخلوق میں نہ نطق ہے نہ نطق ہے کہ جواب دے نہ حس ہے کہ حرکت کرے اور اچھے بُرے کو پہچان کیا۔ ہمیں ایسی ہی شئے کو اپنا معبود سمجھنا چاہیئے۔ بیوی نے جواب دیا۔ کہ میں تم سے پہلے اس امر پر غور کر رہی ہوں کہ اس ارض و سما کا خالق اور ایسی عجیب و غریب نیند کا مالک جس کے کنہ و حقیقت کے غور و فکر میں عقلاء حیران ہیں۔ کیا یہ ہی بے زبان صُمٌّ بکمٌ مادی اجسام ہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم خالق کائنات اور حقیقی مالک و آقا مالک الملک وحدہٗ لاشریک لہٗ کی تلاش کریں۔ اور اپنے سر و پیشانی اس کے آگے جھکائیں۔ شب دیجور میں جبکہ آسمان اپنی زیب و زینت کے ساتھ نیلگوں رنگ میں زمین پر بسنے والوں کیلئے سائبان مخمل بنا ہوا ہے یہ دونوں میاں بیوی بت پرستی سے بیزاری اور خالق ارض و سما کے وجود حقیقی پر مکالمہ میں مشغول ہیں۔ اور چشم حقیقت بین کو وا کئے ہوئے گمراہی کے گڑھے سے نکلنے کیلئے تجاویز سوچ رہے ہیں۔ کہ یکایک رحمت باری نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق بھٹکتے ہوؤں کی راہبری فرمائی اور یکایک انہوں نے دیکھا۔ کہ آسمان بقعۂ نور بنا ہوا ہے ستاروں کی یہ کیفیت ہے۔ کہ گویا زمین پر اتر آئیں گے

عجیب وغریب نورانی شکلیں اس نزحت وہ منظر میں نظر آرہی ہیں۔ شجر وحجر، نباتات وجمادات سبھی اس سے متاثر ہیں۔ اور اپنی استعداد کے مطابق وان من شئی الا یسبح بحمدہ کا پورا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ جلوۂ نور کی اس فراوانی نے ان کے قلوب میں ایک ہیبت طاری کردی۔ گھبرا کر باہر نکلے تو ہاتف غیبی کو یہ کہتے سنا۔ قد ولد النبی الھادی : نبی ہادی کی ولادت باسعادت کا وقت ہے۔ فوراً یہ دونوں صنم اکبر کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ وہ سرنگوں ہے۔ اور ان کو ایک آواز محسوس ہوئی۔ جو یہ کہہ رہی ہے۔

الا ان النبا العظیم قد ظھر وولد من تشرف به القیم وافتخر وھو النبی المنتظر الذی تخاطبه الشجر والحجر وینشق له القمر وھو سید ربیعة ومضر (ترجمہ) خبردار ہو! کہ عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور ہوگیا۔ اور آج سید الکونین کی ولادت باسعادت کا وقت ہے۔ جس پر تمام عالم کو فخر ہے۔ نبی منتظر اسی کا لقب ہے۔ اسی سے حجر وشجر کلام کریں گے۔ اور اسی کا معجزہ شق القمر ہوگا۔ اور وہ ربیعہ ومضر جیسے شرفاء کا سردار ہے۔

علو اگرچہ بیحد خائف تھا۔ اور اسی کے پہلو میں اس کی بیوی بھی خوفزدہ کھڑی تھی۔ لیکن اس نے دل مضبوط کرکے پوچھا کہ اے ہاتف غیبی اس شخص کا نام کیا ہے جس کے لئے آج یہ خارق عادت انتظام ہے۔ جواب ملا کہ اس کا نام محمد المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ابھی یہ اسی حالت میں تھے کہ ان کی وہ اپاہج لڑکی جو ہر طرح معذور تھی۔ ان کے پاس آکر کھڑی ہوگئی اور اس منظر عجیب کو دیکھ کر سہمی ہوئی خاموش والدین کا منہ تکنے لگی۔ عامر نے جب اس کو صحیح وتندرست دیکھا تو غائت مسرت سے پوچھنے لگا۔ کہ اے بیٹی کیا عجب معاملہ ہے۔ کیا تجھ پر کوئی ماجرا گزرا ہے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ کہ ہاں۔ اے پدر بزرگوار میں میٹھی نیند سو رہی تھی۔ یکایک کیا خواب دیکھتی ہوں۔ کہ میرے سامنے ایک نور روشن ہے۔ جس کی روشنی بدر وشمس کو بھی ماند کررہی ہے۔ اور پاس ہی ایک شخص کھڑا ہے۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ یہ نور کس شئے کا ہے۔

(شخص) نور سید ولد عدنان : یہ نور سید السادات کا ہے۔ جو عدنان کی اولاد سے ہے۔

میں نے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟

(شخص) اسمہ محمد احمد برحم العالی ویعفون عن الجالی۔ ان کا نام محمد احمد ہے۔ جن کی اعلیٰ صفت ہے کہ غریب پر رحم کھائیں گے۔ اور خطاکار سے درگذر کریں گے۔

میں نے پوچھا ان کا دین کیا ہے؟

(شخص) حنیف ربانی۔ ان کا دین ملت حنیفہ ہے۔

میں نے پوچھا ان کا نسب کیا ہے۔

(شخص) قریشی عدنانی۔ وہ قریشی اور عدنانی ہے۔

میں نے پوچھا وہ کس کی عبادت کریں گے۔

(شخص) المھیمن الوحدانی۔ وحدہ لاشریک کی

میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟

(شخص) من الملائکۃ الذین بشر والجمال الالٰہی میں ان فرشتوں میں سے ہوں۔ جو آپ کے جمال جہاں آرا کی بشارت دینے والے ہیں۔

میں نے پوچھا آپ یہ بتلا سکتے ہیں۔ کہ میرا یہ مرض کس طرح دور ہو۔

(شخص) توسلی بحاجات) اسی محبوب کے وسیلہ سے دعا کر۔ میں نے یہ سن کر فوراً اس ذات اقدس کا نام مبارک لیکر خدمتے قدوس کی درگاہ میں دعا کی۔ اُن کی برکت سے میرا مرض جاتا رہا۔ ان عجائب و غرائب کو دیکھ کر اور ان حالات نادر کو سن کر عامر اپنی بیوی سے کہنے لگا۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مولودِ مسعود کی شخصیت کسی بنائے عظیم کی ضامن و کفیل ہے۔ لہٰذا میں نے تو عزم مصمم کر لیا ہے۔ کہ میں قطع مسافت کر کے اور سفر کی تکالیف شاقہ جھیل کر ضرور اس تک پہنچونگا اور اس کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھوں کو روشن اور قلب کو منور کرونگا۔ صبح کو عامر اس کی بیوی اور اس کی بیٹی تینوں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچ کر عبدالمطلب کا مکان دریافت کیا۔ دروازے پر پہنچے اور آواز دی۔ گھر میں سے ایک عورت آئی اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ عامر نے کہا کہ تمہارے گھر میں جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ بس اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا۔ یہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اس کے دادا عبدالمطلب نے ہم کو منع کر دیا ہے۔ ہم کو خوف ہے۔ کہ کوئی یہودی اس کو نقصان نہ پہنچادے

اسلئے کہ ہم سنتے ہیں۔ کہ ان کو اس بچہ سے عداوت ہے۔ عامر نے الحاح و زاری سے کہا۔ کہ میں تو مشتاق جمال محبوبی ہوں۔ خدارا میری اس محنت و تکالیف کا خیال کرو۔ اور ایک مسافر کی آرزو کو اس طرح خاک میں نہ ملاؤ۔ ان کا یہ اصرار دیکھ کر عورت اندر گئی۔ اور تھوڑی دیر میں بلا کرنے گئی۔ عامر اور اس کے خاندان نے جب دیدار محبوب کے لئے چہرۂ اقدس سے کپڑا اٹھایا۔ تو آپ کی پیشانی مبارک سے ایک نور چمکا۔ اور حاضرین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ عامر اور اس کے اہل و عیال جمال اقدس کو دیکھ کر ہزار جاں سے قربان ہونے لگے۔ اور اپنے چہروں کو آپ کے قدم مبارک سے ملنے لگے۔ اور بیتابانہ و والہانہ شوق سے عامر تو وجد میں آگیا۔ آخر اہل خانہ نے کہا۔ کہ اب تم یہاں سے جاؤ ایسا نہ ہو کہ عبدالمطلب کو اس واقعہ کی اطلاع ہو جائے۔ اور وہ ہم پر ناراض ہوں۔ یہ جب باہر نکلے عامر فرط شوق میں مجنوں کی طرح دیوار دل سے سر ٹکرانے لگا۔ اور آپ کے ہر عزیز و قریب سے آہ و بکا کے ساتھ کہتا۔ کہ ایک مرتبہ اس ذات اقدس کا دیدار اور دکھا دو۔ عامر کی اس حالت کو دیکھ کر پھر اس محبوب رب العالمین کی زیارت کے لئے لے گئے۔ عامر دیکھ کر فوراً قدموں سے چمٹ گیا۔ اور فرط شوق میں ذات اقدس کے قدمین مبارک پر ہی جان نثار کر دی۔

دُعا بارگاہ سرکار مدینہ

از حضرت درد۔ کاکوروی

بہر خدا سن اے صبا، تجھ کو محمد کی قسم — جا تو مدینہ ایک دم پیشِ رسولِ محتشم

پڑھ کر درودِ پاک پھر یہ عرض کر با چشم نم! — جاں وقفِ صد آلام ہے دل ہے رہینِ یاس و غم

اے سرورِ شاہِ عرب، محبوب رب اُمّی لقب — عالی نسب والا حسب سرچشمۂ علم و حکم

اے ماہرِ اسرارِ کل، نجم الہدے بہرِ سبل — اے شمعِ دیں ختمِ رسُل، مطلوبِ حق نورِ قدم

اے مظہرِ ذاتِ خدا شمس الضحےٰ بدر الدجےٰ — اے فخرِ جملہ انبیا مہرِ عرب ماہِ عجم

دولت نہ تخت و تاج ہے، اب کفر کا بس راج ہے — دینِ خدا تاراج ہے اُنْظُرْ اِلَیْنَا بِالْکَرَم

عزت حکومت اب کہاں وہ شوکت و ثروت کہاں — سب مٹ گیا قومی نشاں، دولت نہ ہے جاہ و حشم

اور عرض کر کبتک سہیں غیروں سے یہ ظلم و ستم — دنیا کی قومیں میں رہیں کبتک ذلیل و خوار ہم

ہے آتشِ غم مشتعل زخمی جگر، جاں مضمحل — آنسو رواں بے چین دل ہر دم جو ٹوٹے اس پہ دم

ظالم فلک، دشمن زمیں، کوئی کہیں اپنا نہیں — یا رحمۃ اللعالمیں، امت پہ ہو چشمِ کرم

پھر ساری ظلمت ہو عدم، روشن ہوں سینے ایکدم — عالی ہمم، والا حشم، اے باعثِ لوح و قلم

لہرائے پرچم دین کا، بدلے زمانے کی فضا — اے صدرِ بزمِ انبیا محبوبِ رب شاہِ امم

اسلام کا سکّہ چلے، بہرِ خدا پھولے پھلے — گلزارِ دیں، باغِ عمل، شاخِ طرب، نخلِ حکم

ہر قلب میں موجیں اٹھیں، اللہ اکبر جب کہیں — اسلام کی فوجیں بڑھیں ہاتھوں میں ہوں قومی علم

مسلم کو ہو ایسا شرف، اللہ اکبر ہر طرف — ہو ایستادہ صف بہ صف، امت تری با صد حشم

ہر ایک ذرہ طور ہو، یہ ساری ظلمت دور ہو — پھر نور سے معمور ہو یہ سارا عالم ایک دم

اے خاتمِ پیغمبری، پھر ہم کو دے وہ سروری — پہلے بھی تھی جو تو نے دی، اے نائبِ رب الحکم

دنیا ہو اور چرچا ترا، یہ سر ہو اور سودا ترا — یہ دل ہو اور جلوہ ترا، آنکھیں ہوں اور تیرے قدم

ہر اُمتی کی عرض ہے، سرکار دردِ دل سے یہ\
اے رحمۃ اللعٰلمین رسوا نہ ہوں عالم میں ہم

ہنگامہ ہائے کشت و خون

جنگ یورپ کے بعد کی لڑائیاں

کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ آپ جنگ یورپ کے بعد سے اس وقت تک متعدد جنگیں دیکھ چکے ہیں۔ جن میں سے آخری جنگ اب بھی جاری ہے۔ ذیل میں حافظہ کی تازگی کے لئے ان جنگوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

(۱) سلیشیا: سنہ ۱۹۱۹-۱۹۱۸ء میں پولینڈ اور جرمنی کے درمیان مشرقی سلیشیا کے متعلق جنگ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ متنازعہ علاقہ پولینڈ کو مل گیا۔

(۲) آئرلینڈ:۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۱ء آئرلینڈ کی جمہوری پارٹی اور حکومت برطانیہ کے درمیان متفرق کشمکشیں جاری رہیں۔

(۳) روس:۔ سنہ ۱۹۱۹ء بالشویکوں کو تین طرف سے مخالفین کے ساتھ لڑائی لڑنی پڑی۔ سائبیریا کی طرف سے کولچک کے ساتھ جنوب کی طرف سے ڈینی کن کے ساتھ اور استھونیا کی طرف سے یوڈینچ کے ساتھ تینوں کو دول متحدہ کی طرف سے امداد مل رہی تھی۔

(۴) مراکش:۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۳ء ہسپانیہ اور اہل ریف کے درمیان لڑائی ہوئی۔ آخر کار اس میں فرانس بھی شریک ہو گیا۔ اور امیر محمد بن عبد الکریم کی حوالگی پر یہ جنگ ختم ہوئی۔

(۵) عرب:۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۶ء شریف حسین مرحوم اور سلطان ابن سعود کے درمیان کئی مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔ آخر کار سلطان نے سنہ ۱۹۲۴ء میں حجاز پر حملہ کیا۔ اور سنہ ۱۹۲۵ء میں شریفی امارت کا خاتمہ کر کے حجاز پر قبضہ جما لیا۔

(۶) پولینڈ:۔ سنہ ۱۹۲۰ء روس نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی۔

(۷) آرمینیا:۔ سنہ ۱۹۲۰ء ترکی نے آرمینیا پر حملہ کر کے روس کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کر لیا۔

(۸) ایشیائے کوچک:۔ سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء یونان نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ سمرنا کو تباہ کیا۔ نقصان کا اندازہ قریباً پچھتر کروڑ روپے تھا۔ ہزاروں آدمی شہید ہوئے۔ آخر کار کمال اتاترک نے یونان کو فاش شکستیں دے کر ملک کو آزاد کرایا۔

(۹) شام:۔ سنہ ۱۹۲۵ء دروزیوں کی بغاوت

(۱۰) جنوبی امریکہ:۔ سنہ ۱۹۲۵-۳۵ء بولیویا اور پیراگوئے کے درمیان طویل جنگ۔

(۱۱) چین:۔ سنہ ۱۹۲۶-۲۸ء چین میں جنگ۔

(۱۲) منچوریا:۔ سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء منچوریا پر جاپان کا حملہ اور وہاں مانچو کی سلطنت کا قیام۔

(۱۳) چین:۔ سنہ ۱۹۳۲ء شنگھائی پر جاپان کا حملہ اور سات کروڑ پونڈ کا نقصان۔

(۱۴) حبشہ:۔ سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء اٹلی کا حملہ حبشہ پر اور اس پرانی مملکت کا خاتمہ۔

(۱۵) ہسپانیہ :- ۱۹۳۷ء خانہ جنگی جواب تک جاری ہے

(۱۶) چین :- ۱۹۳۷ء جاپان کا چین پر حملہ

(۱۷) عرب :- سلطان ابن سعود اور امام یمن میں جنگ سلطان کی کامرانی لیکن مصالحت میں امام یمن کے تمام علاقوں کی واپسی۔

(۱۸) افغانستان :- ۱۹۲۹ء بچہ سقا کا ظہور شاہ امان اللہ کی دستبرداری اور اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ شہید کا جہاد نجات اور ملک کی متفقہ خواہش و اصرار کے ماتحت تاج قبول فرمانا۔

(۱۹) ترکستان :- چین کے خلاف بغاوت

ان کے علاوہ بعض جنگیں ایسی ہوئیں۔ جن کی نسبت زیادہ تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔ یا انہیں عام جنگوں کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ مثلاً بالشویکوں کی طرف سے مختلف روسی جمہوریتوں پر حملے یا ہندوستان کی سرحد کی بعض کشمکشیں یا ایران و عراق اور ایران و بلوچستان کی سرحدی کشمکشیں یا ترکی کے خلاف کردوں کی بغاوتیں یا سلطان ابن سعود کے خلاف ابن بجاد نے فیصل الدویش اور ابن افادہ کی رسہ کشیاں۔ جنگ یورپ میں اسی لاکھ آدمی مرے تھے۔ اور ایک کروڑ چالیس لاکھ زخمی ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی دنیا میں کشت و خون کا ہنگامہ گرم ہوا۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ان جنگوں اور کشمکشوں میں کتنے آدمی موت کے گھاٹ اترے۔

سر فضل حسین لائبریری فنڈ

اعلیٰحضرت حضور نظام کا عطیہ

لاہور ۱۲ دسمبر۔ آنریری سیکرٹری فضل حسین میموریل لائبریری فنڈ نے لائبریری کے فنڈ کی چھٹی فہرست کا اعلان کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل ہیں۔

دربار لہڑی (ریاست گڑھوال) ۱۵۰۰ روپیہ اعلیٰحضرت حضور نظام ۱۰۰۰ روپے بیگم صاحبہ ۱۰۰ اے اکبر حیات خاں نون ۵۰ روپیہ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ شاہ پور ۵۰۰ روپے۔ معرفت ڈپٹی کمشنر کانگڑہ ۴۳۱ روپے۔ سردار بہادر موہن سنگھ راولپنڈی ۲۵۰ روپے۔ ایس پی کپور کی معرفت ضلع گوجرانوالہ سے ۱۹۰ روپے۔ ڈپٹی کمشنر ہوشیار پور کی معرفت ۱۵۸ روپے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے طلبا (پانچواں عطیہ) ۱۰۱ روپے۔ میونسپل کمیٹی انبالہ ۱۰۰ روپے۔ رائٹ آنریبل وائیکونٹ ہیلیفکس ۱۰۰ روپے۔ آنریبل چوہدری سر ظفر اللہ خاں ممبر حکومت ہند ۱۰۰ روپے۔ سر گنگا رام ہسپتال ۱۰۰ روپے۔ سٹاف گورنمنٹ کالج لاہور ۹۸ روپے۔ مصالحتی بورڈ انبالہ ۵۷۔ معرفت ڈپٹی کمشنر جہلم ۵۷ روپے۔ رائے بہادر ڈاکٹر متھرا داس ۵۱ روپے۔ پروفیسر جی سی چیٹرجی ۵۰ روپے۔ خلیفہ شجاع الدین ۵۰ روپے۔ ڈاکٹر دیوراج نارنگ ۵۰ روپے۔ ملک اکبر حیات خان نون ۵۰ روپے۔ پی ایچ ڈاہلسن آئی سی ایس ۵۰ روپے۔ پروفیسر جے پی سیٹھ آئی۔ ای۔ ایس ۵۰ روپے۔ متفرقات ۲۵۱ روپے۔ میزان کل ۵۸۴۴ روپے اس سکیم کی تکمیل کے لئے ۵ ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔

فلسطین

فلسطین ایک عرب ملک ہے۔ جو دریائے یردن اور بحر روم کے درمیان واقع ہے۔ شمال میں سیریا یعنی شام کی عرب ریاست ہے۔ اور جنوب میں حجاز ہے۔ اس کا کل رقبہ تقریباً دس ہزار مربع میل ہے۔ ۳۰ر جون ۱۹۳۶ء کو جو مردم شماری ہوئی۔ اس کی رو سے وہاں کی کل آبادی (۱۳۳۶۵۱۸) جو (۸۴۸۳۴۲) مسلمان و (۱۰۶۴۷۴) عیسائی اور (۳۷۰۴۸۳) یہودی باشندوں پر مشتمل ہے۔ یعنی عربوں اور یہودیوں کی آبادی کی نسبت (۲) اور (۱) کی ہے۔ پورا صوبہ تین صوبوں میں منقسم ہے جنوبی فلسطین (یافا) شمالی فلسطین (حیفہ) اور وسطی فلسطین (قدس) فلسطین کا دارالسلطنت قدس ہے جس کی آبادی سوا لاکھ ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ جو تقریباً تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ لیکن فلسطین کے زیادہ خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تل ابیب اور حیفا ہیں تل ابیب خالصتہً یہودی نوآبادی ہے۔ حیفا اپنے تجارتی کاروبار اور فوجی مقاصد کے اعتبار سے فلسطین کا سب سے اہم شہر ہے۔ دراصل وہاں یہی ایک اچھی بندرگاہ بھی ہے۔ اسی بندرگاہ کے ذریعہ عراق کے پٹرول کے چشموں کا تیل باہر بھیجا جاتا ہے۔ موصل سے یہاں تک تیل کا ایک پائپ لگا دیا گیا ہے۔ اس نے اس بندرگاہ کی تجارتی اور سیاسی اہمیت بہت بڑھا دی ہے۔ جنگ کے زمانہ میں یہ بندرگاہ مشرقی بحر روم میں نہایت حیثیت اختیار کر لیگا۔ اس وقت بھی تجارتی اعتبار سے حیفہ جنوب مشرقی بحر روم کا سب سے اہم شہر ہے اس کی کل آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے۔ ان شہروں کے علاوہ

چند شہر کے علاوہ چند شہر اور بھی ہیں۔ جن کا اکثر ذکر آتا رہتا ہے مثلاً یافا (آبادی ۷۰ ہزار) غزہ (۱۹ ہزار) جرملن (۱۹ ہزار) نبلوس (۱۹ ہزار) لدّہ (۱۲ ہزار) رمیک (۱۱ ہزار) نمرو (۱۰ ہزار) صفد (۱۰ ہزار) طبریاس (۹ ہزار) مقبو (۸ ہزار) بیت اللحم (۷ ہزار) فلسطین میں کل عرب گاؤں (قریوں) کی تعداد (۷۵۰) ہے اور قبیلے بھی بکثرت ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار خانہ بدوش بدوی بھی ہیں۔ جو عموماً جنوبی فلسطین کے ریگستانوں میں ڈیرے ڈالے پڑے رہتے ہیں۔ یہودی نوآبادیات کی تعداد (۲۰۱) ہے۔ یہ نوآبادیات زیادہ تر چار اضلاع یعنی جودیہ، سامریہ، جنوبی گلیلی اور شمالی گلیلی میں واقع ہیں۔ ان نو آبادیات کی کل تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے۔

یں یہودی نوآبادیات کا کل رقبہ تقریباً ۸ لاکھ دونم تھا۔

ولادت و اموات کی شرح حسب ذیل ہے

سال	آبادی	تعداد ولادت	اموات	صغر سنی کی اموات
۱۹۳۳ء	۱۰۳۸۳۳۱	۴۶۰۴۹	۲۰۸۳۴	۱۴۴٫۳
۱۹۳۴ء	۱۱۵۴۶۰۵	۴۵۹۴۴	۲۲۱۲۹	۱۵۰٫۵
۱۹۳۵ء	۱۲۶۱۰۰۰	۴۸۲۱۰	۲۰۲۰۸	۱۳۴٫۸
۱۹۳۶ء	۱۳۳۶۰۰۰	۵۳۹۴۰	۲۲۲۴۹	۱۳۱٫۴

تعلیم

عربوں کے سرکاری اسکولوں کی تعداد ۳۸۴ ہے۔

جن میں (۱۱) میں وسطانی تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ ان اسکولوں میں (۱۰۸۵) مدرس ہیں۔ اور (۴۳۷۶۵) طالب علم ایک ٹریننگ کالج بھی ہے۔ جس میں (۸۴) مرد اور (۱۱۶) خواتین تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ فنی تعلیم تقریباً ناپید ہے۔ قدس میں ایک قانونی کالج بھی ہے۔ جہاں تین زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ یہودیوں کے (۳۵۴) مدرسے ہیں۔ جن میں ۴۲ ہزار لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اور (۱۷۰۴) مدرس تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے مزید دوسو مدرسے ہیں۔ جن میں ۱۹ ہزار طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ اس طرح کل یہودی مدرسوں کی تعداد (۵۵۴) ہوئی اور طالب علموں کی (۶۱) ہزار کے لگ بھگ تل ابیب حیفہ اور قدس میں ان کے وسطانی مدارس بھی ہیں۔ مدرسوں کے ٹریننگ کالج بھی ہیں۔ قدس میں ان کا ایک موسیقی کا کالج بھی ہے۔ تل ابیب اور حیفہ میں زرعی کالج بھی ہیں۔ اس کے علاوہ صنعتی اور زرعی اعلیٰ تحقیقات کیلئے بھی ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ فلسطین کی حکومت نے یہودی تعلیمی اداروں کو سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء میں کل ملاکر تقریباً ۵۲ ہزار پونڈ ۶۶۶ ہزار روپیہ دیا۔ ایک عبرانی جامعہ بھی قائم ہے۔ جسمیں (۶۲۰) طالب علم اور (۱۰۲) پروفیسر تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے کتب خانہ میں تقریباً ۳۵ ہزار کتابیں موجود ہیں۔

مالیات

پچھلے پانچ سال کی مالی حالت ذیل کے نقشہ سے واضح ہوتی ہے

	سنہ ۱۹۳۰ء	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۳۲-۳۳ء	سنہ ۳۳-۳۴ء	سنہ ۳۴-۳۵ء
	پونڈ				
آمدنی	۲۳۸۹۵۰۰	۲۳۳۴۰۰۰	۳۰۱۶۰۰۰	۳۹۸۵۰۰۰	۵۴۵۳۰۰۰
خرچ	۲۵۳۶۵۰۰	۲۳۶۵۰۰۰	۳۵۱۶۰۰۰	۲۷۰۵۰۰۰	۳۲۳۰۰۰

سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء میں آمدنی کی خاص مدات یہ تھیں۔ کروڑگری ۲۷۵۱۰۰۰ پونڈ لائسنس محصول وغیرہ ۱۰۸۲۰۰۰ پونڈ فیس عدالت ۹۱۳۰۰۰ پونڈ۔ ڈاک تار ۴۱۹۰۰۰ پونڈ۔ سود ۱۴۱۰۰۰ پونڈ، امداد ۱۴۰۰۰۰ لاکھ پونڈ متفرقات ۱۵۴۰۰۰ پونڈ یکم اپریل سنہ ۱۹۳۶ء کو فاضل رقم ۶۲۶۸۰۰۰ پونڈ تھی۔

فوج

فلسطین میں بھی ہندوستان کی طرح تمام دفاعی فرائض انگریزی فوجیں انجام دیتی ہیں۔ فوجی اعتبار سے فلسطین اور شرق یردن کے علاقوں کو ایک ہی فوج کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ فلسطین میں دو قوتیں معین بری قوت اور فضائی قوت سپہ سالار افواج فلسطین کے انگریزی ہائی کمشنر کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور اسی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ یہاں مستقل طور پر سات انگریزی ٹپالین متعین رہتی ہیں۔ ان کے فوجی مستقر عموماً قدس اور حیفہ میں ہیں۔ ان کے علاوہ امدادی فوجیں بھی ہیں۔ جو قدس۔ حیفہ۔ نابلوس۔ تل ابیب۔ طبریہ صفد اور دوسرے مقامات پر متعین رہتی ہیں۔ شاہی فضائی قوت ایک بمب انداز سکواڈرن ایک نگرانکار سکواڈرن اور ایک مسلح موٹرکار سکواڈرن پر مشتمل ہے۔ فضائی قوت کا مستقر قدس ہے۔ شرق یردن کی سرحدی فوج کے مصارف حکومت فلسطین اور برطانوی خزانہ برداشت کرتے ہیں۔ یہ فوج دو مشین سے مسلح سکواڈرن اور تین سوار رسالوں پر مشتمل ہے۔

پیداوار اور صنعت وحرفت

زمین کے اعتبار سے فلسطین کو چار حصوں میں تقسیم

کیا جا سکتا ہے۔ مغرب میں بحر روم کے کنارے پر جو اچھے بندرگاہوں سے محروم ہے۔ ساحلی میدان ہے۔ جو غزہ کے اردگرد پندرہ بیس میل چوڑا ہے۔ لیکن کمہ کے قریب صرف دو میل۔ حیفہ کے پاس یہ ساحلی میدان اتنا وسیع ہے اور ملک کے اندر اتنی دور تک پھیلا ہوا ہے۔ کہ دراصل یہی میدان گلیلی کو سامریہ اور جودیہ سے الگ کرتا ہے۔ وسطی حصہ مرتفع ہے۔ جو کہیں کہیں بہت بلند ہے۔ اور کہیں بحیرہ مردار سے بھی تقریباً تیس ہزار فیٹ پست۔ سب سے بڑی قدرتی جھیل بحیرہ مردار ہے۔ جو ۲۶ میل لمبی ہے۔ اور تقریباً ۸½ میل چوڑی۔ دریائے یردن اور چھ اور دریا اس میں گرتے ہیں۔ اور پانی کا کسی طرف نکاس نہیں ہے۔ یہ جھیل انتہائی کھاری ہے۔ اس میں ۲۴ فیصدی نمک پایا جاتا ہے۔

وادیٔ یردن کے مشرق میں سطح مرتفع اونچی ہوتی جاتی ہے۔ اور آخرکار ریگستان عرب میں شامل ہو جاتی ہے۔ فلسطین خاص طور سے زرعی ملک ہے۔ اور یہاں کی خاص پیداوار سائٹرس ہے۔ ۱۹۳۶ء کی پیداوار حسب ذیل ہے۔

گیہوں	۷۶۰۵۹ ٹن
جو	۵۵۱۶۹ ٹن
خربوزہ و تربوز	۸۱۳۳۵ ٹن
زیتون	۳۹۴۱ 〃
سٹرس	۲۲۱۱۲ 〃
انگور	۴۹۳۵۴ 〃
انجیر	۱۶۴۲۱ 〃
ٹماٹر	۱۹۰۲۷ 〃

ساحلی علاقے اپنے سنگترہ کے باغات کیلئے جن پر اب یہودیوں کا قبضہ ہے۔ بہت مشہور ہیں۔ یہ سنگترے اور انگور انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں (۴۹۹۷۳۰۲) بکس اور سنگترے برآمد کئے گئے ہیں۔

۸۵۶ء

میری سرگذشت

نمبر ۵۰

(۱)

بلوچستان میں دو عملی کا سنگِ بنیاد ۱۸۷۷ء سے رکھا گیا۔ جبکہ بلوچستان کیلئے گورنر جنرل آف انڈیا کا پہلا ایجنٹ کپتان سنڈیمن جو ضلع ڈیرہ غازی خاں کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ مقرر کیا گیا۔ واقعاتِ عالم اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ ہر اجنبی حکومت کسی ملک پر تسلط جمانے کے نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہونا لازمی خیال کرتی ہے۔ کہ اس ملک کے طبقہ امراء میں سے کوئی گروہ اس کا ممد و معاون ہو۔

بلوچستان کی تاریخ اس بات کی مظہر ہے۔ کہ سنڈیمن نے سرزمین بلوچستان پر بارود پھیلانے کی بجائے زیادہ تر زرافشانی سے کام لیا۔ اور صوبہ سراوان کے قبائلی سرداروں نے جو بلوچ ہوں یا بروہی خصوصیت کے ساتھ انگریزی حکومت کے چراغ کے لئے تیل کا کام دیا۔

اب اس ساٹھ سال کے عرصہ میں بلوچستان کی سیاسی حیثیت یہ نتیجہ پیدا کر چکی ہے۔ کہ بلوچستان۔ برٹش بلوچستان اور سٹیٹ بلوچستان کے نام سے دو حصوں پر منقسم ہو چکا ہے۔

(الف) برٹش بلوچستان۔ زیر برطانیہ۔ طرز حکومت برطانوی شہنشاہی رقبہ ۴۵ ۱۴۰۴۲ مربع میل۔ آبادی ۰۸ ۴۶۳۵ نفوس۔ دارالحکومت۔ کوئٹہ۔ فرمانفرما۔ ایجنٹ گورنر جنرل و چیف کمشنر۔

(ب) سٹیٹ بلوچستان۔ زیر حمایتِ برطانیہ رقبہ ۲۰۸۲۵۴ مربع میل۔ آبادی ۴۰۵۱۰۹ دارالحکومت قلات۔ فرمانروا۔ خانِ قلات۔

---

(۲)

قصبہ سنتھڑی

۱۸۹۷ء کے موسم سرما میں بتقریب دورہ میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا۔ علاقہ کچھی میں یہ تمندار قوم رئیسانی کا صدر مقام سطح سمندر سے ۴۸۴ فٹ بلند اور شہر ڈاڈہر سے ۱۳ میل کے فاصلہ پر رودخانہ ناڑی کے بائیں کنارے پر واقعہ ہے۔ اسمیں ایک چھوٹا سا خوبصورت بازار ہے۔ اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں۔ اسی نام کا ریلوے سٹیشن قصبہ مذکور سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ پینے کا پانی رود ناڑی سے لیا جاتا ہے۔ اور جب یہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو پھر رودخانہ میں چھوٹے چھوٹے عارضی کنوئیں کھودے جاتے ہیں۔ جن سے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ قوم رئیسانی کا تمندار سردار سر غوث بخش خاں رئیسانی کے۔سی۔ آئی۔ای تھا

"القریش" امرتسر

بابت ماہ جنوری ۱۹۳۸ء

جلد ۲۵ ——— نمبر ۱

فہرست مضامین

۷۸۶

نعت شریف

شانِ حق یہ شان پائی ہے رسول اللہؐ نے
حق سے لی ساری خدائی ہے رسول اللہؐ نے

رحمتہ للعالمینی کا کرشمہ دیکھئے
بگڑی عالم کی بنائی ہے رسول اللہؐ نے

گرنے والے تھے جہنّم کے گڑھے میں جو انہیں
بے کہے جنّت دلائی ہے رسول اللہؐ نے

سحرِ باطل توڑ کر شیطان کا اک پھونک سے
خلق خالق سے ملائی ہے رسول اللہؐ نے

بُت بھی سجدے میں پڑے ہیں ہیبت تکبیر سے
ضرب حق کی وہ لگائی ہے رسول اللہؐ نے

نزع میں بھی۔ دیکھنا شانِ نوازش کی بہار
خیر اُمت کی منائی ہے رسول اللہؐ نے

ایک ہی جرعے میں جس کے دو جہاں کا کیف ہے
وہ مئے وحدت پلائی ہے رسول اللہؐ نے

اب بھی اس سے کفر کی تاریکیاں کافور ہیں
شمع دیں ایسی جلائی ہے رسول اللہؐ نے

نارِ دوزخ قسمتِ مسلم نہ ہوگی حشر میں
کیسی خوشخبری سنائی ہے رسول اللہؐ نے

بے عصا اندھے بھی اس پر چل رہے ہیں رات دن
راہ کیا سیدھی دکھائی ہے رسول اللہؐ نے

جس کو پاکر بیگماں شاکی بھی شاکر ہو گئے
حق سے وہ دولت دلائی ہے رسول اللہؐ نے

شاکر صدیقی

تبریکِ نوروز

"بخدمت حضرت رونق و جمیع ناظرینِ القریش"

مرحبا نقش آفرینِ القریش　　از دمت تابد نگینِ القریش
در صحافت کردهٔ از نورِ دل　　دستِ بیضا آستینِ القریش

اے خنک قلبے بہ بزمِ سوز و ساز　　شد ز قسمت ہم نشینِ القریش
از دلِ غور آشنا پرسش ہم نوا　　لالہ ہا روئد زمینِ القریش
بہرِ اصلاح و فلاحِ قرشیاں　　سجدہ ہا پاشد زمینِ القریش
بادہ اش چہ کیف دارد گیر و نوش　　جرعۂ از ساتگینِ القریش
کن تنفس را بہاریں تا شود　　بے خزاں ایں فرودینِ القریش
قرشیاں از دعوت او بے نیاز　　یک جہاں گشتہ رہینِ القریش
من شنیدہ ام و لے از ہم صفیر　　خدمتِ قوم است دینِ القریش

ہدیۂ تبریکِ سالِ نو چو من　　خواستم بہر آمینِ القریش
شاکرِ رنگیں نوا از بزمِ فکر　　گفت اے خاطر نشینِ القریش

از سرِ اخلاص و احسان و طرب

۱۱ + ۱۳۲۷　　۱۳۳۸

مژدہ باد اے ناظرینِ القریش

شاکر صدیقی

نوجوانِ مسلم سے خطاب

(از مسٹر نفس احمد بی۔ اے۔ بٹالوی)

درد ہے گر قوم کا کچھ بھی تو کوئی کام کر
اپنی ہستی یوں نہ وقفِ شکوۂ ایام کر

گرچہ گرداب بلا میں آج ہے کشتی تری
معرضِ اتلاف میں ہے بے طرح ہستی تری

قوت بازو سے گر اس وقت بھی تو کام لے
لشکرِ طاغوت کے سیلِ رواں کو تھام لے

بُت پرستی کو زمانہ میں ہُوا پھر اقتدار
خوفِ غیر اللہ کی سنّت ہوئی پھر استوار

عہد ماضی میں اگر معبود تھے لات و ہبل
آج وکبر و نخوت و طغیان ہیں ان کے بدل

مشعل رہ تو بھی کر اسوہ خلیل اللہ کا
یعنی ہر حالت میں ہو اخلاص تیرا رہنما

قوم کو پھر بادۂ توحید سے سرشار کر
جبر و استبداد کے سب بتکدے مسمار کر

بابت ماہ جنوری ۱۹۳۸ء

جلد ۲۵ — نمبر ۱

بہی خواہانِ قریش سے دردمندانہ اپیل

اس اشاعت کے ساتھ اگرچہ خدائے تبارک تعالیٰ عزاسمہٗ وسبحانہٗ کے فضل و کرم سے "القریش" اپنی عمر کے پچیسویں سال میں قدم رکھتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایسے حالات رونما ہونیکا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے۔ جو مستقبل کیلئے نہایت پریشان کن نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام بارگاہِ رب العزت میں دعا کریں۔ کہ وہ قادر و توانا سادات قریش ایسی جلیل القدر مگر بے حس قوم کے اصلاحی آرگن کو حوادث سے محفوظ و مامون رکھے۔

یہ حقیقت اور عین حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں "القریش" کے سوا قوم قریش کا کوئی اصلاحی آرگن نہیں۔ کوئی مؤثر آواز اور کوئی پریس نہیں۔ جو بروئے کار آئے اور حق نمائندگی ادا کر سکے۔

زمانہ کی تیز گامی، رواروی اور اقوام عالم کی جدو جہد اظہر من الشمس اور سادات قریش کا جمود و خمود میاں راچہ بیاں کا مصداق۔

چوبیس سال قبل قوم قریش بے حس و حرکت محو خواب غفلت تھی۔ اور قومی سود و زیاں سے اسقدر بے پروا۔ کہ گویا زندگی اور لوازمات زندگی سے وہ بالکل بے نیاز ہے "القریش" نے سکوت و جمود کے سحر کو توڑا، قوم کو تسفل و پستی کی انتہائی گہرائیوں سے ابھارا۔ اور اس کے منتشر و پراگندہ اجزا کو مجتمع کر کے انہیں شاہراہ عمل پر جادہ پیما ہونے کی صلاحیت پیدا کی۔ حیات انسانی کے مقصد وحید سے آگاہ کر کے اسے ترقی پذیر فتہ اقوام کے دوش بدوش چلنے کی تلقین کی۔ جس کے نتیجہ میں آج اس کا بیدار اور زندہ اقوام میں شمار ہونے لگا ہے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔

قومی تنظیم و شیرازہ بندی کیلئے "القریش" کی مساعی سے ایک قومی مرکز کی تشکیل عمل میں آئی۔ مختلف مشہور مقامات پر اسکی شاخیں معرض وجود میں آئیں۔ دردمند کارکنوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ جو مقاصد مجوزہ کی تکمیل کیلئے دردمندانہ مساعی سے کام لے رہے ہیں۔ تحفظ نسب و نسل کے علاوہ تحفظ و حصول حقوق کیلئے "القریش" نے وہ خدمات جلیلہ انجام دیں۔ جن پر بہی خواہان قوم کی طرف سے دامے، درمے، قلمے، سخنے ہر طرح کے اعتراف سے ہماری حوصلہ افزائی کی گئی۔

قوم اب احساس کی نعمت سے مالامال ہے۔ تنظیم و شیرازہ بندی کے عواقب و نتائج سمجھتی ہے۔ قومی آواز پر لبیک کہنے کی خوگر ہو رہی ہے۔ اور وہ وقت قریب آ رہا ہے۔ کہ سادات قریش اپنی عظمت رفتہ حاصل کرنے میں فائز المرام ہو جائے۔ خدانخواستہ اگر اس مرحلہ پر قوم کے نمائندہ جریدہ القریش کی ان خدمات کا تو اثر

کسی افتاد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسدود ہوجائے۔ تو قوم کا درخشاں مستقبل ازبس تاریک ہوجائیگا۔ اور وہ پچیس سالہ تمام خدمات بے نتیجہ رہ جائینگی۔

اندریں حالات بہی خواہانِ قوم کا فرض ہے۔ کہ وہ القریش کے بقا و احیا کیلئے اثر و اقتدار بروئے کار لائیں اور توسیع اشاعت کیلئے امکانی کوششوں سے دریغ نہ کریں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق!

اخیر پر ہم سلطان العلوم، ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلحضرت حضور نظام فرمانروائے دکن وبرار کی معارف پروری وملت نوازی سے انکسارانہ اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ "القریش" ایسے متین ومفید ترین قومی جریدہ کو اپنی شاہانہ نوازشات سے بیش از پیش متمتع ہونیکا موقع عطا فرمائیں۔

تذکرۂ برادری

مکرمی رفیق حسن صاحب فاروقی بی۔اے اپنے نامہ گرامی قدر محررہ یکم جنوری میں تحریر فرماتے ہیں۔

گذشتہ چہ بیس سال کی خدمات جلیلہ کی وجہ سے القریش نے دردمندان قوم کے دلوں میں گھر کر لیا ہے یہ حقیقت نفس الامری ہے۔ کہ

القریش زندہ نہ ہوتا اور اس کی پشت پر اعلحضرت سلطان العلوم فرمانفرمائے دکن وبرار کی شاہانہ شفقت کا ہاتھ نہ ہوتا۔ تو قوم کی حسیات فنا ہو گئی ہوتیں۔ اور سادات قریش کے اکثر گھرانے بعض دنیوی ضرورتوں کے پیش نظر دیگر اقوام میں مدغم و مخلوط ہو گئے ہوتے۔

القریش نے قوم کو گمنامی کے ظلمت کدہ سے ابھارا اقوام عالم کے دوش بدوش میدان عمل میں کودنے کی تلقین کی۔ بےحسی و بےپروائی کے نقصانات سے آگاہ کر کے اسے متحدہ و متفقہ قوتوں سے کام لینے کی ترغیب دیکر شاہراہ ترقی پر جادہ پیما ہونے کیلئے رہنمائی کی۔ مرابیوں کی یلغار و یورش سے انہیں بروقت آگاہ کیا۔ اور تین سال تک علی التواتر تحفظ نسب کیلئے جہاد کیا۔ حصول حقوق زراعت پنجاب کے چھ اضلاع کے قریشیوں کو زندہ اقوام میں شامل کر کے اس کے زراعتی حقوق محفوظ کئے۔ قومی مرکز کی طرح ڈالی اور بحسن و خوبی اس کی تشکیل سے افراد قوم میں جذبہ عمل پیدا کیا مختلف مقامات پر چھوٹی چھوٹی انجمنوں کے قیام سے قومی تنظیم و شیرازہ بندی کی بنا ڈالی۔ لیکن

قوم نے اس کیلئے کیا کیا؟

۱۔ زرنقد کی تھیلی۔

۲۔ محسن القوم کا خطاب

مجھے اعتراف ہے۔ کہ قدردانی اور حوصلہ افزائی کی یہ بہترین دلیل ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ وہ ٹھوس کام جو القریش کے بقاء و احیا کے لئے اسے کرنا ضرور تھا۔ اسکی جانب توجہ ہی نہیں دی گئی۔ میرا مقصد اس سے القریش ایسے مفید قومی آرگن کی توسیع اشاعت کیلئے ایسی انتھک کوشش کی ضرورت تھی۔ جو حقیقی معنوں میں قوم اور قومی آرگن کے لئے مفید تر ہوتی۔ ترقی پذیر زندہ اقوام کو دیکھو اور ان کے نمائندہ جرائد کی تعداد اشاعت پر نظر ڈالو۔ قوم کا ایک ایک فرد قومی جرائد کی توسیع اشاعت ہی میں قومی فلاح کا راز مضمر پاتا ہے۔ اور اس پر زر و مال قربان کرنے کیلئے آمادہ و تیار نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں سادات قریش کی آبادی لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ اگر اسی نسبت سے اپنے قومی جریدہ کی توسیع اشاعت ہو جاتی۔ تو آج سے کئی سال قبل قوم کا ایک شاندار پریس موجود ہوتا۔ اور القریش کی آواز اتنی بلند اور اشاعت اتنی زیادہ ہوتی۔ کہ قوم ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر کے منصۂ شہود پر جلوہ گر نظر آتی۔ اور اب تک عظمت رفتہ حاصل ہو گئی ہوتی۔ کاش بہی خواہان قوم اب بھی توجہ دیں۔ اور خالی باتوں اور بے معنی تعریف و ستائش کی بجائے القریش کی توسیع اشاعت پر تا بحد امکان زور دیں۔

ضرورت میں دس خریداروں کی قیمت اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں۔ مستحق علم دوست حضرات کے نام اس پر القریش جاری کر دیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دس اور ایسے خریدار مہیا کرنے کی کوشش کرونگا۔ جو اپنی طرف سے دو دو مزید معاون پیدا کرنے کی سعی کریں گے۔ امید ہے کہ میرے دیگر بھائی اس اہم ضرورت کی جانب توجہ دے کر عند القوم مشکور ہونگے۔

جن احباب کے وی پی اتفاقیہ واپس آچکے ہیں۔ اور جن احباب نے از خود ترسیل چندہ کے وعدے کر رکھے ہیں۔ ترسیل زر اعانہ کی جانب توجہ فرمائیں۔ ان کا قومی جریدہ اسی حالت میں قومی خدمات انجام دینے کی توفیق پا سکتا ہے۔ کہ اس کی مالی امداد میں پس و پیش نہ کیا جائے۔ امید ہے۔ کہ احباب مزید یاد دہانیوں کا موقعہ نہ دیں گے۔

جن احباب کی خدمت میں ان کے مطالبہ پر یا ان کے کسی دوست کی فرمائش پر نمونۃً حاضر ہوتا ہے۔ وہ بواپسی ڈاک منشائے خریداری و عدم خریداری سے مطلع فرمائیں۔ بہتر ہو اپنا زرچندہ بواپسی بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیں۔ بصورت خاموشی وی پی ارسال ہوگا۔ جس کا وصول کرنا ان کا اخلاقی و قومی فرض ہوگا۔

"القریش" کی قومی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ معتدین قوم تسلیم کر چکے ہیں کہ "القریش" ہی قوم میں احساس بیداری پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اور "القریش" ہی قومی شیرازہ بندی و تنظیم کا سبب ہو سکتا ہے۔ القریش ہی باہمی تعلقات استوار و مستحکم کرنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ پھر کیا درد مندان قوم کا فرض نہیں۔ کہ وہ "القریش" کے لئے ایک ایک دو دو خریدار اپنے اپنے حلقہ اعزا و اقارب سے پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ قومی ضرورت کا شدید تقاضا اور اہم مطالبہ ہے۔ کہ القریش کی اشاعت دو چند کرنے کیلئے ہر بہی خواہ قوم پوری توجہ سے کام لے۔ وباللہ التوفیق

قریشی عبدالرشید صاحب صدیقی (ریاست کپورتھلہ) اپنے ۹ جنوری کے خط میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ

بزرگوار مولوی فتح محمد صاحب اختر، مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی محترم مولانا قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی وکیل کی اس کرم فرمائی پر جو انہوں نے میرے نو تعمیر مکان کیلئے "تاریخ تعمیر" لکھنے سے کی ہے۔ میں بدل سپاس گذار ہوں۔ دعا ہے۔ کہ ان حضرات کو خدائے تبارک و تعالیٰ زمانہ کے حوادث سے اپنے حفظ امن میں رکھے۔ اور جزائے خیر عطا کرے۔ آمین!

حق تو یہ ہے۔ کہ قبلہ بزرگوار "محسن القوم" حضرت زدولی صاحب جن کی بدولت ایسے علماء و فضلا اور شعراء کا تعارف اور یہ نعمتیں میسر آئی ہیں۔ میرے اولین شکریہ کے مستحق ہیں۔ بدرگاہ مجیب الدعوات دست بدعا ہوں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں عمر طبعی اور خیر الوارثین عطا کرے اور وہ ہمارے سر پر ہمیشہ سایہ فگن رہیں، آمین۔

(نو تعمیر مکان کی تکمیل اور حسب خواہش قطعہ تاریخ کا حصول مبارک ہو۔ خداوند کریم آپ کی نیک دعائیں قبول کرے۔ اور آپ کو قومی خدمات کی توفیق عطا کرے

ایڈیٹر)

القریش کے ایک معاون کا ایک دلچسپ مطالبہ قابل ملاحظہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں،

"مودبانہ عرض ہے کہ اب سے گذشتہ دس سالہ سالوار چندہ سالانہ القریش کی تاریخ وار رسیدگی سے بعد ملاحظہ رجسٹر بطور لسٹ عنایت فرمائیں"

مطالبہ کی نوعیت بے شل و بے مثال ہے۔ اور اسکی غرض وغائت ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر خدا جانے گذشتہ دس سالہ ریکارڈ کی ورق گردانی کی زحمت میں مبتلا کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ کہیں زر چندہ کی وصولی کیلئے کوئی آئینی کارروائی تو مقصود نہیں؟ عدیم الفرصتی مانع نہ ہوتی۔ تو تعمیل میں احتراز نہ تھا۔ امید ہے کہ ہمارے محترم معاون اس مصلحت اور بے معنی مطالبہ کی تعمیل سے معذور سمجھیں گے۔

مری (راولپنڈی) کے قومی اجلاس منعقدہ اکتوبر گذشتہ کی مفصل کارروائی غالباً نومبر کی اشاعت میں ناظرین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔ بعض احباب نے اس اجلاس کے منظور کردہ ریزولیوشنوں کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ اس کے متعلق افسوس ہے۔ کہ ہم کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے کیونکہ رزولیوشنوں کی صحیح نقل اسوقت تک ہمیں بھی موصول نہیں ہوئی۔ سکرٹری صاحب بفضل خدا نہائت مستعد اور دردمند انسان واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے فرائض اور قومی ضروریات کو خوب سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کسی وجہ سے ارسال نہ کر سکے ہوں۔ آج علیحدہ خط بھی لکھا جا رہا ہے۔ جواب موصول ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ ان رزولیوشنوں کی حرف بحرف نقل آئندہ اشاعت میں درج کر دی جائیگی۔

مری کی انجمن اگر کارکنوں نے شغف وانہماک سے کام لیا۔ تو بہت سی ترقی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور اس میں ایسے لوگ بفضل خدا موجود ہیں۔ جو اسے مالی ضرورتوں سے بے نیاز کر سکتے ہیں۔ سیکرٹری صاحب سے امید ہے کہ وہ خطوط کے جواب سے بہت جلد مشکور کرینگے۔

مکرمی پیر شیر محمد صاحب شوکت صدیقی رئیس گمانگہ کی خدمت میں کئی دن ہوئے فاضلکا کے قومی اجلاس کے انعقاد کے سلسلہ میں ایک خط لکھا گیا تھا۔ تسلی بخش جواب کا انتظار ہے۔ مکرمی قاضی مظفر الدین صاحب متین تحصیلدار انتظار فرمائیں۔

پیر صاحب ایک علمد وست اور پہلو میں دردمند دل رکھنے والے انسان ہیں۔ قومی فلاح و بہبود کے دل سے متمنی ہیں۔ ان کی مساعی بروئے کار آئینگی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب نتیجہ خیز کارروائی سے آپ کو اطلاع دیجائیگی۔

اسی سلسلہ میں مکرمی پیر حاجی محمد عبدالحق صاحب صدیقی سرانواں بھی توجہ فرمائیں۔ اور جواب سے جلد از جلد مشکور کریں۔

مکرمی پیر علی احمد صاحب فریدی کچھ عرصہ سے خاموش ہیں۔ آپ ایک بار اور سرگرم عمل ہوں۔ اور حسب وعدہ تمام کوائف وحالات کا جائزہ لے کر تحریر فرما دیں۔ خداوند کریم آپ کی مساعی مشکور کرے۔ آمین!

میدانِ بدر میں لشکرِ نبوی کے داخلہ کی شان

۱؎ ھ

بالآخر طے ہوئی جب راستے کی پُر خطر منزل
عیاں شوقِ شہادت دیکھ کر ان شہسواروں سے

مقامِ بدر میں فوجِ مجاہد آ ہوئی داخل
صدائیں مرحبا کی گونج اُٹھیں کوہساروں سے

خوشی کے جوش سے اترا رہی تھی بدر کی وادی
ورودِ صاحبِ لولاک سے ہی خاک کی عظمت

فروکش جس کے دامن میں ہوا اسلام کا ہادیؐ
ملائک کو نظر آنے لگی افلاک کی عظمت

فلک کو بھی کشش ایسی ہوئی ان خارزاروں کی
قدم بوسی کو جسکی عرشِ اعظم بھی ترستا تھا

جبنیں جھک گئیں جوشِ عقیدت سے ستاروں کی
وہی ابرِ کرم اس خاک پر اس دم برستا تھا

عیاں جس دشت سے ہوتے تھے منظر ریگ باری کے
ضیائے نیّرِ بُرجِ نبوّت کی فراوانی

رواں تھے ہر طرف جھونکے وہاں بادِ بہاری کے
لگی تاریکیوں کو بخشنے ملبوسِ نورانی

اترنے کا ملا فرمان محبوبِ الٰہی سے
تو خیمے لشکرِ اسلام نے گاڑے صفائی سے

فرازِ دشت پر اک جھونپڑے کی پھر بنا ڈالی
ہوا ضو ریز جس کے فرش پر کونین کا والی

منظور حسین بی۔اے

دَور دُنیا

دنیا میں یوں تو کسی چیز کو ثبات و قرار نہیں۔ لیکن فرانس میں وزارتوں کی شکست و ریخت کا عمل جس سرعت سے ظہور پذیر ہوتا ہے وہ بہت استعجاب افزا ہے۔ تازہ اطلاع یہ ہے کہ موسیو شوٹیمز کی وزارت بھی جو چند ماہ پہلے موسیو بلم کی وزارت کو شکست دیکر بنائی گئی تھی مستعفی ہو گئی ہے۔ یہ وزارتیں مختلف مدارج کے اشتراکی خیالات رکھنے والی سیاسی جماعات کے متحدہ محاذ کے بل پر قائم ہوتی ہیں۔ جہاں ایک آدھ ٹولی کسی وجہ سے وزارت سے ناراض ہو جاتی ہے۔ وہیں جماعتی توازن متزلزل ہو کر وزارت کے ٹوٹنے پر منتج ہو جاتا ہے۔ موجودہ وزارت کی شکست کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں کی ناراضی کے باعث ظہور پذیر ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے۔ کہ موسیو شوٹیمز نے مزدوروں کی ہڑتالوں اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کے جھگڑوں کے متعلق جو روش اختیار کی۔ اس سے سرمایہ پرستی کی بو آتی ہے۔ فرانس کے حالات ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہاں کی داخلی سیاست کی اوپر کی سطح خواہ کتنی ہی پر امن نظر آتی ہو۔ لیکن نیچے اندر ہی اندر فسطائیت اور اشتراکیت کے اصول آپس میں دست و گریباں ہیں۔

رومانیہ کے انقلاب حکومت نے جو وہاں موسیو گوگا کی فسطائی آمریت قائم کرنے پر منتج ہوا۔ وسطی اور شرقی یورپ میں مختلف طاقتوں کے توازن کو مختل کر دیا ہے۔ روسی سفیر مقیم بخارسٹ نے اپنی حکومت کو اطلاع دی ہے۔ کہ اب اس کیلئے رومانیہ میں ٹھہرنا ناقابل برداشت امر ہو گیا ہے۔ اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ اسے عنقریب واپس بلا لیا جائے گا۔ اسی انقلاب کے باعث روس رومانیہ کے ساتھ عدم تجاوز کے پچھلے معاہدہ کو مختتم سمجھنے کا نوٹس دے چکا ہے۔

فسطائی حکومت کے قیام سے پہلے رومانیہ معاہدات کے رُو سے زیکوسلاویکی اور یوگوسلافیہ کا اتحادی تھا۔ جن کے تعلقات فرانس۔ یونان۔ ترکی اور روس کے ساتھ بہت خوشگوار تھے۔ اب اس کا طبعی میلان اٹلی اور جرمنی کی طرف ہو گیا ہے جنہیں بلغاریہ۔ ہنگری۔ البانیہ اور آسٹریا میں پہلے ہی کافی اثر و رسوخ حاصل ہے۔ چنانچہ ہنگری نے اٹلی۔ جرمنی اور جاپان کے اس معاہدہ میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے۔ جو انہوں نے روس کی اشتراکی انجمن کومنٹرن "کے خلاف کر رکھا ہے۔

مصر نے نحاس پاشا کی وزارت کے عزل اور پارلیمنٹ کے تعطل کے صدمات خاموشی سے برداشت کر لئے ہیں۔ فلسطین کی داخلی کیفیت بدستور مخدوش ہے۔ ترکی۔ ایران اور عراق سے کوئی قابل ذکر اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ انطاکیہ اور اسکندرونہ کی ولایات کے متعلق متنازعہ فیہ امور کا تصفیہ کرنے کیلئے حکومت ترکی حکومت شام کے نمائندوں کی ایک کانفرنس استنبول میں منعقد ہو رہی ہے جس کا کام تسلی بخش بتلایا جاتا ہے۔ افغانستان کی حکومت آج کل مالی اور تجارتی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ ملک کی داخلی اور خارجی تجارت کو سرکاری اجارہ داریوں کے ذریعے منظم و متحد کرنے کی کوشش ملک کے اندر اور باہر تاجروں کو حلقہ میں اضطراب پیدا کرنے پر منتج ہو رہی ہے۔

اگرچہ موسم سرمائی شدت کے باعث چین اور جاپان کی جنگ کا کاروبار مدہم پڑ گیا ہے۔ تاہم کہیں نہ کہیں مڈبھیڑ ہو ہی جاتی ہے۔ جاپانی جو چین کے حصہ غالب کو فتح کر چکے ہیں۔ اس ملک سے دوسری سلطنتوں کی ٹانگ باہر نکال دینے کیلئے مضطرب ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دریائے ینگ سی میں تجارتی جہاز رانی کو جاپانی جنگی افسروں کی اجازت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ امریکہ و انگلستان کی سلطنتیں جو جاپانیوں کے ہاتھ سے بہت سی ذلتیں برداشت کر چکی ہیں۔ اس امر کو خاموشی سے گوارا کر لینگی۔

برطانیہ کے سفیر فوق العادت لارڈ لوتھیان کے بعد لارڈ سیموئیل نے کانگرسی زمین کو ہموار کر کے اپنے مطلب کی بنانے کے لئے کانگرسی لیڈروں سے بات چیت شروع کر دی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان حضرات کی مساعی کامیاب ہیں۔ کیونکہ کانگرسی اور اجنبی حکومت کے مابین تصادم ہونے کے امکانات بہت کم نظر آتے ہیں۔ پنڈت جواہرلال الہ آباد سے اور کانگرس کے آئندہ صدر مسٹر بوس لندن سے یہ اعلان کر چکے ہیں۔ کہ سردست انہیں کانگرس کے سول نافرمانی اختیار کرنے کا امکان نظر نہیں آتا۔ کانگرسی حکمت عملی مزدوروں اور کسانوں کے حلقوں میں اضطراب کی افزائش کا موجب بن رہی ہے۔ مسلمانوں کے متعلق کانگرس کی حکمت عملی میں تبدیلی کے جو آثار پیدا ہوئے تھے۔ وہ ہندو مہاسبھا کے حلقوں کو برافروختہ کر رہے ہیں۔ کانگرسی مسلمانوں نے جو پنڈت جواہرلال نہرو کے "طاقت در اور فرد دست پاش" ہاتھ پر غیر مشروط بیعت کر چکے تھے۔ اپنے پیر مغاں کو مسلم لیگ سے صلح کرنے پر مائل دیکھ کر مسٹر جناح سے یہ استدعا کی تھی۔ کہ وہ مختلف الخیال مسلمانوں کی جماعتوں کا ایک کنونیشن (اجتماع) کریں۔ جو مسلمانوں کے مطالبات مرتب کر سکے۔ مسٹر جناح نے کانگرسی مسلمانوں کی اس استدعا کو قبل از وقت اور غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کانگرس کے صدر کی طرف سے آمادگی مصالحت کے ایک مبہم سے اعلان پر خوش ہو کر مطالبات مرتب کرنے کے لئے بیٹھ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

پنجاب میں احرار نے اپنا وقار بحال کرنے کے لئے سول نافرمانی کا جو معرکہ شروع کر رکھا ہے۔ وہ برابر جاری ہے۔ صوبہ کانگرس کمیٹی کے صدر کا انتخاب ہونے والا ہے۔ اور ڈاکٹر ستیہ پال اس مسند پر متمکن رہنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر رہے ہیں۔

اِعتذار

امرتسر کے میونسپل الیکشن کے کاروبار کی کثرت کی وجہ سے پریس بیحد مصروف رہا ہے۔ اس لئے القریش کی اشاعت چار دن کی تاخیر سے پوسٹ ہو رہی ہے۔ اس لئے ناظرین معذور سمجھیں گے۔ (مینجر)

موجودہ اسلامی حکومتیں

اگرچہ انقلابات زمانہ سے حکومتیں ہمارے ہاتھ سے نکل چکیں۔ اور اب ہم مسلمان سیاست عالم میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تب بھی ہمارے پاس گرد کارواں کے طور پر مندرجہ ذیل حکومتیں موجود ہیں۔ جو ہماری گذشتہ عظمت کی آئینہ دار ہیں:-

ممالک	حکمران
افغانستان	ہز مجسٹی ظاہر شاہ
البانیہ	" احمد زوغو
نجد و حجاز	" ابن سعود
مصر	" فاروق شاہ اول
ایران	" رضا شاہ پہلوی
عراق	" شاہ غازی
یمن	" امام یحیٰی
مراقش	" محمد بن یوسف
بحرین	سلطان احمد ابن عیسیٰ الخلیفہ
بورنیو	سلطان اکمل دین ہاشم
ہرونی	سلطان احمد تاج الدین
جوہور	سلطان سر ابراہیم
جوک جاکارٹا	ہز ہائینس سلطان ہامنگکو بودنو ہشتم
کانٹیم	سلطان سر عبد الحلیم شاہ
کبداق	سلطان سر اسمٰعیل
مسقط	سلطان سید تیمور
ادمن	سلطان تیمور بن فیصل
ہانگ	ہز ہائینس سلطان ابوبکر ریاض الدین شاہ
پیراگ	ہز ہائینس سلطان اسکندر شاہ
سیلانگور	" سلطان علاؤ الدین سلیمان شاہ
رنگاز	" سلطان سر سید خلیفہ جی سی ایم جی
بہاولپور	" سر صادق محمد خاں جی سی آئی۔ ای
بھوپال	" سر محمد حمید اللہ خاں جی سی ایس آئی
حیدرآباد	ہز اگزالٹیڈ خسرو دکن حضور عثمان علی خاں
پالنپور	ہز ہائینس نواب طالع محمد خاں جی سی آئی ای
شرق اردن	" امیر عبد اللہ
ترانگانو	" سر سلیمان بدر العالم شاہ
گہمبہ	شیخ عمر فنیٰ
رامپور	ہز ہائنس نواب رضا علی خاں
پربس	رضا سید علوی
سیبلین نیگری	توانکو عبد الرحمٰن
سولو	پاکو عالم بودنو
شام	جمیل مردم بے (صدر جمہوریہ)
ٹیونس	سیدی احمد بے
ٹرکی	مصطفےٰ کمال اتاترک (صدر جمہوریہ)

یہ ہیں مٹی ہوئی قبروں کے نشان۔ یہ ہیں بہار گذشتہ کے آثار۔ یہ ہے عظمت ماضی کا ایک دھندلا سا خاکہ۔ یہ ہے نیرنگ زمانہ کا عبرتناک ورق یہ ہے ہماری غفلت کی تصویر۔ یہ ہے ہماری تباہی کا مرقع۔ آہ۔ آہ کل جو عالم کے مالک تھے آج غلام ہیں۔ کل جن کے سروں پر تاج تھے آج محتاج کلاہ ہیں۔ کل جن کے اشارہ ابرو پر عزتوں کے انبار لگ جاتے آج حقیر ہیں۔ آہ مسلمانو! اب بھی خواب

فرخندہ بنیاد حیدرآباد

نواب سر نظامت جنگ بہادر نے مدینہ طیبہ کو مصیبت زدہ محتاجوں کی امداد اور حجاز مقدس کے دوسرے رفاہی امور کے متعلق جس کوشش اور ایثار کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ بارہا مسلمانانِ ہند و حجاز سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے حقیقت میں یہ بابرکت کام بھی اعلیٰحضرت شہریارِ دکن ہی کی توجہ خسروانہ کا رہین منت ہے۔ کیونکہ حضور اپنے آقا و مولاؐ کے غریب ہمسایوں کا دردِ بے اندازہ رکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب نواب نظامت جنگ بہادر بارگاہِ سلطانی میں باریاب ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ حاجیوں کی خاطر مدارات پر مسلمان جو روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اسے بچا کر قافلہ سالار حجاج کے سپرد کر دینا چاہیئے تاکہ وہ روپیہ بھی مدینہ منورہ کے محتاجوں کے کام آئے۔

اعلیٰحضرت حجاز کے کارخانہ پارچہ بافی کو ایک مستقل امداد جاریہ عطا فرما چکے ہیں۔ اور امید ہے۔ کہ وہاں کے یتیم خانے کو بھی عنقریب امداد عطا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ نواب صاحب موصوف مدینہ منورہ میں ایک بیت المعذورین قائم کرنے والے ہیں۔ اور چونکہ محتاجوں اور مریضوں کی خدمت کی طرف حضور سرورِ کائناتؐ کی توجہ دوسرے کاموں کی نسبت زیادہ مبذول رہتی تھی۔ اس لئے پوری امید ہے کہ اعلیٰحضرت اس مجوزہ بیت المعذورین کی امداد جاریہ کا بھی بندوبست فرمائیں گے۔ جن دنوں علیا حضرت ملکۂ دکن حجاز میں آستانہ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوئی تھیں۔ آپ نے حرم نبوی میں برقی روشنی کو مکمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر ایک فرمان مبارک صادر کیا گیا۔ کہ سلور جوبلی فنڈ سے پچاس ہزار اور مصرفِ خاص مبارک سے پچیس ہزار روپیہ دے دیا جائے۔ اب تک اس فرمان کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ لیکن نواب سر نظامت جنگ کو امید واثق ہے۔ کہ اعلیٰحضرت کو ان مبارک کاموں سے جو گہری دلچسپی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تمام انتظامات جلد مکمل ہو جائیں گے۔ اور مدینہ منورہ کے محتاجوں۔ اپاہجوں۔ مریضوں اور یتیموں کی امداد کا سہرا دکن ہی کے بادشاہ کے سر رہیگا۔ جسے شہنشاہ مدینہ کا ایک ادنیٰ غلام ہونے پر ناز ہے۔

یوں تو یوم اقبالؒ ہندوستان کے ہر گوشہ میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ منایا گیا۔ لیکن جس عظیم الشان طریقہ سے مشرق کے اس مایۂ ناز مفکرؒ اور مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے ترجمان کا یوم حیدرآباد دکن میں منایا گیا۔ وہ اپنی نظیر آپ تھا حضور ولیعہد بہادر شہزادہ برار نے بنفس نفیس اس تقریب کی صدارت فرما کر ایشیا کی اس عظیم المرتبت ہستی کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔ دکن کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے۔ کہ حضور ولیعہد سلطنت آصفیہ نے ایک اہم ادبی جلسہ کی صدارت قبول فرمائی۔ حیدرآباد کا نوجوان طبقہ اپنے جواں سال و جواں بخت شہزادہ کی اس ادب نوازی پر نہایت مسرت و فخر کا اظہار کر رہا ہے۔ اور اسے مستقبل کیلئے ایک فال نیک سمجھتا ہے۔ حضور ولیعہد بہادر کے علاوہ ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد ہز ایکسیلنسی سر اکبر حیدری نواب فخر یار جنگ بہادر۔ نواب بہادر یار جنگ۔ ڈاکٹر عبد اللطیف

مولوی خواجہ عبدالعزیز ایڈووکیٹ۔ مولوی عبدالرؤف۔ مولوی ابوالحسن و دیگر ارکان سلطنت و ادب دوست حضرات نے بھی اس تقریب سعید میں شرکت کی۔ علامہ اقبال کی یہ انتہائی خوش نصیبی ہے۔ کہ ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کے ولیعہد نے ان کی خدمت میں اپنی عقیدت کا خراج پیش کیا۔

شاہی مسجد لاہور کی شایانِ شان مرمت پر غور ہو رہا ہے۔ اس اہم مقصد کیلئے پنجاب گورنمنٹ بند تین لاکھ روپیہ ادا کریگی۔ وہاں اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے بھی دو لاکھ روپے کی گرانقدر رقم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جہاں پناہ دینی و اسلامی کاموں میں ہمیشہ شاہانہ فیاضی سے کام لیا کرتے ہیں۔ اور دنیا کے ہزاروں معابد اور اسلامی ادارے حضور کی کرم گستری کے رہین احسان ہیں۔

۱۸ جنوری کو جب لارڈ و لیڈی لنلتھگو حیدر آباد پہنچے۔ تو سٹیشن پر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ سٹیشن پر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ سٹیشن سے فلک نما محل جس کی مسافت پانچ میل کی ہے۔ ہزارہا لوگ موجود تھے۔ پیدل اور سوار فوج بھی دو رویہ کھڑی تھی۔ فوجی باجہ نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ استقبال کرنے والوں میں اعلیحضرت حضور نظام بہ نفس نفیس۔ رزیڈنٹ حیدر آباد شہزادگان عالی وقار۔ صدر و ارکان اگزکٹو کونسل رؤسائے ریاست حکام اور نمائندگان شہر موجود تھے۔ سر ڈنکن میکنزی نے ہز اکسیلنسی کا حضور نظام سے تعارف کرایا۔ اسکے بعد شہزادہ برار۔ شہزادہ معظم جاہ۔ شہزادہ بسالت جاہ۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد۔ سر اکبر حیدری اور دوسرے حاضرین سے تعارف کرایا۔ اور ۳۱ توپوں کی سلامی اتاری گئی۔

دُعا

الٰہی تا جہاں باشد شہنشاہِ جہاں باشی
خدائت مہربان تو بہ عالم مہرباں باشی

نفس تا بر ہمی آرم دعا کردن بود کارم
ہمیں وردِ زباں دارم کہ دائم حکمراں باشی

کند تا زمزمہ بلبل خورد تا پیچ و خم سنبل
زند تا خندہ خوش گل بہارِ بوستاں باشی

دمد تا سبزہ و ریحاں بود تا سرو در بستاں
بباغِ دہر اے سلطاں بہارِ بے خزاں باشی

نظام الملک عثمانِ علی خاں آصفِ سابع
سراجِ دینِ اسلامی امیرِ مومناں باشی

زندگی پر نگاہِ واپسیں

(مسٹر جیمس وہائٹ لنڈن کے مشہور کروڑپتی کا مرتے وقت کا لکھا ہوا خط)

میں اس وقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں۔ اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے۔ جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہو سکتا ہے۔

میرے ناپذیر عقیدے میں دنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ اگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگِ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ ہے) میں مر گیا۔ اس کے بعد سے اب تک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

میں نے بادشاہوں کی میزبانی کی۔ امیروں کو بے تکلفانہ اُن کے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جس پر میں نے پورے کرہ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی قطاریں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑے بڑے اخبار جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا راس المال پندرہ کروڑ پونڈ (پینتالیس کروڑ روپیہ) تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵۰۰۰۰۰ پونڈ نفع کمایا تھا۔ ان حالات میں امید کرتا ہوں۔ کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے۔

مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزا بھی چکھا ہے۔ اور میں نے دولت کی سرگرانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ مجھ پر وہ وقت گذر چکا ہے۔ جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی۔ جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں۔ جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے۔

گھوڑ دوڑ کے ایک چکر میں میں نے ۱۰۰۰۰۰ پونڈ جیتے تھے۔ لیکن ایک وقت وہ بھی تھا۔ جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی۔ دولتمندی کے ایک لاکھ اور غربت کا ایک شلنگ دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن سے ڈیل تک کی پندرہ میل کی مسافت میں نے اپنے پیروں سے طے کی تھی۔ کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا۔ جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی۔ تاکہ مجھے منچسٹر پہنچا دیا کرے۔

میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حافظہ زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزار رہا ہے۔ اس وقت میں اس قابل ہوں۔ کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں۔

زندگی کے متعلق میرا نرم سے نرم فیصلہ یہ ہے۔

کر دنا ایک عظیم الشان کرامات ہے۔ جو طمع، نفس اور طاقت کے سبب آتشیں مادوں پر پک رہی ہے۔ تمام بلند رفیق اور شریفانہ جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ ان کی جگہ چند ناجائز پرشور عناصر نے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اسقدر زبردست ہوگئی ہے۔ کہ بالشوزم کے سوا کوئی دوسری قوت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

زندگی کے تمام دن بالکل یکساں ہوگئے ہیں۔ اکتا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل ایک ہی قسم کی چیزیں ہر نیا دن ویسا ہی برا جیسا پچھلا دن تھا۔ ہر نفس طمع و ہوس سے اسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ زیادہ مال کی مجنونانہ طلب، زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش۔ مگر کام بہت کم نیکی اور بھی کم، انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ واقعی ایک احساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں۔

اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ اور کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے۔ لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اس کی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اس کی دوستی کا لاکھوں دم بھرنے لگتے ہیں۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے۔ کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اس کی مخلوق کی آنکھ کا تارا ہوں۔

لیکن ادھر اسکا سونا چاندی ختم ہوا۔ ادھر دنیا کی نظریں بھی پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت صرف یہ دو مکروہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت کیلئے اسکے پہلو میں رہجاتے ہیں۔

میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھیگا اور اس معیار نظر سے وزن کریگا۔ وہ ہرگز ہمیشہ کی نیند سو جانے پر افسردہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن ٹھہرو مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اوپر اٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ دیکھو میری بیوی کی محبت و اخلاص سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں۔

اف! یہ میرے لڑکے کے متبسم ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مجھے یہ آواز سنائی دے رہی ہے۔ "بابا! یہ تم ہو!!"

الٰہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پدرانہ شفقت کے بوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں۔

ہاں! اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!......

لیکن ہم مسرت سے بھی کیوں نہ دستبردار ہو جائیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ کہ انسان زندگی کے تمام مصائب و آلام اپنے محبوبوں کے روبرو پہنچکر بھول جاتا ہے

لیکن یہ دیکھو میرے محبوبوں کی تصویروں پر پردہ پڑگیا...

...اب میرا سر چکرا رہا ہے۔ میرے سینہ کے اندر شعلے بھڑک رہے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک دہکتے ہوئے تنور پر کھڑا ہوں......

میں نے گنا میں اپنی پوری دنیا کھودی۔ مجھے اس مصیبت کا

[illegible]

مساواتِ اسلامی

بابو رحمت اللہ صاحب غوری

(۱)

کعبہ کا طواف ہو رہا ہے۔ جبلہ بن الایہم عیسائی بادشاہ شام بھی شامل ہے۔ اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں تلے آجاتا ہے۔ جبلہ جو نشہ حکومت سے مغرور تھا۔ اس کے منہ پر ایک تھپڑ کھینچ مارتا ہے۔ وہ شخص بھی برابر کا جواب دیتا ہے۔ جبلہ اس کی حرکت سے لال پیلا ہو جاتا ہے۔ اور فاروق اعظم کے پاس فریاد لاتا ہے۔ آپ اس کی فریاد کو بغور سنتے ہیں۔ اور ارشاد فرماتے ہیں۔ جبلہ تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ تو نے جو بویا وہی کاٹا۔ تو نے جو کیا اس کا صلہ پایا۔ جبلہ یہ فیصلہ سنکر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ہماری طرف انگشت کرے تو انگشت کاٹ دیں۔ زبان کھولے زبان کاٹ دیں۔ آنکھ کرے آنکھ نکال لیں۔ اور آپ یہ انوکھا فیصلہ سنا رہے ہیں۔

قربان جاؤں اس شمع حرم کے کہ دانہ پر صدقے جاؤں۔ اس بلبل باغ مدینہ کا ارشاد فرماتے ہیں " جبلہ! جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ شاہ و گدا کو یکجا کھڑا کر دیا۔ سیاہ و سفید کی تمیز اُڑا دی "

جبلہ یہ کلمات سنکر حیران رہ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ " اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جس میں شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں۔ تو میں ایسے اسلام سے باز آیا " حضرت فاروق اسکی اس بات سے مغموم نہیں ہوتے۔ بلکہ برملا ارشاد فرماتے ہیں " جبلہ جاؤ۔ ہم کو تمہارے جیسے مغرور انسان کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جیسی نخوت و تکبر سے لبریز ہستی کی اسلام کو پروا نہیں۔ میں تمہاری خاطر قانون انصاف نہیں بدل سکتا "

مذہب کے شیدائیو! یہ ہے وہ اصول مساوات جس کے ذریعہ اسلام دنیا کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک پہنچ گیا۔

(۲)

حج کے دن ہیں۔ اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق آرہے ہیں۔ تاکہ فریضہ حج ادا کیا جائے۔ معلوم نہیں حضرت فاروق کو کیا سوجھی۔ آپ ہر ایک گورنر اور کمانڈر کا حکم لکھ بھیجتے ہیں۔ کہ فلاں روز سب یہاں حاضر آؤ۔ تعمیل حکم میں کسی کی کیا مجال کہ چون و چرا کرے۔ سب مقررہ دن پر پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق ایک دربار عام منعقد کرتے ہیں۔ اور اعلان کرتے ہیں۔ اے لوگو! کیا میرے ان گورنروں نے حاکموں نے تمہیں کبھی کوئی بے جا تکلیف پہنچائی۔ تم سے کبھی کوئی ناانصافی کی؟ اگر کسی شخص کو میرے ان حاکموں سے کوئی شکایت ہے۔ تو بے خوف و خطر میرے سامنے آئے۔ اور اپنی تکالیف کا میرے سامنے اظہار کرے۔ تاکہ میں ان حاکموں کو اگر قصوروار ہوں۔ تو سزا دوں۔ ان کی بے انصافی کا ان کو مزا چکھاؤں۔ مجمع پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ مہر سکوت سب کے منہ پر لگ جاتی ہے

فاروق رض مجمع کا یہ حال دیکھ کر پھر ارشاد فرماتے ہیں۔ اے اسلام کے ہونہارو! رسول عربی کے نام پر فدا ہونے والو! کیوں خوف کھاتے ہو؟ یہ عہد حکومت رسول مدنی کے نام پر مرمٹنے والے کا ہے۔ آؤ اور میرے سامنے اپنی تکالیف بیان کرو یہ وہ دربار نہیں۔ جس میں کسی کو بات کرنے کا اختیار نہ ہو۔ یہ وہ دربار نہیں جہاں کسی کو کسی حاکم کے خلاف کوئی بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔ جہاں ہر شخص ہر وقت اپنی تکالیف بیان کرسکتا ہے۔ ابھی یہ ارشاد فرما ہی رہے تھے۔ کہ ایک شخص مجمع سے اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے یا امیرالمومنین فلاں گورنر نے مجھ کو بے وجہ سو درّے لگوائے تھے۔ شیر خدا فوراً یہ سنکر اسکو حکم دیتے ہیں۔ آ پھر دیر کیا ہے آ اور اپنا بدلہ اس سے لے یہ دیکھ بیٹھا ہے۔ جس طرح اس نے تجھے پٹوایا تھا۔ آج تو بھی اسکو پیٹ لے۔ حضرت عمرو بن العاص یہ حکم سنکر جھٹ سامنے آکر عرض کرتے ہیں۔ یا امیرالمومنین! اس طرح تو سب عمال بیدل ہو جائینگے اور یہ لوگ نڈر ہو جائینگے۔ آپ اس حکم کو منسوخ کردیں۔ حضرت فاروق یہ سنکر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد فرماتے ہیں۔ اے عمرو بن العاص! یہ پند ونصائح تم اپنے پاس ہی رکھو میں قانون انصاف نہیں بدل سکتا۔ اسلام نے جب ہم لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی ہے۔ تو ہم لوگوں کے دماغوں میں کبر و نخوت کیوں نہیں ہونی چاہیئے۔ تمہیں میرے حکم میں مداخلت کرنے کا تبھی حق حاصل ہے۔ جب میں خدا اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف کوئی حکم دوں۔ پھر مستغیث کو فرماتے ہیں۔ آؤ اور آکر اپنا بدلہ لو۔ حضرت عمرو بن العاص مستغیث کے پاس جاتے ہیں۔ اور اس کو سمجھاتے ہیں۔ کہ تو اپنا معاوضہ جو چاہے لے لے۔ مگر اس حاکم کو سر عام رسوا نہ کر۔ وہ شخص چند دینار لے کر راضی ہو جاتا ہے۔ اور فاروق اعظم کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ یا امیرالمومنین میں نے اس عامل کو معاف کیا۔ حضرت عمر خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اگر مستغیث راضی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی اپنی مرضی ہے۔ میرا کام یہی تھا۔ میں یہی کرسکتا تھا۔ تاکہ اسلام پر دھبہ نہ آئے۔ اور کوئی حاکم بے انصافی نہ کرے۔

یہ ہیں وہ اصول مساوات جن کے ذریعہ اسلام دنیا کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک پہنچ گیا۔

(۳)

سلطنت اسلامی ہے۔ بادشاہ وقت کے ساتھ زید بن ابی کعب کا کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ دونوں دروازہ عدالت کھٹکھٹاتے ہیں۔ جب کمرہ عدالت میں دونوں پہنچے ہیں۔ تو حضرت فاروق کو دیکھ کر آنریبل جج کرسیٔ عدالت سے تعظیماً اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ فاروق یہ دیکھ کر فوراً ارشاد فرماتے ہیں جج صاحب! یہ آپ کی پہلی بے انصافی ہے۔ جو آپ نے اس مقدمہ میں کی۔ آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ کہ آپ میرے لئے تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ کمرہ عدالت ہے۔ اگر میں بادشاہ ہوں تو اپنی جگہ ہوں۔ یہاں تو بطور سائل آیا ہوں۔ یہ کہکر آپ اپنے فریق کے برابر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور مقدمہ کا فیصلہ سنتے ہیں یہ تھے وہ خلیفۂ وقت جو جلوت وخلوت میں، گھر میں باہر میں، مکان میں، بازار میں کبھی اصول مساوات کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ اور آج اسی اصول مساوات کے ذریعہ اسلام دنیا کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک پہنچ گیا۔

تذکرۃ الاولیاء

سری سقطی حضرت جنید بغدادی مشہور ولی اللہ کے خالو تھے۔ تجارت پیشہ تھا۔ لیکن ایسی تجارت جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ آپ کی دوکان کے سامنے پردہ پڑا رہتا تھا۔ ایک دن ایک شخص باہر سے آیا۔ اور آپ کے ایک قدیم دوست کی طرف سے جو ریاضت کی وجہ سے کوہستان میں جا بسے تھے۔ سلام پیش کیا۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عبادت اس کا نام نہیں۔ کہ دنیا سے قطعاً علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ صحیح عبادت تو یہ ہے کہ دنیا کے کام بھی کئے جائیں۔ اور اسے بھی یاد رکھا جائے۔

آپ کی تجارت کا اصول یہ تھا۔ کہ آپ پانچ فیصدی سے زائد نفع نہیں لیتے تھے۔ ایک دن آپ نے ۶۰ دینار کے بادام خریدے۔ بادام کی قیمت بڑھ گئی۔ تو دلال نے آکر کہا کہ ساٹھ دینار کے بادام نوّے دینار میں بکوا دیتا ہوں۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ صرف پانچ فیصدی نفع لونگا۔

آپ حد درجہ کے سخی اور بہت بڑے زاہد تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ کہ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں گذارا۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک دفعہ جس بازار میں آپ کی دوکان تھی اس میں آگ لگ گئی۔ اور تمام دوکانیں نذر آتش ہو گئیں۔ لیکن آپ کی دوکان بچ گئی۔ آپ نے دوکان کا تمام سامان فقیروں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا۔ گو آپ تجارت کرتے تھے۔ لیکن دنیا کی محبت آپ کے دل میں قطعاً نہ تھی۔ اور آپ اپنی ذات کو کسی قسم کا آرام نہیں پہنچایا کرتے۔ خود کو اسقدر حقیر جانتے۔ کہ ایک دن حضرت جنید بغدادی کی معیت میں مخنثوں کی ایک جماعت کے قریب سے گذرے۔ حضرت جنید نے کہا کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔ حضرت نے فرمایا۔ کیا حالت ہوگی۔ میں تو کسی سے اچھا نہیں ہوں۔ حتیٰ کہ مخنثوں سے بھی۔

محبت الٰہی میں آپ کی یہ کیفیت تھی۔ کہ آپ فرمایا کرتے کہ عبادت میں اگر کوئی میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے مجھے کچھ معلوم نہیں ہوگا۔

عبادتِ الٰہی سے فراغت پانے کے بعد آپ اکثر عوام کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے۔ ایک دن آپ وعظ فرما رہے تھے۔ کہ بادشاہ کا ایک مصاحب خاص احمد بن یزید بڑی شان و شوکت سے ادھر سے گذرا۔ اور آپ کا وعظ سننے کیلئے رک گیا۔ آپ دنیا کی مذمت اور انسان کی ناشکری کا گلہ کر رہے تھے۔ احمد بن یزید کے دل پر اسقدر اثر ہوا کہ بیہوش ہو گیا۔ اور کئی دن تک متواتر روتا رہا۔ اور آخر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور چند سال کے اندر اللہ کے نزدیک وہ مرتبہ بلند پایا۔ کہ جب فوت ہوا۔ ہاتف غیب نے آواز دی۔ کہ اللہ کے ولی کی نماز جنازہ پڑھنے کے مشتاق قبرستان پہنچ جائیں۔ احمد نے وفات کے وقت مرشد کو بھی یاد کیا۔ اور آخر انہی کے زانوؤں پر سر رکھ کر جان دے دی۔

آپ وعظ فرمایا کرتے۔ تو اکثر یہی نصیحت فرماتے۔ کہ جوانی کا زمانہ عمل کا زمانہ ہے۔

پانچ چیزوں کے سوا ساری دنیا فضول ہے۔ روٹی جس سے جان بچ جائے۔ پانی جس سے پیاس بجھے کپڑا جس سے بدن ڈھانکا جا سکے۔ گھر سر چھپانے کو اور علم عمل کرنے کو۔

اللہ کی نعمت کی قدر کرو۔ جو قدر نہیں کرتا۔ اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اللہ کے حضور میں جو شخص جھک جاتا ہے اسے ساری دنیا عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

جس دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ اس میں اللہ کا ڈر۔ اللہ سے شرم اور اللہ سے محبت نہیں پیدا ہوتی۔

سب سے عقلمند وہ ہے۔ جو قرآن کریم کے اسرار سمجھنے کی کوشش کرے۔

جو بات تم میں موجود نہیں۔ اسے اپنی طرف منسوب نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر نظر کرم نہیں ڈالتا

سب سے بہتر خلق یہ ہے۔ کہ اللہ کی مخلوق کو تم سے تکلیف نہ پہنچے۔ وہ تمہیں تکلیف پہنچائے بھی تو تم اسے معاف کرو۔

اپنے دوست سے شبہ کی بنا پر قطع تعلق کرنا جرم ہے۔

الغرض آپ قول و فعل کے اعتبار سے اللہ کے محبوب بندے تھے۔ جب انتقال فرمایا۔ تو جنید بغدادی حاضر ہوئے۔ اور پوچھا کیا حال ہے فرمایا:-

عبداً مملوکا لایقدر علی شئ۔ غلام کی حیثیت کیا ہے۔ کہ اسے کسی چیز پر اختیار ہو۔

یہ فرمایا اور روح پرواز کر گئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

نقد و نظر

شمس المشائخ امرتسر } حال ہی میں ماہوار رسالہ امرتسر سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس کا مقصد وحید یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو فرقہ بندیوں اور جاہل فقراء اور متکبر علماء سے بچا کر ان میں صحیح اسلامی سپرٹ پیدا کی جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسوہ حسنہ کی تعلیم مسلمانوں کو دی جائے۔ رسالہ اپنے مقاصد کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے۔ اور اس زمانہ میں ضرورت بھی ایسے رسالوں کی ہے۔ امید ہے کہ درد دل رکھنے والے مسلمان اس کو پسند کریں گے۔ کاغذ کتابت۔ طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ قیمت سالانہ صرف دو روپے (عہ/) ہے۔ نمونہ مفت منگوا سکتے ہیں۔

ملنے کا پتہ:- مینیجر رسالہ شمس المشائخ شریف پورہ۔ امرتسر

در و دیوار شکستہ

...ندوستان کے آثار قدیمہ پر ایک اجمالی نظر

...عہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے زیر اہتمام
...جلسہ منعقد ہوا۔ مولوی غلام یزدانی
...رحیدر آباد (دکن) نے ہندوستان
...ت تحقیقی مقالہ پڑھا۔ جناب پروفیسر
...ے (آکسن) استاد تاریخ (جامعہ ملیہ)
...فاضل مقالہ نگار کا تعارف کرانے
...ان کی تاریخ کی ہندوستان کے
...یں کس طرح مٹی پلید کی جاتی ہے۔
...ے اس شاندار تاریخ کو ایک ہیبتناک
...کر پیش کیا ہے۔ لیکن ابھی ہندوستان
...ہیں۔ جو ہندوستانی تاریخ کو
...اجاگر کرتے ہیں۔ تاریخ ہند کی
...درد اور جذبے پر مبنی نہیں ہوتی۔
...ن و انکشاف کی خاموش کن دلیل
...ل مقالہ نگار اور معزز مہمان جناب غلام یزدانی
...ہے ہیں۔ جن کے علمی تبحر اور
...دستان فخر کر سکتا ہے۔

...اس افتتاحی تقریر کے بعد جناب
...مقالہ پیش کیا ہے۔ جو کم و بیش ایک
...ہم ذیل میں مقالہ کا خلاصہ پیش

کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں آریوں کے آنے سے پہلے داوڑی نسل کے لوگ آباد تھے۔ اور سندھ کی قدیم تہذیب جن کے آثار گذشتہ دس بارہ سال کے عرصہ میں دریافت ہوئے ہیں انہیں دراوڑی نسل کے لوگ آباد تھے۔ اس نظریے کے باور کرنے کے وجود یہ ہیں۔ کہ سندھ میں جو اس زمانے کی قبور دریافت ہوئی ہیں۔ وہ دکن اور جنوبی ہند کی قبور سے جہاں دراوڑی قومیں اب تک آباد ہیں۔ ملتی جلتی ہیں۔ موجودہ تحقیق کے لحاظ سے ان کا اصلی وطن بحیرۂ روم کے کنارے خیال کیا جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں یہ سندھ کے رستے سے داخل ہوئے تھے۔ یہ لوگ آریوں کے آنے سے پہلے غالباً ہندوستان کے تمام حصص میں پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن آریوں کے آنے کے بعد یا تو بہ حیثیت ادنیٰ پیشہ وروں کے ان کے اطاعت گذار بن گئے۔ یا سمٹ کر جنوبی ہند میں چلے آئے۔

سندھ کی قدیم تہذیب پر ایشیا کے شمال مغربی اقوام کا اثر تھا۔ اور سندھ جنوبی ہند کے آثار اور بہار کے علاقہ راجگیر میں بڑے بڑے پتھروں کی دیواروں سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ لوگ مدنیت اور فن تعمیر میں کافی بلند معیار رکھتے تھے۔

سندھ کی تہذیب کے بعد آریوں کی تہذیب کو

فروغ ہوا۔ مگر بقول فرگسن فن عمارت میں اس نسل کے لوگوں نے کسی ملک میں بھی کمال حاصل نہیں کیا۔ یہ رائے ایک حد تک درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک ہزار سال قبل از مسیح سے لیکر پانچ سو سال بعد از مسیح تک کے زمانے کو اگر ہم دیکھیں۔ تو مذہب فلسفہ شاعری اور بہت سے علوم میں ہندوستان کی آریائی نسل کے لوگوں کا کمال درجہ اعلیٰ پر نظر آتا ہے۔ لیکن جب ان کے مکانات کی تلاش کرتے ہیں۔ تو سوائے گھاس پھوس کے جھونپڑوں کے یا مٹی کے گھروندوں کے پختہ اینٹیں بھی ہم کو مسیح سے چار سو سال پہلے کی نہیں ملتیں۔

ہندوستانی فن تعمیر کے لئے بدھ مت بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ابتدائی زمانے کی جو عمارتیں موجود ہیں۔ یا دریافت ہوئی ہیں۔ وہ سب اسی مذہب یا اس کے پیرؤوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ بدھ مت کے آغاز کے بعد سکندر کے حملوں اور اشوک کی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے ہندوستان کے فن تعمیر میں یونانی اور ایرانی اثر بھی نفوذ کر گیا۔ ہندوستان کے معمار زیادہ تر دراوڑی نسل کے تھے بدھ مت سے پہلے رنگ اور نسل کی قیود سے ان کا کام کمال تک نہ پہنچ سکا تھا۔ مگر جب بدھ مت نے ان کو بھی اپنی آغوش میں جگہ دی۔ تو ان کے جوہر کھلے۔ اور اس کے بعد کی جو عمارتیں ہیں۔ وہ ایرانی۔ یونانی اور دراوڑی رنگ اور تمدن کا مرکب ہیں۔ ایلوجا اور اجنٹا کے غاروں کی نقاشی اور بدھ مت کے استوپوں میں بیشتر انہیں دراوڑی نسل کے لوگوں کا کمال جلوہ گر ہے۔ جو بدھ مذہب کی عالمگیریت کی وجہ سے بیرونی صناعوں اور کاریگروں سے بہت قریب ہو گئے تھے۔ اور ان کا فن کمال کو پہنچ گیا تھا۔ ان لوگوں کو سنگ تراشی اور نقاشی کے فن میں دوسری صدی قبل از مسیح مہارت تامہ حاصل ہو گئی تھی۔ بدھ مت کی عمومیت یا سیاسی اقتدار کی بنا پر اگر یونانی۔ ایرانی اور سیتھی اثر کو تسلیم کر بھی لیا جائے۔ تب بھی خود ہندوستان کے فن و کمال کے لحاظ سے بیرونی اثر کو صرف آٹے میں نمک سمجھنا چاہیئے۔

بدھ مت کے عہد کی تعمیرات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار نے فرمایا۔ کہ بدھ مت کی تعمیرات کو تین نمایاں قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو استوپا۔ یہ پہلے مدفن تھے۔ جن میں بدھ کی ہڈیوں وغیرہ کو یادگار کے طور پر دفن کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں یہ مدفن پرستش گاہوں میں تبدیل ہو گئے۔ دوسرے چتا۔ یہ خالص عبادت گاہیں تھیں۔ تیسری قسم میں بدھ مت کے وہار (خانقاہیں) ہیں یہ بھکشوؤں کے رہنے کیلئے ہوتے تھے۔ ان عمارات کی تعمیر میں خصوصاً چتاؤں کی تعمیر میں دراوڑ نسل کے لوگوں کا طرز تعمیر نمایاں ہے۔

تراشے ہوئے مندروں کی تعمیر کا سلسلہ کوئی ایک ہزار سال تک جاری رہا۔ لیکن دوسری تیسری صدی عیسوی تک سوا مذہبی علامات کے کسی قسم کی تزئین نہیں کی گئی۔ لیکن چوتھی صدی سے تزئین اور آرائش کا سلسلہ شروع ہو کر پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں یہ کمال کو پہنچ گیا۔ اور اجنٹا کے غار نمبرا اور دوا دو سولہ اور سترہ اور انیس اور چھبیس اس تزئین کاری کے بہترین نمونے ہیں۔ در و دیوار اور رواکاروں کو بت کاری سے اس طرح سجایا ہے۔ کہ صنعت کی صفائی باریکی اور نفاست کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ غرض پانچویں صدی عیسوی

میں ہندوستان فنون لطیفہ کے لحاظ سے تمام دنیا کے ممالک میں پیش پیش تھا۔ یہ یہ دعویٰ اور مستحکم ہو جاتا ہے اگر میں آپ سے یہ بیان کردوں۔ کہ کالی داس کے ڈرامے بھی اسی صدی میں لکھے گئے۔

بدھ مت کے زوال کے بعد برہمنوں کے مذہب کا پھر عروج ہوا۔ یہ مذہب جس جوش و خروش سے پھیلا۔ اور اس میں جتنا زور تھا۔ اس کے شاہد اس عہد کے مجسمے ہیں۔ کیلاش نامی مندر جو آٹھویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا۔ اور ایلورا اور ایلفنٹا کے غاروں کی نقاشی میں مصوری اور مذاق کا جو معیار نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس عہد میں فن تعمیر اور فنون لطیفہ میں ہندوستان تمام ممالک سے سبقت لے گیا تھا۔ دوسرے ممالک روما مصر اور یونان کے مجسموں میں بھی وہ بات نہیں پائی جاتی۔ جو ہندوستان کے مجسموں میں ملتی ہے۔

تاریخ ہند کے اسی دوران میں ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک اور اضافہ ہوا۔ اس سے پہلے ہندوستانی معمار پہاڑوں کو تراش تراش کر اپنے مندر اور معبد بناتے تھے۔ اور اسی کے اندر نقاشی بت تراشی کا کمال دکھاتے تھے۔ لیکن کھلی فضا میں اپنے رہنے کے مکانوں کے سوا جو بیشتر لکڑیوں کے بنے ہوئے تھے۔ عمارتیں نہیں تعمیر ہوتی تھیں۔ پہلے جب ان معماروں نے اس طرف توجہ کی۔ تو انہوں نے نقشے میں وہی غاروں اور لکڑی کے معابد کا تتبع کیا۔ پہلے پہلے اس قسم کی عمارتوں میں بہت سے نقائص ہوتے تھے۔ کہیں تناسب کا لحاظ نہیں ہے۔ پتھروں کو جوڑنے کیلئے مسالے کا استعمال ٹھیک نہیں ہے لیکن آٹھویں اور بارھویں صدی کے دوران میں ہندی معماروں نے فن تعمیر کے اس شعبہ میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ اور اس زمانے کی جو عمارتیں موجود ہیں۔ اور کھدائی میں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں نفاست، تناسب اور صفائی۔ مصوری بت کاری کا ایسا کمال دکھایا ہے۔ کہ پتھر کو موم کر دیا ہے۔ اس زمانے کی شمالی ہند کی بہترین عمارتوں میں بھیسور، کنڈک کھجراہو۔ اور آبو کے مندر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور دکن میں ان کے ہمعصر ورنگل، رامپتا اور واڈھاہالی بیڈ۔ بیلور کانجی ورم۔ سرنگم اور تنجور کی عمارتیں ہیں۔

ہندو عہد کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مقالہ نگار نے مسلمانوں کے عہد کو لیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا سلسلہ یوں تو چھٹی صدی اور ساتویں صدی عیسوی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ لیکن فن تعمیر کا آغاز شہاب الدین غوری کے زمانہ سے ہوتا ہے۔ جب دہلی میں اسلامی سلطنت قائم ہو گئی۔ اس عہد کی خاص عمارتیں مسجد قوت الاسلام اور اس کا فلک بوس مینار "قطب مینار" ہے۔ ان عمارتوں کا نقشہ تو غالباً کسی مسلمان نے تیار کیا ہوگا۔ لیکن مسجد اور مینار کے آرائشی کام اور بت کاری کے طرز سے یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ان کی تکمیل تمام تر ہندو معماروں کے ہاتھوں ہوئی۔ البتہ جب دہلی میں اسلامی سلطنت قائم ہو گئی۔ اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ترکستان ایران اور جنوب مغربی ایشیا سے معمار زیادہ تعداد میں آ گئے تو مسلمانوں کی عمارتوں میں اسلامی رنگ غالب آ گیا۔ جن کے بہترین نمونے علائی دروازہ درگاہ نظام الدین اولیاء کی مسجد ہے۔ یہ زمانہ خلجی بادشاہوں کا تھا۔ ان کے بعد تغلق بادشاہ آئے۔ ان کی عمارتوں میں استحکام اور قوت بیشک ہے۔ لیکن رعنائی کی شان کم ہے۔ تغلق بادشاہوں کے عہد میں

تعمیرات بھی ہندی صنعت کا اثر کم پایا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تغلقی عمارتیں حسن کے معیار سے گری ہوئی ہیں۔ دہلی کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے حصص میں بعد مسافت کی وجہ سے اسلامی معمار اور صناع نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور اسی سبب سے وہاں جو عمارتیں ہیں۔ ان میں ہندی اثر غالب ہے۔ اس قسم کی عمارتوں کی مثال گلبرگے کے قلعے کی مسجد اور مانڈو کی بڑی مسجد پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۵۲۶ء جب سے مغلوں کا عہد شروع ہوتا ہے۔ ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔ بابر اور ہمایوں کا عہد تو پریشانیوں میں گزرا۔ اسلئے تعمیرات کا سلسلہ ملتوی رہا۔ لیکن اکبر کے عہد میں جب سلطنت مستحکم ہو گئی۔ فنون لطیفہ کی طرف بھی توجہ دی گئی۔

فن تعمیر میں مغل عہد کا خاص کارنامہ عمارتوں کو قدرتی مناظر سے آراستہ کرنا ہے۔ عمارتوں میں باغات نہروں فواروں اور روشوں کا التزام مغلیہ عہد سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔ یونانیوں کی طرح مغلوں کو بھی یہ خیال تھا۔ کہ عمارت کی شان کے لئے عمدہ پتھر کا بھی ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے سنگ مرمر کو خوب رواج دیا۔ پچکاری کی صنعت ان کے آنے سے پہلے ہندوستان میں پہنچ چکی تھی۔ لیکن انہوں نے اس کو اپنے نفیس ذوق سے اوج کمال کو پہنچایا۔

اکبر کے عہد میں ہندی صنعت کو بے حد فروغ ہوا۔ چنانچہ جودھ بائی کے محل۔ بیربل کا مکان۔ دیوان خاص اور سلطانہ کے نشیمن میں ہندی تعمیر اور ہندی سنگتراشی نہایت دلپذیر صورتوں میں نمایاں ہیں۔ فتح پور سیکری میں پنچ محل کی ساخت بھی ذرا نرالی ہے۔ اور ہندی وضع کی معلوم ہوتی ہے۔ جہانگیر کے عہد میں تعمیر کی نفاست اور بڑھی سنگ مرمر کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ اس عہد کی تدریجی ترقی کو سمجھنے کیلئے سکندرے میں اکبر کا مقبرہ اور آگرے میں اعتماد الدولہ کا مزار دونوں بہترین عمارتیں ہیں۔

شاہجہان کے عہد میں فن تعمیر کو خوب فروغ ہوا۔ اسکا ذکر کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار نے اس عہد کی عمارتوں کی تعریف میں صرف یہ الفاظ کہکر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ "ان عمارتوں کی نفاست اور پچکاری کی خوبصورتی کا بیان کرنا زبان سے مشکل ہے۔"

روضہ تاج گنج کے متعلق یہ غلط فہمی عام ہے کہ یہ بے نظیر عمارت ایک اطالوی مہندس کے تخیل کا نتیجہ ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس مسئلہ پر نہایت تحقیق سے بحث کی۔ اور اس دعوےٰ کو غلط ثابت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ نادر متبرک نے تو اسکو وینس کے ایک مہندس ہی کے تخیل کا نتیجہ لکھ دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ فارسی زبان میں ایسی تاریخیں موجود ہیں۔ جن میں اس عمارت کی کیفیت اور بنانے والوں کے نام درج ہیں۔ اور سب میں زیادہ عمارت کی ساخت ہے جو بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ میں اسی ملک کی صنعت اور کمال کا نمونہ ہوں۔ شاہجہان نے عمارت کی تکمیل کیلئے اہل فن کو دور دور سے بلایا تھا۔ چنانچہ تاریخ میں ان صاحبان کمال کے نام درج ہیں۔ اس ضمن میں پچکاری کے کام کے لئے کسی فلورنس یا وینس کے کاریگر کو بھی نوکر رکھ لیا ہو۔ تو تعجب نہیں۔ لیکن یہ ادعا کہ ساری عمارت کسی اطالوی کی بنائی ہوئی ہے۔ ذرا مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ اس وقت کے ہم اطالیہ کے طرز تعمیر کو دیکھتے ہیں۔ جو بروک (Borogne) کے نام سے مشہور ہے۔ تو بھدے پن اور بد ذوقی کا نقشہ ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

تضمین اقبال

(از سید فیضی جالندھری)

کیفیت بر دوش ہے تیرا ایاغِ زندگی — دیکھ یونہی گُل نہ ہو جائے چراغِ زندگی
رائگاں جانے نہ دے وقتِ عزیز اے جانِ من — اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

کیوں حمائل ہے تری گردن میں سیم و زر کا طوق — کس لئے ہے من کی نسبت سے زیادہ تن کا ذوق
آ تجھے سمجھاؤں میں یہ اختلافِ باہمی — من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق

تن کی دُنیا؟ تن کی دنیا سُود و سودا، مکر و فن!

من کی دولت رنج اور آلام برساتی نہیں — اپنے ہمرہ یہ کبھی روز سیہ لاتی نہیں
اس کے ہنگاموں میں پوشیدہ نہیں خوفِ زوال — من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن!

من کی دنیا ہے وہ دنیائے نشاطِ ابتہاج — ایسی دنیا میں نہ پاؤ گے خیالِ تخت و تاج
تن کی دنیا میں تو ہیں لاکھوں نزاعِ کفر و دیں — من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج

من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

گو خدائی نظم سے قائم ہے ضبطِ کائنات — ہے مگر حفظِ خودی کے ساتھ تعمیرِ حیات
کل سُنا یہ نکتہ اک درویشِ حق آگاہ سے — پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات

تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فقر

از جناب محمد حسین ہوشیار پوری ٹیچر!

نبی اکرم حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس گھر میں پیدا ہوئے۔ اس کی بے سروسامانی کا اندازہ ان ہی باتوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ نے جو ترکہ کا مال اپنے عزیز کیلئے چھوڑا۔ وہ صرف دو چار اونٹ اور چند بکریوں پر مشتمل تھا۔ اور ابھی آپ پیدا بھی نہیں ہوئے کہ آپ کے والد ماجد نے وفات پائی۔ پھر سات سال کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی انہیں داغ جدائی دیا۔ اس کے بعد آپ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے جو خود ہی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے کثیر الاولاد انسان تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب کہ وہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ تو آپ اپنے چچا حضرت ابوطالب کی تربیت میں آئے۔ جو نہ صرف غریب بلکہ عیالدار بھی تھے۔

اب اگر ہم عام فطرت انسانی پر غور کریں۔ اور قیاس لگائیں۔ تو چاہیئے تھا کہ ایک ایسا انسان جو پیدائش سے لیکر عالم جوانی تک مال و دولت اور راحت و آرام کے نام سے ناآشنا اس کے دل کی تمام حسرتیں اور ارمان خاک میں مل گئے ہوں گے وہ اگر مالدار ہوتا۔ تو تمام ارمان نکالتا۔ مگر دیگر حالات سے ہمیں یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کہ آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و دولت سے چنداں محبت نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی زندگی کے حالات مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خداوند کریم نے آپ کو کثرت سے مال و دولت دی۔ کہ آپ سارے قبائل عرب کے بادشاہ بنے۔ مال غنیمت اور محاصل کی اسقدر کثیر رقمیں مدینہ منورہ میں آئیں۔ کہ اس سے پہلے مدینہ نے کبھی اسقدر مال و دولت نہ دیکھا تھا۔ مگر آپ کا فقر بدستور سابق قائم رہا۔

رہنا سہنا

حدیث میں لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں۔ مگر نہ ان کا صحن نہ دالان نہ ضرورت کے لئے الگ کمرے حجرے بہت ہی چھوٹے اور دیواریں کمزور شکستہ چھتیں بہت ہی نیچی کہ کھڑے ہو کر ہاتھ سے چھوئی جا سکتی تھیں۔ پھر کھجور کے پتوں اور شاخوں کی بنی ہوئی بارش کے وقت دقت ہوتی۔ اور حجروں میں کتنے کتنے عرصہ تک چراغ بھی نہ جلتا تھا۔

حدیث ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے دیواروں پر دھاری دار کپڑا لگا دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ ہمیں دیواروں پر لباس پہنانے کیلئے مال نہیں دیا گیا۔ آپ نے ان ہی حجروں میں سے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں اس جہان فانی سے انتقال فرمایا۔

لباس

آنحضرتؐ موٹے اور بغیر مال کے بڑے بڑے کپڑے پہنتے جمعہ اور عیدین کے دن آپ اچھے کپڑے زیب تن فرماتے۔ ایکبار ایک ریشمی کپڑا فروخت ہو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ آپ

یں تاکہ عید اور جمعہ کے موقعہ پر پہن سکیں
س کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔
ں دو چادریں آپ کو پسند تھیں۔اور زیادہ
پ نے استعمال فرمایا۔ تو حضرت عائشہؓ
ل تھا جس میں بے شمار پیوند لگے ہوئے
دتھی۔ آپ دی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتے
ہ پہن لیتے تھے۔ مگر میلان طبیعت
ے تھا۔

طعام

عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہیں
یاتی ہیں۔ کہ بعض اوقات دو دو ماہ
نہ جلتی۔ ہم سب کا دودھ کھجور
۔ انصار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
و بھیج دیتے تھے۔ حضور وہ دودھ

مدینہ کے قیام میں آپ نے کبھی
۔ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک
ں حاضر ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ جناب
وسلم نے اپنے پیٹ کو کس کے
فت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ بھوک
یا ہے۔ ایک دفعہ کسی صحابی نے
ی۔ اور پیٹ پر ایک پتھر بندھا
اپنا شکم دکھایا۔ جس پر ایک
تھے۔
کھاتے تھے۔ کیونکہ عرب میں عام

ہوتا تھا۔ کدو گھی میں پکایا ہوا پنیر اور کھجور آپ کو
بہت پسند تھی۔ بے شک کوئی اچھی چیز آپ کے
سامنے آتی۔ تو تناول فرماتے۔ لیکن خود کبھی ایسی
چیز کی خواہش نہ کی۔

بستر

کمبل کا بستر تھا۔ کبھی چمڑے کا۔ جس میں
کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اور کبھی معمولی کپڑا
دوتہ کر لیتے۔

لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کی کسی بیوی نے
آپ کا بستر مبارک چار تہ کرکے بچھا دیا۔ کہ ذرا
نرم ہو۔ مگر حضور نے ناپسندیدگی ظاہر کی۔ حضرت
عمرؓ آپ کے حجرہ میں آکر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ معمولی کھجور
کے پتوں سے بھرا ہوا بستر اور ایک چارپائی اور
ایک مشکیزہ اور ایک طرف مٹھی بھر جو پڑے ہیں۔
وہ زار و قطار رونے لگے۔ کہ قیصر و کسریٰ جیسے
بادشاہوں کے بستر مخمل و کمخواب کے ہوں۔ مگر
بادشاہ دو عالم کا ایسا معمولی بستر جس سے جسم
پر جھریاں پڑ جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ ان کو یہ دنیا پسند ہے۔ اور ہمیں دوسری جس جگہ
ساری عمر رہنا ہے۔ اس سے گھر کے سامان کا بھی
اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں کیا کیا تھا۔

دریافت طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے بغیر جواب
نہیں دیا جائے گا۔ (منیجر)

خطاب بہ جوانانِ سعادتمند

(از جناب قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی وکیل)

ٹائی کالر اور سوٹ پہ اتراتے نہ چلو
بوٹ و ہنٹر کو میاں کھٹ کھٹاتے نہ چلو

کنگھی چوٹی و سلیپر میں نزاکتِ زن
بنو ہمت سے شجیع لڑکھڑاتے نہ چلو

رکھیں داڑھی کو اور مونچھوں کا کٹانا اچھا
نقالی سے شکل اپنی کو بدلاتے نہ چلو

ہیں اچھوں سے سدا اچھی ہی باتیں اچھی
حُسنِ خداداد پہ پوڈر کو لگاتے نہ چلو

ہے شوق تو حقہ پہ گذار و صحبت
سگار و سگرٹ پہ جان کھپاتے نہ چلو

نان و حلوا کے لئے نہیں ہے جینا اپنا
کیک و بسکٹ پہ عمر گنواتے نہ چلو

ہے زیست گرانمایہ قدر اس کی کرو
سادہ پوشی سے مگر ہاتھ چھوڑاتے نہ چلو

پہلوں کی طرح دنیا میں رہو سادہ رہو
قوم و ملت پہ مروحق سے گھبراتے نہ چلو

ہم آہنگ ہو سکیں یورپ و ایشیا کس طرح
ہیٹ و دستار کو آپس میں ملاتے نہ چلو

ہے توفیق اگر حج کرو دنج کردو
یونہی سیرِ ولایت میں خاک اڑاتے نہ چلو

ہیں قاضئے بیچارہ کی باتیں کڑوی
بر شیریں کو مگر تم سلاتے نہ چلو

۷۵۶

میری سرگذشت

نمبر ۵۱

یونتو قلات سٹیٹ میں قانون انگریزی جاری نہ تھا۔ لیکن پولٹیکل ایڈوائیزر کو جوڈیشل جج آف قلات سٹیٹ کا نام بھی دیا گیا۔ اس بات کا اور تو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ الایہ کہ دفتر فارسی میں میرے ماتحت محرر پولٹیکل کے علاوہ محرر جوڈیشل کی اسامی کا اضافہ ہوگیا۔

رائے بہادر ہتو رام تھے یا خان بہادر میر شمس شاہ دونو نے اپنی اپنی ایڈوائیزری کے زمانہ میں باشندگان ریاست کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے کوئی کام نہ کیا۔ اور ریاست میں اس طرح سے رہے۔ جس طرح کوئی کرایہ دار کرایہ کے مکان میں رہتا ہو۔ اور مکان کی صفائی اور مرمت کا اسی حد تک خیال رکھے۔ جس حد تک کہ اس کے اپنے آرام و آسائش کا تعلق ہو۔

۱۸۹۵ء کے دوران میں جب میں ایک ماہ کی رخصت پر اپنے وطن مالوف میں تھا۔ تو ایک دن بعد دوپہر میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میرے گرم کوٹ کی دائیں جانب کے لنے کا کچھ حصہ آگ سے جل گیا ہے۔ مگر آگ پھر جلدی ہی بجھ گئی ہے۔ انقضائے رخصت کے بعد جب میں نے اپنے عہدہ کا چارج لیا۔ تو اس خواب کی تعبیر یہ نکلی۔ کہ پولٹیکل ایڈوائزر کے ایما سے پولٹیکل مقدمات کی کچھ امشلہ محرر جوڈیشل ہی کی تحویل میں رہیں۔

یکم اگست ۱۹۰۰ء کو میر شمس شاہ مہتمم بندوبست کوئٹہ بنائے گئے اور خان بہادر قاضی جلال الدین خاں۔ سی۔آئی۔ای۔ اخوند زادہ قندھار کو جو مہتمم بندوبست تھے۔ پولٹیکل ایڈوائزر مقرر کیا گیا۔ قاضی جلال الدین کے زمانہ میں بحیثیت سررشتہ دار بتقریب دورہ صوبہ سراوان کے جن مقامات کو میں نے دیکھا۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ اس سے پیشتر ان کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

اسکلکو

شہر قلات کی شرقی جانب قریباً سات میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ اور قوم شاہوانی کے فرقہ علی زئی کا صدر مقام۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ گاؤں شاہوانیوں کے جد اعلیٰ شاہو" کو اسوقت دیا گیا۔ جبکہ احمد زئی (فرمانروا خاندان قلات) قلات میں آیا۔ زمینات کی سیرابی کیلئے ایک کاریز اور سات چشمے ہیں۔ بڑے چشمے کا نام "بھلا چشمہ" ہے۔ یہ گاؤں اپنے محل وقوع کے لحاظ سے عام راستہ پر واقعہ ہے۔ جو قلات سے بولان کو جاتا ہے خان بہادر میر عظیم خاں شاہوانی اپنے فرقہ کا سرگروہ ہے۔ بنگلہ بربوئی واقعہ گشک یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر مشرق کی جانب ہے۔ جہاں کئی دنوں تک

ہمارا قیام رہا۔ وہاں کی آب و ہوا قلات کے مقابلہ میں بموسم گرما زیادہ خوشگوار ہے۔

اسپلنجی

تمندار قوم بنگلزئی کا صدر مقام ہے۔ جو وادئی مرد کے جنوب کی طرف مستنگ سے براہِ درہ سرخ باجو ۲۸ میل اور قلات سے براہ جوہان ۵۹ میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت وادی میں واقعہ ہے۔ قوم بنگلزئی کا موجودہ تمندار وڈیرہ نور محمد خاں ہے۔ بی بی لالین زوجہ سخی فتح خاں جس کو فتح خان بھی کہا جاتا ہے۔ کا مزار یہاں واقعہ ہے۔ جس کو عوام میں بنظرِ احترام دیکھا جاتا ہے۔

جوہان

یہ گاؤں سطح سمندر سے پانچہزار ایک سو پچاس فٹ کی بلندی پر واقعہ ہے۔ اور اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے تین راستے نکلتے ہیں (۱) قلات سے بی بی نانی کو براہ نرمکھ (۲) قلات سے کوپور (۳) اور قلات سے نوشکی اور بولان کو براہ منگچر۔ یہ گاؤں قلات سے ۲۷ میل۔ ریلوے سٹیشن کوپور سے ۴۴ میل۔ بی بی نانی سے براہ سہدار ۸۵ میل۔ اور ۱۵ میل مستنگ سے۔ براہ اسپلنجی عمر ڈہور اور درہ سرخ باجو۔ سرگروہ میر غلام مرتضےٰ ہے۔ جو علی زئی فرقہ سے متعلق ہے۔ اس گاؤں میں متعدد مزارات ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

بی بی نازو۔ شاہ ڈاہو۔ بلغدی شہید اور بی بی نیک زن۔ کہا جاتا ہے۔ کہ گاؤں سے تین میل کے فاصلہ پر شرقی جانب ایک پہاڑ پر تخت سلیمان ہے اور متعدد لمبی قبریں بھی جو آثار قدیمہ کے لحاظ سے قابل دلچسپی ہیں۔

(قاضی) لطیف حسین فاروقی مستونی (ریٹائرڈ)

صدر اعظم پنجاب کا مستحسن اقدام

پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں مسجد شاہی کی مرمت کے متعلق سر سکندر حیات خاں صدر اعظم پنجاب نے حسب ذیل قرارداد پیش کی:

"یہ ایوان ورسی تجویز کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے کہ شاہی مسجد لاہور کی مرمت اور برقراری کیلئے جو اہم قدیم تاریخی آثار میں سے ہے ایک ایسا وقف فنڈ قائم کیا جائے۔ جو اس صوبہ کے مسلمانوں کی بہترین عبادت گاہ کے شایان شان ہو نیز سفارش کرتا ہے کہ اگر حکومت ضروری خیال کرے تو ایک ایسا قانون وضع کیا جائے جس کے ماتحت صوبہ کے مسلمانوں کی طرف سے ادا کردہ مالیہ پر ایک پیسہ فی روپیہ محصول زیادہ سے زیادہ دو فصلوں پر وصول کیا جائے۔"

اس اقدام کو مسلمانان پنجاب ایک مستحسن اقدام خیال کرتے ہوئے صدر اعظم موصوف کے بدل مشکور و سپاسگذار ہیں۔

"القریش" امرتسر
بابت ماہ مارچ ۱۹۳۸ء
جلد ۲۵ ——— نمبر ۲

فہرست مضامین

داستانِ القریش

(از جناب ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی)

ہے بہارِ گلستانِ القریش
نغمہ زن ہیں بلبلانِ القریش

سن کے کہتا ہے ندائے غیب کو
شاعرِ رنگیں بیانِ القریش

گردشِ دوراں سے مٹ سکتا نہیں
پختہ تر ہے آشیانِ القریش

اس لئے اس کو بقا حاصل ہوئی
رونق "ندوہ" ہیں جانِ القریش

فضلِ حق سے یہ رہا ثابت قدم
جب ہوا ہے امتحانِ القریش

قوم کی خدمات کیں چوبیس ۲۴ سال
خوب ہے یہ داستانِ القریش

منزلِ مقصود کے نزدیک ہے
رہنمائے کاروانِ القریش

پھر عدوئے قوم کا کیا ڈر اُسے
جب خدا ہو پاسبانِ القریش

سامنے جس کے سراسی جھک گئے
ہے فقط وہ آستانِ القریش

ہے معاون جبکہ سلطان دکن
پھر بڑھے کیونکر نہ شانِ القریش

ہم کو ہے محبوب اس کا اعتراف
ہے زبانِ حق زبانِ القریش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابت ماہ مارچ ۱۹۳۸ء

جلد ۲۵ —————— نمبر ۲

جہاد آزادی کا اہم ترین واقعہ

اس وقت جب کائنات پروردگار عالم کی منکر تھی خلقت اپنے پیدا کرنے والے معبود کے نام سے ناواقف تھی۔ دنیا اپنے روزی رساں رزاق مطلق کی ذات سے بے بہرہ اور اپنے کارساز کی ہستی سے نابلد تھی۔ اشرف المخلوقات کا معبود مٹی اور پتھر کی مورتیں تھیں۔ جو انسان ہی کی دست نگر اور انہیں کی سعی نامشکور کی محتاج تھیں۔ کہ اگر وہ بنائیں تو بنیں بگاڑیں تو بگڑیں۔ رکھیں تو رہیں۔ مٹائیں تو مٹیں۔ انسان کا معبود انہیں جیسا ایک خاک کا پتلا تھا۔ جو انسان ہی کے ناپاک مادہ اور نجس رطوبت سے پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی موت کے بعد کیا ہونیوالا ہے۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھا۔ کہ کسی وقت اور کسی ساعت میں اجل کا فرشتہ اس کی اکڑی ہوئی گردن کو ہمیشہ کیلئے مروڑ دیگا۔ اور اس کی بل کھائی ہوئی پیشانی کو ابدالآباد تک کے لئے فنا کر دیگا۔ اللہ اللہ انسان جو خدا کی وسیع زمین پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ ایک انسان کا غلام ہو کر رہے۔ جو صرف خدا کی پرستش کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک انسان کی پوجا کرے۔ اور جو جبین نیاز صرف خدا کے آگے خم ہونے کیلئے اس بے نیاز کی چوکھٹ پر جھکنے کیلئے خلق کی گئی ہے۔ ایک سرکش اور مغرور انسان کو سجدہ کرنے پر مجبور کی جائے۔ یہی سرکشی ہے جو خدا کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ یہی تمرد ہے جس کے مٹانے میں اس نے کبھی رو و رعایت نہیں کی۔ مگر کب جبکہ ان کی سرکشی حد سے گذر گئی۔ کس وقت جبکہ ان شیطان کی رسی خوب دراز ہو گئی۔ بابل جو نمرود کی سرکشی کا گہوارہ تھا جو آزاد انسانوں کو غلامی کی کڑیوں سے جکڑ بند کرنے میں

ساری دنیا سے پیش پیش تھا۔ کون جانتا تھا۔ کہ ایک ایسا عظیم الشان شخص اپنے خمیر سے اٹھا کھڑا کریگا۔ جو دنیا میں بت پرستی کا قلع قمع کرکے اللہ کے پاک نام کو روشن کریگا۔ غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر انسان کو نعمت آزادی سے مالا مال کر دیگا۔

حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا زمانہ تو بعد میں آیا سب سے پہلے اللہ کے خلیل ہی نے حصول آزادی کی غرض سے اپنی ہستی کو قربان گاہ توحید کی بھینٹ چڑھا دینا چاہا تھا۔ اور جب خداوند قادر و توانا نے اس جان سپاری کے صلہ میں آپ کو آزادی بخش کر ارشاد فرمایا۔ انی جاعلک للناس اماما۔ تو اس پر مغرور نہیں ہو گئے۔ بلکہ خدا کے لئے دنیا کو آزاد کرانے کی غرض سے اپنی ضعیفی کی تمنا بڑھاپے کی آس آنکھوں کے نور کلیجہ کی ٹھنڈک کو قربان کر دینا چاہا۔ کس تمنا کو جس کی پیشانی سے دعائے خلیل ہویدا تھی۔ جس کے ماتھے پر نور محمدی چمک رہا تھا۔ خدا کو یہ ادا بھی کچھ ایسی بھائی۔ کہ اس نے اپنے خلیل کے جگر پارے کو یہ کہ کر اسی طرف واپس کر دیا۔

وَنادیتہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذالک نجزا المحسنین ان ھذا البلاد المبین۔

ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ یہ تمہارا امتحان تھا۔ جس نے کھوٹے کو کھرے سے الگ کر دیا۔ یہ تو تمہارا الفاظ ہے۔ اس پر کیا موقوف ہے۔ اس سے بڑھکر انعام باقی ہے۔ جو ہم قیامت تک نہیں دیتے رہیں گے۔ دیکھنا کہ نیکو کاروں کو ہم کس طرح انعام سے سرفراز کرتے ہیں۔

خلیل اللہ نے کعبہ کی بنیاد ڈالی اور اعلان کر دیا۔ کہ انسان جو صرف خدا کے آگے سر نیاز خم کرنے کو پیدا ہوا ہے۔ سوائے خانہ خدا کے کسی دوسرے کے آستانہ پر سر بسجود نہ ہو۔ یہی اصل آزادی تھی۔ دِل و دماغ کی جس کی بنیاد اللہ کے خلیل نے رکھی تھی۔ یہ خبر ساری دنیا میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ جوق جوق خانہ کعبہ کی زیارت کو آنے لگے۔ اور دنیا ایک دفعہ پھر اسی اسلام سے آشنا ہو گئی۔ جس سے ابتدائے آفرینش میں بہرہ ور تھی۔ صدیاں گزر گئیں۔ انسان جو بہت جلد خدا کی عنایتوں کو بھول جایا کرتا ہے ان نوازشوں کو بھی بسار بیٹھا۔ سرکشوں کا دور دورہ ہوا۔ اور تمرد کی حکومت قائم ہو گئی۔ فرعون کے زمانہ تمرد کے مظالم قصہ پارینہ ہو گئے۔ خداوند ذوالجلال کو جب اور وں کی سرکشی نہیں بھائی۔ تو اس میں کونسا لعل لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ کی مضبوط پکڑ میں یہ بھی آگیا۔ اور اس کا بیڑہ بھی دریائے نیل کے طوفان خیز تھپیڑے کی نذر کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کی قوم آزاد ہوئی۔ اور بنی اسرائیل دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ حکومت بھی دیکھی۔ تاج و تخت بھی مرحمت ہوا۔ اور خدا کی بندگی کے ساتھ ساتھ عیش و عشرت کی گھڑیاں بھی میسر آئیں۔ مگر انسان کے خمیر میں تو نافرمانی کا عنصر زیادہ ہے تھوڑے ہی دنوں میں یہ مہربانیاں زینت طاق نسیاں ہو گئیں۔ کائنات پر پھر وہی دور ابتلا چھا گیا۔ یہاں تک کہ ایک اور قربانی کی ضرورت پیش آئی۔ اور باغ اسلام کو پھر خون سے سینچنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ خدا کا کام کبھی رُکتا نہیں۔ اس کے برگزیدہ بندے اس کی راہ میں اپنا خون پانی کرنے کیلئے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اس قربانی کے لئے بھی ابن مریم مبعوث ہو چکے ہیں۔ خدا کا قانون اٹل ہے۔ جس طرح آبیاری کرنے سے درخت پھول پھل لاتے ہیں۔ اسی طرح شجر آزادی بھی خون کے سینچنے کے بعد خوب

پھلا پھولا اور اسے بھی کم وبیش ۶ صدیاں گذر گئیں۔ لیکن جس قربانی کا سلسلہ خلیل اور ذبیح سے شروع ہوا تھا۔ اس کی ہنوز ابتدا ہی تھی۔ اور ایک ایسی قربانی کی ضرورت تھی۔ جو دنیا کو آزاد کرانے والی ہو۔ اور جس کا سلسلہ لامتناہی کبھی ختم ہی نہ ہونے پائے۔ خانہ کعبہ میں کم وبیش تین تین سو بتوں کی پرستش ہوتی تھی عورتوں کی آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ دنیا میں غلامی کا چرچا زوروں پر تھا۔ غاصبوں نے زیردستوں کی زمینیں دبالی تھیں۔ جبر واستبداد شروع ہو چکا تھا۔ رسول خدا کون رسول خدا جن کے لئے خلیل نے دعا کی تھی۔ کون رسول خدا جن کے متعلق ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ اور جو انجیل مقدس میں فارقلیط یا احمدؐ کے نام سے موسوم تھے جب خانہ کعبہ میں ایک خدا کی پرستش کو جاتے ہیں۔ تو پُر نخوت گردنیں اکڑ جاتی ہیں۔ پرغرور تیور چڑھ جاتے ہیں۔ اور پیغمبر خدا کی آزادی یہ کہ کر پامال کی جاتی ہے کہ جو خانہ کعبہ لات ومنات کیلئے وقف ہو چکا ہے۔ اس میں خدائے واحد کی پرستش نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا خدائے نادیدہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تو آپ پر سختیاں کی جاتی ہیں۔ آپ توحید کی تبلیغ کرتے ہیں۔ تو سنگسار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپ پر پتھر برسائے جاتے ہیں۔ لیکن آپ اس پر بھی توحید ہی کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک سنسان مقام پر جہاں آپ تنہا کھڑے رہتے ہیں۔ دشمن برہنہ شمشیر لئے سامنے آکر کہتا ہے۔ "بتاؤ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائیگا۔ آپ یہ جانتے ہوئے کہ خدائے واحد کا نام لونگا۔ تو اس کی آتش غضب اور بھڑک اُٹھیگی۔ یہی جواب دیتے ہیں۔ کہ "خدا" جو ساری دنیا کی طرح تلوار پر بھی قادر ہے۔ دشمن کے ہاتھ میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے آرہتی ہے۔ اور آتش نمرود کی طرح یہ آگ بھی گلزار خلیل سے بدل جاتی ہے۔ کیا یہ قربانی نہیں کیا یہ خدا کی راہ میں اپنی جان فدا کر دینا نہیں۔ لیکن خدا کو تو اپنے خلیل کی طرح اپنے حبیب کی زندگی بھی منظور تھی۔ ابھی آپ کے دست مبارک سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔

غرور پرستوں کی طرح بُت پرستوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں اور ایرانیوں کی سرکش حکومتیں تہ وبالا ہو گئیں۔ غلامی اور استبداد کی جکڑ بندیاں توڑ ڈالی گئیں۔ آزادی کا زمانہ عود کر آیا۔ خدائے واحد کی پرستش شروع ہو گئی۔ اور تکوین عالم کا سبب ظاہر ہو گیا۔ لیکن ابھی ایک قربانی باقی تھی۔ جس باغ کو رسول خدا نے اپنی ان تھک کوششوں سے لگایا تھا۔ اُسے سینچنے کیلئے فخر کونین کے جگر پارے کا خون درکار تھا۔ جس گلشن کو فخر الانبیا نے اپنے دست مبارک سے سنوارا تھا۔ اسے بار ور ہونے کے لئے خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرہ کے لعل کا سر مطلوب تھا۔ اور جس گلزار کو پیغمبر امی دابی نے سجایا تھا۔ اُسے پھلنے پھولنے کیلئے شیر خدا کے دلبند کی قربانی ضروری تھی۔ اسلام کے اس باغ کی حفاظت کیلئے رسول خدا نے اپنا سجا سجایا باغ لٹا دیا۔ امت مرحومہ کی آزادی دل ودماغ کیلئے فخر خواتین نے اپنا بنا بنایا گھر اُجاڑ دیا۔ خدا کے اس پاک منصوبہ کی تکمیل کے لئے کہ اسلام آزاد رہے۔ مسلمان خدا کے سوا کسی اور کے آستانہ پر ماتھا نہ ٹیکے۔ حضرت علی نے اپنے جگر پیوند کو قربان کر دیا۔ اسلام جس استبداد کو مٹانے کیلئے دنیا میں آیا تھا۔ یزید اسی استبداد کو پھر برسر اقتدار کرنا چاہتا تھا۔ خدا نے جس غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے نمرود و فرعون جیسے سرکشوں کو خاک

میں ملا دیا تھا۔ یزید انہیں زنجیروں کو پھر اُمت مرحومہ کے پیروں میں ڈالنا چاہتا تھا۔ بڑے بڑے صائب الرائے جنہوں نے نبوت وخلافت کا زمانہ دیکھا۔ موجود تھے۔ مگر یہ گتھی کسی کے سلجھائے سلجھتی نظر نہیں آتی تھی۔ مسلمانوں کے خون میں اب وہ اگلی سی روانی نہیں رہی تھی۔ امت مرحومہ کی رگوں کا پرجوش خون سرد پڑ چکا تھا۔ سیدنا امام حسینؓ کو اس کا احساس تھا۔ کہ جب تک حضور انور کے نواسے کا خون بیدریغ بہایا نہ جائیگا۔ مسلمانوں کے خون میں روانی نہ آئیگی جب تک خاندان نبوت کا بچہ بچہ خاک و خون میں لوٹ نہ لے گا۔ ان کے جمود میں فرق نہ آئے گا۔ سیدنا حسینؓ کے کانوں میں اپنے جد امجد کی یہ صدا اب تک گونج رہی تھی۔ کہ:۔ یابنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔ اور ذبیح اللہ کا یہ جواب بھی آپ کی سامعہ نوازی کر رہا تھا۔ کہ:۔

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اپنی امت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ آپنے بھی بے ساختہ یہ کہہ کر کہ:۔

ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت۔ میری نماز اور میرے تعبد کے تحفے اور میری زندگی اور میری موت سب اس اللہ کے لئے ہے۔ جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ حکم کیا ہے۔ یہی کہ اسلام کی گھری ہوئی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لئے امت مرحومہ نے بھٹکتے ہوئے جہاز کو کنارے لگانے کیلئے دین متین کے پت جھڑ درختوں

کو بار آور ہونے کے لئے اپنے معصوم جگر پاروں کا خون بہا کر اپنا خون بہاؤ اور دنیا میں اس قسم کی مثال قائم کردو۔ کہ اسلام کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے قربانی کے سوا اور کوئی صورت سود مند نہیں ہو سکتی۔ قول کو قرار تھا۔ عزم کو استواری تھی۔ صرف سوچ ہی نہیں زبان سے کہہ کر ہی نہیں رہ گئے۔ بلکہ دنیا کو دکھا دیا۔ کہ پیغمبر زادے جو دل میں ٹھان لیتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ خدا کے دلارے اپنے ارادے کو پورا کر دکھاتے ہیں۔ اپنے مٹھی بھر خاندان کو لے کر قربان گاہ روانہ ہو گئے۔ اپنے جگر پیوندوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے تلوار تیر کھا کھا کر گرتے تڑپتے اور دم توڑتے دیکھا۔ ایک دن کے بیاہے نئے نویلے دلبند کو جس کی تمناؤں کا جام اس کے لبوں سے لگا کر ہٹا لیا گیا تھا۔ تیر کھا کر جام شہادت نوش کرتے ملاحظہ فرمایا۔ ننھی سی جان کو مارے پیاس کے جس کی زبان منہ کے باہر ہو گئی تھی۔ تیر کھا کر داعی اجل کو لبیک کہتے سنا۔ اور ایک ایک کر کے تمام اعزاء کے تڑپنے اور موت سے ہم آغوش ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر ایک خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر و شکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے بھی زیر لب یہی کہتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا کہ:۔

محمد سلیمان واصف

تذکرہ برادری

قارئین کرام کی توجہ خاص کے قابل

فروری کا القریش ان تشویش انگیز حالات کی نذر ہوگیا۔ جن کا ذکر اشارتاً وکنائیۃً جنوری کے افتتاحیہ میں کرتے ہوئے قارئین کرام سے توسیع اشاعت کے لئے دردمندانہ اپیل کی گئی تھی۔

اس سلسلہ میں اکثر حساس حضرات کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں بعض بہی خواہان قوم نے توسیع اشاعت کے لئے امکانی مساعی عمل میں لانے کے حتمی وعدے کئے ہیں اور بعض نے مالی امداد کے اقرار سے حوصلہ افزائی کی ہے۔ جس کے لئے ہم ان حضرات کے بدل مشکور ہیں۔

بعض حضرات نے "القریش" کے مالی مفاد کے پیش نظر حسب ذیل تجاویز پر عمل کا مشورہ دیا ہے۔

۱۔ القریش کو قیمت میں ایک روپیہ اضافہ کرکے اسے ہفتہ وار اخبار بنانے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ چونکہ اقتصادی بدحالی نے عوام کو پریشان کر رکھا ہے۔ اور معاشری حالت بالعموم پست ہوچکی ہے۔ لہذا القریش کی قیمت میں ایک روپیہ سالانہ کی تخفیف کی جائے تاکہ ہر شخص بآسانی ادا کرسکے۔

۳۔ عام رسائل وجرائد کی طرح "القریش" میں اشتہارات کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ کتب خانہ بھی ہو۔ تاکہ اشتہارات کی اجرت اور کتب کی فروخت پر منافع سے مالی حالت تسلی بخش ہوسکے۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ لیکن مندرجہ تین ہیں۔ جو زیادہ معقولیت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

اب دردمندان قوم و بہی خواہان "القریش" سے مخلصانہ درخواست ہے۔ کہ وہ اپنے قومی جریدہ کے بقاء واحیاء کے لئے تدبر وتفکر کے ساتھ ان تجاویز پر غور کرکے مشورہ دیں۔ تاکہ صحیح نتیجہ اخذ ہونے کے بعد عملی اقدام کیا جاسکے۔

احباب کرام کو اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اس بات کا لحاظ کرلینا ضروری ہے۔ کہ "القریش" ایک قومی آواز ہے۔ اس کے جاری رہنے سے ہی قوم کا نام زندہ رہ سکتا ہے اور اسی صورت میں قومی مفاد کی صورت ہوسکتی ہے۔ کہ اسکا ترجمان موجود ہو۔

قوم قریش کا یہ واحد آرگن اچانک حیات وممات کے جاں گسل نزغہ میں مبتلا ہوگیا ہے۔ لہذا اس کے قائم رکھنے کی یہی ایک تدبیر ہوسکتی ہے۔ کہ بہی خواہان قوم کی تعداد واشاعت بڑھانے کیلئے اسقدر سعی وکوشش سے کام لیں۔ کہ اس کی مالی کمزوری کا سدِ باب ہوجائے۔

جن احباب نے قیمت میں ایک روپیہ کے اضافہ

سے اسے ہفتہ وار کرنے کا مخلصانہ مشورہ دیا ہے۔ انہیں اس بات کا خیال کرلینا چاہیئے۔ کہ اس صورت میں کم ازکم پانسد نئے معاونین کی ضرورت کی لاحق ہو گی۔ اور قوم کا علمی مذاق اسقدر پست ہے۔ کہ اتنی مقدار کا بلا تکلف مہیا ہو جانا کوئی آسان بات نہیں۔ امیر اور فارغ البال طبقہ تو قوم اور قومی ضروریات سے بے پرواہ ہے۔ اور وہ ایک اصلاحی آرگن کا چندہ جذیہ کے مترادف خیال کرتا ہے اگر یہ کیفیت نہ ہوتی تو "القریش" کی مالی کمزوری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اور آج سے بہت عرصہ قبل سے القریش ہفتہ وار ہو گیا ہوتا۔ بہرکیف ہم مشورہ پر عمل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ قارئین کرام بالاتفاق چار چار روپے سالانہ کے مستقل پانچسو معاونین پیدا کرنے کا تہیہ کرلیں۔ اور عملی اعتبار سے ہمیں اس کا یقین ہوجائے۔

دوسری صورت جو پیش کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقتصادی بدحالی کے پیش نظر قیمت میں ایک روپیہ سالانہ کی تخفیف کردی جائے۔ بجائے خود یہ مشورہ بھی نیک ہے لیکن معاونین کی ہمدردانہ توجہ اور سعی و کوشش اس صورت میں بھی لازمی ولابدی ہے یعنے قیمت میں تخفیف کی وجہ سے جو کمی واقع ہو گی اسے پورا کرنے کے علاوہ پیش آمدہ پریشانی و تشویش کا مقابلہ کرنے کیلئے مزید جد وجہد پھر ضروری ہو گی۔ ہاں یہ ہے۔ کہ اس صورت میں صرف تین سو نئے معاونین کی بہمرسانی کے لئے کوشش بکار ہوگی۔ اگر احباب پوری توجہ کے ساتھ سعی فرمائیں۔ تو دو روپے سالانہ کے تین سو معاونین بہم پہنچالینا کچھ دشوار نہیں۔ اگر اقوام عالم کی سعی و جہد پر ایک غائر نگاہ ڈالی جائے تو پھر اپنے حالات کا بھی جائزہ لیا جائے۔ تو حالات کا شدید ترین اقتضاء یہ ہوگا۔ کہ القریش کو زندہ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش سے احتراز نہ کیا جائے۔ ہمیں اپنے حساس معاونین کرام سے توقع ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر سے دو دو خریدار پیدا کرنے کی سعی کرکے اپنے ایک اہم قومی فرض سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کریں گے۔ وباللہ التوفیق!

تیسری صورت یعنے کتب خانہ، اور اشتہارات کا سلسلہ، بے شک یہ مفید اور نفع بخش صورت ہے لیکن یہ موجودہ تشویش و پریشانی کا فوری اور صحیح علاج نہیں اور یہ اسی حالت میں سودمند ہو سکتا ہے۔ جبکہ تعداد اشاعت کافی ہو، لہذا ہر حال میں ضرورت یہ ہے۔ کہ قومی وقار قائم رکھنے، قوم کو عروج و ارتقا کی بلندیوں پر جلوہ گر کرنے کے لئے قومی آواز کو بلند و بالا کیا جائے۔ اور اس کا واحد ذریعہ یہ ہے۔ کہ القریش کے جاری رکھنے کے لئے انتہائی مساعی سے کام لیا جائے۔

جن بہی خواہان قوم نے متذکرہ قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی بصد شکریہ درج ذیل ہیں۔ باقی احباب توجہ معطوف فرماکر عند القوم مشکور وعند اللہ ماجور ہوں۔

۱۔ پیر غلام رسول صاحب عباسی، زمیندار گوڑگاؤں
۲۔ پیر نعمت علی شاہ صاحب قادری جنرل مرچنٹ بریلی
۳۔ مولانا اشفاق حسین صاحب ہاشمی پنشنر ریلوے اٹری۔
۴۔ مخدوم خلیل الرحمن صاحب ہاشمی زمیندار ضلع ملتان
۵۔ مولانا پیر اقبال حسین صاحب صدیقی بی۔ اے ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
۶۔ پیر اکبر علی شاہ صاحب کلرک امراوتی۔

٧- مولوی غلام محمد صاحب صدیقی امرتسری
٨- مولوی پیر احمد شاہ صاحب مولوی فاضل سیالکوٹی
٩- ڈاکٹر پیر سید حسین صاحب مہارنپور
١٠- حکیم شیخ احمد حسین صاحب صدیقی مہتمم شفاخانہ حسینی
١١- مولانا نجیب اللہ صاحب مولوی فاضل منشی فاضل اور نیٹل ٹیچر
١٢- پیر صدرالدین صاحب صدیقی گورنمنٹ پنشنر احمد آباد
١٣- مولانا قاضی نجم الدین صاحب فاروقی خطیب
١٤- شیخ اکرام الدین صاحب ریلوے سٹیشن لالہ موسیٰ
١٥- بابو فضل الٰہی صاحب علوی، پنجابی از کلکتہ
١٦- پیر حامد علی صاحب صدیقی بی۔ اے ایل ایل بی
١٧- پیرزادہ ناصر الدین صاحب ناصر از دہلی
١٨- پیر امام الدین صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ بلوچستان
١٩- حاذق الحکماء حکیم خورشید عالم صاحب فاروقی، سیمین

معاونین القریش میں بفضل خدا اور بھی بہت سے حساس بزرگ موجود ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ وہ ہماری اس اپیل پر اس وقت تک خاموش ہیں۔ ہماری توقع یہ ہے۔ کہ قدردانان القریش میں سے کوئی ایک بھی اس موقعہ پر خاموش نہیں رہے گا۔ وہ دو خریداران کا مطالبہ کوئی ایسا مطالبہ نہیں۔ جس کے پورا کرنے میں کسی دقت کا سامنا ہو۔ معمولی سی توجہ سے قومی جریدہ بیش از پیش قومی خدمات انجام دینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ ہم منتظر ہیں۔ کہ ہمارے کرمفرما اس پر کیا توجہ دیتے ہیں۔

مکرمی پیر شیر محمد صاحب شوکت صدیقی، رئیس گھانگ کے ایک گرامی نامہ سے یہ خبر بیحد قلق و اضطراب سے معلوم ہوئی۔ کہ پیر رحمت علی صاحب صدیقی رئیس سراواں کسی شقی القلب، نابکار کے ہاتھوں قتل ہوگئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سراواں کا بودلہ قریشی خاندان ایک ممتاز اور صاحب ثروت خاندان ہے۔ وہ بہت وسیع رقبہ زمین کے مالک ہونے کے علاوہ سرکاری لحاظ سے بھی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں پیر رحمت علی صاحب مرحوم نہایت شریف الطبع انسان تھے۔ ہمیں ان کی اس ناگہانی اور قلق انگیز موت پر دلی صدمہ ہوا ہے۔ دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر آپ کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر عظیم عطا کرے۔ امید ہے۔ کہ ضلع فیروزپور کے حکام اس اندوہناک واقعہ کی تحقیقات پوری سرگرمی کے ساتھ کرکے ناہنجار قاتل کو کیفر دار تک پہونچانے کی کوشش کریں گے۔

مکرمی پیر شیر محمد صاحب شوکت موصوف اسی گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اگر یہ سانحہ ہوشربا وقوع پذیر نہ ہوتا۔ تو فاضلکا کا قومی اجلاس آئندہ اپریل میں منعقد ہونا ممکن تھا۔ چونکہ خاندان سراپا ماتم بنا ہوا ہے۔ اور بچہ بچہ درد و کرب میں مبتلا ہے۔ اس لئے افسوس ہے۔ کہ انعقاد اجلاس کا مسئلہ پھر معرض تعویق میں پڑگیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کی جائے گی۔ کہ وسط جون میں پیر گورایہ رحمہ کے عرس مبارک کی تقریب پر اسلامیہ سکول

فاضلکا کے احاطہ میں انعقاد اجلاس کی کوشش کی جائیگی۔ اس قومی فریضہ کی انجام دہی کے لئے پسیر محمد سرور صاحب بودلہ قریشی رئیس اعظم بہک اور حاجی فتح محمد صاحب رئیس جنڈ والہ بمے شاہ کی امداد و اعانت بکار ہوگی۔ اول الذکر پیر صاحب چیف کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور قومی امور میں کافی سے زیادہ حصہ لینا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور ثانی الذکر بزرگ بھی اصلاحی امور میں دلچسپی لیناعین انسانی فرض سمجھتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ انہیں اس قومی خدمت کی انجام دہی میں کوئی احتراز نہ ہوگا۔

بعض احباب وقتاً فوقتاً یہ امر دریافت کرتے رہتے ہیں۔ کہ جب صدیقی، عباسی، فاروقی، عثمانی، قریش کی شاخیں ہیں۔ تو انتقال تصدیق کنندہ افسران تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس سوال کا جواب فرداً فرداً کسی طرح اور کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت اس مسئلہ پر بارہا روشنی ڈالی گئی۔ اور مؤرخانہ حیثیت سے بتلایا جاچکا ہے کہ ہر صدیقی و ہر فاروقی وغیرہم قریشی ہیں۔ اگر احباب ان مضامین پر توجہ نہ دیں۔ اور واقفیت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تو اس میں کوئی کیا کرے۔

القریش کی کسی گذشتہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ جو حضرات کاغذات مال میں صدیقی، فاروقی، عثمانی، عباسی وغیرہ درج ہیں۔ اور قریشی کا لفظ نہ ہونے کی وجہ سے تصدیق انتقالات میں کسی تکلیف کا سامنا ہو۔ وہ ہمیں مطلع کریں۔ اور ہمارے سوالات کا جواب دیں۔ تاکہ ان کی رہنمائی کی جائے۔ اور ان کے افسران کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن کسی ایک نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر آپ کی لاپرواہی کی یہ حالت ہے۔ تو فرمایئے ہم کیا کرسکتے ہیں۔ فتح آباد ضلع حصار سے مکرمی صیاد علی صاحب کا حال ہی میں ایک خط موصول ہوا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ کاغذات مال میں میری قوم صدیقی درج ہے۔ مگر محکمہ مال کے افسران اس کو قریش کی شاخ خیال نہیں کرتے۔ دراصل صدیقی قریشی ہوتے ہیں۔ براہ مہربانی مجھکو تحریر فرمائیں۔ کہ مجھکو کیا کرنا چاہیئے"

اگر آپ نے القریش میں ہمارے اعلان کو ملاحظہ کیا ہوتا اور اس کے مطابق ہمیں مواد بہم پہنچا دیتے۔ تو ہم صحیح نتیجہ پر پہنچ کر تسلی بخش جواب کے قابل ہوجاتے مگر اس صورت میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دیا جا سکتا ہمیں معلوم نہیں کہ مال کے کس قسم کے کاغذات میں آپ صدیقی درج ہیں۔ آپ کو اپنی مملوکہ اراضی کی جمعبندی کی ایک نقل ہمیں بھجوادینی چاہیئے تھی۔ اور ساتھ ہی مفصل کوائف بھی تحریر کردینے چاہئیں تھے۔ جن احباب کو ایسی تکالیف درپیش ہیں۔ وہ ہمیں مفصل حالات سے اطلاع دیں۔ تاکہ ہم تمام پہلوؤں پر غور کرکے صحیح رائے دے سکیں۔

مکرمی رفیق حسن صاحب بی۔ اے نے اپنے وعدہ تذکرہ برادری مطبوعہ القریش ماہ جنوری کے مطابق گذشتہ دنوں دس خریداروں کی قیمت بصیغہ منی آرڈر ارسال کردی تھی خدا انہیں جزائے خیر دے۔ آپ کی اس رقم میں ہم دو روپے سالانہ کے حساب سے ان برادران قریش کے نام القریش

ایک سال کیلئے جاری کریں۔ جو قوم کی اصلاحی امور سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ اور توسیع اشاعت کے لئے اپنے حلقہ اثر میں ساعی رہنے کا وعدہ کریں۔ القریش کی موجودہ سالانہ قیمت تین روپے مقرر ہے۔ جو صاحب اس رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ وہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء تک ڈیڑھ روپے کا منی آرڈر ارسال کر کے سال بھر کیلئے اپنا قومی آرگن جاری کرا سکتے ہیں۔

جن حضرات کا سال خریداری گزشتہ اشاعت یا اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک اپنا اپنا زرچندہ ارسال کر کے مشکور کریں۔ اور جن احباب کے نام وی پی آرہے ہیں۔ وہ وصول کر کے عنداللقوم مشکور ہوں۔

القریش کو اس وقت مالی امداد کی شدید ضرورت ہے۔ لہذا ترسیل زر بدل میں تساہل قومی نقصان کے مترادف ہوگا۔

جن حضرات نے توسیع اشاعت میں حصہ لیا۔ اور متعدد قریشی حضرات کی فہرستیں ارسال فرمائی ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی شکریہ کے ساتھ آئندہ تذکرہ برادری کے تحت شائع کئے جائیں گے۔

بعض بہی خواہان قوم "القریش" کی ترتیب و تنظیم میں نمایاں تغیر و تبدل کا مشورہ دیتے ہیں بعض تجاویز معقول بھی ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت سے ہم کچھ عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر احباب نے ذرا توجہ فرمائی۔ اور حسب خواہش وسعت اشاعت کیلئے کچھ ہمت کی۔ تو القریش کی صوری و معنوی حیثیت میں نمایاں تبدیلی ہو جائے گی۔ اور القریش میں معاونین کرام کے ذاتی حالات دنو ٹو شائع کرنے کا خاص اہتمام کیا جائیگا۔ مختلف قریشی خاندانوں کے نسب نامے اور تاریخی حالات کی اشاعت کا بھی التزام ہوگا۔ جن حضرات نے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا ہے۔ ہم ان کی توجہ فرمائی کے بدل مشکور ہیں۔

"ندوۃ القریش" کا اجلاس خاص انشاءاللہ تعالےٰ چند اہم اور ضروری امور پر غور کرنے کے لئے ایسٹر کی تعطیلات میں منعقد ہوگا۔ جن احباب کو محکمہ مال خصوصاً انتقالات کے متعلق کوئی مسئلہ درپیش ہو وہ چیف سیکرٹری ندوۃ القریش کے نام تفصیلی حالات بواپسی ڈاک ارسال کر دیں۔

اگر آپ

اپنے قومی حالات سے واقف رہنا چاہتے ہیں۔ اور القریش کا زرچندہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ تو کچاس تعلیم یافتہ ملازم و تاجر قریشی حضرات کے نام و مفصل پتے ارسال کر کے ۶ ماہ کیلئے القریش مفت اپنے نام جاری کرا لیجئے۔ سو حضرات کی فہرست دینے والے کے نام ایک سال جاری کرا سکتے ہیں۔ منیجر القریش

ہندوستان کی سیاسی فضا

ہندوستان کی سیاسی فضا چنیں و چناں کے گنبد میں گھوم کر عجیب دلچسپیاں اور دل فریبیاں پیدا کر رہی ہے۔ ہندو سیاست اپنے مفاد کے لئے اور مسلم سیاست اپنے مفاد کیلئے نئے نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے۔ مہا سبھائی جماعت کانگریس کی حمائت میں ملکی آزادی کا راز مضمر پاتی ہے۔ اور مسلمانوں کو اس میں مدغم ہونے کی تبلیغ کر رہی ہے۔ بعض سرکردہ مسلمانوں کو مختلف سنہری و روپہلی مصلحتوں سے خریدا جانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور مسلم رہنما اسے ملی مفاد کے سرتاسر خلاف خیال کرتے ہوئے عامتہ المسلمین کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے ساعی ہیں۔ اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی ایک مسلمہ عالم دین ہونے کے باوصف تاویلات سے کام لینے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ دنوں آپ نے کانگرسی جلسہ میں قومیت متحدہ کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اس زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اور کانگریس بھی یہی چاہتی ہے۔ کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ قائم ہو۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ کانگرس کا ساتھ دیں۔ اور اپنے کو ہندی قومیت کا جزو خیال کریں"۔

حضرت علامہ اقبال کو ایک عالم دین کی اس قسم کی تصریحات پر تعجب ہوا۔ جو تعلیم اسلام کے منافی ہیں اور آپ نے

زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

کہکر مولانا حسین احمد کو ان کی غلطی پر مطلع کیا۔ مگر مولانا نے اپنی غلطی پر متوجہ ہونے کی بجائے علامہ اقبال سے اور ان تمام لوگوں سے الجھنے کو تیار ہو گئے۔ جن کے نزدیک ان کے نظریہ صحت محل نظر تھی۔ مولانا نے حضرت علامہ کو شریعت اسلامیہ سے ناواقف بتلاتے ہوئے کئی قسم کی توجیہات و تصریحات سے کام لیا۔ بس علامہ سر اقبال موصوف نے ایک عالمانہ بیان شائع فرما کر اس امر کی بالصراحت توضیح کر دی ہے۔ کہ قرآن کریم میں ملت اور قوم کے الفاظ کن معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے بیان میں نہائت جامعیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتایا ہے۔ کہ اسلام کا مقصود اخوت اسلامی کی ترویج ہے۔ نہ قومیت وطنیہ کے تصور کی اشاعت، اس ضمن میں آپنے ایک لطیف نکتہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر حضور سرور کونین کے نزدیک ایک مسلمان کے لئے مسلمان رہتے ہوئے سیاسی معاملات میں اپنے کو قومیت وطنیہ کا فرد سمجھکر اسی قومیت کے دوسرے افراد کے ساتھ ہمرنگی و یک جہتی اختیار کرنا جائز ہوتا۔ تو حضور خواجہ کونین ابوجہل اور ابولہب ایسے کفار سے (معاذ اللہ) فرما سکتے تھے کہ عرب کی قومیت وطنیہ کے افراد ہونے کے لحاظ سے ہم اور آپ برابر ہیں۔ اور قومی و وطنی امور میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کرنا چاہیئے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اٹھانے کے باوجود اس قسم کے اشتراک عمل پر آمادہ نہ ہونا صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اسلام کے نزدیک اساس ملت وطنیت پر نہیں بلکہ اخوت دینی پر ہے۔ اگر وطنیت کو اساس ملت قرار دیا جائے۔ تو دین میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہوں گے۔ جس کا نتیجہ گمراہی، بے دینی اور لامرکزیت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ آپ کا خیال ہے۔ کہ قادیانیوں کے عقیدہ خاتمیت اور موجودہ زمانہ کے نظریہ وطنیت میں قریب کا تعلق ہے۔ اور جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ کے کامل و اکمل ہونے سے انکار ہے۔ اسی طرح وطنیت کا نظریہ بھی امت مسلمہ بنیادی سیاست کے کامل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے۔ علامہ موصوف کا مضمون مسلمانوں کیلئے چراغ راہ کا کام دیتا ہے۔ اور کانگرسی مسلمانوں کو صراط مستقیم کی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ دیکھیں اب مولانا حسین احمد صاحب اس پر کیا دلیل پیش کرتے ہیں۔

مسجد شہید گنج کا معاملہ ایک ایسی شکل اختیار کر چکا ہے۔ کہ اس وقت ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ہر جگہ کسی نہ کسی صورت میں اس کا ذکر آ جاتا ہے۔ لیکن پنجاب میں تو خصوصیت کے ساتھ اس کا چرچا ہے۔ نہ صرف چرچا بلکہ کئی قسم کی تحریکات اس سلسلہ میں جاری ہیں۔ اتحاد ملت اور جماعت احرار کی سول نافرمانی ملک برکت علی اور مسٹر خالد لطیف گابا کا مسودہ قانون آنریبل سر سکندر حیات خاں کی اپیل کانگرس کے نام۔ سکھ ارکان اسمبلی کا گاندھی جی کو دعوت نامہ۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے خاص اجلاس کی تیاریاں وغیرہ وغیرہ مختلف تحریکات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مسجد شہید گنج کا تصفیہ کوئی معمولی کام نہیں۔ بلکہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے روزانہ جلسے بھی یہ پتہ دیتے ہیں کہ مسجد شہید گنج کو حاصل کئے بغیر مسلمان نہ تو خود چین سے بیٹھیں گے نہ حکومت کو چین سے بیٹھنے دیں گے۔

کم و بیش آٹھ ساڑھے آٹھ سو رضا کار اس وقت تک گرفتار ہو چکے ہیں۔ اور ہنوز سلسلہ جاری ہے۔

مسجد شہید کا تصفیہ کسی پہلو ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی طرف سے پریوی کونسل میں مرافعہ کی مزید کوششیں ہو رہی ہیں۔ بعض لوگ باہمی مصالحت کی صورتیں پیدا کرنے پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ مصالحت نہائت نیک چیز ہے۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریقین بضد نہ ہوں۔ اور زور آزمائی پر تلے ہوئے ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیں۔ مصالحت کی کوئی تجویز کامیاب ہونی ناممکنات سے ہے۔ اس فرقہ وارانہ کشیدگی نے ملک کی فضا نہائت خراب اور مسموم کر رکھی ہے۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ ملکی مفاد تمام و کمال ان باتوں کی نذر ہو رہا ہے۔

کانگرسی وزارتیں مسلمانوں کو مختلف مصائب میں مبتلا کر کے نام کرنا چاہتی ہیں۔ مہاسبھائی جماعتیں اپنے پورے زور کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اور حالات دن بدن نازک ترین شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔

سی پی کے وزیراعظم مسٹر آر۔ ایس شکلا نے ایک نئی تعلیمی سکیم بنائی ہے۔ جس کی رو سے سکولوں کو "ودیا مندر" کہا جائیگا۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا۔ لیکن شنوائی نہ ہوئی آخر انہیں ایک زبردست مظاہرہ کرنا پڑا۔ جس سے مظاہرین کے ایک وفد کو اسمبلی ہال کے اندر وزیراعظم اور وزیر تعلیم سے روبرو اپنی شکایات بیان کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ارکان وفد نے مطالبہ کیا۔ کہ اردو مدارس کو "ودیا مندر" کے نام سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ اور مسلمان وزیر مسٹر ایم۔ وائی شریف کو جسے مسلمانوں کا اعتماد حاصل نہیں اور جو مسلمانوں کا نمائندہ نہیں مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اور اس سے کہا جائے۔ کہ وہ کانگرس کے ٹکٹ پر دوبارہ منتخب ہو۔

وزیراعظم ڈاکٹر کھارے نے وعدہ تو کر لیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کریں گے۔ لیکن غور کے قابل یہ بات ہے۔ کہ کانگرسی وزراء مسلمانوں کو تنگ کرنے کیلئے کیسی کیسی عجیب باتیں پیدا کرتے ہیں۔ بندے ماترم کا ترانہ۔ ہندی کی ترویج۔ غیر معتمد مسلم وزراء کا تقرر "ودیا مندر" کا شاخسانہ یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ جو مسلمانوں کے جکڑنے کے لئے تیار کیا جارہا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ ان باتوں سے کانگرسی وزراء کی مسلم آزار ذہنیت پھوٹ پھوٹ کر آشکارا ہو رہی ہے۔

ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ ۱۱ مارچ کو لاہور میں مجلس اتحاد ملت کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ابو سعید انور، امین الدین صحرائی، احمد یار ازہر، پروفیسر ملک عنایت اللہ اور دیگر حضرات کی تقریروں کے بعد قرار پایا۔ کہ ہم ابھی تک نام و نمود کی قید میں مبتلا ہیں۔ اور متاع اسلام غیر مسلموں کے ہاتھوں تباہ ہو رہا ہے۔ لہذا احرار اور اتحاد ملت کا کیمپ ایک جگہ کر دیا جائے۔ جھنڈا ایک ہو۔ جس کے دو رنگ ہوں۔ کیمپ کا نام اسلام کیمپ رکھا جائے۔ اور حزب اسلام کا نعرہ لگایا جائے۔ منتشر و پراگندہ قوتوں کو مجتمع کرنے کا یہ بہترین طریق ہے۔ بشرطیکہ مسلمان عملاً اس پر پابندی کر سکیں۔ خدا انہیں توفیق دے۔ اس اقدام پر ہم انہیں قابل مبارکباد سمجھتے ہیں۔

ملک برکت علی صاحب ایم۔ اے۔ ایم ایل۔ اے تحفظ مساجد و معابد کا ایک مسودہ قانون پنجاب اسمبلی میں پیش کر کے منظور کرانا چاہتے ہیں۔ رائے عامہ اس مسودہ کے حق میں ہے۔ مگر اسمبلی کئی مسلم ممبران موئد نہیں۔ اس وجہ سے مسٹر گابا اور میر مقبول محمود اور دیگر ممبران کو ان کے ووٹر مجبور کر رہے ہیں۔ کہ یا مسودہ پر دستخط کرو۔ ورنہ مستعفی ہو جاؤ۔

غرض سیاسی دنیا عجب کشمکش میں مبتلا ہے جس سے خصوصی و عمومی امن اور قومی و ملکی مفاد خطرہ میں ہے۔

شذرات

۲۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو پنجاب یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ میں گریجوایٹس کو تقسیم اسناد کے موقعہ پر آنریبل سر سکندر حیات خاں صاحب وزیر اعظم حکومت پنجاب نے ایک نہائت عالمانہ اور فاضلانہ تقریر میں صاف الفاظ میں موجودہ طرز تعلیم کو ملک کے نوجوانوں کے لیے غیر مفید ثابت کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اس سے ہر سال تعلیم یافتہ بیکاروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پر ملک غلام محی الدین صاحب ریٹائرڈ چیف کلرک تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اس تقریر دلپذیر کو ۲۳ر فروری ۳۸ء تک پورے ساٹھ دن اور ایک ہزار چار سو چھیالیس گھنٹے گذر چکے ہیں۔ اس عظیم الشان اسمبلی کے پونے دو سو ممبروں میں سے ایک نے بھی تبدیلی طریقہ تعلیم کا کوئی نقشہ پیش کیا ہو۔ اگر آنریبل وزیر صاحب چند تعلیم یافتہ بزرگوں چند پروفیسروں وائس چانسلر آف دی یونیورسٹی کی ایک کمیٹی قائم کرتے۔ تو صرف ایک ہی ہفتہ کے اندر اندر تبدیلی طریقہ تعلیم کا نقشہ تیار ہو جاتا۔ اور گزٹ کے ذریعہ اعلان کر دیا جاتا۔ کہ یکم اپریل سے طریق تعلیم اس طرح تبدیل کر دیا جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

ملک صاحب نے حکومت کو طریق تعلیم کی تبدیلی پر فوری توجہ دینے کا مشورہ دیتے ہوئے مشورہ دیا ہے۔ کہ پہلے چھ سال کا کورس ایسا ہو۔ جس میں طلباء کو معمولی لکھنا پڑھنا آجائے۔ اور آگے پانچ سالوں میں کچھ صنعت و حرفت، جس میں ہر قسم کے کپڑے کی صنعت۔ جرابیں بنانا لکڑی کا کام، ہر قسم کا فرنیچر تیار کرنا۔ معماری کی شاخ میں نقشہ نویسی اور اسٹیمیٹ وغیرہ کے بعد مکانات تیار کرنا۔ جس میں ہر قسم کے مصالوں کی ساخت کا علم ہو۔ اس سے آگے پانچ سال کا کورس اعلیٰ علوم کی تعلیم جس میں سائنس کی تعلیم بھی شامل ہو۔

سائنس کی ڈگری صرف ان طلبا کو دی جائے، جو اپنے دماغ سے نئی ایجادات کر سکیں۔ ان کی دماغ سوزی سے جو ایجادات ہوں۔ اس کے عوض گورنمنٹ ان کو معقول رقم دیکر ایجادات سے فائدہ اٹھائے۔ لوہے اور لکڑی کی تمام ضروریات جو گورنمنٹ خریدے۔ وہ تمام کی تمام ملک کے کاریگروں کے ہاتھوں کی تیار کردہ ہوں وغیرہ

ملک صاحب کا مشورہ نہائت معقول اور کار آمد ہے حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ سب سے پہلی فرصت میں طرز تعلیم کی تبدیلی کی جانب متوجہ ہو۔ تاکہ ملک کی اقتصادی زبوں حالی کا کما حقہ سدباب ہو سکے۔

ضلع شیخوپورہ کی ایک مسلمان عورت نے اپنے خاوند کی سختیوں سے تنگ آکر عدالت میں بدیں مطلب درخواست دی۔ کہ وہ کئی سال سے مذہب اسلام کی صداقت سے منکر ہے۔ خدا و رسول اور قرآن شریف پر اس کا اعتقاد نہیں رہا۔ لہٰذا اسے خاوند سے نجات دلائی جاسکے۔

عدالت نے ضروری کارروائی کے بعد اس کی درخواست منظور کر لی۔ اور فسخ نکاح کا حکم صادر کر دیا۔ عورت کے خاوند نے عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف سشن جج کے سامنے مرافعہ کیا۔ سشن جج نے حالات مقدمہ پر غور کرنے کے بعد انگریزی قانون کی بے بصری سے قطع نظر کر کے فیصلہ کن طریق یہ اختیار کیا۔ کہ سؤر کا گوشت منگا کر عورت کو کہا۔ کہ اگر تم واقعی اسلام سے منکر ہو چکی ہو تو اس لقمۂ تر سے اپنے معدہ کی تواضع کرو۔ عورت یہ منظر دیکھ کر کانپ گئی۔ اور گوشت استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ سشن جج نے اسی پر فیصلہ دے دیا۔ کہ عورت نے محض فسخ نکاح کیلئے ارتداد کا ڈھونگ رچایا ہے۔ اور اپیل منظور کر لیا۔

اس فیصلہ کے خلاف عورت نے لاہور ہائیکورٹ میں اپیل کی جہاں سے یہ فیصلہ ہوا۔ کہ مذہب اسلام سے انکار کی بنا پر عورت دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی۔ سشن جج کو کوئی حق نہیں۔ کہ وہ دوسرے طریقوں سے اس کے عقیدے کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ لہذا نکاح فسخ ہو گیا

اس قسم کے بیسیوں واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جہاں میاں بیوی میں ناراضی ہوئی۔ یا میاں بیوی کے والدین میں کسی بات پر ناچاکی ہوئی فوراً ارتداد کی آڑ لیکر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر ایک دوسرے سے جدا ہونے کی صورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ اس فیصلہ سے ایسے لوگوں کے لئے یہ راستہ اور صاف ہو گیا۔ لہذا اس قسم کے واقعات پہلے سے اور زیادہ ہوا کریں گے۔

عدالت عالیہ پنجاب کا استدلال یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان عورت باقاعدہ طور پر یہ اعلان کر دے۔ کہ وہ اسلام سے منحرف ہو چکی ہے۔ یا ہو گیا ہے۔ تو اس کے معنی ارتداد کے ہیں۔ اور ارتداد سے اسلامی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

انسان کا عقیدہ ایسی شئے نہیں۔ جسے دیکھا یا چھوڑا جا سکے۔ عقیدہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ انسان چند ارکان مذہب پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان کے یقین سے محروم ہو جائے۔ جو بجائے خود ایک دماغی کیفیت کا نام ہے تو وہ شخص خود بخود اس مذہب کے اعتقاد سے باہر نکل جاتا ہے جو ان ارکان پر مبنی ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں مزید کد و کاوش اور اس شخص کے حقیقی عقیدے کا کھوج لگانا محض غلط مبحث ہے جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

مذہبی عقیدہ سے انحراف کیلئے شخصی اعلان سے زیادہ اور کسی شئے کی حاجت نہیں۔ کوئی عدالت مذہبی عقیدے کے خلوص و صداقت کا امتحان لینے کی مختار نہیں۔

سشن جج نے حقیقت حال اور اصلیت معلوم کرنے کیلئے ایک نئی راہ اختیار کی۔ جسے عدالت عالیہ نے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ عورت کے بیان کو اس کے ارتداد کیلئے کافی سمجھا۔ اسلام کی رو سے بھی جب کوئی شخص اعلان کرے۔ کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ تو وہ معاً دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن عدالتوں کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ مفسدانہ و مکارانہ ارتداد کی روک تھام کریں۔ اور ایسے حالات میں اصلیت معلوم کرنے کیلئے خاص ذرائع کام میں لائیں۔ ورنہ ان لوگوں کے جراثیم فاسدہ سے سوسائٹی ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتی۔

ان عیارانہ چالوں کے سدباب کی عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اخبارات میں بارہا اس پر شذرے لکھے گئے۔ انجمنوں نے مجلس مقننہ کی بارہا توجہ معطوف کرائی۔ لیکن حکومت کے ارباب بست وکشاد کو اس اہم ترین مسئلہ پر غور کرنے کی فرصت نہیں ہوئی۔ ضرورت کا اقتضا یہ ہے کہ مکر و حیلہ کی راہ کو بند کرنے کیلئے کوئی صحیح اور فوری اقدام کیا جائے۔

اسلام نے عورت کو خلع کا غیر مشروط حق عطا کر رکھا ہے۔ دنیا میں عورتوں اور پسماندہ انسانی طبقوں نے جدوجہد اور قربانیوں سے حقوق حاصل کئے ہیں۔ لیکن خدائے قادر و توانا نے پیروان اسلام کو خود بخود وہ حقوق عطا فرما دیئے ہیں۔ جن کی انسان کو ضرورت تھی۔ ان میں سے ایک حق خلع بھی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جس طرح طلاق دینے کا حق مرد کو حاصل ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنی مشکلات دور کرنے کیلئے حق خلع کو بروئے کار لاکر اپنی ازدواجی زندگی کے ناقابل فہم عقدوں کو وا کر سکتی ہے۔

ارتداد کا یہ فتنہ جو محض تدبیر کے طور پر کھڑا کیا جاتا ہے سخت تباہی و بربادی کا باعث ہو رہا ہے۔ لہذا اس کے قطعی انسداد کی شدید ضرورت ہے۔ اور سوائے اس کے ناممکن ہے۔ کہ ہم پھر اسلام کی طرف لوٹیں۔ اور حق خلع عورتوں کے حوالے کر دیں۔ تاکہ وہ فسخ نکاح کے لئے ارتداد ایسے قبیح افعال کی مرتکب ہوں۔ اور اسکی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ ایک سادہ سا قانون پنجاب اسمبلی میں منظور کرا لیا جائے۔ تاکہ قانونی طور پر بھی ہر شخص اس کی پابندی کیلئے مجبور ہو۔ امید ہے کہ کوئی نیک دل ممبر اس اسلامی ضرورت کا احساس کر کے اس مسودہ کو قانونی شکل میں پیش کر کے مسلمانوں کو مشکور کریگا۔

پچھلے دنوں ایک شادی کی تقریب پر مجھے قصبہ رمداس (امرتسر) جانے کا اتفاق ہوا۔ کارکنان انجمن حمایت اسلام رمداس کی خواہش پر اسلامیہ اے۔ وی مڈل سکول کے حالات کا سرسری جائزہ لیا گیا۔ اس سکول کے پرائمری حصہ کو ڈسٹرکٹ بورڈ امرتسر کی طرف سے پچاس روپے ماہانہ کی امداد ملتی ہے ۷۰ طلباء حصہ مڈل میں ہیں۔ اور تین سو کے قریب حصہ پرائمری میں تقریباً ۱۵ روپے ماہوار فیس وصول ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس فرمانروائے دکن ادام اللہ اقبالہٗ واجلالہٗ کے شاہانہ لطف وکرم سے سو روپیہ ماہوار کا گرانقدر عطیہ ہے۔ گویا ۱۶۵ روپیہ ماہوار کی کل آمدن ہے۔ جس پر سکول کا دارومدار ہے۔ پانچ چھ مدرسین ہیں۔ جو قلیل تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ تاہم ۱۲۰ روپے ماہوار کا خرچ ہے انجمن کے باقاعدہ سالانہ اجلاس عرصہ سے بند ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رکھا جاتا۔ تو سکول کبھی کا ہائی درجہ تک پہنچ گیا ہوتا۔ سکول منیجنگ کمیٹی مولوی سید مقبول حسین ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اور چوہدری فتح الدین ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تک محدود ہے یہ دونوں بزرگ کام کو جاری رکھنے کے لئے امکانی مساعی سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ان کی پیرانہ سالی اس بات کی داعی ہے۔ کہ حساس نوجوان امداد و اعانت کا مردانہ وار ہاتھ بڑھائیں۔ مولوی صاحبان کا فرض ہے کہ وہ انجمن کو حیات تازہ بخشنے کے لئے (بقیہ صفحہ پر)

۶۸۶

سلاطینِ اسلام کے عہد میں ہندوستان کی تعلیمی ترقی

(راجہ فارق علی خاں)

مختلف مذاہب کے ماتحت طریق تعلیم قدرتی طور پر مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جہاں تک تعلیم کی عمومی حیثیت کا تعلق ہے۔ وہ شکاگو اور مصر تند میں یکساں ہے تاہم یہ بھی درست ہے۔ کہ تعلیم پر مقامی اور تاریخی اثرات بھی پڑتے ہیں اور اگر ان کا مطالعہ کیا جائے۔ تو مسئلہ تعلیم کے بعض دلچسپ پہلو نمایاں ہو سکتے ہیں۔ مسیح سے پانچسو سال قبل ویدوں کے زمانہ سے یا ہندوؤں اور بودھوں کے عہد میں ہندوستان کی تعلیمی ترقی دیسی طریقہ پر ہوئی۔ مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد کا آغاز ہندوستان کے باہر ہی ہوا۔ اور وہ اپنے بیرونی تجربات اور تازہ ترین معلومات کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے۔

سلاطین اسلام کے عہد میں ان کا نیا طریق دیسی طریقہ کے ساتھ ہی نشو ونما پاتا رہا۔ اور تعلیم کی جو شکلیں اسلامی فتوحات کے ضمیمہ کے طور پر ایران سے ہندوستان آئی تھیں۔ وہ ہندوستانی ہی بن گئیں۔ اور اس طرح ہندوستانی طریقہ تعلیم کے ساتھ مل گئیں۔ کہ ہندوستان کے اصلی طریقہ تعلیم اور ان میں محض سطحی فرق رہ گیا۔ اب سے تھوڑا عرصہ پیشتر اسلامی ہندوستان کی تعلیمی حالت کا اندازہ کرنا دشوار تھا۔ کیونکہ عوام مورخین عوام کے جذبات سے متاثر ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی خواہش کے خلاف انسانی ثقافت کی تاریخ کو صحیح طور پر ظاہر کرنے کی پوری کوشش نہ کی۔ فلم میں کسی ریاست یا سلطنت کے متعلق جو تاریخی واقعات دکھائے جاتے ہیں۔ وہ اس کا مکمل خاکہ پیش نہیں کر سکتے۔ ٹھیک اسی طرح عدالت کا ایک کمرہ دیکھنے سے شہر کی صحیح زندگی کا مطالعہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلامی ہند میں علوم وفنون نے جو عالمگیر شہرت حاصل کی۔ اس کا اندازہ گذشتہ بیس سال کی ریسرچ سے لگایا جا سکتا ہے۔ (سلاطین اسلام کے عہد میں علمی وادبی ترقی" مصنفہ نرندر ناتھ صاحب)

موجودہ تاریخوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کرتے وقت رستے میں بہت سے مدارس کو تباہ و برباد کر دیا۔ جس سے عوام کے دلوں میں خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ سلطان تعلیم کا حامی نہ تھا۔ مگر اس کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ بیشک وہ بعض خاص قسم کے مدارس کا مخالف تھا۔ تاہم اپنی راجدھانی میں وہ تعلیم کا ایک بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں کئی مدارس اور کالج جاری کئے۔

اگر اسلامی تمدن کی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے۔ اور ان واقعات کو حذف کر دیا جائے جو محض سنسنی پیدا کرنے

لئے اختراع کئے گئے۔ تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی تاریخ غیر فانی علمی کارناموں سے لبریز ہے۔ اور انہوں نے علم و ہنر کو ترقی دینے کے لئے بہت کچھ کیا۔

سلطان محمد تغلق نہ صرف علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ بلکہ وہ خود بھی ریاضی، حکمت، نجوم اور منطق میں مہارت رکھتا تھا۔ سلطان فیروز نے بہترین کالجوں کی بنیاد ڈالی۔ فیروز آباد کے مدرسہ فیروز کا جو حال بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے مشیر کس قدر اعلیٰ دماغ کے مالک تھے۔ اور علم سے انہیں کتنی محبت تھی۔ اس مدرسہ کے چاروں طرف نہائت دلکش باغات تھے۔ اور تیرنے کے لئے بہت بڑا تالاب بھی بنوایا گیا تھا۔ اساتذہ اور طالب علموں کے قیام کیلئے ایک ہی عمارت تھی۔ اس عمارت کے ساتھ ایک اور عمارت بھی تھی۔ جو صرف ملاقاتیوں کے لئے مخصوص تھی۔ دنیوی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم پر بھی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کی مشہور کتابوں کے تراجم پڑھائے جاتے تھے۔ حکومت طلباء اور اساتذہ کو ہر قسم کی مالی امداد دیتی تھی۔ اور جب طلبہ فارغ التحصیل ہو جاتے تھے۔ تو ان کے سامنے نہائت شاندار مستقبل ہوتا تھا۔

سلطان کو آثار قدیمہ سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ بودھوں کی عمارت کو خود دیکھنے جایا کرتا تھا۔ اور ان کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنے کیلئے اس نے کئی احکام جاری کئے۔

چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بھی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ محمود شاہ (۱۳۸۷) نے دکن میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ وہ اسے خود دیکھنے کیلئے گیا۔ اور جب اس نے طلباء کو نہائت اچھی حالت میں دیکھا۔ اور ان کی علمی قابلیت کا معائنہ کیا۔ تو اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

جونپور کے حکمران ابراہیم شارکی نے اتنی درسگاہیں جاری کیں۔ اور اپنی رعایا کے لئے علوم و فنون کے وہ دریا بہائے کہ ادبی اور علمی شہرت سے اس کی حکومت دہلی کی شاہی راجدھانی کے ہم پلہ قرار دی گئی۔

اس کی بیوی بی بی راجی نے ایک شاندار کالج تعمیر کروایا۔ جس کے اخراجات کے لئے روپے کو پانی کی طرح صرف کیا گیا۔

گولکنڈہ کا حکمران سلطان محمود قلی قطب شاہ تعلیم کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ ۱۵۹۱ء میں اس نے حیدرآباد میں چہار مینار کی بنیاد ڈالی۔ انہیں میناروں میں جو دوسو بیس فٹ بلند تھے۔ کالج کے طلباء اور پروفیسروں کی رہائش کے لئے اعلیٰ قسم کے کمرے بنوائے گئے۔ سلطان نے اپنے اس غیر فانی کام سے مسلمان بادشاہوں کی گذشتہ تعلیمی روایات میں بڑا قابل قدر اضافہ کر دیا۔

شہزادے اور بادشاہ خود اس کالج میں داخل ہوئے اور اپنی معلومات عامہ کو زیادہ وسیع تر بنانے کیلئے ہندو ادب کو بھی اپنے نصاب میں شامل کر لیا۔ اور مسلمانوں کی ادبی تعلیم ہندو ادب سے اس طرح مل گئی۔ جیسے مغلوں اور راجپوتوں کی مصوری میں اب کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہندی اور سنسکرت کی مشہور کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایرانی ثقافت کا اثر ہندی تمدن پر چھا گیا۔

اکبر اعظم کے عہد میں علوم و فنون اپنے انتہائی عروج

پہ پہنچ چکے تھے۔ اکبر کا دادا بابر ایک اعلیٰ درجہ کا قانون دان ہونے کے علاوہ بہترین نقاد تھا۔ ہمایوں کو جغرافیہ سے بہت دلچسپی تھی۔ اور اس علم میں وہ خاص قابلیت کا مالک تھا۔ نجوم میں بھی اس کی قابلیت مسلمہ تھی۔ ہمایوں کے زمانہ میں ادیبوں کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ شخصیت کے لحاظ سے انہیں بادشاہ سے اگلے درجہ پر جگہ ملتی تھی۔

اکبر کو سلطنت کے انتظام میں غیر معمولی دلچسپی تھی تعلیم کے متعلق بھی اس نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ حصول تعلیم کے متعلق اس نے اپنی رعایا کے مختلف طبقوں میں امتیاز روا نہ رکھا۔ اس کے عہد میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعلیم کے معیار کو برابر کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو انہیں کے تمدن کے ماتحت تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے بادشاہ کی قدر و منزلت اور رعایا کے اتحاد میں اضافہ ہو گیا۔

آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے۔ کہ ہندو اپنے مذہب کے بہت پابند ہیں۔ وہ وفادار۔ انصاف پسند۔ بلند ہمت اور خوش طبع ہیں۔ تجارت میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ممتاز مسلمان انسانی فطرت کے کن محاسن کو پسند کرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ

محاسن میں مذہبیت کی بہت بڑی اہمیت تھی۔

اکبر نے بہت سے مدارس اور کالج جاری کئے۔ عوام نے بھی تعلیم میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی۔ بہت سے لوگوں نے اپنی ہی سرپرستی میں کئی اور درسگاہیں جاری کر دیں۔ ان درسگاہوں میں ان مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جو کالجوں میں نہیں پڑھائے جاتے تھے۔ اور اگر پڑھائے جاتے تو وہ طلبہ جو اپنے علم میں غیر معمولی اضافہ کے خواہاں ہوتے۔ ان درسگاہوں سے مستفید ہوتے تھے۔

اکبر کے جانشینوں کے عہد میں بھی اشاعت تعلیم کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ شاہجہان کے دور سلطنت میں ہر ایک گاؤں اور ہر ایک قصبہ میں سکول جاری تھے۔ (شاہجہان کی تاریخ مرتبہ بی۔ بی سکسینہ) ہم کسی زمانہ یا ملک کی تعلیمی حالت کے متعلق صحیح تجزیہ نصاب تعلیم کے ذریعہ ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو تعلیم لوگوں کو دی جاتی تھی۔ اس سے انہیں کیا فوائد پہنچے۔ ان کی مخصوص ضروریات کیا تھیں۔

آخر الذکر طریق نہایت اہم کسوٹی ہے جس پر ایک نظام تعلیم کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر طالب علم کی صحیح فطرت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس تعلیم کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو اسے دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس نظریہ کو آج کل چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔

ویدوں اور بدھوں کے زمانہ میں ہندوستان میں تعلیم کو ہر لحاظ سے مکمل کرنے کا جو جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس کا مظاہرہ اسلامی عہد میں زیادہ جوش کے ساتھ کیا گیا۔ چنانچہ اس زمانہ کا نصاب تعلیم حسب ذیل مضامین پر مشتمل تھا

مذہب۔ فلسفہ۔ سائنس۔ حساب۔ اقلیدس۔ علم طبعیات اقتصادیات۔ تاریخ اور حکومت انسانی تنظیم کے اندرونی اور بیرونی عناصر۔

اس نصاب تعلیم سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ تین سو سال پیشتر ہندوستان کے اسلامی عہد میں مذہب فلسفہ اور

سائنس کے متعلقہ عناصر کی تعلیم کا نصاب وہی تھا۔ جو ہندوؤں کے زمانہ میں بھی رائج رہا۔ لیکن ان عناصر کو تعلیمی لحاظ سے اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ بلکہ مذہب کو تمام علوم کو منبع قرار دیا جاتا تھا۔ تمام علوم و فنون کو مذہبی تعلیم کے ساتھ منسلک کیا گیا۔ لیکن تدریج ان کی شاخیں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی تھیں۔ اور علوم کی تمام شاخوں کا مرکب ایک مذہبی زندگی بسر کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ دینیات کے نقطۂ نظر سے علوم و فنون یا سائنس پر تنقید کی جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ اظہار خیالات اور تحقیق کو روحانی معیار پر لایا جائے

دور حاضر میں اس کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ آج ہوس پرستی کا مرادف اور سائنس انسانی تباہی و ہلاکت کا باعث ہو رہی ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زمانہ ماضی میں تعلیم کے اندر مذہب کی کیا حیثیت رہی ہے۔ ہندوستان اور دوسرے ممالک میں جو مذہبی منافرت پائی جاتی ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ کہ تعلیم کو مذہب سے جدا کیا گیا ہے۔ جب ہندوستان میں تعلیم کو حقیقتاً مذہب سمجھا جاتا تھا اس وقت مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے تھے۔

(بقیہ شذرات صفحہ ۱۹ سے آگے)

سالانہ جلسہ کا باقاعدہ اہتمام کریں۔

اور اسلامیہ سکول جس کی مدد اس ایسے قصبہ میں شدید ترین ضرورت ہے۔ کا معیار بلند کرنے کے لئے نوجوان طبقہ کے قیمتی مشورہ اور مساعی سے مستفید ہونے سے احتراز نہ کریں اور کوشش کریں۔ کہ حصہ مڈل بھی باقاعدہ منظور ہو جائے۔ تاکہ اس کی امدادی رقم سے سکول کے تعلیمی معیار کو اور بلند و بالا کر سکے۔ معائنہ بک کے ملاحظہ سے معلوم ہوا۔ کہ انسپکٹر صاحب مدارس کے ۱۸ر جنوری کے معائنہ میں سکول کا کام تسلی بخش اور باتعریف رہا ہے۔ یہ مدرسین کی کارگذاری کا نتیجہ ہے۔ جس کے لئے ہم انہیں قابل ستائش سمجھتے ہیں۔

مکرمی سید ظہور شاہ صاحب جن مہتم بالشان عزائم کے ساتھ اس انجمن کا وجود معرض شہود میں لائے تھے۔ افسوس ہے۔ کہ ان کی ناگہانی اور بے وقت موت نے ان کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔ ورنہ آج اس سکول کو ہماری آنکھیں ایک بہترین اسلامیہ کالج کی شکل میں دیکھتیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اپنا مشورہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

۷۸۶

نعت

(از پیر شیر محمدؐ صاحب شوکت صدیقی ساکن گھانگہ خورد ضلع فیروزپور سابق متخلص بہ عاجز)

دِل سے عشقِ احمدِ مختار ڈھونڈ ۔۔۔ ماسوا اس کے نہ کچھ زنہار ڈھونڈ

صورتِ احمد کا جلوہ دل میں ہو ۔۔۔ بس یہی اے طالبِ دیدار ڈھونڈ

کہتے ہیں غواصِ بحرِ معرفت ۔۔۔ نعت کے جلدی دُرِ شہوار ڈھونڈ

حق نے حضرت سے شبِ اسرا کہا ۔۔۔ بس رضا میری مرے دلدار ڈھونڈ

بہرِ امتِ مسلم شوریدہ سر ۔۔۔ حضرتِ فاروق سا غمخوار ڈھونڈ

حشر کے دن اپنی امت کو ضرور ۔۔۔ لینگے حضرت احمدِ مختار ڈھونڈ

ہو نہ شیدا مہوشوں پر دہر میں ۔۔۔ ہر گھڑی حُبِّ شہِ ابرار ڈھونڈ

کعبۂ دل کی عمارت کے لئے ۔۔۔ پہلے ابراہیم سا معمار ڈھونڈ

نورِ حق کی دیکھنی ہے گر جھلک ۔۔۔ تو مدینے کے در و دیوار ڈھونڈ

شوکتِ اسلام ہے گر دیکھنی ۔۔۔ بادۂ توحید کے سرشار ڈھونڈ

گلشنِ جنت کے گل ہیں مجھکو وہ ۔۔۔ دشتِ بطحا کے جولائے خار ڈھونڈ

جو کلیم اللہ نے دیکھا طور پر ۔۔۔ طیبہ میں وہ جلوۂ انوار ڈھونڈ

گر محبان نبی کا شوق ہے ۔۔۔ وہ مہاجر اور وہ انصار ڈھونڈ

گلستانِ دل سے اے شوکت مدام
صورتِ گل نعتیہ اشعار ڈھونڈ

فرخندہ بنیاد حیدرآباد

وائسرائے کی زبان سے تعریف

۱۰ر جنوری کو اعلحضرت شہریار دکن کے جلسہ ضیافت میں وائسرائے بہادر نے حسب ذیل تقریر فرمائی:-

یور اگزالٹیڈ ہائینس۔ خواتین وحضرات!

یور اگزالٹیڈ ہائنس نے جن تلطف آمیز الفاظ میں میری اہلیہ کا اور میرا جام صحت نوش فرمایا ہے۔ اور خواتین وحضرات نے جس محبت آمیز طریقہ پر اس کا خیر مقدم کیا ہے میں اس کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ اس تاریخی ریاست کو دیکھوں جس کے تعلقات ابتداء ہی سے حکومت برطانیہ کے ساتھ اسقدر قریب اور گہرے رہے ہیں۔ یور اگزالٹیڈ ہائنس سے ایک سال قبل کلکتہ میں ملاقات کرنے کے بعد میری اس خواہش میں قدرتاً اضافہ ہو گیا تھا۔

یور اگزالٹیڈ ہائنس نے ازراہِ کرم میری کارگزاری اور اعلیٰ عہدہ کے لئے میری اہلیت کا ذکر جس پر مجھے مامور ہونے کی عزت حاصل ہے۔ بہت ستائش آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ میرے خیال میں یور اگزالٹیڈ ہائنس نے اپنی حکومت کی گوناگوں کارگزاریوں کا جو مجملاً بیان فرمایا ہے۔ اس کی بنا پر میں بجا طور پر اس تعریف کو آپ کے لئے بھی استعمال کر سکتا ہوں۔ ان سے آپ کی شہری اور دیہاتی رعایا کی بہتری کے متعلق تردد ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس اصلاح کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کی بھی خواہش معلوم ہوتی ہے جس پر ہر فرمانروا فخر کر سکتا ہے۔ دیہاتی معقروضیت کے ارتفاع اور دیہات کے عام حالات کی اصلاح کے سلسلہ میں جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ وہ غالباً میرے لئے خصوصیت کے ساتھ جاذبیت رکھتی ہیں۔ نیز مفاد عامہ کی بہتری کے لئے جو کچھ کیا گیا ہے۔ وہ بھی میرے لئے باعث کشش ہے۔ اور یور اگزالٹیڈ ہائنس کی حکومت نے لیڈی لن کی اپیل برائے انسداد دق کا جو گرمجوشانہ خیر مقدم کیا ہے۔ اس کا میں علی الاعلان اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر میرے لئے خاص طور پر باعث طمانیت ہے۔ کہ اس اپیل کے جاری ہونے سے قبل ہی اس مسئلہ پر یور اگزالٹیڈ ہائنس توجہ فرما چکے ہیں۔ اور اس مہلک مرض کے استیصال کی اسکیموں پر عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔

مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ یور اگزالٹیڈ ہائنس کے دونوں صاحبزادوں کے لئے کام کے موزوں میدان عمل مہیا ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہ دونوں اپنے فرائض میں گہری اور عملی دلچسپی لے رہے ہیں۔

نظم ونسق کے دوسرے شعبوں میں میں دیکھتا ہوں کہ تعلیم میں عملی رجحان پیدا کرنے کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ریل اور سڑک کے درمیان کامیاب طریقہ پر ارتباط

پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ یورپ اور ہندوستان ہر دو جگہ عرصۂ دراز سے انتہائی وقت طلب امور رہا ہے اور اس وقت تک ہے۔ عظیم الشان کارہائے عامہ کی تعمیر اور وسائل ترسیل میں اصلاح کی گئی ہے۔ ریاست کی مالی حالت اس قدر مضبوط ہے۔ جس کے باعث یہ تمام کام ممکن العمل ہو سکے اور مقامی اور عام نظم و نسق کے ساتھ رعایا کا تعلق پیدا کرنے کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ تمام واقعات مجھے یقین کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس اور آپ کی حکومت ترقی کے ان مواقع اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جو ہر ملک کی حکومت کا حصہ ہیں۔ پوری طرح تیار ہے۔

حیدر آباد آل انڈیا معاملات میں جو روز افزوں حصہ لے رہا ہے۔ اس کا ذکر یور اگزالٹیڈ ہائنس نے اپنی تقریر کے آخری حصے میں فرمایا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی اور میں اس موقع پر اپنے ممتاز پیشرو لارڈ ولنگڈن کی طرح اس اہم حصہ کا احسان مندانہ اعتراف کرتا ہوں۔ جو حیدر آباد وفد نے سر اکبر حیدری کے زیر قیادت ان کارروائیوں میں لیا۔ جن کی بنا پر بالآخر قانون حکومت ہند نافذ کیا گیا۔

اس موقع پر میرا ارادہ نہیں ہے۔ کہ مسئلہ وفاق کے متعلق جو میری رائے ہے۔ اس کا تفصیلی اظہار کروں۔ میرے خیالات سے یور اگزالٹیڈ ہائنس اور دیگر والیان ریاست بخوبی آگاہ ہیں۔ اور آپ ان تدابیر سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ جو میں نے ان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے جو اس اہم ترین مسئلہ کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں۔ نیز وفاق ہند کو جلد از جلد قابل عمل بنانے کے لئے اختیار کی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ یور اگزالٹیڈ ہائنس اور آپ کے مشیروں کا دانشمندانہ تدبر اور وسیع تجربہ رہنما ثابت ہوگا۔

خواتین و حضرات میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس فرمانروائے حیدر آباد و برار کا جام صحت نوش فرمائیں۔ اور ان کے لئے سالہا سال کی پر مسرت اور بامراد حکمرانی کی دعا کریں۔

اعتذار

افسوس ہے۔ کہ فروری کا القریش بعض مجبوریوں کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکا۔ قارئین کرام اس سلسلہ میں تذکرہ برادری کا اولین شذرہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور ان امور کے متعلق جو القریش کے مستقبل کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔ مدبرانہ غور کرکے جلد از جلد مناسب جواب ارسال فرمائیں۔

(مینجر)

سلکِ افکار

(رشحاتِ قلم شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی)

(۱)

حوادث سے فزوں آزارِ جاں ہے
زمیں بھی میرے حق میں آسماں ہے
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اسکو ہرسو
خداوندا تیری نصرت کہاں ہے

(۲)

خدایا مجھکو وہ داغِ جگر دے
جو عالم کو سراپا نور کر دے
غرورِ بزمِ انجم توڑ ڈالے
زمیں کو تابشِ شمس و قمر دے

(۳)

بہارِ انجمِ تاباں نے شب کو
سنایا چپکے چپکے یہ فسانہ
چمک تاروں کی ہے بس رات بھر کی
ہے داغِ عشق لیکن جاودانہ

(۴)

عطا یارب! جوارِ شاہِ دیں کر
مکینِ وادیِ نافِ زمیں کر
ہوائے صحنِ گلشن کھا گئی ہے
مرے مولا مجھے صحرانشیں کر

(۵)

ہوس کی پوٹ یارب اُسکا دیں ہے
گماں اُسکی نگاہوں میں یقیں ہے
جسے اغیار کہتے ہیں مسلماں
سبھی کچھ ہے مگر مسلم نہیں ہے

(۶)

تری بخشش کا دامن گو وسیع ہے
سطیع مفلس سے منعم لامطیع ہے
کہا جاتا نہیں کچھ مجھ سے یارب
تری شانِ خداوندی رفیع ہے

(۷)

تنک بخشی۔ تری رحمت الٰہی
تصور بھی ہے اسکا کفرِ ایجاد
مگر حیراں ہوں میں یارب کہ پھر کیوں
مری قسمت ہے محرومی کی رُوداد

(۸)

مرے بازو کو دے جو زورِ حیدر
خدایا مجھکو وہ نانِ جویں دے
عطا کرتے ہوئے دلِ فقیری
دلِ مستغنی تاج و نگیں دے

(۹)

الٰہی ! تیری رحمت کا سہارا
حیات افروز ہے امن و خطر میں
ہر اک عالم میں تو ملجا ہے میرا
کہیں ہوں میں۔ سفر میں یا حضر میں

(۱۰)

فلک افروز ہیں انوارِ انجم
مگر روشن نہیں اسرارِ انجم
بھٹکتے پھر رہے ہیں آسماں پر
ہے آوارہ مگر رہوارِ انجم

قرآن کریم اور غیر مسلم تاجران کتب

اسلامی حلقوں میں اس مسئلہ پر پورے انہماک کے ساتھ غور ہو رہا ہے۔ کہ کلام اللہ کی طباعت و اشاعت کا کام جب سے بعض غیر مسلم مطابع نے سنبھالا ہے۔ قرآن کریم کے صفحوں میں کتابت کی غلطیوں کا روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور بہت کم ایسے نسخے ملتے ہیں۔ جو بالکل صحیح ہوں۔ یہ صورت حال بہت افسوسناک ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان کلام پاک کی طرف سے غافل ہیں۔ اور اس کی حفاظت کا فرض ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔ اس افسوسناک تساہل و تغافل پر اکثر اسلامی اداروں نے توجہ دی ہے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں انجمن معین الاسلام لاہور اور جماعت القریش امرتسر سے قرار دادیں منظور کیں۔ اور مسلم تاجران کتب کو توجہ دلائی۔ کہ وہ کلام الٰہی کا کام تمام و کمال اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور عامۃ المسلمین سے اپیل کی وہ غیر مسلم اداروں کے چھپے ہوئے قرآن شریف خریدنے سے اجتناب کریں نیز تمام اسلامی انجمنوں اور اداروں کا فرض ہے۔ کہ وہ بھی اس کے متعلق پر زور آواز بلند کریں۔ اور کوشش کریں۔ کہ اسمبلی میں کوئی ایسا قانون منظور کرایا جائے۔ جس کی رو سے کوئی غیر مسلم ادارہ قرآن شریف نہ چھاپ سکے۔

سرورِ کائنات تاجر کی حیثیت سے

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا نام قریش تھا۔ قریش جو حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد میں ظہورِ اسلام سے پہلے بھی تجارت پیشہ تھے پیغمبر خدا کے جدِ اعلیٰ ہاشم، دادا عبد المطلب، چچا ابو طالب اور والدِ محترم حضرت عبد اللہ سب کے سب تاجر تھے۔ جس سفر میں حضرت عبد اللہ نے شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ میں انتقال کیا ہے۔ اس کی غرض وغائت بھی یہی تجارت تھی۔

والدِ محترم کے انتقال کے بعد پیغمبر علیہ السلام اپنے دادا عبد المطلب کی آغوشِ شفقت میں پرورش پانے لگے تھے۔ لیکن اس کے بعد چھ سال کے سِن میں والدہ محترمہ کا اور آٹھ برس کی عمر میں دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو آغوشِ تربیت میں لے لیا۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت تھی کہ ان کے مقابلے میں اپنے بیٹوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آپ کو ساتھ لے کر سوتے اور کہیں باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

قریش کا معمول تھا کہ ہر سال ایک مرتبہ تجارت کے لئے ملک شام کو سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ جب ابو طالب حسبِ معمول ایک دفعہ شام کو بغرضِ تجارت روانہ ہوئے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب سفر کی تکلیف اور آپ کے بچپن کا خیال کر کے آپ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ کی دل شکنی بھی کسی طرح گوارا نہ تھی۔ اس لئے اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔

سنِ بلوغ کے بعد جب آپ کو معاش کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ تو اس لحاظ سے کہ آپ اس سے پیشتر تجارتی سفر کر چکے تھے۔ اور ایک بڑی حد تک آپ کو تجارت کا تجربہ ہو چکا تھا۔ آپ کو تجارت سے بڑھ کر کوئی اچھا کاروبار نظر نہ آیا۔ قاعدہ تھا کہ جب قافلہ مکہ معظمہ سے شام کو روانہ ہوتا۔ تو اکثر لوگ اپنا اپنا سرمایہ دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں دے کر شریکِ منافع ہو جایا کرتے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام نے سنِ بلوغ کے بعد شام کا جو پہلا سفر کیا۔ اس میں آپ کے شرکا کو اتنا نفع ہوا۔ کہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کی چاروں طرف دھوم مچ گئی۔ اور ہر شخص کی یہی خواہش ہونے لگی۔ کہ اپنا سرمایہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے حوالے کر دیا کرے۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا مکہ معظمہ میں اتنا شہرہ ہوا کہ آپ "امین" کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔

ان دنوں مکہ معظمہ میں قریش کی ایک بڑی دولتمند خاتون جو خدیجہ طاہرہ کے نام سے موسوم تھیں۔ کاروبارِ تجارت میں سب پر فائق تھیں۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔ کہ جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت شام کو جاتا

اور وہاں سے واپس آتا تھا۔ تو اکیلا ان کا مال تجارت تمام قریش کے سامان تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ جب حضرت خدیجہ رضؓ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و دیانت اور پاکیزگی اخلاق کی تعریف سنی تو آپ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ آپ اس مرتبہ میرا مال تجارت لیکر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ دوسرے بیوپاریوں کو دیتی ہوں۔ اس سے دوگنا آپ کو دونگی"۔ آپ نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ اور مال تجارت لیکر شام روانہ ہو گئے۔ اور جب تین مہینہ کے بعد آپ واپس آئے۔ تو حضرت خدیجہ رضؓ کے دل پر آپ کے حسن معاملہ اور شرافت نفس کا اتنا اثر ہوا۔ کہ انہوں نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجدیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکاء تجارت کے بیانات سے جو کتب حدیث میں مندرج ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنے کاروبار تجارت کو جس دیانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔ سائب نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے۔ اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ تو لوگوں نے آپ سے ان کا تعارف کرانا چاہا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں آپ میرے ماں باپ قربان آپ نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں میرے شریک تجارت تھے۔ آپ نے صفائی معاملہ کا بہترین نمونہ پیش کیا تھا۔ قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپ کے شریک تجارت رہ چکے تھے۔ وہ بھی آپ کے حسن معاملہ کی داد دیتے تھے۔

تجارت کا سب سے پہلا اصول یہ ہے۔ کہ تاجر ایمانداری کو اپنا اصل اصول قرار دے۔ لین دین کا کھرا اور زبان کا پکا ہو اور جو وعدہ کرے۔ اس کے بر وقت ایفا کا خیال رکھے۔ دیانتدار اور راست باز تاجر اور دنیا میں بہتیرے مل جائیں گے۔ لیکن تاجر کے جنس اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نادر الوجود ہے وہ ایفائے عہد ہے۔ لیکن سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی وعدے کے جسقدر پکے تھے۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ عبداللہ بن ابوحمسا نامی ایک صحابی کا بیان ہے۔ کہ بعثت سے کچھ عرصہ پہلے میں نے آپ سے لین دین کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا۔ اور کچھ باقی تھا۔ میں نے آپ سے کہا۔ کہ آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں ایک کام سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ میں وہاں سے جا کر اپنی الجھنوں میں کچھ اس طرح پھنسا۔ کہ تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب اس جگہ پہنچا۔ جہاں آپ کو چھوڑ آیا تھا۔ تو آپ کو اسی جگہ اپنا منتظر پایا۔ میں آپ کو وہیں دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ لیکن میری وعدہ خلافی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ آپ نے صرف اسقدر فرمایا۔ کہ تم نے مجھے بہت زحمت دی۔ میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہیں موجود ہوں (ابوداؤد)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے تجارت کو اپنے کاروبار میں بادیانت رہنے کی جس درجہ تاکید فرمائی ہے مندرجہ ذیل حدیث قدسی اس پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے۔

عَنْ اَبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اللّٰہ عزّ وجلّ یقولُ اَنا ثالِثُ الشّریکین مالم یخُن اَحَدُ ھُما صاحِبَہٗ فاذا خانَہٗ خرجتُ من بینِھما ۔ (رواہ ابوداؤد)

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کی کہ خداوند عزوجل فرماتا ہے ۔ کہ میں دو شریکوں میں تیسرا ہوں ۔ جب تک کہ ان میں سے کوئی خیانت نہیں کرتا ۔ لیکن جب کسی شریک نے خیانت کی تو میں بیچ میں سے نکل جاتا ہوں ۔ اور میری مدد اور برکت اٹھ جاتی ہے)

محمد بخش مسلم بی اے

دَولتِ دُنیا

(از مولانا انعام اللہ خاں ناصر حسن پوری)

ہے دین کا اقبال تو چڑھتا ہوا سورج
اور ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے یہ شوکتِ دُنیا

عقبیٰ میں کہاں قدرِ خطابات و مناصب
دنیا ہی میں رہجائیگی یہ عزّتِ دُنیا

یہ حال ہے کیا تم نہ ادھر کے نہ اُدھر کے
یا دین کی الفت رکھو یا الفتِ دُنیا

ایمان ہے توحید کی تعظیم سے قائم
مومن کی نگاہوں میں کہاں عظمتِ دُنیا

تم دین کی خدمت کیلئے اُٹھ تو رہے ہو
کھینچے نہ کہیں دامن دل الفتِ دُنیا

مغرور ہیں اخلاص فروشی پہ منافق
کیا کہیئے جو اس عہد میں ہے حالتِ دُنیا

افسوس کہ بدبخت امیروں نے خریدی
آسائش عقبیٰ کے عوض راحتِ دُنیا

ہے دیں کیلئے جس کے لٹانے میں تامّل
کچھ ایسا بڑا مال نہیں دولتِ دُنیا

میری سرگذشت

نمبر ۵۲
نرمکھ

(۱)

مشرقی سراواں کی یہ ایک لمبی وادی ہے جس میں بروہی قوم کا طائفہ لہڑی آباد ہے۔ اس وادی کا اصلی حصہ کوہساروں کے مشرق اور نغاڑ کے مغرب میں واقعہ ہے۔ اور یہی سلسلہ اسکو علاقہ کچھی کے میدانوں سے جدا کرتا ہے۔ قوم لہڑی کا تمندار سردار دوست محمد خان لہڑی تھا۔ جو اس گاؤں کا بانی بھی ہے۔ قلات سے درہ بولان کیلئے راستہ براہِ بی بی نانی نرمکھ ہی سے جاتا ہے۔ اس وادی میں آثار قدیمہ کے لحاظ سے دلچسپی کے مقامات بکثرت ہیں خصوصاً قلعہ پڈگی کے کھنڈرات اس وادی کے منظر سے اسبات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ ازمنۂ ماضیہ میں جب بلوچستان ایران کے آتش پرستوں کے زیر حکومت تھا۔ جن کو گبر کہا جاتا تھا۔ تو اسوقت کے ان عبادت کیلئے بڑے بڑے پتھروں سے محصور گول دائرے جن کو "گبر بند" کہا جاتا ہے۔ یہاں بکثرت بنائے گئے تھے جو اب بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔

(۲)

سنہ ۱۹[illegible]ء کے موسم سرما میں میجر ایچ۔ ایل۔ شاور پولیٹیکل ایجنٹ قلات شال ریلوے سٹیشن سے دورۂ مکران کیلئے روانہ ہوئے۔ شمال علاقہ کچھی سے لیکر زیدی علاقہ جھالاوان تک قاضی جلال الدین خان پولیٹیکل ایڈوائزر بھی ان کے ساتھ رہے۔

زیدی کوہستانی علاقہ کا وہی مقام ہے۔ جسے مارچ سنہ ۱۸۹۴ء میں پہلی مرتبہ میں نے درہ مولہ کے دوررویہ سربفلک پہاڑی سلسلے کو عبور کرنے کے بعد بحیثیت اتالیق دیکھا تھا۔ اس لئے اس دورہ میں جبکہ میں پولیٹیکل ایڈوائزر کا سررشتہ دار تھا۔ اس سابقہ منظر کا خیالی نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ مگر وہ بساط اُلٹ چکی تھی۔ کیونکہ سردار یوسف علی خان زرک زئی چیف آف صوبہ جھالاوان جن کا کہ میں اتالیق تھا۔ بمع اپنے والد سردار گوہر خان کے میدان جنگ میں گولیوں کی بارش کے درمیان شہید ہو چکے ہوئے تھے۔ خدا ان کو جنت میں جگہ عطا کرے زیدی سردار بہار خان ساسولی تمندار قوم ساسولی کا صدر مقام ہے۔ اس کے کوٹ یعنی قلعہ نما مکان کے صحن کے سامنے زیتون کا ایک درخت ہے۔ جسے میں نے اپنا پرانا رفیق سمجھتے ہوئے پیار کی نگاہوں سے دیکھا۔

پولیٹیکل ایجنٹ صاحب زیدی سے مکران کو روانہ ہو گئے۔ اور پولیٹیکل ایڈوائزر صاحب وہاں سے قریۂ

القریش

القریش امرتسر
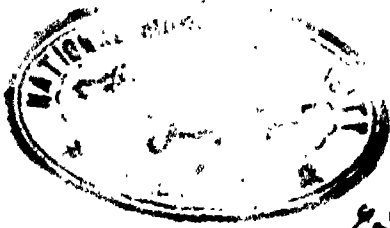
بابت ماہ اپریل ۱۹۳۸ء

جلد ۲۵ —— نمبر ۳

فہرست مضامین

نغمۂ توحید

شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کی پاکیزہ کلامی و بلند خیالی قابل صد فخر ہے۔ تاریخی حقائق کو نظم کی مربوط سلک میں ایک کہنہ مشق فاضل شاعر کی حیثیت سے منسلک کرنے میں آپ کو بہرہ وافر حاصل ہے۔ آپ حمد و نعت اس دلگداز انداز میں رقم فرماتے ہیں۔ کہ دل پر ایک خاص وجدانی اثر ہوتا ہے۔ قارئین کرام کو آپ کے کلام بلاغت نظام سے ہمیشہ متمتع ہونیکا موقع ملتا رہا ہے۔ ذیل کا کلام جو نغمۂ توحید" کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے حساس دلوں اور رقیق قلوب کیلئے ایک خاص اثر لئے ہوئے ہے۔ مولانا موصوف نے ایک اور نظم" زر لبفت کے ساتھ گاڑھے کا پیوند" کے عنوان سے ارسال فرمائی ہے جو علامہ حضرت اقبال کی نظم جس کا مطلع ہے۔

خودی کا سِرِّ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ٭ خودی ہے تیغ فساں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

پر تخمیس لکھی گئی ہے۔ یہ تخمیس حضرت شاکر نے جس قابلیت کے ساتھ نباہی ہے وہ انہی کا حصہ تھا۔ ہم آپ کو آپ کے حسن بیان پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نظم آئندہ اشاعت میں صفحات القریش کی زینت بنیگی۔ ناظرین کرام انتظار فرماویں۔

ہزار غیر کو یارب کہے خدا کوئی ۔۔۔ مرا خدا تو نہیں ہے ترے سوا کوئی

نہیں ہیں قائلِ توحید جو زمانے میں ۔۔۔ دکھائیں تجھ سا مجھے دوسرا خدا کوئی

تو لاشریک ہے ذات و صفات میں یارب ۔۔۔ نظیر تیری نہیں ہے ترے سوا کوئی

تو آسکے کیسے بھلا حیطۂ تصور میں ۔۔۔ نہ ابتدا تیری کوئی نہ انتہا کوئی

چمن میں کہہ رہی کلیاں ہیں منہ کھولے حق ہو ۔۔۔ ذرا دکھادے چلا کر ہمیں صبا کوئی

بشر کے اثم فراواں کی حد تو ہے ممکن ۔۔۔ نہیں ہے تیری کریمی کی انتہا کوئی

کسی کو دے بھلا نذرِ سجود کیوں شاکر
کہ اہل اسکا نہیں ہے ترے سوا کوئی

جلد ۲۵ —— نمبر ۳

القریش کے مستقبل پر ایک لمحہ فکریہ

کیا قومی آرگن بند کر دیا جائے؟

ناظرین کرام کی فوری توجہ کے قابل

القریش ہندوستان کے سترہ لاکھ سادات قریش کا واحد اصلاحی آرگن ہونے کے باوصف یوم اجرا ہی سے کمی اشاعت کا شاکی رہا۔ اور اسکی مالی حالت ہمیشہ ناتسلی بخش رہی۔ اس حقیقت کا بارہا اعتراف ہو چکا ہے۔ کہ سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائی نس، اعلحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کی شاہانہ دستگیری شامل حال نہ ہوتی۔ تو اس کا زندہ رہنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا۔

گذشتہ ۲۵ سال کے طویل عرصہ میں گوناگوں مشکلات کے باوجود القریش

نے جس خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ قومی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ حساس
دردمندان قوم سے پوشیدہ نہیں۔ زر نقد کی تھیلی، اور محسن القوم کا مفتخر اعزاز
انہیں خدمات کا عملی اعتراف ہے۔ اور اس قدر افزائی کیلئے میں بارہا قوم کی سپاسگزاری
کا فرض ادا کر چکا ہوں۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اور فہمیدہ و سنجیدہ حضرات
خوب جانتے ہیں۔ کہ الفریش کی مشکلات میں اس سے کوئی خاص اور معتدبہ کمی واقع
نہیں ہو سکتی۔ اور یہ عین حقیقت ہے۔ کہ الفریش ہی سے من حیث الجماعت قوم کا
نام زندہ ہے۔ اور اس سے قومی امیدیں وابستہ ہیں۔ باوصف ان تمام باتوں کے
گذشتہ ۲۵ سال میں الفریش کا دائرہ اشاعت چند سینکڑوں سے متجاوز نہیں ہو سکا
اور یہی ایک سبب ہے۔ جو ہمیشہ سوہان روح رہا ہے۔ گنتی کے چند دردمندان قوم
کے سوا عام افراد قوم یا ناظرین کرام نے کبھی اس کی مالی امانت کی جانب توجہ نہیں
دی۔ سال بھر میں ایک معاون کیلئے ایک نیا معاون پیدا کر دینا کوئی مشکل اور دشوار
گذار مرحلہ نہ تھا۔ مگر فقدان احساس نے ادھر متوجہ ہونے کی کبھی مہلت ہی نہیں دی
حالانکہ اس طریق عمل سے ہر سال دو تین سو نئے معاونین کا اضافہ ہو جانا بالکل آسان تر
اور یقینی تھا۔ مگر قوم ہے۔ کہ کان پر کبھی جوں تک نہیں رینگی۔

بلاشبہ پہلے بھی کئی بار الفریش امید و بیم سے دوچار ہوا۔ لیکن وہ عام طور
پر طباعت و مطبوعات کی گرانی یا کسی ہنگامی صورت حال کے پیدا ہو جانے
سے ہوتا رہا ہے۔ مگر اب کے معاملہ بالکل جداگانہ اور ناقابل برداشت ہے۔

الفریش کا سال خریداری جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ معاونین کرام کے چندے
جن میں ۲۷ مختلف لائبریریوں اور اسلامی درسگاہوں کی رقم بھی شامل ہے۔ اسی مہینہ میں

وصول ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰحضرت حضور نظام کی شاہانہ امداد کے علاوہ اسی رقم پر اسکی زندگی کا انحصار ہے لیکن وسط دسمبر میں یہ معلوم ہو کر کہ اقتصادی بدحالی کے زیر اثر ان اداروں کے لئے جرائد و رسائل کی خریداری ترک کر دی جائیگی سخت تشویش ہوئی۔ چنانچہ اوائل جنوری میں یہ افسوسناک اطلاع موصول ہو ہی گئی۔ کہ آئندہ جرائد و رسائل کی خریداری متروک کر دی گئی ہے۔ یہ ہے وہ اُفتاد جو القریش کی سلکِ حیات منقطع کرنے کیلئے ناگہانی طور پر نازل ہوئی ہے۔ اور جس سے سالانہ آمدن میں تقریباً دوصدر روپیہ کی کمی واقع ہوگئی ہے بظاہر کوئی سبیل نظر نہیں آتی جس سے اتنی کمی پوری ہونے کی کوئی پوری توقع کی جائے کتب خانہ کا اجراء، ایک روپیہ کے اضافہ سے ہفتہ وار اشاعت کا انتظام یہ سب باتیں بحالات موجودہ ناقابل عمل ہیں۔ اب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو قومی آرگن کی اشاعت قطعاً بند کر کے قومی مفاد کے پروگرام کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ اور یا قارئین کرام اس ناگہانی ابتلا کے مقابلہ کے لئے امکانی مساعی عمل میں لائیں۔ اور قوم کی خاطر قومی ضرورتوں کے پیش نظر مہینہ دو مہینہ میں اسقدر معاونین پیدا کرا دیں۔ کہ القریش اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

اخیر پر یہ واضح کر دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ اس وقت کو بھی اگر یونہی ٹال دیا گیا۔ تو القریش مستقبل قریب میں بند ہو جائیگا۔ اور قومی مفاد کی تمام باتیں دھری رہ جائیں گی۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی جریدہ کا بند ہو جانے کے بعد اجرا سخت از سخت مشکل ہو جایا کرتا ہے۔ قادر مطلق قارئین کرام کو امداد و اعانت کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر میگویم

تذکرہ برادری

القریش معرض خطر میں ہے۔ گذشتہ اشاعت کے تذکرہ برادری میں بہی خواہان قوم کو اس کے مستقبل پر غور و فکر کی دعوت دی گئی تھی۔ جواب میں چند دردمندان کے مراسلات موصول ہوئے ہیں۔ مگر وہ سرتاسر خشک تجاویز پر مشتمل ہیں۔ القریش کو زندہ رکھنے کیلئے اسوقت لمبے چوڑے مضامین اور خیال آرائیوں کی ضرورت نہیں۔ اقتضائے حالات یہ ہے۔ کہ قومی ضرورتوں کے پیش نظر قومی آرگن کے بقا و احیا کے لئے ٹھوس اور عملی اقدام کیا جائے۔ خطرہ کے اظہار سے مقصود یہ تھا۔ کہ قوم کے اصلاحی امور سے دلچسپی لینے والے حضرات نئے خریداران کی فہرستیں ارسال کرتے۔ اپنے علاقہ کے مقتدر تعلیم یافتہ قریشی حضرات کے مفصل پتے ارسال کرتے تاکہ دفتر کی طرف سے انہیں دعوت اعانت دیجا سکتی۔ اپنے حلقۂ اثر و احباب میں القریش کی اعانت و خریداری کی ترغیب دے کر اس کا دائرہ اشاعت وسیع تر کرنے کی سعی بلیغ کی جاتی۔

جنوری کے افتتاحیہ سے جو احباب متاثر ہوئے انہوں نے خشک تجاویز پیش کرنے پر اکتفا کیا۔ اور اس میں القریش کے بقا و احیا کا راز مضمر سمجھا۔ مارچ کے تذکرہ برادری کے ملاحظہ سے جو حضرات متاثر ہوئے انہوں نے بھی بالعموم اسی لکیر کو پیٹا۔ اور سوائے مکرمی ڈاکٹر سردار محمد حیات خانصاحب عباسی سول سرجن اور محترمی سردار فضل داد خانصاحب عباسی ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس کسی نے اصل معا اور مقصود بالذات کی جانب توجہ نہیں دی۔

اٹھارہ مراسلات میں سے چار قارئین کرام کی واقفیت کیلئے درج کئے جاتے ہیں۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ ازرہ حمیت قومی عملی اقدام سے اپنے قومی جریدہ کی امداد کریں۔ اور جسقدر خریدار بہم پہنچا سکیں پہنچانے سے دریغ نہ کریں۔

فخر قوم مخدومی ڈاکٹر سردار محمد حیات خاں صاحب میڈیکل افسر رقمطراز ہیں۔ کہ ؛-

"مجھے انتہائی رنج ہے۔ کہ قریشی حضرات القریش کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ یہی ایک چیز ہے۔ جسکی بدولت تمام قوم ایک پلیٹ فارم پر آ سکتی ہے۔ اور دنیا میں آرام سے رہ سکتی ہے۔ برگزیدہ قریشی حضرات کی لاپرواہی کی وجہ سے ہی قوم قریش دنیا کے لوگوں کی نظروں میں گر رہی ہے۔ رذیل لوگ مثلاً مراسی، نیلاری بھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پچھلے ماہ ایک نیلاری نے دعویٰ کیا۔ کہ وہ قریشی ہے۔ ایک سکھ منصف نے اس کے حق میں ڈگری دے دی۔ لیکن دعویٰ اور مقدمہ کے حالات کی خبر بھی نہیں ہو سکی۔

رسالہ القریش ہی ایسی چیز ہے۔ جس کی رو سے قوم قریش کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں

ورنہ مراسی، دھوبی، نائی، چوہڑے وغیرہ سب قریشی ہی بن کر رہیں گے۔

قوم ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ القریش کو ہفتہ وار کیا جاسکے۔ کیونکہ ماہوار رسالہ بھی ان سے چل نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے کہ رسالہ فی الحال ماہوار ہی رہے۔ چندہ دو روپے سالانہ بالکل معمولی ہے۔ ہر ایک بآسانی ادا کرسکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے علاقہ میں جانیکا موقعہ نہیں پاسکا۔ ورنہ سینکڑوں کی تعداد میں خریدار خدا کے فضل سے مہیا ہوسکتے ہیں۔ یہاں شہر کے نزدیک اپنی اتنی آبادی نہیں۔ تاہم کوشش کرونگا۔ جسقدر خریدار مہیا ہوسکے حاصل کئے جائیں گے۔

ہماری قوم کے برگزیدہ بزرگ خان بہادر سردار عطا محمد خانصاحب پی، او، آئی اسسٹنٹ کمانڈنگ افسر ملٹری پولیس جواب کپتان ہوگئے تھے۔ بر بنا سروس سے ریٹائرڈ ہوگئے ہیں۔ وہ آئے ہوئے ہیں۔ کلکتہ پہنچ گئے ہیں انکے گھر تنے پر خصت کیلئے کوشش کرونگا۔ اسوقت انشاءاللہ تعالیٰ خریدار کافی مہیا ہوجائینگے۔ اپنی گرد سے بھی کچھ روانہ کرونگا بشرطیکہ ہیں۔ والسلام۔

آپ نے پہلے بھی چند خریداروں کی فراہمی سے اعانت فرمائی تھی۔ اگر آپ کا یہ وعدہ ایفا ہوگیا۔ تو امید ہے کہ القریش کی حیات تازہ کا یقین ہوجائے گا۔ اس موقعہ پر اسی ہمت کی ضرورت ہے۔ خالی اور خشک تجویزیں پیش کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ دیگر احباب بھی اپنے اپنے حلقہ اثر واحباب میں سعی بلیغ کرکے اپنے قومی جریدہ کو اس انتاد سے بچانے کی سعی سے حمیت قومی کا ثبوت پیش کریں۔

مکرمی جناب سردار فضل داد خانصاحب عباسی ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس رئیس چھیانٹی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:-

"میں نے رسالہ میں تجویز ہفتہ وار اخبار وکمی چندہ فنڈ موجودہ اخبار کا ملاحظہ کیا۔ تجویز معقول ہے مگر میری رائے میں اگر موجودہ اخبار کے چندہ کو کم کرنے کی بجائے اسکو ہی ہفتہ وار اخبار میں تبدیل کرکے کچھ چندہ میں اضافہ کیا جاوے۔ تو خریدار زیادہ بن سکیں گے۔ علاوہ ازیں قومی خدمات میں بھی وسعت پیدا ہوگی۔ اخبار کی شان بھی دوبالا ہوجائے گی۔ اس کام میں جسقدر خریدار میرے ذمہ لگائے جائیں گے۔ ان کو میں تیار کرونگا۔

۲- مراسیوں کی اپیل خارج ہوچکی ہے۔ جو انہوں نے تبدیلی قوم کیلئے دائر کر رکھی تھی۔ اس معاملہ میں خصوصاً جسقدر آپ نے دلچسپی لی ہے۔ اور ہر قسم کے ریکارڈ مہیا کرکے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم آپ کے اس جذبۂ قومی کے تہ دل سے شکرگزار ہیں۔ اور قوم آپ کی ان خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ برکت علی مراسی اب پونچھ سے بے نیل مرام واپس پھرا ہے۔"

مکرمی ڈاکٹر محبوب عالم صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۸ر فروری سے ۱۸ر مارچ تک پورا ایک مہینہ "القریش" کے انتظار میں گذرا۔ بارے خدا خدا کرکے آج "القریش" دیکھنا نصیب ہوا۔ تذکرہ برادری کے زیر عنوان آپ نے جو شذرہ سپرد قلم فرمایا ہے

اسے پڑھکر دل کو بیحد تشویش ہوئی۔ اگر باد حوادث سے قریش کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ خدانخواستہ گل ہو گیا۔ تو اندھیر ہو جائیگا۔ قوم میں جو تھوڑی بہت بیداری اس نے پیدا کی ہے۔ وہ بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے القریش کا وجود قوم کی بقا کیلئے ازبس ضروری ہے۔ اسکا مٹ جانا قوم کے مٹ جانے کے مترادف ہے۔ اور اسکا زندہ رہنا قوم کے زندہ ہونے کا ثبوت۔

تین تجویزوں میں سے میرے خیال میں دوسری تجویز موزوں ہے۔ کیونکہ اقتصادی بدحالی کے زمانہ میں دیگر رسائل بھی قیمت میں تخفیف کر رہے ہیں۔ تاکہ ارزانی کی وجہ سے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ تیسری تجویز بھی منفعت بخش ہے۔ لیکن پہلی تجویز خطرات کو دعوت دیتا ہے میرے خیال میں اگر متمول اصحاب مالی امداد فرمائیں۔ تب بھی موجودہ پریشانی دور ہو سکتی ہے۔ افسوس جن کے پاس دولت ہے۔ انہیں احساس نہیں۔ وہ پتھر کا دل لیکر آئے ہیں۔ اور جن کو احساس ہے جن کے دل میں قومی ہمدردی ہے۔ ان کے پاس زر نہیں۔ موجودہ زمانے میں تو گذر اوقات بھی دشوار ہو رہی ہے۔ نوے فیصدی لوگ مالی پریشانی میں مبتلا ہیں۔

ایسی صورت میں حضور نظام کی توجہ بھی مبذول کرانی ضروری ہے۔ کہ وہ زر امداد میں اضافہ فرمائیں میں حیران ہوں کہ کونسی ایسی تازہ اُفتاد آپڑی ہے۔ جس نے القریش کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ خدا اسے حوادث سے محفوظ رکھے۔ آمین!۔

حافظ نسب رسول مخدومی قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی رقمطراز ہیں:۔

القریش کی حیات و ممات کا سوال آج ہی نہیں بلکہ گذشتہ چند سالوں میں اس سے قبل بھی کئی مرتبہ قوم کے سامنے آچکا ہے۔ مگر محسن القوم مولانا محمد علی صاحب آرزو صدیقی مالک و مدیر القریش کی یہ سخت جانی ہے۔ کہ باایں ہمہ وہ اب تک اسکو کشاں کشاں زندہ رکھے چلے آتے ہیں۔

ہندوستان کی دیگر مسلم اقوام کے مقابلہ میں قوم قریش کے متعلق میں اس نظریہ کو تسلیم کرنے کیلئے طیار نہیں ہوں۔ کہ اقتصادی بدحالی نے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔ اور ان کی معاشری حالت بالعموم پست ہو چکی ہے۔

میں اپنے ذاتی مشاہدہ کے رو سے کہہ سکتا ہوں کہ گذشتہ ۲۵ سال میں سادات و قریش نے بحیثیت مجموعی جسقدر اقتصادی علمی اور مجلسی ترقی کی ہے۔ وہ قابل ہزار تحسین ہے۔ اس لئے القریش ایسے قومی آرگن کے بقا و احیاء کیلئے بحالات موجودہ میری ناچیز رائے یہ ہے۔ کہ اسے بدستور ماہوار رہنے دیا جائے۔ اور ایک سال کے لئے دو روپیہ سالانہ کی بجائے تین روپے سالانہ قیمت پر تین سو خریدار مہیا کئے جائیں۔ جب

ہو جائے۔ اور الفریش مالی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ تو پھر بشرط ضرورت کسی وقت تخفیف قیمت کا مسئلہ قابل غور ہو سکتا ہے۔

میں اس بات سے بھی اتفاق نہیں کر سکتا۔ کہ امیر اور فارغ البال طبقہ قوم اور قومی ضروریات سے بے پرواہ ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت ایسا نہیں ہے۔ کہ ہم اپنے میں سے کسی گروہ کو ہدف ملامت بنائیں۔ یا اسکو خارج یا الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ امیر و غریب سب ملکر اس بات کو ثابت کر دیں۔ کہ ہم ابھی زندہ ہیں۔ اور زندہ رہیں گے۔

میرے نزدیک کمی صرف چند ایسے مخلص کارکنوں کی ہے۔ جو اس مقصد کیلئے مضبوط قوت ارادی کے ساتھ کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔

(الفریش کو بہرحال معاونین کرام کی امداد و اعانت کی ضرورت ہے کسی قوم کی زندگی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ اسکے افراد قومی امور میں گہری دلچسپی لیں۔ اور ذاتی کاموں پر قومی ضرورتوں کو ترجیح دینے کے خوگر ہو جائیں)

اگست گذشتہ میں قاضی حکیم غلام مصطفےٰ صاحب رہداس (امرتسر) کے اس مقدمہ کا فیصلہ کہ "قاضی کوئی قوم نہیں۔ بلکہ ایک عہدہ ہے" خان سلطان زمان خاں صاحب سب جج امرت سر نے مدعی کے حق میں دیدیا تھا۔ جس میں تاریخی شواہد کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے فاضل جج نے تسلیم کر لیا تھا۔ کہ قاضی واقعی کوئی قوم نہیں۔ اور مدعی قریشی ہے۔ سرکاری وکیل نے کمشنر کی اجازت سے اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر ہوا۔ جس کا فیصلہ ملک فتح خانصاحب سینئر سب جج امرتسر نے یکم اپریل کو سنایا۔ آپ نے عدالت ماتحت کے دلائل و براہین اور حقائق و شواہد کی تائید کی۔ اور فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس طرح یہ مسئلہ طے ہو گیا۔ کہ "قاضی" کا لفظ جج، منصف وغیرہ عہدہ کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہ کسی قوم کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ ہم قاضی غلام مصطفےٰ صاحب کو ان کی کامیابی پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کافی خرچ اور تکلیف برداشت کر کے ایک ایسے عقدہ کو حل کر دیا ہے۔ جو کئی خاندانوں کیلئے گوناگوں فوائد کا موجب ہوگا۔

چیف سیکرٹری صاحب ندوۃ القریش، مکرمی قاضی اعان الحق صاحب صدیقی بی اے، بی ٹی کے مراسلہ گرامی مورخہ ۴ اپریل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ قبل ازیں بھی قاضی صاحب کا بدیں مضمون ایک خط موصول ہوا تھا جسکا مفصل جواب بذریعہ ڈاک دیدیا گیا تھا۔ صدیقی، عثمانی عباسی، فاروقی وغیرہم واقعی قریش کی شاخیں ہیں۔ اور ہر صدیقی و عثمانی، عباسی اور فاروقی قریشی ہے۔ رہا یہ کہ افسران مال انہیں قریشی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ افسران موصوف کی محض تاریخ سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ ضلع حصار اور فیروزپور کے اکثر عباسی و صدیقی حضرات عدالتی طور پر اس بات کا تصفیہ کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ یہ کام جماعتوں کے ہیں۔ انفرادی طور پر ان امور کا بطریق احسن تصفیہ بہت مشکل ہے۔ لہذا اقتضائے وقت یہ ہے۔ کہ آپ اپنے ضلع میں ایک جماعت کا قیام عمل میں لائیں اور اسکا

الحاق مرکزی جماعت یعنے "ندوۃ القریش" سے کرکے باقاعدہ موثر اقدام کی صورت پیدا کریں۔ مرکزی جماعت کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہونگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ان تکالیف کا سدباب ہو جائیگا۔ افراد قوم میں حرکت پیدا کریں۔ تاکہ قومی حقوق محفوظ اور اشتراک عمل سے مفید ترین نتائج مرتب ہوسکیں چہ جائیکہ اس مشورہ پر کوئی توجہ دی جاتی۔ جواب تک موصول نہیں ہوا۔

اگر آپ برادری کا کوئی جلسہ منعقد کرنے کی تجویز کریں تو مرکزی جماعت کو تاریخ جلسہ سے اطلاع دیں۔ تاکہ صحیح رہنمائی کیلئے آپ کی خدمت میں کوئی نمائندہ بھیج دیا جائے۔

مارچ کے "تذکرہ برادری" میں مکرمی رفیق حسن صاحب بی۔ اے کے عطیہ کا اعلان شائع ہوا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ آپ کے ارسال کردہ تیس روپے میں ہم دو روپے سالانہ کے حساب سے ان برادران قریش کے نام القریش جاری کریں گے۔ جو قوم کے اصلاحی امور سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ اور سترہ اپریل تک دو دو روپے کا منی آرڈر ارسال کریں۔ غیر مستطیع حضرات کیلئے یہ بہترین موقعہ تھا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اصل قیمت میں ایک روپیہ سالانہ کی اس رعائت سے مستفید ہونے کیلئے بھی کوئی آمادہ نہیں ہوا۔ دفتر میں ایک درخواست بھی اب تک موصول نہیں ہوئی۔ جس قوم کے افراد کے احساسات اور قومی معاملات سے شغف و انہماک کی یہ کیفیت ہو۔ اس کے مستقبل کا اندازہ بلاتکلف ہوسکتا ہے۔ ہم اس رعائتی اعلان کی میعاد میں ایک مہینہ کی اور توسیع کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ کتنے دردمندان قوم قومی آرگن کے مفاد اور اپنے مفاد کو مشترک قرار دیتے ہوئے اس اعلان سے مستفید ہوتے ہیں۔

مکرمی شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ آپنے القریش کے پریشان کن اعلانات سے متاثر ہو کر امداد و اعانت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ڈاکٹر فضل حسین صاحب صدیقی ایم بی بی ایس کے نام رسالہ جاری کرانے سے اپنے قومی آرگن کی توسیع اشاعت میں اولین عملی اقدام کیا ہے۔ ہم آپ کی سبقت پر آپ کے مشکور ہیں۔ امید ہے۔ کہ دیگر احباب بھی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے مطابق خریداروں کی فہرستیں بھجوا کر قومی جریدہ کی امداد سے عندالقوم مشکور ہونگے۔ وباللہِ التوفیق!

جن معاونین کرام کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ آئندہ سال کا زرچندہ بواپسی بصیغہ منی آرڈر ارسال کرکے حمیت قومی کا ثبوت دیں اور نئے معاونین پیدا کرنے کیلئے امکانی مساعی عمل میں لاکر قومی جریدہ کو اس نازک دور سے بچانے کی سعی سے عندالقوم مشکور ہوں۔ اور جن حضرات کی خدمت میں القریش نمونتہً حاضر ہوتا ہے۔ وہ از رہ حمیت قومی زرقیمت کی ترسیل سے مشکور کریں۔

پونچھ کا عباسی خاندان

ریاست پونچھ کا عباسی خاندان ایک معزز و مفتخر خاندان ہے۔ زمینداری اور سرکاری ملازمتوں کے لحاظ سے عام اقوام میں اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ علم و فضل دولت و ثروت، عزت و وجاہت کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ اللّٰھم زد فزد،

اس خاندان کے ہر فرد کو شہرت خاص حاصل ہے۔ خانصاحب سردار محمد اکرم خاں ریٹائرڈ جج، سردار فضل داد خاں صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس۔ سردار محمد حیات خانصاحب میڈیکل افسر، اور خان بہادر، سردار بہادر، سردار عطا محمد خاں قابل ذکر شخصیتیں ہیں۔ پہلو میں درد مند دل رکھنے کی وجہ سے ان حضرات کی ہر دلعزیزی غیر فانی شہرت حاصل کر چکی ہے قوم کے اصلاحی امور سے شغف قدرت سے ودیعت ہوا ہے۔ اور وہ قوم و ملّت کی ہر خدمت کیلئے پیش پیش رہنا حیاتِ انسانی کا بہترین فرض سمجھتے ہیں۔

موخرالذکر سردار عطا محمد خاں ملٹری پولیس کے اسسٹنٹ کمانڈنگ افسر کے عہدہ پر فائز تھے بہترین کارگذاری کی وجہ سے ترقی کر کے کپتان کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوئے۔ اب آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر گھر تشریف لے آئے ہیں۔ آپ کو خان بہادر، سردار بہادر کے معزز سرکاری خطابات کے علاوہ ایس، بی، او، بی، آئی، کے، پی، ایم کے مفتخر خطابات بھی حاصل ہیں۔ آپ طبعاً نیاض و قوم پرور واقع ہوئے ہیں۔

اس وقیع خاندان کے تاریخی حالات پر خانصاحب سردار محمد اکرم خاں مذکور موصوف نے مبسوط روشنی ڈالی ہے۔ جو کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ کسی اشاعت میں اس پر ناظرین القریش کے تعارف کے لئے کچھ وضاحت کے ساتھ لکھیں گے۔ امید ہے کہ مذکورۃ الصدر حضرات ہماری قلمی اعانت سے دریغ نہ کریں گے۔ اور مختلف قریشی خاندانوں کے باہمی ارتباط و تعارف کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوگا۔ خدا تعالیٰ توفیق دے۔ آمین!

بصائر و عبر
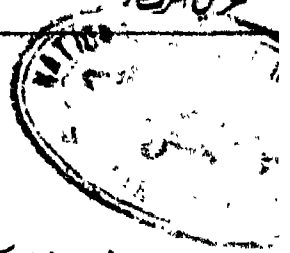
ابو جعفر منصور مشرق کے ان نامور بادشاہوں میں سے ہوا ہے۔ جن کی سلطنت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی ابو جعفر منصور اپنے زمانہ کا سب سے بڑا سیاستدان اور مدبر ہوا ہے اس نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے آل رسول کو قتل کرایا۔ ابو مسلم کا سر اسی کے اشارہ سے قلم کیا گیا۔ علویوں پر ابو جعفر کے ہاتھوں شدید مظالم ہوئے۔ غرضیکہ ابو جعفر منصور ایک ایسا جبروت شہنشاہ ہوا ہے۔ کہ اس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ لیکن جب موت کے فرشتہ نے اسکو آکر دبایا ہے۔ تو وہ وطن سے دور مکہ معظمہ آتے ہوئے راستہ ہی میں فوت ہوگیا۔ جب اس کی حالت خراب ہوئی۔ تو اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں نے مشرق سے لیکر مغرب تک حکومت پھیلا دی۔ میں نے خزانہ کو زر و جواہر سے پر کر دیا۔ لیکن جب سب چیزیں جس مقصد کے لئے حاصل کی جاتی ہیں۔ وہ مقصد مجھے حاصل نہیں ہوا۔ یعنی قلبی سکون میں نے اپنی ساری زندگی بے چینی میں گذاری۔ اور اب بے چینی کی حالت میں وطن سے دور مر رہا ہوں۔ اے دنیا والو میں تم کو سلام کہتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ وہ میری طرح تم کو فتنہ میں نہ ڈالے۔ زندگی کا بہترین مقصد خلق خدا کی خدمت ہے۔ جو حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے"

مورخین کا بیان ہے۔ کہ جب یہ دردناک الفاظ اس کی زبان سے نکل رہے تھے۔ تو اس کے رخسار آنسوؤں سے تر بتر تھے۔ اس کے بعد منصور پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور ۷ ذوالحجہ ۱۵۸ھ کو اس نے بمقام بطن اس جہان فانی کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہدیا۔

خلیفہ منتصر باللہ اپنے آپ خلیفہ متوکل کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ قدرت اس سے انتقام لینے کی فکر میں ہے۔ خلیفہ منتصر کے خلاف ایک بہت بڑی سازشی جماعت تھی۔ جس نے خلیفہ کے طبیب خاص ابن طیفور کو تیس ہزار دینار رشوت دی۔ کہ زہر آلود نشتر سے خلیفہ کی فصد کھولے۔ چنانچہ طبیب مذکور نے دوران علاج میں زہر آلود نشتر سے فصد کھولدی فصد کھولتے ہی نشتر کا زہر جسم میں دوڑ گیا۔ اور ۵ ربیع الآخر ۲۴۸ھ کو چھ مہینے سے بھی کم خلافت کر کے یہ قاتل بادشاہ فوت ہوگیا جب منتصر کو یہ محسوس ہوگیا۔ کہ اسے زہر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اسکا آخری وقت قریب آ گیا تو کہنا شروع کیا

"میں نے دین اور دنیا دونوں کو کھو دیا۔ کل میں نے اپنے باپ کو حکومت کے لالچ میں قتل کیا تھا۔ اور آج اسی طرح میری زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ حرص اور ہوس میرے لئے پیام موت ثابت ہوئے اے دنیا تو نے میرے ساتھ وفا نہ کی۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر میں شاہی گھرانے میں پیدا ہونیکی بجائے کسی غریب گھرانے میں پیدا ہوتا۔ تاکہ آج میں اس طرح ناامیدی اور مایوسی کی موت نہ مرتا۔ میں ہزاروں تمنائیں اپنے دل میں لیکر جا رہا ہوں" یہ الفاظ کہنے کے بعد خلیفہ

شذرات

حیدرآباد کا فساد اور حضور نظام

پچھلے دنوں بھائی پرمانند حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں بھی اپنی زہریلی تقریروں سے فضا کو مسموم کر دیا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت حضور نظام پر نہائت شرمناک حملے کئے۔ اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں فرقہ وار فساد ہو گیا جس میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر افسوسناک تشدد روا رکھا۔ اب اس سلسلہ میں اعلیٰحضرت حضور نظام نے ایک فرمان جاری کیا ہے۔ جس میں فرقہ وار فسادات کی مذمت کرنے کے بعد ریاست کے تمام فرقوں کو تنبیہہ کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی معاندانہ و شر انگیزانہ سرگرمیاں ترک کر دیں۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ بصورت دیگر حکومت کو قیام امن اور رعایا کے تحفظ جان و مال کیلئے موثر ترین تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔

ریاست حیدرآباد کے ہندو باشندوں کا فرض ہے کہ بھائی پرمانند جیسے متعصب ہندو رہنماؤں کا آلہ کار نہ بنیں۔ کیونکہ اس طرح خود انہی کے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

ریاست بہاولپور میں مالیہ کی معافی

اعلیٰحضرت ہز ہائینس حضور تاجدار بہاولپور نے فصل خریف ۱۹۳۷ء زر مالیہ وغیرہ میں معافی تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ کمیٹی مذکور نے زر مالیہ و آبیانہ وغیرہ میں معافیات عطا فرمائے جانے کی سفارش نواب صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ جس پر معاملہ و آبیانہ و دیگر خراج میں فصل خریف ۱۹۳۷ء میں مختلف رقبہ جات میں علاوہ ان معافیات کے جو بموجب قواعد خرابہ عطا کی گئی ہیں۔ حسب حالات رقبہ کاشتہ بیس فیصدی سے ننتیس فیصدی تک معافی عطا فرمائی گئی۔

اس ضمن میں اس کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ نواب صاحب سالہائے گذشتہ میں بھی اپنی محبوب رعایا زمینداران کاشتکاران و آبادکاران کو اقتصادی حالات کے پیش نظر معافیات دیکر نوازتے رہے ہیں۔ موجودہ فصل خریف میں جو معافیاں عطا کی گئیں۔ اسکی میزان ۲۰۰ ۲۸۹ روپیہ ہوتی ہے

(محکمہ اطلاعات بہاولپور)

چین کی فتوحات

اب کچھ عرصہ سے چین سے جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چینیوں کو جاپانی افواج کے مقابلہ میں اہم فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ایک تازہ اطلاع مظہر ہے کہ چینیوں نے ساو دان پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ اور جاپانی افواج کے جو دستے تار جوان سے بھاگ رہے ہیں۔ انہیں گھیر لیا ہے۔ اور یہاں انکے ہاتھ دس ہزار رائفلیں نو سو مشین گنیں، ۷۷ ملکی میدانی توپیں اور تین آہن پوش کاریں بھی آئی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب چینیوں کو روس کی طرف سے کافی امداد پہنچنی شروع ہو گئی ہے۔ اگر صورت حالات یہی رہی۔ تو جاپان کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ اور اسکی تمام استعمار پرستانہ آرزوئیں

فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر کا حسرتناک انجام

(از سید اظہر حسن صاحب زاہدی۔ بی۔ اے)

اموی خلیفہ عبدالملک کے عہد میں افریقہ کا گورنر مشہور و معروف عرب جرنیل موسیٰ ابن نصیر تھا۔ جو اپنے حیرت انگیز ہمت و استقلال اور شجاعت و بسالت کیلئے امتیاز خصوصی رکھتا تھا۔ اور افریقہ کو فتح کرکے باطل پرستوں کے دلوں پر اپنی ہیبت و سطوت کا سکہ جما چکا تھا۔ موسیٰ نچلا بیٹھنے والا نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کوئی اور میدان تلاش کرے۔ اور کسی دوسرے ملک پر اسلامی پرچم لہرائے۔ اس کی نظریں بار بار اندلس پر پڑ رہی تھیں۔ لیکن وہ موقعہ کا منتظر تھا۔ آخر اس کی صورت پیدا ہوگئی

ہسپانیہ میں جس کا قدیم نام آئی بیریا ہے۔ قوم گاتھ کی حکومت کا آخری دور تھا۔ اور رعایا بادشاہ راڈرک کی حد سے بڑھی ہوئی ستمرانی کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ ہرطرف بے اطمینانی۔ آرام طلبی اور خانہ جنگی کا دور دورہ تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا۔ کہ کاؤنٹ جولین جو خاندان شاہی کا ایک مقتدر رکن تھا۔ بادشاہ کا دشمن ہوگیا۔ اس زمانہ کا دستور تھا۔ کہ شہزادے اور عمائدین سلطنت اپنی لڑکیاں اور لڑکوں کو بادشاہ کے پاس پہنچا دیتے تھے تاکہ اس کی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت ہو۔ کاؤنٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا . . . . بھی مرکز سلطنت طلیطلہ میں مقیم تھی۔ اس پری جمال لڑکی پر بادشاہ مفتون ہوگیا اور بہ جبر اس کے ساتھ تعلق قائم کر لیا۔ جب اسے اطلاع ملی۔ تو وہ غصہ سے بیتاب ہوگیا۔ اور اس کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ چنانچہ اس نے اور اشبیلیہ (سیول) کے رئیس نے مسلمان حملہ آوروں کو کافی امداد دی۔

طارق کے کارنامے

آخر چند ستم رسیدہ عیسائی موسیٰ کے پاس پہنچے۔ اور اسے اندلس پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ اور جب اسے تحقیقات کے بعد معلوم ہوگیا۔ کہ حالات واقعی سازگار ہیں تو اس نے باجازت خلیفہ اندلس پر قبضہ کرنیکا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے فی الفور اپنے بہادر لفٹننٹ اور دست راست طارق ابن زیاد کو سات ہزار مجاہدین کے ساتھ اندلس کی طرف روانہ کر دیا۔ طارق اپنی فوج کو چار بڑی کشتیوں میں سوار کرکے ابنائے طارق کے اس پار لے گیا۔ اور اس پہاڑ پر خیمہ زن ہوا۔ جو آج تک اس کے نام سے منسوب ہے۔ لیکن کنارہ پر پہنچنے کے بعد اس اولوالعزم مجاہد نے کشتیوں کو تباہ کر دیا اور اپنے سرفروش رفقاء سے عہد کیا۔ کہ ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے۔

جزیرہ الخضرا کی معمولی سی جنگ کے بعد طارق کو راڈرک کے سپہ سالار کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جس کے ساتھ بہت بڑی فوج تھی۔ لیکن طارق نے اسے پے در پے شکستیں دے کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ تدمیر ایک بہادر اور ہوشیار جرنیل تھا۔ لیکن عرب جانبازوں کے سامنے اسکی کوئی پیش

نہ گئی۔ اس نے تمام حالات سے بادشاہ کو اطلاع دی۔ اور کمک طلب کی۔ اس دوران میں طارق نے نہایت تیزی کے ساتھ الجزائر اور شدونہ کے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ اور وادی تک پہنچ گیا۔

ادھر بیر کی امداد کیلئے راڈرک ۹۰ ہزار نفوس کا لشکر جرار لے کر پہنچ چکا تھا۔ اور موسیٰ نے طارق کی اعانت کیلئے سات ہزار مجاہدین روانہ کر دیئے تھے۔

یہاں ان دونوں لشکروں کے درمیان نہایت خوفناک جنگ ہوئی۔ دشمن کی فوج تقریباً دُگنا زیادہ تھی۔ دو روز تک عربوں نے اس ٹڈی دل لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ تیسرے روز لشکر اسلام میں کچھ ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس پر طارق نے ایک نہایت ولولہ انگیز جرأت آموز تقریر کی۔ اور مجاہدین اپنی پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اور چشم زدن میں اس لشکر جرار کو شکست دے دی۔

مزید فتوحات

طارق نے فی الفور ایک خط قاصد کے ذریعہ سے موسیٰ کو بھیجا۔ جس میں اس فتح مبین کے روح پرور حالات درج تھے۔ موسیٰ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اپنے بیٹے عبد العزیز کو اپنا قائمقام بنا کر دس ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل کی جمعیت کے ساتھ اندلس روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو فرزند عبداللہ اور مروان بھی تھے۔ اندلس پہنچنے کے بعد اس نے طارق کو ایک خط روانہ کیا کہ میرے اس کی قوت کو بآسانی پہنچنے تک آگے پیشقدمی نہ کرو۔ لیکن طارق کے افسروں نے مشورہ دیا۔ کہ اس وقت دشمن کا تعاقب کر کے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنوانا چاہیئے۔ ورنہ پھر قوت حاصل کرے گا۔ چنانچہ طارق نے اپنی پیشقدمی کو جاری رکھا۔ اور اس کی افواج نے قرطبہ۔ استیجہ۔ ملقون۔ البیرہ۔ طلیطلہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد طارق وادی حجارہ اور درہ کو فذ (فج طارق) کے راستہ سے مدینۃ المیدہ پہنچا۔ جہاں اسے ایک زمرد کی میز اور بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ اور صوبہ جلیقہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد طلیطلہ واپس چلا آیا۔

طارق سے موسیٰ کی ناراضی

موسیٰ کو جب یہ اطلاع ملی۔ کہ طارق نے اس کے حکم کے خلاف پیشقدمی جاری رکھی۔ تو وہ بہت غضبناک ہوا۔ اور شدونا (سدونیا) اشبیلیہ اور مریدہ کو فتح کرتا ہوا طلیطلہ میں داخل ہو گیا۔ جہاں پہنچ کر اس نے تادیباً طارق کو قید کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اسے رہا کر کے اسے سپہ سالار فوج بنا دیا۔ بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس کے بعد اسلامی لشکر جبل البرتات (کوہ پیرینیز) کو عبور کر کے جو سرحد فرانس پر واقع ہے۔ فرانس کے مقامات پر شلونہ اربونہ (ناربون) اور لیون (لائنز) پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد انتظامات کی عدم تکمیل کے باعث اسے واپس آنا پڑا۔ راڈرک کا سپہ سالار تھیوڈومیر جنوبی ہسپانیہ میں بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اسے موسیٰ کے بیٹے عبد العزیز نے شکست دی۔ جس کی وجہ سے وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس نے البیرتیہ۔ جیان اور غرناطہ کو بھی فتح کر لیا۔

دمشق میں طلبی

ابھی موسیٰ اپنی فتوحات کا انتظام ت اچھی طرح فارغ بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ خلیفہ کی طرف سے فرمان موصول ہوا۔ کہ فی الفور دمشق میں حاضر ہو جاؤ۔ موسیٰ نے اندلس کو خیرباد کہہ دیا۔ اور اندلس و افریقہ کے انتظامات درست کرنے کے بعد طارق کو ہمراہ لیکر دمشق روانہ ہوگیا۔ مورخین اس باب میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کہ موسیٰ ولید کی زندگی میں دمشق پہنچا۔ یا اس کی وفات کے بعد سلیمان کی تخت نشینی پر۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ سلیمان نے غالباً حاسدین و مخالفین موسےٰ کی ریشہ دوانیوں سے متاثر ہوکر اس پر جبر و تشدد روا رکھا۔ اسے قید کر دیا۔ اور اس پر اسقدر جرمانہ کیا۔ کہ وہ نان شبینہ کیلئے محتاج ہوگیا۔ بادشاہ اس کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن امیر ابن المہلب کی سفارش سے اس کی جان بخشی۔ لیکن سلیمان نے اس کے جرمانہ میں کوئی کمی نہ کی۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس نے اس کے بیٹے عبدالعزیز کو قتل کرا دیا۔ جو اندلس میں تھا۔ اس کا انجام بہت دردناک ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اسکا دامن تمام الزامات سے پاک ہے۔ وہ نہایت بہادر اور ہوشیار جرنیل تھا۔ رحم دل۔ فیاض۔ مساکین پرور اور علم نواز تھا۔ شیدائے اسلام تھا۔ اور احکام مذہبی کا سختی کے ساتھ پابند تھا۔ وہ سنہ ۱۹ھ میں (بہ عہد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ) پیدا ہوا۔ اور سنہ ۹۷ھ میں وفات پاگیا۔ اگر موسیٰ چاہتا تو افریقہ اور اندلس کا بادشاہ بن بیٹھتا۔ لیکن راستبازی کی وجہ سے اس کا خیال بھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سلیمان' نا قدردانی کے باعث افریقہ مصر اور اندلس کے گورنروں نے خلافت سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ اور خود مختار ہو گئے۔ بہرکیف جو لرزہ خیز مظالم موسیٰ اور اس کی اولاد اور دوسرے لوگوں پر بعض اموی خلفانے روا رکھے۔ وہ رنگ لائے۔ اور بنو عباس نے ان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اعتذار

پیش آمدہ تکالیف کے پیش نظر الفردوس کی یہ اشاعت چند صفحات کی کمی سے شائع ہو رہی ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ناظرین کرام نے اگر ہماری اپیل پر پوری توجہ دی اور انہوں نے اپنا فرض محسوس کیا۔ تو انشاءاللہ تعالےٰ یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

(مینجر)

زمانۂ سلف کے مسلمان اور کیمسٹری

(جناب اصغر میرزا شمیم جالندھری)

افریقہ، ہسپانیہ اور مغربی ایشیا پر تسلط جما لینے کے بعد عربوں کو مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی تہذیب و تمدن کو اختیار کرنا پڑا۔ اور اس کے برعکس شکست خوردہ باشندوں کی زبان پر عربی زبان کا ایک حد تک اثر پڑا جس وقت ملک میں امن و سکون ہوا عرب جملہ علوم کی تحصیل میں سرگرم مساعی رہے۔ سکول و کالج کی خبر یہ تھی۔ معائنہ گاہ اور ہسپتال ملک کے گوشہ گوشہ میں کثیر تعداد میں قائم کئے اور عوام کو مہذب و شائستہ بنانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ علماء بغیر امتیاز مذہب و ملت دمشق یا بغداد میں مدعو کئے جانے لگے۔ یونانی قلمی نسخے کثیر تعداد میں فراہم کئے گئے۔ ان کی ورق گردانی کی گئی۔ ان پر تبصرے ہوئے اور ان کی گراں مایہ بلند پایہ، مجیم و ضخیم تفسیریں سپرد قلم کی گئیں۔ اس طرح قدیم علوم کو ایک نئے موثر رنگ میں پیش کیا۔ عربوں کی حریت فکر نے تجسس علم کے ذوق کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ وہ شمع علم کے پروانے تھے۔ اور بغداد دنیا کا مرکزی گنجینۂ علم تھا۔ ابتدا سے مکتب بغداد تعلیم سائنس کی وجہ سے امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ غیر اصلاح شدہ امور کی اصلاح میں منہمک رہتا اور مصدقہ اصول پر ہر حالت میں کاربند رہنا۔ اور ان باتوں کو نازیبا تصور کرنا جو مشاہدہ اور تجربہ کی رو سے باطل ہو چکی ہوں۔ یہ وہ لازمی اصول تھے۔ جن پر اس زمانہ کے ماہرین علم سائنس کاربند رہا کرتے تھے۔ اور تلامذہ کو اپنے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں الکیمیا کی قدیم کتابوں کی تحقیق و تدوین کرنے والا پہلا شخص خالد ابن یزید ابن معاویہ تھا۔ وہ ایک عالم، شاعر، فصیح البیان مدبر اور ہمت و استقلال کا پتلا تھا۔ سرگرمی اور انصاف پسندی اس کی رگ رگ میں کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے یونانی کتب کا جو طب، علم نجوم اور علم الکیمیا پر مشتمل تھیں ترجمے کئے۔ نیز خود اس نے متذکرہ بالا علوم کی متعدد مستند کتب تصنیف کیں عربوں نے علم الکیمیا یونانیوں سے حاصل کیا۔ اور اس ضمن میں شام کے مسیحی علماء نے بھی یونانی علم الکیمیا کی کتب کے عربی زبان میں ترجمے کئے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ یونانی علوم کی کتب کے مترجم اہل شام ہی تھے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آٹھویں صدی میں بہت سے مسلم علماء کو یونانی زبان پر عبور تھا۔ جو یونانی مصنفین کی تصانیف کو نہایت آسانی سے سمجھنے کی قدرت رکھتے تھے۔

اسلام میں یونانی علوم کی نشر و اشاعت بہت بڑی حد تک ایران کی راہ سے بھی ہوئی ہے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد حکومت میں خوزستان میں ندی شاپور کے مقام پر

ایک عدیم النظیر تعلیم گاہ تھی۔ اور مسلمانوں کی علمی ترقی پر یونانی فلسفہ اور طب کی اس ایران زدہ صورت کا بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ جو اس درسگاہ میں رائج تھا۔

سب سے بلند مرتبت مسلم ماہر کیمیا جابر ابن حیام گذرا ہے۔ ان کے والد ماجد کوفہ کے باشندہ تھے۔ جن کا تعلق جنوبی افریقہ کے مشہور فرقہ العقد سے تھا حیام کوفہ میں عطاری کیا کرتے تھے۔ ان کے ایام زندگی آٹھویں صدی کے اوائل تک حوادث و انقلابات سے مبرا رہے بعد ازاں ان کو طاقتور عباسیہ خاندان کی ہمنوائی کرنی پڑی۔ جس کا مقصد بنو امیہ کے خلیفہ وقت کو برطرف کرنا تھا۔ اور اسی تگ و دو میں انہوں نے اپنی جان عزیز کو کھو دیا۔

یتیم و بے نوا جابر کو اس کے اعزہ و اقارب کے پاس عرب بھیجدیا گیا۔ عرب کے دوران قیام میں اس نے حربی الحمیاری نامی مشہور و معروف عالم سے قرآن شریف علم ہندسہ اور دیگر علوم حاصل کئے۔ اس دوران میں عباسیہ خاندان حصول مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اس عرصہ میں جابر نے امام جعفر الصادق سے واقفیت پیدا کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ امام جعفر کے اثر و رسوخ کی وجہ سے نیز اس حقیقت کے پیش نظر کہ جابر کے والد حیام نے اپنی جان عباسیوں کی خدمت کرتے ہوئے دی تھی۔ جابر نے وسط عمر میں خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ممتاز جگہ حاصل کر لی۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ جعفر برمکی کی وساطت سے جابر نے خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ جس کیلئے جابر نے الکیمیا جیسے معزز فن پر ایک کتاب لکھی۔ جابر ہی کی مسلسل کوششوں سے دوسری مرتبہ قسطنطنیہ سے سائنس کی یونانی کتب لائی گئیں پہلی مرتبہ خالد ابن یزید کے عہد میں درآمد کی گئی تھیں۔ یہ نویں چوتھائی صدی بیشتر کا ذکر ہے۔ مامون الرشید کے عہد حکومت میں علم و فنون میں انتہائی ترقی ہوئی۔ مامون نے ایک وفد شہنشاہ روم کے پاس اس غرض کیلئے بھیجا۔ کہ وہ یونانی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کی اجازت دے۔ اس نے اپنے عہد میں بیت الحکمت کو سنگ بنیاد رکھا۔ جابر کا میلان طبعیت زیادہ تر کیمیا کی طرف تھا۔ لیکن اس نے دیگر علوم پر بھی کتابیں لکھیں۔ وہ اپنے زمانہ میں انتہائی ہر دلعزیز عالم تھا۔ اس نے اقلیدس، منطق اور فن شاعری پر کتب تصنیف کیں۔ وہ جدید طریقہ تصوف میں بھی دلچسپی لیتا تھا۔ کوفہ میں اسکی لیبوریٹری اس کی وفات کے دو سال بعد برآمد ہوئی۔ وہ متمدن اور علم دوست انسان تھا۔ ۸۰۳ء میں برامکہ کے زوال کی وجہ سے جابر کو بھی ذلت اٹھانی پڑی۔ اور وہ کوفہ کو بھاگ نکلا۔ جہاں اس نے زندگی کے باقی ناخوشگوار لمحے گوشہ نشینی میں بسر کئے۔

جابر کی سب سے عجیب خصوصیت یہ ہے۔ کہ تصوف اور اوہام کی طرف مائل ہونے کے باوجود اس نے تجربہ کی اہمیت کو واضح طور پر محسوس کیا۔ اور تمام سابقہ ماہرین کیمیا سے بڑھ چڑھ کر اس کی اشاعت کی۔ اور کیمیا کے علمی اور عملی دونوں کاموں میں ایک قابل ذکر ترقی کی۔ دھاتوں کی ترکیب کے متعلق اس کے نظریئے وزنی تھے۔ اور تجربہ کے میدان میں بھی وہ عام کیمیاوی اعمال سے واقف تھا۔ کیمیا کی علمی حیثیت کو بھی نظر انداز کیا جاتا تھا۔ جابر نے فولاد تیار کرنے

اور دوسری دھاتوں کو صاف کرنے کے طریقے بیان کئے
اسی طرح کپڑے اور چمڑے رنگنے، اور واٹر پروف کپڑوں
اور دوسے کو محفوظ رکھنے کیلئے روغن تیار کرنے، نیز بالوں
کیلئے خضاب وغیرہ بنانے کے طریقے بتائے۔ وہ مینگنیز ڈائی
اکسائڈ (maganese dioxide) کے
گلاس بنانے میں استعمال اور ایسے ٹک ایسڈ
(Acetic acid) کو سرکہ سے تیار کرنے، نیز
دوسرے تیزاب اور غیر مادی اشیاء کے استعمال سے بخوبی
واقف تھا۔ اس کی مفید ایجاد شورے کا تیزاب ہے جسکی
بناوٹ کا مدلل بیان اس کی کتاب موسومہ "گنج فراست"
میں درج ہے۔

اسلام کا ایک اور نامور ماہر کیمیا اور طبیب ابوبکر محمد
ابن ذکریا الرازی ہے۔ جو ۸۶۶ء میں بمقام رَے پیدا
ہوا تھا۔ جو بحر اسود کے جنوب کی طرف سلسلہ البرز کے جنوبی
دامن پر ایک مشہور شہر تھا۔ ابن ذکریا کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ جس وقت وہ اپنی درسگاہ میں بیٹھتا
تھا۔ تو اس کے شاگرد اس کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ ان شاگردوں
کے شاگرد ان کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ اور آخر الذکر شاگرد ان
کے پیچھے۔ اگر کوئی شخص آکر سوال دریافت کرتا۔ تو ابن ذکریا
سب سے پچھلی قطار والوں سے اس کا جواب پوچھتا تھا۔ اگر
وہ شافی جواب دے دیتے تو سوال کرنے والے کو واپس بھیجدیا
جاتا۔ اگر وہ جواب نہ دے سکتے تو ابن ذکریا ان سے اگلی قطار
والوں سے وہی سوال پوچھتا۔ اگر ان میں سے کوئی طالب علم
صحیح جواب دے دیتا۔ اور سائل کو مطمئن کر دیتا۔ تو فبہا
ورنہ ابن ذکریا اس موضوع پر خود روشنی ڈالتا۔ وہ ایک
آزاد خیال اور فیاض آدمی تھا۔ غریبوں اور بیماروں کے
حق میں اسقدر رحمدل تھا۔ کہ بسا اوقات ان میں صدقہ
وخیرات تقسیم کیا کرتا تھا۔ اور ان کی تیمارداری کے لئے
خود جایا کرتا تھا۔ وہ ہر وقت مطالعہ اور اقتباسات نقل
کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے
پاس جاتا۔ تو اسے کسی نہ کسی تحریر میں منہمک پاتا۔ اوائل
عمر میں اس نے موسیقی ادب، فلسفہ اور الکیمیا وغیرہ کا
مطالعہ کیا۔ اور جب وقت اس کی عمر تیس سال کی ہوئی۔
اور وہ پہلی مرتبہ بغداد گیا۔ تو اس نے مشہور حکیم علی ابن سہل
سے حکمت کا کام نہایت شوق سے سیکھنا شروع کیا۔
ابن ذکریا نے اسقدر لیاقت کا اظہار کیا۔ کہ بہت جلد اپنے
استاد کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ اور حکمت پر کم و بیش ایک
سو کتابیں علم القدرت پر تینتیس ۳۳ ریاضیات اور فلکیات
پر گیارہ۔ اور کیمیا پر پندرہ کتابیں تحریر کیں۔ ابن ذکریا
نے ۹۲۵ء میں اپنے مقام ولادت ہی پر انتقال کیا۔
اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔

علم الکیمیا کے طالب علم کیلئے رازی کی شخصیت کا
جاننا حد درجہ ضروری ہے۔ کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس
نے کیمیاوی اشیاء ردعمل اور آلات کے متعلق مجرب
اور مستند اصولوں کی باقاعدہ تدوین کی۔ اور ان کو اپنی
سادہ اور برجستہ زبان میں بیان کیا۔ جو ابہام اور
مغالطہ سے پاک تھی۔ غالباً وہ جابر کے بلند اور قابل فخر
مرتبہ تک نہیں پہنچا۔ جس کا وہ خود معتقد تھا۔ لیکن اس
کی بلند خیالی اور زور قلم نے اس کے کاموں کو ایک غیر
فانی شہرت عطا کی۔ الکیمیا میں مستعمل اشیاء کے متعلق

اس کی تدوین کیمیاوی نقطۂ نگاہ سے وزنی اور گراں بہا تھی۔ اس کے کارہائے نمایاں مستعمل آلات کے مرکب اجزا کے متعلق پراز معلومات ہیں۔ یہ وہی معلومات ہیں جو دورِ حاضر میں بسویٹری آرٹس کے رسائل میں پائے جاتے ہیں

دوسرے مشہور کیمیاگر ابو منصور موافق اور ابوعلی ابن سینا گزرے ہیں۔ اول الذکر ایرانی تھا۔ جس نے دوا سازی پر ایک کتاب تصنیف کی جو یونانی، ہندوستانی عربی اور ایرانی ادویہ کے زبردست مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ گو اس کے نظریئے خصوصاً ایک طبیب کے ہیں۔ مگر یہ ماہرین کیمیا کیلئے بھی مفید و دلچسپ ہیں۔ اس کی کتاب کے مطالعہ سے ہم جان سکتے ہیں۔ کہ وہ سوڈیم کاربونیٹ اور پوٹاسیم کاربونیٹ کی خاصیتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور ان ذرائع سے بھی خبردار تھا۔ جن سے یہ اشیاء حاصل کی جاتی ہیں۔ وہ سیلیسک ایسڈ سرمے اور تانبے کی خاصیتوں کو بھی جانتا تھا۔ نیز مندکرہ بالا اشیاء کے سالٹس (Salts) کے زہریلے پن سے آشنا تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا۔ کہ سمندر کے پانی سے خالص پانی کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔

ابوعلی ابن سینا جسے ارسطوئے عرب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی بلند پایہ شخصیت کی وجہ سے ہماری قوم کو فخر حاصل ہے۔ دراصل عرب نہ تھا۔ بلکہ ایرانی النسل تھا۔ ۹۸۰ء میں بخارا کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اوائل عمر میں اسے قرآن شریف۔ عربی۔ شاعری حساب، اقلیدس منطق اور ادویہ کی تعلیم دی گئی۔ اس نے اسقدر محنت جگر کاوی اور استقلال سے ذاتی مطالعہ پہ زور دیا۔ کہ سولہ سال کی عمر میں اس نے طب کے میدان میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ جوان اور سند یافتہ طبیب اس کے پاس علم حاصل کرنے آتے تھے۔ سترہ سال کی نازک عمر میں اسے ملک کے کسی شہزادے کا طبیب خاص مقرر کیا گیا۔ اور بقایا عمر کے حصوں میں مختلف ممتاز عہدوں پر فائز رہا۔ ۱۰۳۶ء میں ۵۰ سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔ لیکن اس قلیل دورانِ حیات میں اس نے ادب طب، فلسفہ اور سائنس کے کارناموں کا ایک حیرت کن طومار مہیا کر دیا۔ اور ابنائے وطن کے لئے ایک ناقابل فراموش یادگار چھوڑ گیا۔ اس نے اپنی کتاب "العلاج" میں کافی حصہ علم القدرت کے ضمن میں وقف کیا ہے۔ وہ چٹان اور پتھروں کی بناوٹ، نیز مظاہر ارضی کے متعلق روشنی ڈالتا ہے۔ اور معدنیات کی خاصیتیں بیان کرتا ہے۔ جو حد درجہ دلچسپ ہونے کے علاوہ اشد ضروری چیزیں ہیں۔

دھاتوں کی بناوٹ کے متعلق سینا کا نظریہ ایک حد تک جابر کے نظریہ سے ملتا جلتا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہے۔ کہ پارہ اور گندھک یا ان کے مشابہ اور کوئی اشیاء تمام دھاتوں کے اجزائے اصلی ہیں۔ گو ہم جانتے ہیں۔ کہ اس کا یہ نظریہ غلط ہے۔ لیکن وہ ہر سابقہ نظریہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور بہت سے کامل ماہرین علم سائنس کے علمی تجسس کیلئے کافی عرصہ تک یہی نظریہ باعثِ تشفی رہا۔ وہ عام دھاتوں کے چاندی اور سونے میں مبدل ہو جانے کا قائل نہ تھا۔ اپنی کتاب میں وہ ماہرین کیمیا کے اس باطل خیال کی پر زور تردید کرتا ہے۔

تیرھویں صدی کی مشہور شخصیت منصور الکمالی

کی ہے۔ جو قاہرہ میں مصری ٹکسال پر ایک ممتاز کیمیا گر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے ایک عملی کتاب سونے کے نکالنے اور اس کو صاف کرنے کے متعلق لکھی تھی۔ جو عام طول کلامی اور بے عملی باتوں سے مبرا ہے۔ یہ کتاب نادر الوجود ہے۔ جس کی صرف ایک نقل شاہِ مصر کی لائبریری میں محفوظ طور پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ تیرھویں صدی کے کیمیا گر موجودہ زمانہ کے بہت سے ترقی یافتہ اعمال سے بخوبی واقف تھے۔

جیسا کہ محولا بالا بیان سے ظاہر ہوا ہوگا۔ زمانہ سلف کے بعض مسلم ماہرین کیمیا کا یہ خیال تھا۔ کہ ایسی اکسیر تیار کی جا سکتی ہے۔ جو اپنے تحلیلی عمل سے سیسہ، پارہ، ٹین، تانبا یہاں تک کہ لوہے کی کثیر مقدار کو بھی پہلے چاندی اور بعد میں سونا بنا سکتی ہے۔ اس قسم کا تغیر پیدا کرنے کی دیانتدارانہ ساعی میں انہوں نے لاتعداد اشیاء کی تحقیق و تقسیم کرنے میں نہایت محنت اور گرمجوشی سے تجربے کئے۔ جن پر انجام کار جدید علم الکیمیا کی داغ بیل ڈالی گئی۔ ای۔ جے۔ ہومیارڈ کے قول کے مطابق یورپ کی ابتدائی کیمسٹری ایک قسم کا اسلامی ترکہ ہے اور سب سے پہلے مسلم سائنسدانوں ہی نے کیمیاوی مظاہر کو علمی اصول کے سانچے میں ڈالا ہے۔ اور علم الکیمیا کی ابتدائی اصطلاحات بھی قرآنی الفاظ پر مشتمل ہے۔

مختصرات

—— پنجاب کے گورنر سر ہربرٹ ایمرسن چھ ماہ کی رخصت پر انگلستان تشریف لے گئے۔ ان کے زمانہ رخصت میں سر ہنری کرک پنجاب کے گورنر ہوں گے
—— پنجاب مسلم اوقاف بل کا مسودہ رائے عامہ کیلئے مشتہر ہو گیا۔ عامۃ المسلمین کو اس کی پرزور حمایت کرنی چاہیئے۔
—— کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں گفتگوئے مصالحت ہونے والی ہے۔
—— قتل کے ایک ملزم کو بری کرتے ہوئے چیف جسٹس پنجاب نے حکومت پنجاب کو ایک یادداشت ارسال کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ ملزموں کا اقرار جرم قلمبند کرنیوالے مجسٹریٹ اور پولیس افسر مقدمات کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔
—— گذشتہ ایک ماہ کے عرصہ میں بیشمار فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جس سے ہندوستان میں بدامنی و بداعتمادی اور بڑھ گئی۔
—— لاہور کے ہزاروں کسانوں نے بندوبست کے شرح مالیانہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے حکومت سے انصاف کی درخواست کی ہے
—— کانگریس کے افعال پر گاندھی نے تبصرہ کرتے ہوئے ہریجن کی تازہ اشاعت میں لکھا ہے۔ کہ صحیح عدم تشدد اہل کانگریس میں موجود نہیں۔ فسادات فرو کرنے کیلئے کانگریس کو پولیس اور فوج کی امداد طلب کرنی پڑی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگریس کے اکثر ممبر بوگس اور فرضی ہیں۔

۴۸۶

میری سرگذشت

(نمبر ۵۳)

عہد جاہلیت میں عربی کا یہ معمول تھا۔ کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے کوئی شخص مارڈالا جاتا۔ تو مقتول کا خاندان۔ قبیلے والے اور نیز ان کے حلیف قبائل قاتل کے خاندان اور قبیلے والوں سے پشت ہا پشت تک انتقام لینے کے درپے رہتے تھے۔

یہ کیفیت میں نے بلوچستان کی بلوچ اور براہوی اقوام میں بھی دیکھی۔ اور اسی مماثلت کی بناء پر ان اقوام کے عربی النسل ہونیکا گمان بھی ہوسکتا ہے۔

۱۸۹۴ء میں جبکہ میں بحیثیت اتالیق صوبہ جھالاواں میں تھا۔ تو اسوقت سردار گوہرخاں کی زندگی کا جو جنگی کارنامہ میرے دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ قبائلی خصومت کی بناپر وہ سردار عمرخاں تمندار قوم موسیانی اور سردار شہباز خاں تمندار قوم جنگ کے ساتھ معروفِ پیکار رہا۔ اس واقعہ کے علاوہ میرے قیام جھالاواں کے دوران میں اس بات کی اور کوئی مثال نہ تھی۔ کہ گوہرخاں نے کسی قافلہ کو لوٹا۔ یا کسی ہندو کو ستایا۔ یا کسی غریب پر کوئی جبروتشدد کیا۔ البتہ سیاسی حیثیت میں بعض حالات کے ماتحت اس کے تعلقات ہز ہائی نس سر میر محمود خاں والئے قلات اور سر جیمز براؤن ایجنٹ گورنر جنرل کے دربار سے منقطع ہوچکے تھے وہ باغی قرار پاچکا تھا۔ اور اس کے سر کے لئے دو ہزار روپیہ انعام بھی مقرر ہو چکا تھا۔ اس لئے ایسے پُرآشوب حالات میں جبکہ صوبہ جھالاواں گوہرخاں کی شوریدہ سری کی وجہ سے بدامنی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ میرا اس کے بیٹے یوسف علیخاں کی اتالیقی پر جانا جو اس کی بجائے چیف آف جھالاواں بنایا گیا تھا۔ موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ لیکن میرے ذاتی طریقِ عمل نے باپ اور بیٹا دونو کو اس بات پر مجبور کردیا۔ کہ وہ مجھ سے شریفانہ برتاؤ کریں۔

اس موقعہ پر میں اس بات کا اظہار بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے جو لوگ ملازمت تجارت اور سیاحت کی غرض سے اسلامی ممالک میں جانے کے خواہشمند ہوں۔ ان کیلئے بیحد ضروری ہے۔ کہ وہ اس ملک کے رسم ورواج سے واقف ہوں۔ اور اپنے کیرکٹر (سیرت) کا معیار اسقدر بلند رکھیں۔ کہ اس ملک کے طبقۂ شرفا کا اعتماد حاصل کرسکیں۔

اگرچہ یہ بات میرے فرائض میں داخل نہ تھی۔ مگر بحیثیت ایک مسلمان کے ذاتی طور پر میں نے چاہا۔ کہ گوہرخاں کے تعلقات قلات اور کوئیٹہ کے ساتھ خوشگوار صورت میں قائم ہوسکیں۔ لیکن گوہرخاں اسقدر کائیاں اور سیاسی گھاگ تھا۔ کہ وہ ہزہائنس سر میر محمود خاں کی

"AL-QURAISH"

"القریش" امرت سر
بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۸ء
جلد ۲۵ — نمبر ۹

فہرست مضامین

ساداتِ قریش کا عظیم الشّان اجتماع

فاضلکا ضلع فیروزپور کے مقام پر

۲۸-۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء بروز چہار شنبہ و پنجشنبہ

بزیر صدارت

افتخار الملک کرنل شیخ مقبول حسن صاحب قریشی ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی، آر۔ آئی۔ اے۔ ایچ

منسٹر فار لا اینڈ جسٹس (وزیر عدل) دولت عباسیہ عالیہ بہاولپور

منعقد ہوگا۔ مقتدرین و معززین قوم کے علاوہ مشہور و معروف فصیح البیان واعظین اور قابل ترین لیکچرار شرکت فرمائیں گے۔ مدبّرین و مفکرین اصلاحی و ارتقائی امور پیش کرکے ٹھوس لائحہ عمل پیش کریں گے۔

عالیجناب سر سکندر حیات خاں بالقابہٗ

وزیر اعظم پنجاب بھی (انشاء اللہ تعالےٰ) رونق افروز ہوں گے۔ بہی خواہان قوم کا فرض ہے۔ کہ اپنے قومی اجلاس کو شاندار و کامیاب بنانے کے لئے جوق درجوق شامل جلسہ ہوکر حمیّت قومی کا ثبوت دیں۔

جو احباب مفید تجاویز اور ریزولیوشن پیش کرنا چاہیں۔ وہ صدر استقبالیہ کمیٹی سے بمقام بہک بودلہ ضلع فیروزپور یا ایڈیٹر صاحب القریش سے بمقام امرتسر خط وکتابت کریں۔

داعیان

(۱) پیر محمد سرور صدیقی (بودلہ) رئیس اعظم صدر استقبالیہ کمیٹی، بہک بودلہ ضلع فیروزپور

(۲) پیر حاجی فتح محمد صدیقی (بودلہ) رئیس اعظم۔ ذیلدار، جھنڈ والہ

جلد ۲۵ —————— نمبر ۹

شذرات

ایک سبق آموز مکالمہ

اس پرچہ میں "دن اور رات کا مکالمہ" کے عنوان سے ایک ایسا بہترین اور مفید مضمون شائع ہوا ہے۔ جو گوناگوں ادبی دلچسپیوں کے علاوہ اس قابل ہے کہ اس سے کچھ حاصل کیا جائے۔ ناظرین کرام اسے بنظرِ امعان مطالعہ کریں۔ اور اس سے سبق لیں۔ فاضل مضمون نگار نے اپنے قیمتی خیالات کو اس خوبی وخوش اسلوبی اور قابلیت سے قلمبند کیا ہے۔ کہ ایک ایک جملہ اپنے اندر حقیقت کا نمایاں پہلو لئے ہوئے ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے مسرور ہونگے۔

سود در سود کے عبرتناک اعداد وشمار

سنہ ۱۹۰۱ء میں تخمینہ کیا گیا تھا۔ کہ پنجاب کا زراعتی قرضہ اگر سارے صوبہ کی اراضی پر تقسیم کیا جائے۔ تو فی ایکڑ ۳۱ روپے کی اوسط نکلتی ہے جن لوگوں کا زراعت پر انحصار تھا۔ ان پر قرضہ تقسیم کئے جانے پر ۵۷ روپے فی کس کی اوسط نکلتی تھی مالک کاشت کنندگان کی اوسط قرضہ ۴۶۳ روپیہ فی کس تھی۔ اور جملہ زراعت پیشہ آبادی کے ۸۳ فیصدی اشخاص مقروض تھے۔ بنکنگ انکوائری کمیٹی کے اعداد وشمار کو مدنظر رکھکر اگر اوسط نکالی جائے تو قرضہ فی ایکڑ ۴۸ روپیہ ۱۴ آنہ بنتا ہے۔ جن لوگوں کا زراعت پر انحصار ہے۔ ان کے قرضہ کی تعداد ۱۱۹ روپے چودہ آنے فی کس بنتی ہے۔ اور مالک کاشت کنندگان کے قرضہ کی اوسط ۷۴۰ روپے بارہ آنے فی کس بنتی ہے مسٹر ڈارلنگ نے اپنی مذکورہ بالا کتاب پنجابی کسان میں جوکہ سنہ ۱۹۲۵ء میں چھپی تھی۔ لکھا کہ گذشتہ دس سال کے عرصہ میں پنجاب میں زراعتی قرضہ کی تعداد میں تیس کروڑ کا اضافہ ہوا۔ اس دس سال کے عرصہ میں انجمن امداد ہائے باہمی نے تین کروڑ قرضہ کی ادائیگی میں مدد دی۔ گویا بنکوں کی امداد سے جو فائدہ ہوا تھا۔ اس سے دس گنا نقصان اس اضافہ سے ہوگیا۔ جس کی وجہ سود در سود کا سسٹم تھا۔ مسٹر ڈارلنگ

نے اپنی کتاب میں یہ بھی بیان کیا۔ کہ قرضہ کی تعداد میں اتنا اضافہ پنجاب کی ساری تاریخ میں اس سے پیشتر کسی دس سال کے عرصہ میں نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کتاب کے اسی ایڈیشن میں یہ بھی بیان کیا۔ کہ تیس سال کے عرصہ میں پنجاب کے قرضہ کی تعداد چوگنی ہوگئی جس کی نظیر سارے پنجاب کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اب بنکنگ انکوائری کمیٹی کے تخمینہ نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ کیونکہ اب تو ۳۰ کروڑ کی بجائے ۵۲ کروڑ کا اضافہ ہوا۔ اور پہلے سے زیادہ قلیل عرصہ میں۔ اور چونکہ اجناس کی قیمت اب پہلے کی نسبت تقریباً ½ ہے۔ اس لئے یہ اضافہ اور بھی خطرناک ہے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک کے عرصہ میں سود در سود کا یہ ہولناک اضافہ عبرت انگیز ہے۔ اور ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک کی آٹھ سالہ مدت میں کسقدر اضافہ ہوگیا ہوگا زمینداران کے لئے سود در سود کی یہ رفتار تباہی و بربادی کا موجب ہو رہی تھی۔ کہ یونینسٹ حکومت کا دور آیا۔ اور اس نے اس سیلاب کے کما حقہٗ انسداد کیلئے ایسے قوانین نافذ کئے جو ان کا موثر و بہترین علاج ثابت ہوں گے۔ اور زمینداروں کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ یہی سبب ہے۔ کہ اطراف و جوانب پنجاب سے ان قوانین کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ اور سر سکندر حیات خاں بالقابہٗ کی حکومت پر ستائش و ثنائش کے پھول نچھاور کئے جا رہے ہیں

برمیوں کا ظلم و ستم

برما کے فتن و فساد اور برمیوں کی خون آشامی پر سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کی دولت و ثروت اور تجارتی قابلیت و کامیابی پر جلے ہوئے برمی لوگوں . . . . . نے مذہبی آزادی کے بہانہ سے جولائی گذشتہ میں ہندوستانی خون سے ہولی کھیلی اور ہندوستانی لوگوں کی جائداد کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ مسجدوں اور مندروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی صرف رنگوں میں تقریباً ایک ہزار ہندوستانی لقمۂ اجل ہوئے جنہیں مساجد کے امام اور مندر کے پوجاری، مستورات اور ایکسال سے ایک دن کے بچے تک شامل ہیں۔ قرآن کریم کے اوراق منتشر و پراگندہ ہوا میں اڑائے گئے۔ تالابوں میں پھینکے گئے۔ شرفاء و زعما کی ننگی لاشوں کی سر راہ بے حرمتی کی گئی۔ حکومت ہند نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے۔ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں ہندوستانی عنصر مفقود ہے۔ حکومت ہند کا فرض ہے۔ کہ وہ واقعات کی صحیح ٹوہ کرنے اور شر انگیزوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے موثر اقدام کرے۔ تاکہ زخمی قلوب کے اندمال کی کوئی صورت تو ہو سکے۔

جنگ کی ابتدا اور انتہاء

جنگ خونریزی، بدامنی اور آشوب حوادث کا موجب اور خوفناک انقلابات کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن معاشی و اقتصادی بدحالی کی وجہ سے عامتہ الناس جنگ کی بے تابانہ انتظار کھینچ رہے تھے۔ جنگ عظیم کا شور و شر ہوا بھی ہنگامہ خیزی تک نوبت بھی پہنچی۔ لیکن مدبرین اقالیم یورپ نے اسے فوراً روک لیا۔ کہتے ہیں کہ ہر ہٹلر اپنے بعض علاقے واپس لیکر ٹھنڈے ہو گئے ہیں یہی سنا جاتا ہے کہ دندان حرص و آز ہنوز نوالہ تر کے متلاشی ہیں اور عجب نہیں کہ یہ آگ مشتعل ہو کے رہے۔ خدائے تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کو فتن و فساد سے مامون و محفوظ رکھے۔

تذکرۂ برادری

فاضلکا کا قومی اجلاس شاندار طریق پر کامیاب بنانے کیلئے استقبالیہ کمیٹی محترم پیر محمد سرور صاحب رئیس اعظم بہک اسٹیٹ کی زیر سرکردگی سرگرم عمل ہے۔ بہی خواہان قوم کی طرف سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

مقتدرین قریش ضلع فیروز پور کا فرض ہے۔ کہ وہ اراکین استقبالیہ کمیٹی کی اعانت کریں۔ اور کوشش کریں۔ کہ کوئی قریشی بھائی شمولیت جلسہ سے محروم نہ رہے۔ قومیں سعی و جہد ہی سے اپنے مقاصد کی تکمیل میں فائز المرام ہوا کرتی ہیں۔ قریش کی تعلیمی اقتصادی اور زرعی حالت قابل توجہ ہے۔ سیاسیات میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس لئے ان امور پر متفقہ و متحدہ توجہ کی انتہائی ضرورت ہے۔

جلسہ کے صدر اعظم عالی جناب افتخار الملک کرنل مقبول حسن صاحب بالقابہ اپنے قومی اجلاس کو کامیاب بنانے کیلئے توجہات خصوصی معطوف فرما رہے ہیں۔

ریاست بہاولپور، ریاست کپورتھلہ ضلع سیالکوٹ اور گجرات کے معززین قریش کے گرامی نامجات سے واضح ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ احباب داثر میں قومی جلسہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور حساس حضرات کی طرف سے مسرت کا اظہار ہو رہا ہے۔

جن احباب نے جلسہ سے متعلقہ اعلانات اور دعوتی مراسلات طلب فرمائے ہیں۔ وہ انتظار فرمائیں۔ انطباع پر ان کی خدمت میں از خود ارسال کر دیئے جائیں گے۔

استقبالیہ کمیٹی کو تحصیل وار اور ضلع وار ایسی فہرستوں کی ضرورت ہے۔ جن میں قریشی حضرات کے اسماء گرامی مقام سکونت اور ڈاک خانہ ضلع وغیرہ کی تفصیل موجود ہو۔ اگر ان فہرستوں کے خانہ کیفیت میں اراکین استقبالیہ کمیٹی کی واقفیت کیلئے انکی حیثیت پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے تو مناسب ہوگا۔

قارئین کرام توجہ فرمائیں۔ تو ترتیب و ترسیل فہرست ہائے مطلوبہ کیلئے تاخیر نہ ہونے دیں۔ اس بات کا خیال قطعاً دل میں نہ آنے دیں۔ کہ ہنوز وقت کافی ہے۔ پھر بھیجدی جائے گی۔ دفتر کو ان فہرستوں کی ابھی ضرورت ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اواخر اکتوبر تک ان کا پہنچ جانا ہی مفید ہو سکتا ہے

قومی فلاح و ارتقا اور تنظیم و شیرازہ بندی ہی القریش کا مقصد وحید ہے۔ خداوند کریم عز اسمہٗ و سبحانہٗ کا شکر ہے۔ کہ وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل میں عہدہ برآ ہو رہا ہے۔ درد مندان قوم ان خدمات کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اعتراف خدمات سے ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں تازہ مراسلات میں سے دو ایک اظہار تشکر کیلئے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ خوبصورت اور دل خوش کن الفاظ کی بجائے اگر توسیع اشاعت سے عملی اعتراف کا حق ادا کرنے کی جانب توجہ دی جائے۔ تو وہ زیادہ موثر و مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اور القریش کو بیش از بیش خدمات انجام دینے کا موقعہ میسر آ سکتا ہے۔

مکرمی سردار محمد اکبر خانصاحب گورنمنٹ کنٹراکٹر جاگیردار چمیاٹی سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"میں القریش کا خریدار ہوں۔ میں اس جریدہ کی ترتیب اور مضامین کو بیحد پسند کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کو اسی طرح نیک کاموں کی توفیق عطا کرے"۔

مکرمی قاضی امان الحق صاحب صدیقی بی۔ اے، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول القریش کی خدمات اور انعقاد اجلاس کی ضرورت و اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"آپ نے قوم کی دستگیری کی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہر کام میں فتح و ظفر نصیب کرے۔ القریش قوم کیلئے بمنزلہ روح ہے۔ احساس کا فقدان تباہی کا سبب تھا۔ انعقاد اجلاس کی تجویز بیحد مفید ہے۔ القریش کی توسیع اشاعت کیلئے کوشش کر رہا ہوں۔ اپنے بھائی عزیز عبد الغفور کا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا رہا ہوں۔ وہ اور کئی اور احباب بھی ممبر بنیں گے۔ کئی ایک فارم بذریعہ ڈاک بھجوا دیں۔ فیروز پور کی قریشی فیملی کے بہت سے حضرات شرکت کیلئے تیار ہو رہے ہیں"۔

ہم آپ کے اس پُرخلوص الفاظ پر آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ آپ ایفائے عہد سے قومی شیرازہ بندی میں ہمارے ممد و معاون ثابت ہونگے۔ وباللہ التوفیق!

مکرمی شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کا "ارمغانِ الفت" جس کا دیباچہ "تعارف" کے عنوان سے گذشتہ اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ بے وقت موصول ہونے کی وجہ سے اس اشاعت میں شائع نہیں ہو سکا۔ قارئین کرام آئندہ اشاعت کا انتظار کریں۔ جملہ مضامین زیادہ سے زیادہ ہر ماہ کی یکم تاریخ تک دفتر میں موصول ہونے چاہئیں۔ امید ہے کہ شاکر صاحب اور دیگر قلمی معاونین اس بات کا خاص خیال رکھیں گے۔

اشاعت گذشتہ کے کم و بیش ساٹھ پرچے مختلف حضرات کی خدمت میں ان کے مطالبہ پر نمونۃً ارسال کئے گئے۔ ان میں سے دس حضرات نے تو زر چندہ ارسال کر دیا ہے۔ مگر باقی پچاس ہنوز خاموش ہیں۔ لہذا التماس ہے۔ کہ وہ احباب بواپسی ڈاک زر چندہ کی ترسیل سے اپنے قومی جریدہ کی اعانت فرمائیں۔ بصورت خاموشی وی۔ پی کا اجراء عمل میں آئے گا۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی فرض ہے۔ اگر کوئی صاحب کسی وجہ سے خریداری سے معذور ہوں۔ تو وہ بہت جلد دفتر کو مطلع کر دیں۔ تاکہ اجرائے وی پی کی تکلیف اور انکی واپسی سے نقصان نہ ہو۔

بہی خواہان قوم کی طرف سے چند رزولیوشن آئندہ قومی دربار میں پیش کرنے کے لئے موصول ہوئے ہیں۔ قاضی امان الحق صاحب بی۔ اے بی ٹی نے ان صحیح النسب قریشیوں کے متعلق جو کاغذات مال میں صدیقی، علوی، عثمانی، فاروقی اور عباسی وغیرہ درج ہونے کی وجہ سے غیر زراعت پیشہ شمار ہوتے ہیں تصحیح کی خواہش کی ہے۔ اور مسٹر بشیر حیدر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی نے معاشی اور اقتصادی بدحالی کے

پیش نظر ایک ٹکنیکل سکول کے اجراء کے متعلق لائحہ عمل کرنے کی اطلاع دی ہے۔ ان تجاویز کو جو قومی فلاح و بہبود کے لئے مفید ہے۔ ہم بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی اور صاحب تجاویز مفید پیش کرنا چاہیں۔ تو وہ بھی مجلس استقبالیہ کے صدر کو مطلع کر دیں۔ بشرطیکہ وہ تجویز کے تمام پہلوؤں پر بالصراحت روشنی ڈالنے کیلئے بذاتِ خود جلسہ میں تشریف لا سکیں۔

شکوہ؟

(از حضرت خواجہ فیض لدھیانوی)

اے کہ تو قوم کا ہمدرد ہے سب سے بڑھکر — دیکھ ادبار مسلط ہے وطن کے سر پر

آ ذرا سوز بھرے دل کا فسانہ سن لے — کس طرح مائل سختی ہے زمانہ سن لے

جن کے اسلاف تھے کل انجمن آراؤں میں — آج وہ خانماں برباد ہیں صحراؤں میں

فاقہ مستی میں بسر ہوتی ہے بیچاروں کی — زندگی موت کو شرماتی ہے ناداروں کی

انکی قسمت میں ہے ذلت بھی نگوں ساری بھی — روز و شب در پئے آزار ہے بیکاری بھی

درس عبرت ہے تمناؤں کی ویرانی بھی — مستزاد اس پہ ہے غیروں کی ستمرانی بھی

اس طرف تیری نظر کوئی توجہ کرتی — تو جہانبانوں کی اولاد نہ بھوکی مرتی

تجھ کو پیغام سنا دینے میں آسانی ہے
کیا کبھی اس پہ عمل کرنے کی بھی ٹھانی ہے

پند بر دیوار

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نبشت است پند بر دیوار

۱۔ قانون کی پابندی کرنا حکومت کرنے کے برابر ہے جو شخص اچھا محکوم نہیں بن سکتا وہ حاکم بننے کے قابل نہیں ہے

۲۔ آدمی کی قابلیت اسکی زبان کے پیچھے پوشیدہ ہے۔ وہ جب گفتگو کرنے کیلئے اپنا منہ کھولتا ہے تو یہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

۳۔ کسی قوم کے مستقبل کا انحصار اس کے نوجوانوں پر ہے۔ جو قوم اپنے نوجوانوں کو روشن خیال نہیں بناتی۔ اس کا مستقبل یقیناً تاریک ہے۔

۴۔ فرض کا احساس آدمیت کی جان ہے۔ اس کے بغیر آدمی کا شمار مردوں میں کرنا چاہیئے۔

۵۔ عقلمند سوچ کر بات کرتا ہے۔ اور بے وقوف بات کرکے سوچتا ہے۔

۶۔ قدر وقیمت کے لحاظ سے اگر وقت کو سرا پا دولت کہا جائے تو یہ ایک ایسی دولت ہے۔ جو غریب و امیر مرد و زن۔ پیر و جوان۔ بیمار و تندرست۔ غافل و ہوشیار غرض سکو بالکل برابر برابر تقسیم کی جاتی ہے۔

۷۔ کھانا خوب چبا کر کھانا چاہیئے۔ کیونکہ معدے میں قدرت نے دانت پیدا نہیں کئے۔ جن جلد باز لوگوں کو اتنی فرصت نہیں ہے وہ درحقیقت اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھودنے میں مصروف ہیں۔

۸۔ ماں باپ اپنے بچوں کا نام خواہ کتنا ہی شاندار رکھیں۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ نام وہی اچھا ہے جو بچہ جوان ہو کر اپنے نیک کارناموں سے خود پیدا کرے۔

۹۔ زندگی نہ ہشت پہلو ہے۔ نہ ہشت ہزار پہلو۔ بلکہ اس کے مختلف اور لاتعداد پہلوؤں کا آج تک کسی نے بھی صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ انسان جب تک جیتا ہے۔ اس کی آنکھیں آئے دن کوئی نہ کوئی نیا پہلو دیکھتی رہتی ہیں۔ پس تو اپنے آئینہ دل کے ہزاروں نہیں کئی ہزار بلکہ بے شمار ٹکڑے ہو جانے دے۔ تاکہ اس کے ہر ایک ٹکڑے میں تو زندگی کا ایک نیا پہلو دیکھ سکے

۱۰۔ کسی ملک کا کمال اس میں نہیں۔ کہ وہاں کی مردم شماری کے اعداد زیادہ ہوں۔ یا اس کی سر زمین میں ہر قسم کی پیداوار بکثرت ہوتی ہو یا وہاں سونے چاندی کی کانیں کافی تعداد میں موجود ہوں۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے۔ کہ وہ ملک دل و دماغ کے لحاظ سے کس پایہ کے انسان دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (ماخوذ)

۷۸۶

اسلام اور مسلمان

(فصیح الفصحا حضرت شفق رضوی مقیم الہ آباد کے تازہ افادات)

حق کا فرماں رہا۔ تابع فرماں نہ رہے
علمِ قرآں تو رہا۔ عاملِ قرآں نہ رہے

رہی دنیا کی ہوس۔ دین سے الفت نہ رہی
طالب زر تو رہے بوذر و سلماں نہ رہے

پیشوا بن گئے بے راہ روؤں کے پیرو
رہبرِ دین بنیں ہادیٔ دوراں نہ رہے

پی گئے بادۂ تقلید کا اغیار کے جام
اپنے میخانے کے مستِ مئے عرفاں نہ رہے

عید کے صرف نمازی رہے ملنے کو گلے
دل سے دل ملنے کے باہم سر و ساماں رہے

محرم بننے کو حاجی بھی رہے حج بھی رہا
حرم و بیت مقدس کے نگہباں نہ رہے

حد یہ ہے بن گئے سرحد کے بھی غازی گاندھی
ملک میں "خان بہادر" تو رہے خاں نہ رہے

شیخ سید ہوں کہ مومن ہوں کہ انصار و قریش
صاحبِ نام بنے صاحبِ ایماں نہ رہے

عورتوں کے تو ہوئے پردہ اٹھانے پہ مصر
مرد بنجانے کو آلِ شہِ مرداں نہ رہے

تعزیئے اُٹھے۔ بجے طبل۔ اکھاڑے نکلے
وہ علم والے مجاہد سر میداں نہ رہے

بزم تو گرم رہی، رزم کا میداں نہ رہا
مرثیہ خوان رہے منبر پہ رجز خواں نہ رہے

آج بھی ہے وہی اسلام جو پہلے تھا شفق
مگر افسوس مسلماں وہ مسلماں نہ رہے

دن ———— رات

مکالمہ

دن۔ میں جب علی الصباح سنہری چمکدار دنیا کو روشن کرنے والا تاج زیب سر کرکے سریر آرائے سلطنت ہوتا ہوں۔ تو میرے جشنِ تاجپوشی کے وقت کون و مکان میں دھوم مچ جاتی ہے۔ اور وہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔ نسیم سحر مستانہ وار چلتی ہے اور سوئی ہوئی کلیوں کو گدگداتی ہے جس سے غنچے مسکرانے لگتے ہیں۔ اور بلبل اپنی محبت کا ترانہ گانا شروع کرتا ہے۔ اس سے خوش ہوکر گلاب کا پھول بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔ نرگس کھڑی تماشا دیکھتی ہے۔ ٹہنیاں وجد میں آجاتی ہیں۔ پتے تالیاں بجاتے ہیں۔ قمری کو کو کرتی ہے۔ پرندے خوشی سے چہچہاتے ہیں اور فضائے عالم میں ایک ایسا ہمہمہ پیدا ہوجاتا ہے۔ کہ جس سے زمین خوابیدہ کا ذرہ ذرہ جاگ اٹھتا ہے مسجدوں میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ مندروں میں ناقوس بجتے ہیں۔ گرجوں میں گھنٹے بجتے ہیں۔ غرض ایک عجیب چہل پہل شروع ہوجاتی ہے۔ میری آمد اہلِ دنیا کے واسطے پیغام عمل ہے۔ میں ان کو خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ دولت و ثروت شان و شوکت عزت و مرتبت سلطنت و حشمت صرف انہیں کی فرمانبردار ہے۔ جو میرے وجود کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھکر میرے ایک ایک لمحہ سے فائدہ حاصل کرنے اور سعی و عمل میں منہمک رہتے ہیں۔ اور زندگی کی گھڑی کو رائگاں نہیں جانے دیتے۔ میرا وقت ایک ایسا دُرِ بے بہا ہے۔ کہ اس کا گزرا ہوا ایک لمحہ بھی کروڑوں روپے کے عوض واپس نہیں مل سکتا۔

مگر اے رات! تو دن کے واسطے موت ہے۔ تو انسان کے کام کی تکمیل میں ہارج ہوتی ہے۔ اور وہ مجبور ہوجاتا ہے۔ کہ میری آمد کا منتظر رہے۔ تیری تاریکی اور وحشت سے بہادر سے بہادر کا دل دہل جاتا ہے۔ تیرے پردۂ ظلمت میں ایسے ایسے ظلم ہوتے ہیں۔ کہ دل پاش پاش ہوتا ہے۔ تیری سیاہی شیطانوں اور لٹیروں کا لباس ہے۔ چور۔ ڈاکو۔ حرامخور۔ مے نوش۔ زانی۔ بدمعاش۔ قمار باز وغیرہ وغیرہ جو میری قلمرو کے سعی و عمل کے میدان سے فرار ہوکر تیرے پردۂ ظلمت میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ اور امن عامہ میں خلل اندازی ہی نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے ایسے ستم برپا کرتے ہیں۔ کہ جو قانون کی رو سے قابل گرفت اور گردن زدنی ہوتے ہیں۔ اور جب ان سے تاریکی کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اور جرم ثابت ہوجاتے ہیں۔ تو ان کو گرفتار کرکے جیلخانہ میں بھیجکر ان کی صلاح کی جاتی ہے۔

رات:۔ اے دن! کیوں اتنا تکبر کرتا ہے۔ تو اس کائنات کی زینت کا باعث ہے تو ہوگا۔ مگر دنیا والے میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ تو ان سے خونریزیاں کراتا ہے۔ فساد کراتا ہے۔ ان سے اس قدر محنت و مشقت کراتا ہے۔ کہ وہ بیچارے چور چور ہو جاتے ہیں۔ ان کے قویٰ کام کرنے سے جواب دے دیتے ہیں ہوش و حواس اڑ جاتے ہیں۔ چہرے کملا جاتے ہیں۔ خون خشک ہوجاتے ہیں۔ تیری تپش سے الامان! نباتات کا پتہ پتہ اور کلی کلی مرجھا جاتی ہے۔ تب میرا ظہور ہوتا ہے۔

آسمان والے میری آمد پر چراغاں کرتے ہیں۔ زمین والے خوشیاں مناتے ہیں۔ اور زمین کو آسمان بنا دیتے ہیں۔ پرندے چہچہاتے ہیں۔ اور مسجدیں۔ معبد۔ میخانے۔ بتخانے پر رونق بن جاتے ہیں۔ اور چاندنی رات میں تو ایک عجیب چہل پہل ہوتی ہے میں دن کے تھکے ماندے کلفت زدہ اور مصیبت کے مارے انسانوں کو اپنی آغوش رحمت میں لے کر آرام اور تسکین دیتی ہوں۔ اور ان کی سلب شدہ طاقتوں میں زندگی کی لہر از سر نو پیدا کر دیتی ہوں۔ ان کے دکھوں اور مصیبتوں اور خونریزیوں کو دیکھ کر خاموش آنسو بہاتی ہوں۔ کہ جس کی شہادت کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے مگر اُف تیری تپش کہ ان میرے آنسوؤں کے قطروں کو تھوڑی دیر میں بھسم کر جاتی ہے۔ میری مادرانہ شفقت اور بے لوث خدمت ہے۔ کہ انسان تیرے آنے سے بیشتر سعی عمل کی تگ و پو کے واسطے مستعد ہوتے ہیں اگر میں نہ آتی تو لالچی انسان محنت کرتے کرتے اپنا کام تمام کر دیتے اگر تیری گذری ہوئی ساعت واپس نہیں آسکتی۔ تو میرا بھی ایک لمحہ جو گذر گیا وہ واپس نہیں مل سکتا۔ جس پیغام عمل کی تو ڈینگ مارتا ہے۔ اس کی بانئے اولین اگر کوئی ہے تو میں ہوں۔

سحر کی روشنی شب کے اندھیرے سے نکلتی ہے۔ توقع ہے کہ آسانی میری شکل سے نکلیگی۔ سروشوں اور پری رخوں کی محفلیں میری تارے بھری راتوں میں منعقد ہوئی ہیں۔ ان کی تصویر شاعروں نے بڑی کھینچی ہے۔ میری تاریکیوں کے مزے ان متلاشیان حق سے پوچھ جنہوں نے میری آغوش میں اس نہاں در نہاں محبوب کو پا لیا۔ جو تیری روشنی میں انہیں نہ مل سکا۔

میرے جوہر کے قدر دان وہ جوہری ہیں۔ یعنی عابد و زاہد کہ ان کو وہ کیمیا مل جاتی ہے۔ کہ جس سے وہ خدا کی ہستی پر ایک زندہ ثبوت ہی نہیں بن جاتے ہیں۔ بلکہ جو ان کے دامن کو چھوتا ہے۔ وہ کندن بن جاتا ہے۔ ذرا اس عاشق خستہ تن کا حال بھی دیکھ۔ جو فرقت کی گھڑیاں گذار کر شب وصل کا لطف اٹھا رہا ہے۔ اور دعائیں مانگتا ہے۔ کہ خداوندا ! رات ہی اچھی ہے۔ دن نہ چڑھا ہوا!

تو میری ظلمت کے پردے کے ظلموں کو کیا گنتا ہے وہ ظلم اور خونریزیاں یاد کر جو تیری روشنی میں ہوئیں! واقعہ کربلا۔ بغداد کی تباہی۔ طرابلس کی خونیں داستان ۱۸۵۷ء کا غدر۔ جنگ عظیم۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ صفحہ تاریخ سے مٹ نہیں سکتے۔

دن:۔ دنیا کے بڑے بڑے عالم، سائنسدان، حکیم، انجینئر، اہل صنعت و حرفت، سپہ سالار، بادشاہ وغیرہ وغیرہ کو میں نے ہی بڑا بنایا ہے۔ انہوں نے میرے ایک ایک سیکنڈ سے فائدہ اٹھایا۔ صحیفہ فطرت کا میری روشنی میں خوب مشاہدہ اور مطالعہ کیا۔ اور بار بار تجربے کئے۔ ذرے ذرے کی تاثیر کا علم حاصل کیا۔ اور علوم و سائنس کے محیط در محیط سمندروں میں غوطہ زنی کی۔ اس تیرہ و تاریک مٹی کے تودے کو جنت الفردوس کا نمونہ بنا دیا۔ چپہ چپہ پر نہریں چلا دیں۔ آگ اور پانی کو اکٹھا کر دیا۔ کلیں ایجاد کر دیں۔ ریل۔ موٹر۔ تار برقی۔ ریڈیو۔ وائرلیس۔ ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ بنا دیئے۔ زمین کو پاتال تک چھان مارا۔ پہاڑوں کی اونچی سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے۔ مریخ اور چاند کی خبر لے آئے۔ سمندروں پر قبضہ کر لیا۔ اور ان کی گہرائیوں

کو ناپ ڈالا۔ تو اپنی محفلوں کو کیا سراہتی ہے۔ قدرت کے نظارے اور انسانی دستکاری اور تجارت کے کرشمے اور علوم و سائنس کے معجزے میری روشنی میں دیکھ۔ کشمیر کے باغات اور نظارے۔ سوئٹزرلینڈ سینریاں نیاگرا کی آبشار دریاؤں کی روانی۔ سکھر کا پل۔ دیوارِ چین۔ روضہ تاج محل مصر کے مینار۔ روڈس پل۔ اور سُن امریکہ میں دولت کی لہر جاپان کی صنعت و حرفت۔ جرمنی کا علم و سائنس۔ اہل برطانیہ کا جسم و دماغ۔ ان کی بحری طاقت اور سلطنت کی وسعت اور اس پر میری ۲۴ گھنٹہ کی خدمت۔ مصطفےٰ کمال کا عروج اٹلی کی چالبازی اور اس کی ملک گیری کی ہوس اور نجاشی کی سلطنت کی تباہی اور اس کی خانہ بربادی۔ ہندوستان کی غربت، اسلام کا گذشتہ عروج اور تثلیث کا زوال میرے آئینے میں دیکھ اور سُن وہ پانی جس سے اس دنیا کی زندگی قائم ہے۔ کہاں سے آتا ہے۔ سمندر کا کھاری پانی اور درآب ٹن بخارات کے ذریعے فضائے آسمانی میں کھینچکر لے جاتا ہوں۔ اور اسکو فلٹر کر کے آب مقطر برساتا ہوں۔ زمین میں روئیدگی اور نباتات پیدا کرتا ہوں۔ زمینِ مردہ میں جان ڈال دیتا ہوں۔ چاندی۔ سونا۔ ہیرا۔ لعل۔ نیلم وغیرہ وغیرہ جو دنیا میں بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ وہ میری رونمائی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ میرا دور سعی و عمل کا دور ہے۔ علم و سائنس کا دور ہے۔ میرے عمل میں سست اور کاہل کا کچھ کام نہیں ہے۔ میں انسان کی سعی و عمل کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا ہوں۔ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

الغرض جو لوگ میری روشنی میں صحیفۂ فطرت کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ دنیا کا ذرّہ ذرّہ کسی قانون کے ماتحت کام کر رہا ہے۔ اور وہ بیکار نہیں پڑا ہے۔ انہوں نے جو سبق اس سے حاصل کیا وہ یہی ہے۔ کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا اور حسن عمل نہ کرنا خدائی قانون کی نافرمانی ہے۔ جس کا نتیجہ اس دنیا میں لعنت اور غلامی ہے

رات: وہ انسانی مشینری کے پرزے یعنی دل و دماغ کہ جن کی تعریف میں تو اس قدر رطب اللسان ہے۔ کچھ معلوم ہے کہ وہ کہاں بیٹھے ہوئے کام کر رہے ہیں؟ وہ میری ہی نہاں در نہاں تاریکیوں میں آرام اور تسکین کے ساتھ بیٹھے ہوئے دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ وہ پانی کا قطرہ خود جس سے یہ اشرف المخلوقات پیدا ہوتا ہے۔ وہ تاریکی سے نکلکر تاریکی میں جا چھپتا ہے۔ اور تاریک در تاریک جگہ میں نشو و نما پا کر عالم وجود میں آتا ہے۔ وہ اناج کا دانہ جس کو کسان اپنے ہاتھ سے زمین کے اندر دفن کرتا ہے۔ وہاں بھی میری ہی تاریکی کام کرتی ہے۔ وہ آبِ حیات کا چشمہ جس کا پانی خضر نے پی کر حیاتِ جاوید پائی۔ میری تاریکیوں میں چھپا ہے پھر دیکھ عالم آخرت کی سب چیزیں میری تیرہ و تاریک گودیوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور ان خفیہ رازوں کو ڈھونڈنے والے میری ہی آغوش میں بیٹھکر ڈھونڈتے ہیں۔ میری تار و تاریک گودیوں میں علوم اور سائنس کے بحر بیکراں ہیں سینکڑوں برس کی جد و جہد کے بعد آج انسان کو چند ایک چیزوں کا علم ہو گیا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچ گیا ہے۔ آج علم و سائنس کی روشنی کا وقت ہے۔ مگر دنیا کا امن جہالت اور تاریکی کے زمانے سے زیادہ خطرے میں ہے۔ جو آلاتِ حرب زہریلی گیسیں اور جنگی جہاز مہذب قومیں تیار کر رہی ہیں۔ کیا وہ کسی

روز دنیاکے امن میں خلل انداز نہیں ہوں گے۔ اور ظلم عظیم برپا نہیں کریں گے۔

تو میری چاندنی رات کے لطف اور عالم محویت کا راز ان سے پوچھ۔ کہ جن کے دل داغدار ہیں۔ اور انہیں چاند کی شکل میں جمال یار کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔

تونے دعویٰ کیا ہے۔ کہ تو زمین پر مینہ برساتا ہے مگر ثبوت نہیں دیا۔ وہ میں پیش کرتا ہوں۔ کہ جب تک میری سیاہی کے ٹکڑے یعنی کالے سیاہ بادلوں کے دَل کے دَل فضائے آسمان میں نہ چھا جائیں۔ باران رحمت نہیں ہوتا۔ میری ایک زندہ کرامت دیکھ کہ یہ میری کالی کالی گھٹائیں موسم سرما میں پہاڑوں پر گرتے ہی برف بن جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے پہاڑوں کے قدرتی منظر اور سینریاں نہ صرف دلچسپ اور فرحت افزا بنتی ہیں بلکہ اس سے دریاؤں کی روانی میں جان پڑ جاتی ہے۔

تو میرے وجود کو عیب ٹھہراتا ہے۔ مگر یاد رکھ اگر میں نہ ہوتی تو جو صبح اور شام کی دلچسپیاں بزم قدرت میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا نشان تک نہ رہتا۔ اور تو ہمیشہ نصف النہار پر کھڑا خود بھی جلتا اور انسانوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتا۔ اور نہ دنیا میں علم ہیئت و نجوم کا نشان ملتا۔ نہ کبھی چاند گرہن ہوتا۔

تو میری تاریکی سے اس قدر خائف ہوا ہے۔ کہ تو اس کو شیطانوں کی جائے پناہ سمجھتا ہے۔ تو اس سیاہی کے فائدے کسی آنکھ بنانے والے سرجن اور کسی فوٹوگرافر سے پوچھ یا کسی نورانی داڑھی والے بڑے صاحب سے پوچھ کہ وہ اس کو کالی کیوں کرتے ہیں۔ اور سن کسی حسین کے چہرے کے سیاہ خال کو غور سے دیکھ۔ کہ وہ کیا بہار دیتا ہے برخلاف اس کے میری سفیدی کا ایک نقطہ میرے لئے ایک مہلک بیماری ہے۔ اگر اس سفیدی کا ایک نقطہ لیلیٰ کے چہرے پر پڑ جاتا۔ تو مجنوں کبھی عاشقی کا نام تک نہ لیتا۔

دن:۔ میں تو سعی اور حسن عمل کا رونا رو رہا ہوں۔ اور تو تسکین و آرام کے راگ گا رہی ہے۔ مگر اے سادہ لوح غور سے سُن۔ انسان دکھ اور مصیبتیں جھیلنے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبروں کی زندگی کے کارناموں پر غور کر۔ یہ ایسا ظلوم اور جہول ہے۔ کہ اس نے ازل سے اپنے اوپر خدا کی امانت کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ دنیاوی زندگی کا راز جد و جہد میں مضمر ہے۔ محنت اور مشقت کے بغیر یہاں کچھ نہیں ملتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ بھی بچہ کے رونے بغیر نہیں اترتا ہے۔ جو کچھ ملتا ہے پسینہ بہا کر ملتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعی۔ نکمے۔ کاہل اوباش کا میری قلمرو میں کچھ کام نہیں ہے۔ میں اپنے عمل کی وجہ سے قائم ہوں۔ اور میں انسانوں سے عمل ہی چاہتا ہوں۔ میرے وجود میں خداوند کریم نے سب برکتیں نعوذ بغیرہ کر دی ہیں۔ اگر میں نہ ہوں تو دنیا کا وجود نہ رہے۔ میرے دن سب کے سب برکت والے ہیں۔ سُن!

یوم الفرقان جس دن حق نے باطل کا ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے قلع قمع کر دیا۔

لاتثریب علیکم الیوم۔ جس دن پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور گردن زدنی لوگوں کو معافی کا مژدہ سنایا۔

یوم الحج :۔ جس روز روئے زمین کے مسلمان دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو کر میدان عرفات میں کفن پہنکر خدا کی جناب میں حاضر ہو کر اپنی عبودیت کا آخری ثبوت دیتے ہیں۔

یوم القیامت :۔ جس دن انسان کی سعی اور حسن عمل کی پڑتال ہو گی۔ اور خدائی دربار سے صالحین کو تمغے، خلعت اور عطایات ملیں گے۔ اور جنت الفردوس میں داخل کئے جائیں گے۔

کل یوم ھو فی شان :۔ میرا ہر دن ہے جو آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اور خدا کی رحمانیت رحیمیت اور ربوبیت پر ایک زندہ شہادت قائم کر جاتا ہے۔ اور آنکھ والے اس سے خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور جو شب پرست ہیں۔ وہ اس راز کو نہیں پا سکتے۔

انسان جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے۔ محنت اور مشقت سے پاتا ہے۔ پسینہ بہا کر حاصل کرتا ہے۔ کاہل اور سست الوجود کو کچھ نہیں ملتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تو نے شب وصال کا راگ گایا ہے۔ آیا کسی سوختہ جان عاشق زار کا شب فراق کا حال بھی دیکھا ہے۔ کہ کسطرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور پہلو بدل بدل کر رات کاٹتا ہے۔ اور زندگی کی گھڑیاں اس کے واسطے موت سے بدتر ہوتی ہیں۔ مگر تیرے افسوس اس پر کچھ اثر نہیں کرتے ہیں۔

رات :۔ دنیا کے سب سے بڑے اعلیٰ انسان جنہوں نے اس دنیا کو گردیدۂ خدا بنایا جو نیک انسانوں کے واسطے دائمی نعمتوں اور بشارتوں کے پیغام لائے۔ جن کے دم سے کفر اور شرک کی رگ کٹی جنہوں نے انسان کو معبودان باطل سے چھڑوا کر خدائے واحد کا پرستار بنایا وہ میری ہی آغوش میں تسکین تاب پاتے تھے۔ وہ میری ہی راتوں میں سے راتیں تھیں، جو اس سراج پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں گزاری تھیں۔ وہ میری ہی راتوں میں ایک رات تھی جس میں شق القمر کا معجزہ دکھایا تھا۔ وہ بھی میری ہی ایک رات تھی۔ جسمیں حضورؐ کو معراج ہوا۔ اور خدائے تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ وہ بھی میری ہی راتوں میں سے ایک رات تھی۔ جس میں ہجرت کی۔ وہ بھی میری ہی ایک رات ہے۔ جو لیلۃ القدر ہے جس میں قرآن شریف نازل ہوا۔ اور ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ وہ باعث ایجاد عالم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس کے قدم رات بھر خدا کی جناب میں کھڑے رہنے سے متورم ہو جاتے تھے۔ انہوں نے خدا کے نورانی مناظر کو میری ہی تاریکیوں میں دیکھا۔ یاد کروہ راتیں کہ جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا تعالیٰ سے شرف ہمکلامی حاصل ہوا۔ پھر جسقدر عبادات۔ نماز۔ رکوع۔ سجود۔ تسبیح و تقدیس میرے وقت میں ہوتی ہے ان میں سے نصف بھی تیرے دور میں نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھکر ملائکہ، روح، خود خداوند بزرگ و برتر ایک نہاں در نہاں پردے میں ہیں۔ تیری روشنی میں ان کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اگر کچھ ان کا سراغ اور پتہ ملا۔ تو میری تاریکیوں میں ملا ہے۔ اور جن کو وہ مل گیا۔ وہ یقین کے مرتبے پر پہنچ گئے ہیں۔

دن :۔ فرشتے اور آبحیات کا چشمہ! فرشتوں کے متعلق

تو میں آگے چلکر ذکر کرتا ہوں۔ مگر وہ آب حیوان کو خضر نے پی کر حیاب جاوید پائی۔ اور اسکندر کو پیاسا واپس لے آیا۔ ایک دل خوش کن فسانہ ہے۔ ورنہ انسانی زندگی چند سالہ ہے۔ اور وہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کے ماتحت ہے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

تو نے اعتراض کیا ہے کہ میں انسانوں سے فساد اور خونریزیاں کراتا ہوں۔ یہی سوال تیرے جیسے سادہ لوح فرشتے جو خدائے قدوس کی تسبیح اور تقدیس کرنے والے ہیں۔ حضرت آدم کی تخلیق کے وقت اٹھا کر منہ کی کھا چکے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے آدم کو زمین پر اپنا جانشین بنانا تھا۔ اس لئے اس کو سب اسماء سکھائے گئے اور اس کی تمکنت کے واسطے خونریزیوں کا ہونا منشائے الہٰی کے باعث تھا۔ وہ تکبر کا پتلا اور فساد کا علمبردار یعنی ابلیس آدم کا جانی دشمن اپنی ذریت یعنی کفر و شرک کی فوجوں کے ساتھ خدا کے رسولوں کے مقابل نبرد آزما ہوتا رہا۔ مگر ہر میدان میں شکست کھاتا اور جان بچا کر بھاگ جاتا۔ انہی مفسدہ پردازوں کی سرکوبی کے واسطے پے درپے خدا کے جانشین یعنی پیغمبر آئے۔ الغرض سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور حضور خدا کی مخلوق کو کفر و شرک کی ظلمات سے نکال کر وحدت کی روشنی میں لے آئے۔ آپ کی قوت قدسی اور جمعیت کے اثر نے اہل عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ کہ ان کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرائتیں اس احکم الحاکمین کی خوشنودی اور رحمانیت میں ہر وقت

معروف کار رہتی تھیں۔ وہ ان آنکھوں سے اوجھل ذات کی خوشنودی کی خاطر رسول کے ادنیٰ اشاروں اور کلموں پر چونک اُٹھتے تھے۔ وہ اپنے سچے مخدوم کا بول بالا کرنے کے دولے میں جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر قیصر و کسریٰ کے دربار میں اپنے امام معصوم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی پروانہ بے دھڑک لے جاتے۔ اور وہ اپنے حقیقی آقا کی آواز بلند کرنے کی غرض سے جان مال اور تعلقات دنیوی کے انقطاع سے ایک لمحہ کیلئے دریغ نہ کرتے۔ وہ ایک خوش دل سپاہی کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمائت میں تلواروں سے مجروح اور نیزوں سے چھن جاتے۔ وہ اس کالی کملی والے رسول کی جانفروشانہ اطاعت میں شہادت کی آرزوئیں کرتے۔ وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کیلئے پہاڑوں سے لڑ جاتے۔ اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے ان کی سرتاپا سعی اور رہین عمل زندگی میں اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی اور اس کی چاکری کو مفید تر چاکری بنانے کے لئے اللہ اکبر کی آواز تھی۔ جس نے ایک قلیل مدت میں ایک سیہ کار اور بے حس عالم کو اللہ کی معبودیت میں سرگرم بنا دیا۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار ۔ عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں را ۔ تفو بر تو چرخ گرداں تفو

رات: عرب کے فاقہ کش لوگ جن کے دلوں میں ایمان کا نور پیدا ہوا وہ محض سعی و عمل کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی قوت قدسی نے ان کے دلوں، حوصلوں اور

ذہنوں میں ایسی روح پھونکی۔ اور ایسی لگن لگادی۔ کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے اللہ کا ذکر کرتے۔ وہ ساری ساری رات اللہ کی یاد میں آنسو بہاتے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی دعائیں مانگتے۔ انہوں نے اس ناپائدار زندگی کے راز کو پالیا تھا۔ وہ اللہ کی جناب میں رکوع اور سجدے کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے ان کے چہرے نورِ معرفت سے منور ہو گئے تھے۔ اور سجدوں کے اثر ان کی جبینوں پر چمکتے تھے۔ صداقت کا روح پرور اثر ان کے دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری وساری ہو گیا تھا۔ کہ اللہ کا ذکر آنے پر ان کے دل کپکپا جاتے تھے حضوریٔ قلب کی حیات افزا روح نے اور قربِ رسول کے جرأت آموز اثر نے ان کو اللہ کی رضا میں اس معیت سے قطعی بے خوف اور جان سے قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ اللہ کے رعب و وقار اور اس کے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بے قدر وقیمت اور دنیاوی رعب و داب کو ہیچ سمجھتے تھے۔ وہ اپنے اعلیٰ اخلاق۔ باطنی پاکیزگی عصمت۔ اتحاد۔ صداقت۔ عدل ومساوات کے باعث دنیا کے رہبر بنے۔ فاتح بنے اور بادشاہ بنے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ خدا نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے۔ کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

دن کے متعلق نتیجہ :-

آج علم اور سائنس کا زمانہ ہے۔ ہمیں اپنی بقا کے واسطے علم اور سائنس میں ترقی کرنی چاہیئے۔ قرآن نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ کہ ہم زمین پر خدا کے خلیفے ہیں۔ اور کائنات کا ایک ایک ذرّہ ہمارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اور ہمارے حکم کے تابع ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم سب ملکر ایک ہو جائیں۔ اور آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ اور ملت کے فائدے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ صحابہ کرامؓ جیسی ایمانی قوت حوصلہ اور امنگ پیدا کرلیں۔ محنت اور مشقت سے زندگی بسر کریں۔ عزم بلند اور ہمت مردانہ رکھیں۔ زندگی کی کسی منزل پر قانع نہ رہیں۔ محض دوسروں کے سہارے ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ جب تک کہ ہم دوش بدوش نہ کھڑے ہوں۔ جو اپنی قوت بازو سے اور اپنے بل پر زندہ رہنا چاہتی ہیں۔ دنیا میں حق اسی کو ملتا ہے جو اس حق کو حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ اگر ہم میں طاقت نہیں تو جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ بھی دوسروں کا حق ہے۔ جب مسلمان زندہ تھے۔ تو ان کے سامنے کسی مسلمان کی توہین کرنا گویا پوری قوم کو اعلان جنگ دینا تھا۔ لیکن آج ہمارے کسی فرد کی سخت سے سخت توہین اور حق تلفی بھی ہم میں کوئی جنبش نہیں پیدا کرتی ہمارا آج کوئی نصب العین نہیں ہے۔ اور نہ کوئی آج ہمارے سامنے نظامِ عمل ہے۔ اور ہم میں سے اکثر ذاتی مفاد پر ملی مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔

دنیا میں کوئی قوم بغیر اسباب ظاہری کے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بلکہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ آج ہم میں اخلاقی کمزوریاں ہیں۔ مایوسی اور خوف و حزن ہم پر مسلط ہے۔ جو بہرہ شیطان ہے۔ ہم موت سے ڈرتے ہیں۔ قرآن نے تمام امتیازات جو دولت

...بنا پر ہیں۔ سب مٹا دیئے ہیں۔ کوئی خانہ
...پیشہ ایک مسلمان کے واسطے مافوق البشر ہستی
...کوئی شخص اس لئے معزز نہیں سمجھا جانا چاہیئے
...لیٰ خاندان سے ہے۔ بلکہ معزز وہ ہے جس
...چھے ہیں۔ اور وہ دوسروں کی بھلائی کے واسطے
...ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم متحد ہو جائیں۔ قوائے
...ت میں لائیں۔ اور اپنا ایک نصب العین
...۔ اور اس کے حاصل کرنے کے واسطے قربانی
...ں۔ جو مقصد جسقدر اعلیٰ ہے۔ اسی قدر دشوار
لعل وجواہر کسی کو سطح زمین پر پڑے ہوئے
...تے۔ زمین کا جگر چیر کر نکالے جاتے ہیں بیش
...نی پر تیرتے ہوئے نہیں مل سکتے۔ جان پر
...در کے اندر سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ترقی
...نہیں ہے۔ خار زار ہے۔ اس پر چلنا ہمت اور
...ہتا ہے۔ چونکہ ہم میں عزم راسخ۔ عمل مسلسل
اخوت اور جذبہ فدائیت نہیں ہے۔ اس لئے
...دیں وہ بجلی کی لہر جو ان کے مرکبات سے بنتی ہے
...سکتی۔ کہ جس پر ملت کی زندگی کا انحصار ہے اور
...تائید ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ صحابہؓ کرام
...انقشہ ہمارے سامنے ہے۔ جس سے ان میں حیرت
...ب واقع ہوا۔ اور ایک وحشی اور جاہل قوم جو مادی
...بھی محروم تھی۔ کس طرح تعریذلت سے اٹھ کر
...ہی پر پہنچ گئی۔ دنیا کی دولت وحشت اس کے
...ار ہو گئی اور انہوں نے عالم میں علوم وفنون
...بہا دیئے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

رات کے متعلق نتیجہ :-

ہم اپنی نیند پر قابو پائیں۔ اور رات کی خاموش گھڑیوں میں اس روٹھے ہوئے محبوب کو پھر منائیں۔ اس کے سامنے جھکیں اور سجدے کریں۔ اور رو رو کر دعائیں مانگیں۔ کہ ہمیں وہی ایمان، عزم، استقلال اور ویسی ہی استقامت بخش دے جس کے وارث ہمارے اسلاف تھے۔ اور ہماری دعائیں اس کی رحمتوں کو پھر اپنی طرف کھینچ لائیں۔ ہمارے اقوال اور کردار سب اس کی رضا جوئی کے لئے وقف ہو جائیں

ہمارا ہر فرد رگِ باطل کے واسطے ایک نشتر بن جائے ہمارے وجود سے خدا کی ہستی کا ایک زندہ ثبوت مل جائے وہی الفت اور ویسی ہی وحدت قومی پھر ہم میں پیدا ہو جائے۔ جو آج سے ۱۳۰۰ برس پہلے صحابہ کرام میں تھی۔ اور جو آج فرقہ بندیوں کی وجہ سے معدوم اور مفقود ہو چکی ہے ہم دنیا کے واسطے اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے رہبر بنیں اپنے وجود سے خدا کی ہستی اور وحدانیت پر شہادت دیں۔ اور اسی پر ہمارا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔

(مرزا) نور محمد

---

۲۸ و ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء

نوٹ کر لیجئے ان ایام میں قومی اجلاس فاضلکا ازفیروزپور کے مقام پر منعقد ہوگا۔ فرزندان سادات و قریش کا فرض ہے۔ کہ اپنے قومی دربار میں جوق در جوق شریک ہو کر جلسہ کی رونق دوبالا کریں۔ اور قومی فلاح وارتقا کیلئے مفید تجاویز پیش کر کے منشائے قوم کو پورا کریں

تاجدارِ مدینہؐ کا جانوروں سے سلوک

(از جناب منظور حسین صاحب ماہر قادری)

مالکِ کونین شاہِ دو جہاں — رحمتِ عالم پناہِ بیکساں
ایک دن اک باغ میں پہنچے حضورؐ — بن گیا ہر ذرّہ رشکِ شمعِ طور
اللہ اللہ سطوتِ شاہِ انامؐ — ڈالیاں جھکنے لگیں بہرِ سلام
مرحبا رنگینیٔ نقشِ قدم — جن پہ قرباں زینتِ باغِ ارم
واہ کیا انداز تھے رفتار کے — خاک کے ذرّے گلستاں بن گئے
صحن میں اس باغ کے اک اونٹ تھا — صدمۂ جوع و عطش میں مبتلا
بلبلا اٹھا ستم کش جانور — رحمتِ عالم کو آتا دیکھ کر
آئے سردارانِ جہاں اس کے قریب — جاگ اُٹھے اونٹ کے خفتہ نصیب
سر پہ اس کے ہاتھ پھیرا پیار سے — جانِ رحمت، راحتِ کونین سے
اللہ، اللہ دستِ شفقت کا اثر — بے زباں نے رکھ دیا قدموں پہ سر
ہو گئے بے چین سردارِ عربؐ — اونٹ کے مالک کو فرمایا طلب
خدمتِ اقدس میں وہ حاضر ہُوا — اس سے یوں حضرت نے سختی سے کہا
بے زباں کا اور یہ حالِ حزیں — غالباً تجھ کو خدا کا ڈر نہیں
سن کے یہ ارشاد مالک کانپ اُٹھا — کام اس جملہ نے نشتر کا کیا
کی گئی تعمیلِ ارشادِ نبیؐ — اونٹ کو تسکین حاصل ہو گئی
السّلام اے فاتحِ بدر و تبوک — جانور کے ساتھ یہ حسنِ سلوک
السّلام اے رحمۃ للعالمین — السّلام اے مالکِ دنیا و دیں
السّلام اے بیکسوں کے غمگسار — السّلام اے قلبِ مضطر کے قرار
اے پناہِ خستہ حالی السّلام — بے سہاروں کے سہارے السّلام
قادرِ مطلق کے پیارے السّلام — مظہرِ شانِ جمالی السّلام

آپ کی اُمّت ہے با حالِ تباہ
اس طرف بھی اک عنایت کی نگاہ

فاتح اعظم

السّیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہلال رضا سے بھاگ کر شام کے مسیحی ہیڈ کوارٹر میں جا کر ٹھہرا۔ اور شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایک مراسلت بھیجکر مطلع کیا۔ کہ اسلامی جرنل خالدؓ عجمی اقتدار کا خاتمہ کر چکا ہے۔ متعدد مسیحی قلعے بھی اس نے تسخیر کر لئے ہیں۔ اگر بربادی و ہلاکت کی اس بڑھتی ہوئی رو کو نہ روکا گیا۔ تو قسطنطنیہ تک ایک بھی سچا عیسائی مسیح کا نام زبان پر نہ لا سکے گا۔ مصلحت وقت یہی ہے۔ کہ ایک جیشِ عظیم بھیجکر اس سیلاب کو روکئے میں بھی اپنے ہمراہیوں کو مجتمع کر رہا ہوں۔

ہرقل اعظم جو ایران کی تباہی دیکھ کر اپنے انجام کے تصور سے کانپ اٹھتا تھا۔ ہلال کے مراسلہ کی اہمیت سمجھ گیا۔ اور بڑی سرعت کے ساتھ ایک لاکھ رومیوں کا عسکرِ عظیم ہلال کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ جو اپنے اسّی ہزار لشکریوں کے ساتھ رومی فوجوں کا انتظار کر رہا تھا۔ عید الفطر کے کچھ ہی دنوں بعد فراض کے مقام پر عربی مجاہدین سے وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس نے مسلمانوں کیلئے قسطنطنیہ تک کا مرانی و نصرت کا دروازہ کھولدیا۔ رومی ذلیل ترین شکست اٹھا کر بھاگ نکلے۔ ہلال میدان جنگ ہی میں ڈھیر ہوا۔ کروڑوں کا مال غنیمت فتح کی خوشخبری کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا تو عامۃ المسلمین میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ اور حضرت سیف اللہ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

جنگ فراض نے عرب و عراق کے مسیحوں کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ وہ رومی شہنشاہ کے ظلِ عاطفت سے نکلکر اسلام کے دامن شفقت میں جوق در جوق پناہ لینے لگے اور کچھ ہی مدت میں تمام عراق عرب خدا کے سچے پرستاروں سے معمور ہو گیا۔

جیشِ اسلام کو دار الخلافہ عراق حیرہ بھیجکر حضرت خالد رضؓ خفیہ طور سے عازمِ حج بیت اللہ ہوئے۔ ماہ مبارک ذولقعدہ کی پچیسویں تاریخ تھی۔ کہ اس عاشق معبود کے دل میں عبودیت حقیقی کا شعلہ اُٹھا۔ اور آپ اس ایمان افروز تپش سے مضطرب ہو کر صرف ایک بدرقہ اور دو غلاموں کے ساتھ ایک غیر معروف راستے سے صحرائے اعظم کا لق و دق ریگستان تائید ایزدی کے سایہ میں دس روز کی قلیل مدت میں طے کر کے بارہویں روز ساتویں ذالحج سنہ ۱۲ھ کو خدا کے مقدس گھر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ارکان فرائض حج خلوص عبودیت کے اس جوش و خروش کے ساتھ ادا کئے کہ جو ان کو حصول رضائے خداوند کے لئے ہمیشہ مضطرب رکھتا تھا۔ ۲۰ ذی الحج کی شام قریب تھی۔ کہ آپ واپس ہو کر دار الامارۃ عراق حیرہ میں داخل ہو گئے۔ اور شرکت حج کا راز کسی متنفس پر بھی نہ کھل سکا۔ کچھ عرصے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر یہ انکشاف ہوا۔ تو آپ حضرت سیف اللہ کی اس خدا پرستی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ مگر احتیاطاً آئندہ کیلئے انتباہ کر دیا۔

جنگ فراض کے بعد دربار خلافت میں شامی محاذ جنگ

کے مستقبل پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور و خوض کیا گیا یہ بالکل روشن نہ تھا۔ کہ ہرقل اپنی اجتماعی قوتوں کے ساتھ جلد ہی مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ آخر تمام نشیب و فراز پر غور کرنیکے بعد امین الامتہ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے زیر قیادت ایک جیش عظیم سرحد شام پر روانہ کیا گیا۔ اور حضرت سیف اللہ کو شامی مہم کا کمانڈر اعظم منتخب کرکے مندرجہ ذیل خط لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من ابن ابی قحافہ ابی بکر الی خالد بن ولید سلام علیک فانی احمد اللہ الذی لا الہ الا ھو وصلی علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانی قد ولیتک علی جیوش المسلمین وامرتک بقتال الروم نشاع الی مرضاۃ اللہ وقاتل عدو اللہ وکن ممن یجاھد فی اللہ من جھاد یا ایھا الذین امنوا اھل ولکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب علیم وقد جعلتک امیر علی ابو عبیدہ ومن معہ والسلام

"یہ خط ابی قحافہ کے بیٹے ابو بکرؓ کی طرف سے خالد بن ولید رضؓ کی طرف ہے۔ خدا کی رحمت تم پر ہو۔ میں خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اس کے بھیجے ہوئے نبیؐ پر درود جس کا نام محمدؐ ہے۔ اس پر اور اس کی آل پر صلوٰۃ ہو۔ میں نے تم کو اسلامی فوج کا سالار بنا کر رومیوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے۔ پس اللہ کی خوشنودی کے لئے جلدی کرو۔ کفار سے لڑو۔ اور جہاد کا حق ادا کرو۔ مسلمانو! میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتا رہا ہوں۔ جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ خالدؓ تم ابو عبیدہ رضؓ اور ان کے ساتھیوں پر امیر ہو۔"

حضرت عبیدہ کی روانگی کے وقت امیرالمومنین صدیق اکبرؓ نقاہت و ضعف کے باوجود کچھ دور تک لشکر کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ اور رخصت کے وقت جو مقدس خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ عظمت و احترام کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ آپ نے فرمایا :-

" مسلمانو! دیکھو اور یاد رکھو بدعہدی تمہارے پاس نہ آئے راہ صداقت سے کبھی قدم نہ ہٹے۔ کسی شخص کی اعضا تراشی نہ کرنا۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہ اٹھے کھجور اور دوسرے پھلدار درخت تباہ نہ کئے جائیں۔ زراعت کی پامالی کے جرم عظیم سے ہمیشہ بچنا۔ بغیر ضرورت کوئی بھیڑ بکری۔ گائے۔ بیل۔ گھوڑا ذبح نہ کیا جائے۔ اللہ کا نام لیکر صرف اسی غذا پر قناعت کرنا جو اس ملک کے لوگ اپنے برتنوں میں پکا کر تمہارے پاس لائیں۔ تارک الدنیا راہب ہر قسم کی جسمانی ایذا سے محفوظ رکھے جائیں۔ جاؤ ——— خدا کے نام پر۔ وہ تمہیں وبا اور تلوار کی آفتوں سے بچائے"

(تاریخ اسلام سید علی مرحوم)

یہ تھا وہ مقدس اور برگزیدہ نصب العین جو مسلمانوں کی جنگی مہموں میں ہمیشہ ان کا رہنما رہا۔ اس زمانے کے عجمی و رومی خون آشام ظالموں کی بربریت تو "رومن امپائر" اور "مسعودی" کے صفحات پر تلاش کیجے۔ اور دور جدید کی تباہ کاریوں کے نقوش جنگ عظیم کے عبرتناک مرقع میں ڈھونڈئے ——— اللہ اکبر بندگان دروغ و کذب اپنے تعصب میں کتنے اندھے ہو گئے ہیں۔ کہ انہیں شمشیر اسلام کی خونچکانیوں پر شور فریاد بلند کرنے سے تو ذرا فرصت نہیں ملتی۔ مگر اپنے ہی ہم قوم مغرب کے علمبرداران تہذیب و تمدن کی قدیم و جدید خون آشامیوں کو گریبان میں چھپاتے پھرتے ہیں۔

حضرت خالد رض کو نامۂ خلافت اس وقت موصول ہوا جبکہ آپ عجمی سطوت کا خاتمہ کرنے کیلئے جنگ قادسیہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔آپ کا دلی عزم تو یہی تھا۔ کہ تمام مملکت ایران پر رائت توحید لہرا یا جائے۔ مگر احکام خلافت کی تعمیل ناگزیر تھی۔آخر ایک مضبوط لشکر مثنیٰ رض کی سرکردگی میں چھوڑکر بقیہ سات ہزار مجاہدین کو لے کر عازم شام ہوئے۔

حضرت سیف اللہ نے کمال غور و تدبّر سے کام لیکر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ تاکہ راہ میں مسیحی طاقتوں سے الجھنے میں دیر نہ لگ جائے۔حضرت شرجیل بن حسنہ کاتب وحی چار ہزار مجاہدین کی جمعیت سے بصرئی پر عیسائیوں سے جنگ آزما تھے۔دشمن کی کثرت فوج نے پریشان کر رکھا تھا۔ کہ تائید ربانی کا پیغام لیکر حضرت سیف اللہ اپنے عسکرِ عظیم کے ساتھ نمودار ہوئے۔ جگر گوشہ صدیق اکبر رض حضرت عبدالرحمٰن رض اور حضرت خالد رض پیشقدمی کرکے شرجیل تک جا پہنچے۔اور کہا یا شرجیل! السلام علیکم۔خدا نے وقت پر تمہاری مدد کی۔ یہ کہا اور مسیحیوں پر جا پڑے۔عیسائی بھاگ نکلے۔قلعہ بند ہوئے محمد صدیق اکبر رض کے فرزند دلبند غازی عبد الرحمٰن رض ایک منتخب سرفروشوں کی جماعت کے ساتھ فصیلِ قلعہ عبور کر گئے۔بصریٰ فتح ہوگیا۔ روما میں گورنر بصریٰ نے صدق دل سے قبول اسلام کیا۔اور اس کی سفارش پر تمام اہل قلعہ کی جان بخشی کی گئی۔

تسخیر بصریٰ کے بعد حضرت خالد رض نے حضرت ابوعبیدہ رض کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا:۔

خدائے کائنات کی حمد اور رسول عربی اور ان کی آل واصحاب پر درود۔ میں خدا سے آپ کے لئے کل مسلمانوں کے لئے اور اپنے لئے عقبیٰ کے عذاب الیم سے محفوظ رہنے کی دعا مانگتا ہوں۔جانشین رسول محترم کے حکم سے میں شامی مہم کا امیر الجیش بنا کر بھیجا گیا ہوں۔مگر خدا گواہ ہے۔ کہ آپ کی عظمت میرے قلب پر نقش ہے۔میں آپ کے کسی حکم سے بھی کبھی انحراف نہ کرسکونگا۔آپ بدستور خود کو امیر لشکر تصور فرمائیں۔خدائے برحق اس مہم میں اپنی برکت ونصرت سے ہمیں نوازے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے۔آمین "

اللہ غنی کیسے پاک باطن تھے۔ وہ نفوس قدسی امارت ونیابت اُن کے نزدیک خدمت اسلام کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ان کا ایمان تو اس پر تھا۔ کہ بزرگی اس کے لئے ہے۔جو خدا سے ڈرنے والوں میں پیش پیش ہے۔

حضرت خالد رض قریب پہنچے۔ تو حضرت ابوعبیدہ رض نے معہ لشکر پُرتپاک خیر مقدم کیا۔اس کے اگلے دن اجتماعی فوجوں کے ساتھ دمشق پر پیشقدمی کی گئی۔ دمشق ایک فرسنگ رہگیا تو دیر غوطہ پر جنرل کلوص اور گورنر دمشق عزریل رومی نے غازیانِ اسلام سے جنگ آزمائی کی۔رومیوں کو سخت ہزیمت ملی عزریل نذر عزرائیل ہوا۔ اور کلوص " لغمۂ نہنگ اجل" شہنشاہ ہرقل نے اس تازہ شکست کی خبر نہائت بد دلی سے سنی۔ وہ عالم تخیل میں کچھ ایسا دیکھ رہا تھا۔ کہ مظفر ومنصور عربی لشکر قسطنطنیہ کو تاخت وتاراج کر رہا ہے۔آخر اس خواب سے چونکا۔تو تمام عیسائی طاقتوں سے امداد کی درخواست کی۔تمام یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔اور دلیرانِ تثلیث صلیب مقدس کی عظمت قائم رکھنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں شام کی طرف ڈھلنے لگے۔آخر ہامان نامی ارمنی جرنل کی سرکردگی میں پونے چار لاکھ کا عظیم الشان رومی لشکر میدان یرموک پر چھا گیا۔جیش اسلام میں کل انتالیس ہزار

مجاہد شامل تھے۔ ان میں ایک ہزار جلیل القدر صحابہ تھے۔ اور یکصد وہ باعظمت بزرگ تھے۔ جنہیں شرکت بدر کی سعادت عظمیٰ حاصل تھی۔

ہرقل اس عظیم الشان لشکر کے باوجود مسلمانوں سے بھڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی تجویز کے مطابق حضرت سیف اللہ کو لامحدود دولت کے انبار پیش کر کے واپسی کی درخواست کی گئی۔ مگر یہ عطیۂ عظیم نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ ہامان نے مجبور ہو کر ایک فاضل مسیحی پادری کو سفیر بنا کر حضرت خالدؓ کے بلانے کیلئے بھیجا۔ یہ فاضل عیسائی جب اسلامی کیمپ میں داخل ہوا۔ تو یہاں اسے وہ سب کچھ نظر آیا۔ جو اللہ کے مقبول بندوں کے متعلق تورات و انجیل میں بیان کیا گیا ہے مسلمانوں کی سادگی، تقدس و طہارت، خلوص ایمان، ان کا بے ریا ذوق عبودیت، ان کی سجدہ ریز پیشانیاں، ان کے پسندیدہ اخلاق، ان کی خلوص و محبت سے لبریز آنکھیں۔ ان سب میں ایک ہی پیغام چھپا ہوا تھا۔ اور وہ پیغام ـــــ وہی ازلی پیغام تھا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ـــــ آخر نہ رہا گیا۔ تو بول اٹھا۔ بیشک یہی وہ لوگ ہیں۔ جو خدا کی شریعت کو دنیا میں بلند کریں گے۔ اور محبت و عقیدت سے مسلمان ہو گیا۔ اگلے دن حضرت خالدؓ نے ہامان سے ملاقات کی۔ ہامان نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ اور تمام زور تقریر اس امر پر صرف کیا۔ کہ حضرت خالدؓ بے شمار دولت و حشمت قبول کر کے واپس ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے کمال خشوع و خضوع سے مندرجہ ذیل حدیث کی تلاوت کی اور واپس چلے آئے۔

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی من عرض الدنیا لا اجر لہ۔

جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ اور دولت دنیا کی خواہش رکھتا ہو وہ انعام یزدانی سے محروم رہے گا۔

آخر ـــــ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ رومی بڑے جوش و خروش سے حملہ کر رہے تھے۔ بڑے بڑے رومی بہادروں نے اپنی قطار کو زنجیروں میں محصور کر لیا تھا کہ میدان جنگ سے کسی کا منہ نہ پھر سکے۔ دنیا کی رزمی تاریخ اس لڑائی کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک طرف پونے چار لاکھ مسلح آہن پوش رومی بہادر۔ دوسری طرف صرف اڑتالیس ہزار بے مایہ مجاہدین رومیوں کا ہر قدم فتح و کامرانی کے ساتھ اٹھتا تھا۔ مسلمانوں کے ایک دستہ کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ظاہری حیثیت میں لڑائی کا رنگ بالکل دگرگوں نظر آرہا تھا۔ حضرت سیف اللہؓ نے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا ہی تھا۔ کہ دربار مدینہ سے اسلامی قاصد پہنچا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت، حضرت خالدؓ کی امارت سے معزولی اور حضرت ابو عبیدہؓ کی سپہ سالاری کا پیغام لایا رضا جوئی خداوندی حضرت خالدؓ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر خدا کے حضور میں سجدہ کیا اور کہا "اے معبود حقیقی! میرا حال تجھ پر روشن ہے۔ میرا ہر قول و فعل تری توحید و عظمت کی منادی کے لئے تھا۔ مجھے تو شہادت کے سوا کوئی بھی آرزو نہیں۔ اور یہ توفیق بھی تیرے ہاتھ میں ہے۔ میرے معبود! میرے دانا! تیرے ناکارہ بندے کی شرم تیرے ہاتھ ہے۔ دیکھ اے میرے خداوندا! میری نیت و ہمت میں تزلزل نہ ہو۔ اور میں اسی جوش و خروش سے تیرے مذہب کی خدمت کر دوں جو تیری درگاہ سے مجھے عطا ہوا ہے"۔

یہ تھی وہ استواری ایمان اور خدمت دین ہدیٰ کی حرارت

کہ جس نے مسلمانوں میں خالد جانباز جیسے عباد مخلصین پیدا کئے وہ جس مسرت روحانی کے ساتھ ایک کماندار اعظم کی حیثیت میں خدمت اسلام کے لئے مضطرب رہتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ ایک سپاہی بنکر امانت خداوند کی حفاظت میں شہید ہونے کیلئے بیتاب ہو گئے۔

آخر حضرت خالد رضؓ نے جانبازان اسلام میں سے منتخب سرفروشوں کا ایک دستہ مرتب کیا۔ جسمیں فضل ابن عباس۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ عبداللہ ابن عمر بن الخطاب۔ زبیر بن العوام قیس بن سعد۔ ابوایوب انصاری۔ جابر بن عبداللہ۔ ضرار بن لاذور رضی اللہ عنہم شامل تھے ـــــــ تاریخ عالم خالدی اقدام کی نظیر پیش نہیں کر سکتی وہ اس شان کے ساتھ قدم بڑھاتے تھے کہ دنیا ہٹ جائے۔ مگر ان کا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ رومی اس تند و تیز حملہ کو نہ روک سکے۔ ان میں عام بھگدڑ پڑ گئی۔ ہامان نے بہت کچھ روکا۔ مگر کسی کا قدم بھی میدان رزم میں نہ ٹھہر سکا آخر پہلے دن کی بدترین شکست ساتھ لیکر رومی اپنے کیمپ میں واپس ہوئے۔

دوسرے دن بھی وہی نقشہ جنگ تھا۔ مسلمان کل کی فتح سے دلیر ہو رہے تھے۔ تو رومی اپنی شکست کا انتقام لینے کیلئے مضطرب تھے۔ بڑا ہولناک معرکہ ہوا۔ اس بلا کی شمشیر زنی ہوئی کہ الامان۔ رومیوں کی لاشیں یکے بعد دیگرے زمین پر ڈھیر ہو رہی تھیں مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ آج کی لڑائی میں خواتین اسلام نے بھی کار ہائے نمایاں انجام دئیے تاریخ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضؓ حضرت ہندہ اُم امیر معاویہ رضؓ خولہ خواہر ضرار رضؓ۔ ام اُبان زوجہ عکرمہ رضؓ کی زرّیں قربانیوں کو کبھی فراموش نہ کر سکیگی۔ حضرت عکرمہ رضؓ آج نشۂ شہادت میں

مدہوش تھے۔ ہزار دل، رومیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر وہ قابل فخر شہادت حاصل کر کے عازم خلد جاوداں ہوئے حضرت حارث بن ہاشم رضؓ حضرت عباس رضؓ نے بھی حضرت عکرمہ رضؓ کی تقلید کی اور شہادت کے سرمدی اعزاز سے ممتاز ہوئے۔ سلٰم علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ہ شام کی تاریکی چھانے سے پہلے حضرت سیف اللہ نے تمام جمعیت کے ساتھ رومیوں پر ایک آخری ہلّہ کیا۔ رومی اس زبردست چوٹ کی برداشت نہ کر سکے۔ وہ دن بھر دلیران اسلام کی شمشیروں کا شکار ہوتے رہے تھے۔ اب ان میں تہوّر و استقلال کا ایک شمہ بھی باقی نہ تھا۔ آخر بھاگ نکلے۔ ہامان بھاگتے بھاگتے دمشق کے قریب ایک مجاہد کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور اسطرح قلیل مجاہدین کو مسیحی دنیا کے عظیم الشان لشکر پر فتح عظیم حاصل ہوئی۔

جنگ یرموک میں مسیحی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار کے قریب تھی۔ چالیس ہزار سے زیادہ گرفتار ہوئے ہزاروں دریا میں ڈوب کر تلف ہوئے۔ مال غنیمت کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ حصہ خمس نکالکر ایک ایک سوار کو چوبیس چوبیس ہزار مثقال اور ایک ایک پیادے کو آٹھ آٹھ ہزار مثقال سونا ملا۔ چاندی اور دیگر زر و جواہر، اسباب اسلحہ ان کے علاوہ تھے۔ شہدائے کرام کی تعداد تین چار ہزار کے درمیان رہی۔

جنگ یرموک کے بعد ہرقل اعظم کو معلوم ہوا۔ کہ اب سالار لشکر اسلام حضرت خالد رضؓ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی جگہ پر حضرت ابوعبیدہ رضؓ بن الجراح کا تقرر کیا گیا ہے۔ تو کامیابی کی کچھ آس بندھی، ہرقل سمجھتا تھا۔ کہ لشکر اسلام حضرت خالد رضؓ کی کمانداری پر منحصر ہے۔ اُسے یہ بھی یقین تھا۔ کہ اب حضرت

خالدرضؓ پہلی سی جانفشانی کے ساتھ جنگ نہ کریں گے۔ مگر یہ خیال اس وقت بالکل باطل نظر آیا۔ جب جنگ اجنادین میں حضرت سیف اللہ نے غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ رومیوں پر تیغ زنی کی۔ حضرت ضرار ابن لازور کی بے پایاں شجاعت جنگ اجنادین کے کارناموں میں ہمیشہ ممتاز رہے گی آپ اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے دستِ راست رہے۔ رومی لشکر کے بریگیڈ جنرل وردان نے اپنی شکست سامنے دیکھی تو مکاری سے کام لیا اور حضرت خالدؓ کو دھوکے سے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اس کی تدبیر مکاری اسی پر الٹ دی گئی۔ وہ کتے کی ذلیل موت مارا گیا۔ اور اس کا لشکر پچاس ہزار رومی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر مفرور ہو گیا۔

اب مجاہدین اسلام نے دمشق کا رخ کیا۔ گورنر دمشق نے سخت مدافعت کی۔ اور با افراط سامان جنگ و رسد قلعہ دمشق میں جمع کر کے محصور ہو گیا۔ اس دوران میں کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔ عیسائیوں نے ایک شب شبخوں بھی مارا۔ مگر شب بیدار مجاہدین نے بری طرح مار مار کر بھگا دیا۔ ایک رات حضرت خالدؓ نماز تہجد کے بعد چہل قدمی کر رہے تھے۔ کہ قلعہ میں سے شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گورنر کے یہاں کوئی جشن منایا جا رہا ہے۔ حضرت سیف اللہ نے ایک سو منتخب شجاعان اسلام کو ساتھ لیکر مشکوں کے ذریعہ سے خندق قلعہ کو عبور کیا۔ اور کمند کے ذریعے سے فصیل پار کر گئے۔ اندر پہنچتے ہی رومیوں پر نعرۂ اللہ اکبر کے ساتھ ضرب شمشیر پڑنے لگی۔ ادھر رومی موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔ اُدھر حضرت ابوعبیدہ رضؓ سے (جو اس تمام کارروائی سے ابھی تک بے خبر تھے) صلح کی درخواست کی۔ حضرت امین الامۃ نے کمال رحمدلی سے درخواست منظور کر لی۔ ایک طرف آپ

صلح کی حالت میں داخل دمشق ہو رہے تھے۔ دوسری جانباز فتح کا پھریرا اُڑاتے ہوئے شمشیر بکف آ[illegible] شہر کے مشہور بازار "مسقلاط" میں دونوں کا سا[illegible] خالدرضؓ کے استفسار پر حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے فرما[illegible] شہر کو امان دے چکا ہوں۔ تم بھی شمشیر نیام کر لو[illegible] سیف اللہ نے کہا۔ حضرت ہم نے تو بزور شمشیر فتح [illegible] امان کیسی۔ حضرت امین الامۃ نے فرمایا۔ کہ عیسائیو[illegible] ہمیں دھوکا دیا۔ مگر ایک مسلم کی شان سے یہ بعید [illegible] کے قریب جائے۔ ایک عام مسلمان کی ذمہ داری [illegible] کو جو اید ہ قرار دیتی ہے۔ لہذا تمہیں اس وعدہ کی [illegible] ہے۔ جو میں امیر الجیش کی حیثیت سے مسیحیوں [illegible] چکا ہوں حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے فرمان پر حضرت خ[illegible] تسلیم خم کر دیا۔ اور اس طرح دمشق کے مسیحیو[illegible] جان بخشی کرا لی۔

فتح دمشق کے بعد حمص، حما۔ حلب اور قنسر[illegible] پر کئی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں خالد کی شمش[illegible] مخصوص جوہر دکھاتی رہی۔ آخری جنگ قنسرین [illegible] کمانڈر منیاس نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ قنسرین [illegible] پر ہرقل مقیم تھا۔ حضرت خالدرضؓ نے اس کی طرف ر[illegible] تھا۔ کہ وہ اپنی جان بچا کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

سنہ ۱۶ ہجری القدس مطابق سنہ ۶۳۷ء میں بیت [illegible] پر اقدام کیا گیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی در[illegible] اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط پیش کی۔ کہ امیر الم[illegible] عمر رضؓ خود یہاں تشریف فرما کر معاہدہ صلح کی تکمیل [illegible] ابوعبیدہ رضؓ کا مراسلہ پہنچنے پر حضرت فاروق اعظ[illegible]

۱۶ھ ہجری القدس میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مقام جابیہ پر سرداران اسلام نے اپنے مقتدر خلیفہ کا استقبال کیا۔ اور یہیں معاہدۂ بیت المقدس مرتب کیا گیا۔ اب چونکہ تسخیر شام کا عملی کام ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے گورنروں کا تعین فرمایا۔ قنسرین جو شام کا سرحدی مقام تھا۔ حضرت خالدؓ کی گورنری میں دیا گیا۔ جن کی جلالی شمشیر نے یورپ میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

۱۸ھ ہجری القدس میں حمص کے عیسائیوں نے دوبارہ شورش کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو جو ابھی راہ ہی میں تھے۔ تمام حالات سے اطلاع دی۔ فاروق اعظمؓ نے فوراً تمام فوجوں کو مجتمع ہونے کا حکم دیا۔ حضرت قعقاع ابن عمرؓ سہیل بن عاری رضؓ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے اپنے مقامات سے حمص کی طرف بڑھے۔ اور پہلے ہی حملے میں عیسائیوں کے دائیں بازو کو شکست فاش دی۔ آخر ان میں عام بھگدڑ پڑ گئی اور یہ ذلیل ترین آخری ہزیمت اٹھا کر ایسے فرار ہوئے۔ کہ پھر کبھی پیش قدمی کی توفیق نہ ہوئی۔

اس سے قبل کہ حضرت خالدؓ کے سوانح حیات ختم کئے جائیں یہاں ان کی معزولی کے اسباب پر مختصر سی بحث کرنا یقیناً موزوں ہوگا۔ مورخین نے اس معزولی کے اسباب میں کہیں کسی شاعر کو دس ہزار بخشش دینے کا فسانہ تراشا ہے۔ کسی نے خالدؓ اور فاروق اعظمؓ کے درمیان دیرینہ مخاصمت کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب غیر ذمہ دارانہ قیاس آرائیاں حقیقت سے اتنی ہی دور ہیں جتنا کہ ان کو قریب سمجھا جاتا ہے۔

حضرت خالدؓ کی امارت عسکریہ سے معزولی کا سب سے بڑا اسلامی مہموں کا نصب العین تھا۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ "شام" جیسے مقدس ملک میں مبشر اسلام ایک ایسی شخصیت کے زیر قیادت رہے کہ جس کا زہد و تقویٰ ایسی دینداروں کیلئے کشش انگیز ہو۔ کون نہیں جانتا۔ کہ شام مذہبوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ اہل شام اس زمانے میں بڑے مذہب پرست اور زاہد متقی تھے۔ ان کی طبیعتیں ایسے مذہب کو بآسانی قبول کرنے کی طرف راغب ہو جاتی تھیں۔ جس میں تقویٰ، تقدس، عاجزی، ترک۔ ترک دنیا کے عناصر شامل ہوں حضرت ابوعبیدہؓ کا زہد اور ان کا مذہبی غلو مسلم ہے۔ وہ اپنے تمام ہمعصر صحابہ میں سب سے زیادہ متقی تھے۔ اس لئے تبلیغ اسلام کے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے خالد اعظمؓ کی جگہ پر امین الامت ابوعبیدہؓ کو متمکن کیا۔

حمص کی فتح ثانی کے وقت جب حضرت عمرؓ عنہ مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو اپنے ہمراہ حضرت خالدؓ کو لیتے آئے اور یہاں پہنچکر تمام عمالان ملکی کے نام حسب ذیل فرمان جاری کیا۔

میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا انکی خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا ہے۔ لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا۔ کہ عامۃ المسلمین ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں۔ اور تمام فتوحات اسلام کو محض ان کی ذات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں نے عامہ خلائق کو یہ بتانے کے لئے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ خالدؓ کا معزول کرنا مناسب سمجھا"

ہم حضرت فاروق اعظمؓ کی اس رائے پر کچھ ایزاد کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ قارئین کرام خود ہی اس فرمان سے حضرت خالدؓ کی بے گناہی اور ان کے اخلاص و دیانت کا اندازہ کر سکیں گے

حضرت سیف اللہ مدینہ منورہ کی خاموش اور پرسکون زندگی سے اکتا کر حمص تشریف لے گئے۔ اور یہیں ۲۱ھ

ہجری المقدس میں رہگرائے عالم باقی ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون ——— بستر نزع پر آپ نے جو کلمات ادا کئے۔ وہ آپ کے ذوق شہادت کو اعلیٰ طور پر واضح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

"میں سو سے زیادہ رزم آرائیوں میں شامل ہوا۔ میرے جسم میں ایک بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جسے نیزہ و شمشیر و تیر کے زخم نہ چھپائے ہوئے ہوں۔ حسرتا! کہ مجھے اعزاز شہادت حاصل نہ ہوا۔ اور میں اپنے بستر پر ہی اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر رہا ہوں"

وفات سے قبل آپ نے اپنا وفادار گھوڑا اور تمام جنگی اسلحہ بیت المال میں داخل کر دیئے تھے۔ آپ کے انتقال کی خبر سن کر بنی مغیرہ کی خاتون نے بڑی گریہ و زاری کی۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا:-

ماعلیھن عن یبکن اباسلیمان مالم یکن نقع او لقلقۃ ٥

ابو سلیمان (حضرت خالدؓ کی کنیت ہے) پر یہ عورتیں بجا طور پر رو رہی ہیں۔ ایسے بہادر پر جسقدر بھی رویا جائے کم ہے۔

حضرت سیف اللہؓ حمص ہی میں مدفون ہوئے اور آج بھی آپ کا مزار مقدس زائرین کی عقیدت گاہ بنا ہوا ہے۔ زندگی میں آپ کثیر الاولاد تھے۔ مگر وفات کے بعد ہی آپ کی اولاد بھی وبا اور طاعون کا شکار ہو گئی۔ صرف ایک پوتا عبدالرحمن ابن سلیمان باقی رہا۔ بعض مورخین آپ کا سلسلہ نسل منقطع بیان کرتے ہیں۔ جو سراسر غلط گوشی و غلط گوشی پر مشتمل ہے۔ آپ کے پوتے عبدالرحمن سے آپ کی نسل برابر جاری رہی۔ آج بھی نواح حمص میں ایک عربی قبیلہ "خالدیہ" آپ کے نام سے موسوم ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آپ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان سطور میں اسلام کے سب سے بڑے مجاہد اور دنیا کے عظیم ترین فاتح کی زندگی آپ کے سامنے ہے۔ قلت گنجائش کی وجہ سے ان کے ذاتی خصائل و اخلاق پر خاص روشنی نہیں ڈالی جا سکی مگر حقیقت بین نگاہوں کو اس مختصر سے مضمون میں وہ سب کچھ نظر آ سکتا ہے کہ جو ملت بیضا کے اس جلیل القدر فرزند کی حیات مقدس کا طغرائے امتیاز تھا۔

قبول اسلام کے ساتھ ہی ان کی عظیم الشان خدمات ملّی کا مقدس سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اور یہ زندگی کے آخری لمحوں تک وسیع ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین قیمؐ کی خدمت و حفاظت میں صرف کیا۔ حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہی وہ اپنی زندگی کو دین ہدیٰ کی حمایت میں قربان کرنے کا عہد کر چکے تھے وہ اپنے اس عہد میں قابل ستائش طور پر مستحکم رہے۔ اور مذہب و ملت کی لامحدود خدمات انجام دینے کے بعد خلد جاوداں کو عازم ہوئے۔

فاتحان عالم کی فہرست میں حضرت سیف اللہ کا باعظمت نام ہمیشہ اولین امتیاز کا حامل رہے گا۔ ایک فاضل مورخ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک معنی خیز فقرہ لکھا تھا۔ ہم اسی پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

"تاریخ اس اسلامی نیپولین (حضرت خالد بن ولیدؓ) کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ جسے کسی واٹرلو میں شکست کا سامنا نہ ہوا"

(مہوش صدیقی جالا پوری)

بصائر و عبر

خود بینی

حضرت ناصر خسرو کی ایک فارسی نظم کا ترجمہ

۱- ایک روز ایک عقاب پہاڑ سے ہوا میں اڑا طمع میں اگر اس نے اپنے بازوؤں کو خوب سجایا۔

۲- بازوؤں کی سجاوٹ دیکھ کر اس نے صبر کیا۔ اور اس طرح کہا۔ آج تمام روئے زمین " ہمارے " پروں کے نیچے ہے۔

۳- اب کون ہے جو میری طرح تمام دنیا میں اڑے۔ یہ گدھ ققنس، سیمرغ اور عنقا وغیرہ کیا ہیں۔

۴- جب میں بلندی پر اڑتا ہوں۔ تو اپنی تیز نظر سے ایک بال کا سرا بھی دیکھ لیتا ہوں۔ اگرچہ وہ دریا کی تہ میں ہی ہو۔

۵- اگر کوڑا کرکٹ پر کوئی مچھر جنبش کرے۔ تو اس مچھر کا وہ پرمارنا بھی " ہماری " نگاہوں میں ہوتا ہے۔

۶- اس نے بہت تکبر کیا۔ اور وہ تقدیر سے ذرا نہ ڈرا۔ تو دیکھ کر اس جفا پیشہ آسمان نے یہ کیسا فتنہ برپا کیا۔

۷- اتفاقاً ایک شہ زور تیر انداز نے اپنی گھات میں سے ایک تیر اس عقاب کی طرف بالکل سیدھا پھینکا۔

۸- وہ جگر کے ساتھ سل جانے والا تیر عقاب کے بازوؤں میں آن لگا۔ جس نے اس کو بلندی سے پستی پر گرا دیا

۹- عقاب خاک پر گر پڑا۔ اور مچھلی کی طرح تڑپا۔ اس وقت اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔

۱۰- یہ عجیب چیز آن لگی ہے۔ جو لکڑی اور لوہے سے بنی ہوئی ہے۔ اس میں یہ تندی و تیزی اور ایسی اڑان کہاں سے آگئی (عقاب نے کہا)

۱۱- جب اس نے اچھی طرح نگاہ ڈالی۔ تو اس نے اس تیر کی بناوٹ میں اپنا ہی ایک پر لگا ہوا دیکھا۔ کہنے لگا۔ کہ اب

۱۲- ہم کس سے فریاد کریں؟ کیونکہ جو کچھ ہم پر ہے وہ ہم ہی سے ہے۔

ناصر تو تکبر کو اپنے سر سے نکال دے۔ اور دیکھ کہ اس عقاب کے ساتھ جس نے کہ تکبر کیا۔ کیا کچھ ہوا۔ (پیام اسلام)

نخوت و رعونت و عجب و تکبر ترقی کی راہیں مسدود کرتا ہے۔ مغرور انسان سوسائٹی میں ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ حلم و تدبر اور رواداری ہی شیوہ انسانیت ہے۔ نیک عادت ڈالنے کی کوشش کرنا بہترین انسانی فرض ہے۔

لطائف

۱۔ ایک طفیلی سے کسی نے پوچھا۔ کیا تمہیں بھوک ہے اس نے جواب دیا مجھ غریب کے پاس اور ہے کیا؟

۲۔ ایک عورت جس کے دو خاوند مر چکے تھے۔ اور تیسرا بستر مرگ پر دراز تھا۔ آہ و زاری کر رہی تھی کہنے لگی۔ اے میرے مالک تو کہاں جاتا ہے۔ اور مجھے کس کے سپرد کرتا ہے شوہر نے جواب دیا چوتھے دیوث کے۔

۳۔ ایک خطیب سے کسی نے پوچھا مسلمانی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں ایک خطیب ہوں مجھے مسلمانی سے کیا کام

۴۔ ملا قزوینی کے گھر ایک مسلمان آیا۔ نماز کا وقت تھا تو اس نے پوچھا۔ قبلہ کس طرف ہے۔ قزوینی نے جواب دیا مجھے تو اس گھر میں آئے ابھی دو سال ہی ہوئے مجھے کیا معلوم کہ قبلہ کس طرف ہے۔

۵۔ نیشاپور کے حاکم نے حکیم شمس الدین سے دریافت کیا کہ مجھے غذا ہضم نہیں ہوتی۔ اس کا کیا علاج کیا جائے۔ اس نے جواب دیا۔ ہضم کی ہوئی غذا کھایا کیجئے۔

۶۔ ایک شخص نے ایک واعظ سے پوچھا کہ ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے۔ واعظ نے اس کو بلایا۔ اور کان میں کہا۔ ارے کمبخت مجھے کیا معلوم۔ جب وہ پھر مجلس میں آیا۔ تو لوگوں نے اس سے پوچھا۔ کہ مولانا نے کیا فرمایا۔ اس نے کہا جو کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے۔ خود مولانا سے سوال کرے اور جواب سن لے۔

۷۔ مولانا اشرف الدین دامغانی ایک مسجد کے دروازے کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسجد کا خادم کتے کو مسجد کے اندر باندھ کر مار پیٹ کر رہا ہے۔ ا[illegible] چیخ رہا ہے۔ مولانا نے دروازہ کھولا۔ اور کتا باہر ا[illegible] گیا۔ خادم مولانا پر خفا ہوا۔ مولانا نے کہا دوست معاف کرو۔ کتا عقل نہیں رکھتا۔ بے عقلی سے اندر چلا آیا۔ ہم جو عقل رکھتے ہیں۔ کیا تم نے ہمیں کبھ[illegible] ہیں دیکھا ہے۔

۸۔ ایک شخص ایک مزار کے پاس سے گزرا۔ ایک لمبی قبر دیکھی۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ اس نے جواب کہ جناب سرور کائناتؐ کے فلاں علمبردار کی ہے نے جواب دیا۔ شائد اسے جھنڈے سمیت ہی دفن کر

۹۔ ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اسے خلیفہ لے گئے۔ خلیفہ نے اس سے کہا۔ کہ پارسال ایک شخص نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے ہم نے مار ڈالا۔ اس آپ نے اچھا کیا۔ وہ آدمی میرا بھیجا ہوا نہیں

۱۰۔ ایک مزدور سے جو کسی کارخانہ میں ملازم روز ایک بہت بیش قیمت چینی کا برتن ٹوٹ گ[illegible] کے منتظم نے اسے بلا کر ڈانٹا اور کہا۔ کہ جب تک برتن کی قیمت پوری نہ ہو جائے۔ تمہاری تنخواہ دو روپے ماہوار وضع کر لئے جایا کریں گے۔ [illegible] کے مارے اچھل پڑا۔ منتظم نے خوشی کی وجہ اس نے جواب دیا۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ مستقل جگہ مل گئی۔

(ماخوذ)

تین زیرک قاضی

(۱) ملاح اور تاجر:-

یورپ کے ایک شہر میں ایسا اتفاق ہوا۔ کہ کسی تاجر
کی تھیلی جس میں چار سو دینار تھے گم ہوگئی۔ تاجر نے شہر کے
کوچہ و بازار میں منادی کرادی۔ کہ جس شخص کو اس قسم کی
تھیلی ملی ہو۔ اور وہ اسے اس کے مالک کو پہنچا دے۔ تو اسکو
جتنا مال اس تھیلی میں ہے اسکا آدھا انعام میں دیدیا جائیگا
اتفاقاً یہ تھیلی ایک غریب ملاح کے ہاتھ پڑ گئی۔ اس نے اپنی
شرافت و امانت کے تقاضے سے منادی کرنے والے کو بتادیا
کہ یہ تھیلی اس کے ہاتھ پڑی ہے۔ منادی اس کو لیکر تھیلی والے
کے پاس پہنچا۔ لیکن اس کمینہ تاجر کی نیت بگڑ گئی۔ اور
اس ملاح کے ساتھ وعدہ خلافی کے ارادے سے پوچھا۔ کہ
جو بیش قیمت زمرد اس تھیلی میں تھا۔ وہ بھی اس میں موجود
ہے؟ ملاح یہ سنکر حیران ہوا۔ اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ یہ
شخص اس چال سے مجھے انعام سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ تو دونوں
میں جھگڑا شروع ہوگیا۔ اور مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔

قاضی صاحب نے ملاح سے زمرد کا حال پوچھا۔ اس نے
قسم کھائی کہ میں نے دیناروں کے سوا اس میں کوئی چیز نہیں
پائی۔ پھر تاجر سے سوال کیا۔ کہ تم بتاؤ وہ زمرد کس رنگ
ڈھنگ کا تھا؟ اب سوداگر سٹ پٹایا اور جواب میں رکنے
لگا۔ قاضی نے اس کی چالاکی اور بدنیتی معلوم کرلی۔ اور اس
سے کہا۔ تمہارا دعویٰ یہ ہے۔ کہ تمہاری تھیلی میں ایک اس
قسم کا زمرد تھا۔ اور اس تھیلی میں کوئی زمرد نہیں ہے
تو اس سے ثابت ہوا۔ کہ یہ تمہاری تھیلی نہیں ہے۔ تم اپنی
زمرد والی تھیلی کو تلاش کرتے رہو۔ شائد کبھی مل جائے قاضی
نے پھر اس ملاح سے کہا۔ تم اس تھیلی کو چالیس دن تک
اپنے پاس رکھو۔ اس اثنا میں اگر اس کا مالک نہ آئے۔ تو یہ
تمہاری ہوگی۔ اب تاجر کو ناچار ہو کر اپنی دروغگوئی کا اقرار
کرنا پڑا۔ اس نے کہا کہ میں اس حیلے سے ملاح کو انعام سے محروم
کرنا چاہتا تھا۔ اور اس نے کچھ ایسے ثبوت بھی پیش کئے جس
سے ثابت ہو کہ گم شدہ تھیلی اس کی ملکیت ہے۔ قاضی نے
ملاح کو دو سو دینار دے کر تھیلی سوداگر کو دے دی۔
اور دروغگوئی پر اس کو سزا دی۔

(۲) قاضی ایاس کی فراست

ایک شخص نے کسی دوسرے کے پاس کچھ مال امانت
رکھا۔ پھر جب مانگا تو اس نے انکار کردیا۔ جھگڑا قاضی ایاس
کے پاس پہنچا۔ مدعی نے کہا کہ میں نے اپنا مال اسکو سپرد کیا
قاضی نے پوچھا۔ کون لوگ اس وقت موجود تھے؟ مدعی نے
کہا میں نے اس شخص کو فلاں مقام پر یہ مال دیا تھا۔ اور
کوئی شخص اس وقت موجود نہیں تھا۔ قاضی نے کہا۔ اس
جگہ کی کسی چیز کا نام لو۔ اس نے کہا وہاں ایک درخت
ہے۔ قاضی نے کہا۔ ابھی اس جگہ جاؤ۔ اور اس درخت کو
دیکھو شائد خدائے پاک کوئی ایسا نشان وہاں دکھا
دے۔ جس سے تمہارا حق ظاہر ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ تم اپنا مال اس درخت کے پاس گاڑ کر بھول گئے ہو۔

اور اس درخت کو دیکھ کر یاد آجائے۔ وہ شخص ادھر روانہ ہوگیا۔ ادھر قاضی ایاس نے مدعا علیہ کو حکم دیا۔ کہ تم مدعی کی واپسی تک یہیں ٹھہرو۔ اور اس کو وہاں بٹھادیا۔ ایاس دوسرے مقدمات میں مشغول ہوگیا۔ اور کبھی کبھی اس شخص پر بھی نگاہ ڈال لیتا۔ پھر ایک گھنٹہ کے بعد اس سے پوچھا۔ اب تو وہ شخص اس درخت کے پاس پہنچ گیا ہوگا؟ وہ بولا۔ ابھی نہیں۔ قاضی نے کہا۔ او دشمن خدا! تو یقیناً خائن ہے۔ اس نے کہا۔ معاف فرمائیے خدا آپ کو معاف فرمائے۔ قاضی نے اس کو زیر حراست رکھنے کا حکم دیا۔ جب وہ شخص واپس آیا۔ تو اس سے کہا۔ تیرے فریق مخالف نے تیرے حق کا اقرار کرلیا ہے تو اس سے وصول کرلے۔

(۳) قاضی واسط کی ذہانت

شہر واسط کا قاضی ایک ثقہ اور دانشمند آدمی تھا۔ وہاں کسی شخص نے ایک مہر لگی ہوئی تھیلی کسی شاہد کے پاس امانت رکھی۔ اور اسے بتلادیا۔ کہ ایک ہزار دینار ہیں (شاہد پچھلے زمانے میں ایسے شخص کو کہتے تھے۔ جس پر حکام عدالت کو اعتماد ہوتا۔ اور ہر قسم کے معاملات کے متعلق ان کی گواہی قابل اعتبار سمجھی جاتی۔ ہمارے زمانہ میں یہ رسم مٹ چکی ہے) جب یہ تھیلی شاہد کے قبضے میں آگئی اور اس شخص کو پردیس گئے ہوئے بہت مدت بیت چکی تو شاہد نے قیاس کیا۔ کہ وہ مرکھپ چکا ہوگا۔ اور یہ سمجھ کر مال خرچ کرلینے کا ارادہ کرلیا۔ مگر یہ تدبیر کی کہ تھیلی کو نیچے سے ادھیڑ کر دینار نکال لئے اور درہم اس کی جگہ بھر دیئے اور سلائی جیسے پہلے تھی۔ پھر کردی۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا۔ کہ وہ شخص آگیا۔ اور شاہد سے اپنی امانت کا مطالبہ کیا اس نے وہ تھیلی اس کو دیدی۔ اس پر اسی طرح مہر لگی ہوئی تھی۔ جب اس نے گھر پہنچ کر اس کی مہر توڑی تو تھیلی میں درہم نظر آئے۔ اس تھیلی کو لیکر شاہد کے پاس پہنچا۔ اور اسے کہا۔ خدا تیرا بھلا کرے میرا مال مجھ کو لوٹا دے۔ اسلئے کہ میں نے تیرے پاس دینار امانت رکھے تھے۔ مگر نکلے اس میں سے درہم۔ شاہد نے اسکا انکار کیا۔ تو اس نے قاضی سے رجوع کیا۔ قاضی نے حکم دیا۔ کہ شاہد مع نالش کے حاضر کیا جائے۔ جب دونو حاضر ہوئے تو قاضی نے شاہد سے دریافت کیا۔ کتنی مدت ہوئی۔ کہ اس نے یہ تھیلی تیرے پاس امانت رکھی۔ اس نے کہا۔ پندرہ سال۔ قاضی نے درہم نکال کر ان کا سکہ پڑھا۔ تو ان میں کئی درہم ایسے تھے جو دو تین برس ہی کے ضرب شدہ تھے۔ قاضی نے اس کے خلاف مدعی کی ڈگری صادر کردی۔ اور اس کو شہادت سے ساقط کردیا۔ اور یہ منادی کرادی۔ کہ فلاں بن فلاں قاضی نے فلاں بن فلاں شاہد کو پایۂ اعتبار سے گرادیا ہے۔ خلق خدا کو یہ جان لینا چاہیئے۔ اور اس کے بعد کسی کو اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ شاہد نے اپنی تمام جائداد جو واسط میں تھی فروخت کردی۔ اور وہاں سے نکل بھاگا۔ اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں چلا گیا۔

(پیام اسلام)

Regd L. No. 1474. "Al Quraish"

Printed at the [illegible] Press Hall Bazar, Amritsar.
Place of Publication Sharif Ganj, Amritsar.

"AL-QURAISH"

۶۸۶

"القریش" امرتسر

بابت نومبر ۱۹۳۸ء

جلد ۲۵ ——— نمبر ۱۰

فہرست مضامین

فاضلکا کا قومی دربار

۲۸-۲۹- دسمبر ۱۹۳۸ء نوٹ کر لیجیے

دعوتی مُراسلات

کا اجراء ہفتہ عشرہ میں ہونے والا ہے۔ فہرستیں ترتیب دی جا رہی ہیں۔ قارئین کرام اپنے اپنے علاقہ کے متقدین نزیش کے اسمائے گرامی کی مفصل و مکمل فہرستیں بہت جلد ارسال کر کے عندالقوم مشکور ہوں۔

قابلِ دریافت اہم ترین اُمور

کیلئے پیر محمد سرور صاحب صدیقی (بودلہ) رئیس اعظم صدر استقبالیہ کمیٹی بہک بودلہ ضلع فیروزپور سے خط و کتابت کریں۔

پروگرام جلسہ

کی ترتیب کیلئے تقاریر کے موضوع اور تجاویز کے مفہوم کا انتظار ہے۔ جو احباب کچھ کہنا چاہیں وہ مندرجہ بالا پتہ پر ۱۵ دسمبر تک اطلاع دے سکتے ہیں۔

بہی خواہانِ قوم کا فرض

ہے کہ وہ اپنے اس قومی دربار کو بہر نوع کامیاب بنانے کیلئے امکانی مساعی عمل میں لائیں۔ خود شریک ہوں اپنے احباب اور اپنے علاقہ کے قریشی حضرات کو شمولیت کی ترغیب دیں۔

سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی (ندوۃ القریش) بہک بودلہ ڈاک خانہ خاص
(ضلع فیروزپور)

جلد ۲۵ —— نمبر ۱۰

دیدۂ بینا کیلئے سُرمۂ بصیرت

عَدل گُستر، رعایا پرتاجدار دکن کے خلاف شرمناک مفسدانہ پراپیگنڈا

حق پسند ہندو معتدرین کیلئے عموماً اور دُور اندیش دکنی غیر مسلم اکابرین کیلئے خصوصاً ایک لمحہ فکریہ

عدل گستری وحق پژوہی، دادرسی ونصفت شعاری، رعایا پروری ومفلس نوازی کو دولتِ آصفیہ عالیہ کے دستور فرمانفرمائی اور آئین جہانبانی پر فخر وناز ہے۔ مملکت دکن کا چپہ چپہ سلطان ابن سلطان خاقان زمان، اعلحضرت سر میر عثمان علیخاں انار اللہ برہانہٗ تاجدار دکن حرسہا اللہ عن الشرّ والفتن کے ابر کرم سے سرسبز و شاداب ہو ہو کر پھل پھول رہا ہے۔ آپ کے تفقدات شاہانہ وتلطفات کریمانہ سے ہر فرد رعایا بلا تمیز مذہب وملت مستفیض ہو رہا ہے۔ اور عین حقیقت ہے۔ کہ دکن کا نظام حکومت خیر القرون کی قابل ہر ستائش یادگار ہے۔ اور اس میں ذرّہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ جہاں پناہ کی غیر مسلم رعایا اعلحضرت

کی بے تعصبی و رواداری کی مداح ہے۔ لاریب حیدرآباد کے بازاروں میں غیر مسلم نوجوانوں کو گروہ درگروہ ایک مدحیہ ترانہ پڑھتے ہوئے ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا جسکا صرف یہ شعر ہمیں یاد رہگیا ہے

الٰہی طفیل حسین و حسن   سلامت رہیں بادشاہ دکن

غیر مسلم رعایا مسلم رعایا سے زیادہ عقیدتمند اور زیادہ وفاکیش دیکھی گئی۔ اعلحضرت بھی غیر مسلم رعایا سے زیادہ رواداری و ملاطفت سے پیش آتے اور ان کے مذہبی جذبات کی قدر کرتے ہیں۔

ممالک محروسہ میں ہندو مذہبی اداروں کی تعداد ۲۶ ہزار ہے۔ جن میں ۲۴ ہزار مندر بھی شامل ہیں۔ اور بارہ ہزار ۷۷ مسجدوں کے پہلو بہ پہلو واقع ہیں۔ لیکن کبھی کوئی تصادم نہیں ہوا۔ مسلم و غیر مسلم ایک دوسرے کے مذہبی روایات احترام کے ساتھ قائم رکھنے میں فخر و مباہات خیال کرتے کرتے چلے آتے ہیں۔

عیسائیوں، سکھوں، زرتشتوں اور دیگر مذاہب کے عبادت خانے بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ جن میں اپنے اپنے مذہب و عقیدہ کے مطابق ہر شخص نہائت آزادی کے ساتھ مذہبی رسوم ادا کرتا ہے۔

سرکار آصفیہ کے خزانہ عامرہ سے بیشقدر رقوم ان مذہبی اداروں کو شاہانہ امدادیں دی جاتی ہیں۔ اور تقسیم میں کبھی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی۔ دولت آصفیہ کے سررشتۂ امور مذہبی کی تازہ ترین سالانہ رپورٹ مظہر ہے کہ ایک لاکھ بارہ ہزار آٹھ سو ستر روپے عیسائی گرجوں کو اور اسی مقدار میں ہندو مندروں کو سالانہ امداد ملتی ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کو جاگیریں دی گئی ہیں۔ جن کی سالانہ آمدنی تین لاکھ دس ہزار نو سو ۴۶ روپیہ ہے۔ علاوہ ازیں ٹرسٹ اور اوقاف بھی ہیں۔ جن کی نوعیت اگرچہ پرائیویٹ ہے۔ مگر نگرانی سرکار کے ذمہ ہے۔ ان بدیہی واقعات کی کوئی تردید نہیں۔ اور یہ روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ اور جب امر واقعہ یہ ہو تو پھر کیا ممکن ہے۔ کہ قلمرو دکن کی غیر مسلم رعایا کو اپنی عدل پرور حکومت اور نصفت شعار تاجدار کے خلاف کوئی شکائت ہو؟ یہ شورہ شر محض ان لوگوں کا پیدا کردہ ہے۔ جن کا مقصد حیات فتن و فساد اور تفریق و تشتت کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلحضرت حضور نظام وہی تاجدار ہیں۔ جن کی سادگی، شریف النفسی، مردم شناسی ضرب المثل ہے

اور جن کا احسان و مروت، تحمل و برداشت، ایثار و مساوات شہرت دوام حاصل کر چکی ہے۔

مسز سروجنی نیڈو نے ایک انگریزی نظم میں آپ کی رواداری و مساوات کا نقشہ جن شاندار الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ حقیقت حال کے مظہر ہیں۔ آپ لکھتی ہیں:۔

رہتے ہیں بہم مختلف اقوام و مذاہب — باعافیت دامن ترے عہد میں ملکر

سب اپنی رعایا پہ نظر ہے تری یکساں — ہے ایک تجھے ہو وہ برہمن کہ مسلماں

تو اُمتِ احمد کا ہے سرتاج، تو آقا — ان کا ہے جبیں رکھتے ہیں جو قشقہ سے تاباں

سورج کے پجاری ہیں تری آنکھ کا تارا — جو چھوڑ کے آئے تھے یہاں ساحل ایراں

تو اُن کا خداوند ہے جو اسکے ہیں بندے — جو بحر کی موجوں پہ ہوا رات کو پویاں

جب دیکھتے ہیں ہم ترے دربار کی شوکت — یاد آتی ہے بغداد کی گذری ہوئی عظمت

دنیا کا مشہور مؤرخ و سیاح سنت نہال سنگھ ماڈرن ریویو میں لکھتا ہے:۔

"شہریار دکن کی زندگی کا نمایاں پہلو یہ ہے۔ کہ وہ ایک کروڑ تین لاکھ باشندوں کے فرمانفرما اور کثیر آبادی کے تاجدار ہونے کے باوصف نہائت سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں۔ آپ کنگ کوٹھی میں رہتے ہیں۔ جو سرکاری دفاتر اور شرفا کی کوٹھیوں سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ میں جب آپ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کہ حضور اسوقت جو لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت دس روپے سے زائد نہ ہو گی۔"

کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ کہ ایک منصف مزاج سکھ نے اعلیٰ حضرت کی بے تعصبی و رواداری کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا۔ اخبارات میں ریکارڈ موجود ہے۔

"تاجداران دکن نے سکھوں سے جو سلوک روا رکھا ہے۔ اسکی نظیر کسی سکھ ریاست میں بھی نہیں ملتی۔ سکھوں کے بچوں کی تعلیم کیلئے خاص انتظام ہے۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہیں۔ اگر کوئی سکھ لاولد مرجاتا ہے۔ تو پنجاب میں اس کے اقارب و اعزا میں اس کے جائز وارث یا

قریب ترین رشتہ دار تلاش کیا جاتا ہے۔ اور متوفی سکھ کی جگہ اسے مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر وارث یا رشتہ دار نابالغ ہوتا ہے تو سن بلوغ تک متوفی کی نصف تنخواہ بطور وظیفہ اسے ملتی رہتی ہے بلوغت پر اسے متوفی کا جانشین مقرر کیا جاتا ہے۔

نانڈیر کے گوردوارہ کیلئے جاگیر وقف ہے۔ اہتمام سکھوں کے ہاتھ ہے۔ اسکا اسقدر احترام کیا جاتا ہے۔ کہ اعلحضرت تاجدار دکن گوردوارہ تک برہنہ پا تشریف لے جاتے ہیں"

ایک مسیحی مبلغ نے ۱۹۲۲ء کی سیاحت کے سلسلہ میں حیدرآباد کے متعلق حسب ذیل سطور سپرد قلم کیں۔

" باوجود اس کے کہ حیدرآباد ایک مسلمان حکومت ہے۔ لیکن وہاں کے نوجوان تعلیم یافتہ عیسائیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور جوں جوں تعلیم پھیلتی جاتی ہے عیسائیت ترقی کرتی جاتی ہے اس لحاظ سے کون ہے جو ریاست مذکور پر تنگدلی کا الزام لگا سکتا ہے۔ یہاں حقیقی معنوں میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں"

اعلحضرت کے دریائے فیض و کرم سے کتنے غیر مسلم تعلیمی ادارے ہیں۔ جو سیراب ہو رہے ہیں۔ اور کتنے یتیم و نادار طلبے ہیں۔ جو آپ کے خیرات و صدقات کے سہارے زندہ ہیں۔ کتنے شفاخانے اور سپتال ہیں جو آپ کے شاہانہ بذل و بخشش کے رہین احسان ہیں؟ کیا معترضین کو ان کی چشم عداوت نے کبھی ان اعداد و شمار پر بھی غور کرنے کی مہلت دی ہے؟ کوئی ہے جو سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیانتداری کے ساتھ اسکا صحیح جواب دینے کی جرأت رکھتا ہو؟

مسٹر آر سی داس کی سکیم "تعلیم کی تکمیل" اور ڈاکٹر ٹیگور کی درسگاہ " وسوا ورتی " اعلحضرت خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ نوازشات کی رہین احسان نہیں؟ کیا اول الذکر سکیم کیلئے دو لاکھ اور ثانی الذکر کیلئے ایک لاکھ روپے کا بیش بہا عطیہ اعلحضرت حضور نظام کی بے تعصبی و رواداری کا ثبوت نہیں؟

صرف یہی نہیں بیسیوں ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے اعلحضرت کی بے لوث فیاضی، ہنر گستری و رواداری، مساوات و بے تعصبی، حلم و بردباری اور وفاکیشی و دوستداری روشن ہے۔

ہندو زعماء و عمائدین انصاف سے کہیں کہ ایک ایسے بیدار مغز و روشن ضمیر اور عدل پرور و انصاف گستر حکمران کے خلاف یاران وطن کی منصوبہ بازیاں اور شر انگیزیاں کہاں تک درست ہیں ؟

حیدرآباد دکن میں جمہوری حکومت ہے۔ اور جمہوریت کی بنا حضور ہی کی انصاف پسندی کا نتیجہ ہے۔ ایک شخصی حکومت کو جمہوریت سے تبدیل کرنیکا مقصد وحید سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا۔ کہ ملک میں انصاف کامل و مکمل ہو۔ رعیّت خوشحال و فارغ البال رہے اور شخصیت پرستی کی وبا سے مامون و محفوظ رہکر اپنے دینی و دنیوی امور نہائت آزادی کے ساتھ انجام دے سکے۔

اعلیحضرت نے گوناگوں اصلاحات مفیدہ کے اجرا اور یونیورسٹی کے قیام سے اپنی محبوب رعایا کو از خود وہ نعمت لازوال عطا فرمائی۔ جس کیلئے اہل دکن خصوصاً اور اہل ہند عموماً خسرو ذی جاہ کے رہین منت ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ ہمیشہ کیلئے اس احسان عظیم کے بار سے ان کی گردنیں خم رہیں۔ نہ یہ کہ حیلہ جو را بہانہ بسیار کے مصداق ان نیکیوں اور شاہانہ نوازشوں کا شکرانہ فتن و فساد کے شکل میں پیش کرتے ہوئے اپنے مہربان تاجدار کے دل کو صدمہ پہنچائیں۔ اور ایسی ایسی حرکتیں کریں۔ جس سے بہترین نظام حکومت میں رخنہ اندازی کی کوئی صورت پیدا ہونے کا امکان ہو۔

جس اولالعزم، خیر خواہ رعیّت تاجدار کی حق پسندی، دردمندی کی تعریف و ستائش ہندو، سکھ، عیسائی مورخین و قائدین اور دیگر تمام مذاہب کے زعماء و عمائدین کی قلمیں اور زبانیں مورخانہ و مبصرانہ انداز میں بے رو و رعائت ان الفاظ میں کر چکے ہوں۔ جو ناظرین کرام اوّلین سطور میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ان کے خلاف اتہامات و الزامات تراشنے والے اور ان کے نظم و نسق ملک داری میں فتنہ پیدا کرنے والے کس مذہب سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ صرف وہ جنہیں مذہب، اخلاق امن اور اقوام و ملل کے روابط و ضوابط سے کوئی سروکار نہ ہو۔ ملکی فلاح و ارتقا کے ازلی تریں دشمن ہوں۔ اور شوریدہ سری اور فتنہ گری میں تنور شکم کا ایندھن مہیّا کرنے کے عادی ہو چکے ہوں اور بس!

ہم معاملہ فہم، نکتہ رس اور انصاف پسند غیر مسلم اکابرین سے ایک بار اور معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ

کیا ایک ایسے رعایا نواز اور نیکدل حکمران جو مذہبی تہواروں کی تقاریب کی انجام دہی کے لئے بلا تمیز مذہب و ملت زر و دولت عطا کرے۔ منادر پاٹ شالاؤں اور گوردواروں کے احترام میں برہنہ پا چلکر مذہبی جذبات و حسیات کی قدر کا عملی ثبوت پیش کرے خستہ و شکستہ مندروں کی تعمیر و مرمت کیلئے بیش قدر رقوم منظور فرمائے۔ چار مسجدوں کے مقابلہ میں بارہ مندروں کی تعمیر کا حکم صادر کرے۔ مذہبی تصادم کے خیال سے مساجد کی تعمیر از خود روکدے جاگیرات و مناصب اور مختلف النوع وظائف کے اجراء سے رعایا کو مالامال کرنے میں عدیم النظیر اور تعصبات کی آلائش سے اسقدر پاک و صاف ہو کہ خدمات شرعیہ اسلامیہ کی مثالیں غیر مسلموں کے نام جاری کرنے میں دریغ نہ کرے، کے خلاف زہریلا پراپیگنڈا جاری رکھنے میں آپ کی قوم کہاں تک حق بجانب ہے۔ اور کیا آپ کی قوم کا یہ رویہ جو محض رقابت مذہبی کی بنا پر قائم ہے مستحسن خیال کیا جا سکتا ہے۔ اگر نہیں تو اس معاملہ میں آپکی خاموشی کس مصلحت پر مبنی ہے؟ حیدرآباد دکن کی حکومت کے خلاف یہ حقہ بازی اور شورو شر کیوں اور کس ضرورت کی بنا پر ہے اس کا کوئی معقول جواب پیش کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں؟

وطن دوستی، امن پسندی، شرافت انسانی اور رعیت نواز تاجدار کی بہی خواہی و وفاکیشی کا اقتضا تو یہ ہے۔ کہ حکومت کی ہر ضرورت کے وقت پروانہ وار ہونے کیلئے لبیک کی صدا بلند ہو۔ اور ہر موقعہ آڑے آئیں۔ نہ یہ کہ مفسد کانگرسیوں اور مغتن مہا سبھائیوں کی انگیخت پر ملک کے خرمن امن کو بلا سوچے سمجھے دیا سلائی دکھانے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اور حکومت کو پریشان کرنے کے ساتھ خود بھی مبتلائے مصیبت ہو جائیں۔ بہتر ہے۔ کہ حیدرآباد کے ہندو بیرونی مفسدہ پردازوں کو صاف صاف کہدیں۔ کہ ہم بلا وجہ و بغیر ضرورت حکومت سے ٹکرا کر اپنے فوائد عمومی و خصوصی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لہذا آپ اس قضیہ کو طوالت نہ دیں۔ تاکہ حیدرآبادی ہندوؤں کی عقیدتمندی و وفاکیشی تاجدار دکن کے دل پر منقش و مرتسم ہو جائے۔ اور ریاست کا امن و امان مزید خطرہ سے محفوظ رہے۔

ارمغانِ اُلفت

پہلا باب

آغازِ محبّت

لے گئیں ہوش و خرد کس کی نشیلی آنکھیں
کن سیاہ مستوں نے لوٹا ہے خزانہ دل کا

جولائی کے آخری دنوں کی شام ہے۔ نیلگوں آسمان پر بادل کے ٹکڑے ہوائی جہازوں کا سماں دکھا رہے ہیں ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں نے ان کے کناروں پر سنہری گوٹ لگا کر حاشیہ آرائی کا زرّیں منظر پیش کر رکھا ہے۔ شعاعیں شاہ خاور کی سواری کے آگے پرانی دنیا سے نئی دنیا کو اتنی تیزی سے جا رہی ہیں۔ کہ ان کی زرّیں گرد پا سے شفق کا دامن سنہری ہو رہا ہے۔ بلند درختوں کی چوٹیاں اس نظارے کو اس خموشی سے دیکھ رہی ہیں۔ کہ گویا فراقِ مہر میں دم بخود ہیں۔ ظلمت کی فوجیں مشرق کی طرف سے مغرب کو اس طرح پرا باندھے بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ گویا آدھی دُنیا کی مالک ہونے والی ہیں۔ درختوں کے سائے لمبے ہو ہو کر تاریکی کے دامن میں رات بسر کرنے کو جا رہے ہیں۔ طیور درختوں پر "شام" کے گیت اس طرح گا رہے ہیں۔ کہ چشم بینا کو ہر درخت کی شاخیں ربطِ قدرت کے تار نظر آ رہی ہیں۔ مسافر اندھیرا چھا جانے سے پہلے منزل پر پہنچنے کے لئے تیزی سے گامزن ہیں۔ نمازی "اَللّٰہُ اَکبر" کے حیات افروز آواز پر کان لگائے ہوئے ہیں۔ کہ سنتے ہی شریکِ جماعت ہوں۔ ناقوس کی آواز شوالوں اور دھرم سالوں میں خوش اعتقاد ہندؤوں کو "سندھیا پوجا" کی دعوت دے رہی ہے۔ گو گرمی کی شدت سے باریک لباس بھی بارِ تن ہو رہا ہے۔ مگر نئی روشنی کے دلدادہ سُوٹ بُوٹ اور کالر ٹائی سے لیس ہو کر سیر کے لئے شہر سے باہر مختلف سمتوں کو جا رہے ہیں۔ زیادہ رونق مغربی دروازوں کی طرف ہے کیونکہ "مال روڈ" جس پر دفاتر اور ریلوے سٹیشن واقع ہے۔ اسی طرف ہے۔ آزاد خیال لوگوں کو پارکوں میں بیٹھ کر اپنی آزادی کے جوہر دکھانے کا اسی طرف زیادہ موقع ملتا ہے۔

ریلوے لائن کے ساتھ ہی جہاں "مال" اسے قطع کرتی ہے۔ ایک پختہ تالاب ہے۔ جس کے گرد اگرد "کرشن جی" کا مندر اور اس کے متعلقہ مکان بنے ہوئے ہیں۔ جن میں مندر اپنی نرالی ساخت کے لحاظ سے امتیاز کا رتبہ لئے ہوئے ہے۔ تالاب کے شفاف پانی میں مندر کا عکس خود ایک دلفریب منظر ہے۔ مگر "طلائی کلس" زیرِ آب سونے کا ایک گنجِ گراں سا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب اس کی چوٹی پر آفتاب کی شعاعیں آ کر رقص کرتی ہیں۔

تو ان کے تبسّم سے تالاب کی تمام تہ روشن ہو جاتی ہے

شام کے وقت تالاب پر نہانے والوں کے علاوہ خوش اعتقاد پجاریوں کا جن میں مردوں کی نسبت "کرشن جی کی گوپیاں" زیادہ ہوتی ہیں۔ ایک ہجوم ہوتا ہے۔

اُن نازنینوں کو جو سادھوؤں کے پاس سے گذر کر مندر میں پوجا کے لئے جاتی ہیں۔ دیکھ کر خیال آتا ہے۔ کہ شائد یہ پریاں ہیں۔ جن کے پرکاٹ کر راجہ اندر نے "مینکا پری" کی مانند بھیج دیا ہے۔ اور یہ اپنے حُسن جلوہ زا کی دلفریبیوں سے" بسوامتر" کے ان جانشین سادھوؤں کا زہد پامال کرنے کو اِدھر اُدھر جلوہ نگار ہی ہیں۔ مندر میں سے گھنٹوں کی آواز برابر آرہی ہے۔ اور گو شفق کی دیوی نے" سرخ ساڑھی" پر سیاہ لبادا اوڑھ لیا ہے۔ پھر وہی تالاب پھر وہی رونق ہے۔ جو غروب آفتاب سے پہلے تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس نگارخانے میں" زاہد فریب لعبتانِ حسن" کی آمد و رفت نہیں رہی۔ جو پہلے تھی۔

محفلِ عالم آج تک نہ کبھی ایک حالت پر رہی ہے اور نہ آئندہ رہے گی۔ ہر لمحہ اس کی حالت بدلتی رہتی ہے

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم

دگرگوں می شود احوالِ عالم

نظامِ شمسی کے تغیّرات اس کلیّہ کے روشن گواہ ہیں۔ طلوعِ سحر سے لیکر نمودِ شام تک اور نمودِ شام سے لیکر طلوعِ سحر تک تغیّرات ہی تغیّرات ہیں۔ زوال کے بعد کمال ہے اور کمال کے بعد زوال۔ نصف النہار سورج کی تابانی کا کمال ہے۔ اس کے بعد وہ ہے۔ اور اسکی درخشانی کا زوال۔ حتیٰ کہ وہی خورشید جس کی طرف دوپہر کو آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی محال ہوتا ہے۔ غروب ہونے کے وقت ایسا زرد رو ہو جاتا ہے۔ کہ انسان اسے کسی تھکے ہوئے مسافر کا چہرہ تصوّر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسی ایسی صحبتیں جن کے گوش شنوا زوال کے نام سے نا آشنا تھے۔ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گئیں۔ کہ آج ان کا نشان تک بھی باقی نہیں۔

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے اسی طرح چلا آتا ہے اور تا قیام قیامت اسی طرح چلا جائے گا۔ زمانہ میں اگر ثبات ہے تو صرف تغیّر کو۔

سکوں محال ہے قدرت کا کارخانے میں

ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

تالاب کی رونق بھی جو پورے عروج پر تھی۔ تاریکی کی وجہ سے کم ہونی شروع ہو گئی ہے۔ لوگ پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ کمسن پریاں مندر کے باہر دروازہ پر اپنی ساتھ والیوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ کوئی اکیلی ہی تیزی سے قدم اٹھائے جا رہی ہے اور کوئی اپنے ساتھ والی کو جو ابھی پیچھے ہی ہے مڑ مڑ کر دیکھتی جاتی ہے۔ اور مردوں کے پاؤں کی آہٹ پا کر جلدی سے ایک طرف ہو جاتی ہے۔ ہر فرد جو تالاب کی رونق کا سبب بنا ہوا تھا۔ مختلف خیالوں کو دل میں جگہ دیئے واپس جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی جگہ جہاں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ویران سی ہو گئی

اور سادھوؤں کے پاس کوئی اکا دکا مفید تنومند بیٹھا رہ گیا۔

ابھی لیلائے شب نے چادر انجم اوڑھنے کو نہیں نکالی تھی۔ کہ ایک نازنین سولہ سترہ برس کی جوانی کی امنگوں میں چور مندر سے نکلکر سادھوؤں کے پاس سے ہر قدم پر فتنۂ خوابیدہ کو جگاتی ہوئی گذری۔ وہ کچھ ایسی قبول صورت تھی۔ کہ اس کے دلکش حسن نے راہرو تو رہے ایک طرف سادھوؤں کو بھی تصویر حیرت بنادیا۔ اس کی غزالی آنکھیں جن میں آفت کی سفیدی اور قیامت کی سیاہی تھی۔ نیرنگ دو عالم دکھلا رہی تھیں۔ اور جب وہ ان سے اپنے ساتھ والی کو جو ابھی پیچھے تھی مڑ کر دیکھتی تھی۔ تو تمام ماحول کیف شباب سے سرشار ہو جاتا تھا۔

نگاہِ ناز تھی دو میکدے اٹھائے ہوئے

اس کے ایک ہاتھ میں بالٹی نما چھوٹا سا خوبصورت باسن تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اپنی سرخ ساڑھی کا آنچل سنبھالا ہوا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جنّت کی حور کسی خدا رسیدہ کے لئے حوض کوثر سے پانی لا رہی ہے۔ ابھی وہ ریلوے پھاٹک کے پاس نہیں پہنچی تھی۔ کہ مغربی دروازہ کی طرف سے ایک خوش رو اور خوش پوش جوان آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ چائنا سلک کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی تھی۔ جس کا سیاہ ریشمی پھندنا سر کی خفیف سی حرکت پر بھی لہرا لہرا کر عجیب دلنواز کیفیت پیدا کر دیتا تھا جب وہ اس رشک قمر کے قریب پہنچا۔ تو اس کے جمال جلوہ پاش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حسن کی مقناطیسی قوت نے اس کے پاؤں میں میخیں گاڑ دیں۔ اور وہ وہیں مجسمۂ حیرت بن کر کھڑا ہو گیا۔ اس پری نے جب اسے نگاہِ غلط انداز سے دیکھا۔ تو اس نے اپنا بایاں ہاتھ دل پر رکھتے ہوئے دایاں کمال احترام سے آگے بڑھایا۔ اور واپس کھینچکر اپنے لبوں کے ساتھ لگا لیا۔ اور اس طرح بخوداً اس حوروش پر اپنے دلی جذبات کا اظہار کر ڈالا۔ جب وہ قدم بڑھانے لگی تو نوجوان نے آہ بھر کر کہا کیا ایسے حسین چہرے بے مروت بھی ہوا کرتے ہیں۔

نازنین (دھڑکتے ہوئے دل سے) آپ شریف معلوم ہوتے آپ کیلئے ایسی باتیں مناسب نہیں۔

جوان (جن کی خواہش تھی کہ سلسلۂ کلام جاری رہے) لیکن میں نے کوئی بات خلاف تہذیب تو عرض نہیں کی۔ کہ آپ ناراض ہو رہی ہیں۔

نازنین۔ بیگانی عورتوں سے مذاق کرنا خلاف تہذیب نہیں تو اور کیا ہے۔ میں بیسوا نہیں ہوں۔ اپنا حال دل کسی اور کو جاکر سنائیں۔ خواہ مخواہ گلے کا ہار نہ ہوتے جائیں۔

وہ جوان کچھ اور کہنے کو تھا۔ کہ اس خشمگیں پری نے اپنے ساتھ والی کو آتا دیکھ کر قدم بڑھایا۔ اور اس جوان کو وہیں مبہوت چھوڑ کر منڈی والے دروازے کی طرف چل دی۔ ہمارا دوست رعب حسن سے کچھ اس طرح ایک جگہ جم گیا۔ کہ اسے دیکھ کر معلوم ہوتا تھا۔ کہ صدر بلدیہ نے انگریزی تہذیب کا مجسمہ بنوا کر مغرب پرستوں کی راہنمائی کے لئے برسر عام لگوا دیا ہے۔ جب تک وہ نازنین اسے نظر آتی رہی۔ نرگس دار دیکھتا رہا لیکن جب وہ اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو

لے گیا وہ دلربا دل آہ دل افسوس دل
یہ گیا دل وہ گیا دل آہ دل افسوس دل

کہتا ہوا جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو چل دیا۔ اب اس کی رفتار میں وہ پہلی سی تیزی نہیں رہی تھی۔ قدم رکھتا کہیں تھا پڑتا

کہیں تھا۔ اس کی مسرت آدھ گھنٹہ پہلے وہ جس پر نازاں تھا غم کی صورت اختیار کرچکی تھی۔ اسی حالت میں گرتا پڑتا وہ شمالی دروازے کے اندر داخل ہوکر تھوڑی دیر کے بعد اپنے مکان پر پہنچا۔ اور اپنے ملازم کو "حیدر" کے نام سے آواز دے کر کہا۔ کہ باہر صحن میں آرام کرسی ڈال دے۔

حیدر (کرسی ڈالتے ہوئے) آپ جلدی واپس آگئے ہیں۔ کیا سیر کو نہیں گئے؟

جوان۔ طبیعت درست نہ تھی۔ اس لئے جلدی لوٹ آیا۔ ہاں حیدر ذرا زینب ملازمہ سے کہدینا کہ میں کھانا نہیں کھاؤنگا سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔ طبیعت بڑی بے چین ہے۔

حیدر۔ بہت اچھا۔

حیدر نے ہمارے نوجوان دوست کو جسے ہم آیندہ اس کے نام سے خطاب کریں گے۔ اپنے خیالوں میں غرق چھوڑ زینب کو آواز دی۔ کہ "بشیر میاں" کی طبیعت سر میں درد ہونے کی وجہ سے خراب ہے۔ وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔

بشیر آرام کرسی پر لیٹا ہوا آنکھیں بند کئے عالم خیال کی سیر کر رہا ہے۔ اس کی چشم تصور ہے۔ اور اس نازنین کی تصویر اسکا دل بے تاب ہے۔ اور اس سراپا ناز کی یاد۔ اس کی زبان ہے اور اس پیکرِ جمال کا ذکر۔ سنئے دبی زبان میں کہہ رہا ہے۔ میں آج کیوں گھر سے نکلا۔ مجھے کیا خبر تھی۔ کہ گھر سے باہر قدم رکھتے ہی اس انوکھے دام میں پھنس جاؤنگا۔ جس کے ریشم سے زیادہ نرم اور بال سے زیادہ باریک تار نظر تو نہیں آتے۔ مگر مضبوط ایسے ہیں۔ کہ دنیا کا شہ زور سے شہ زور انسان بھی اسے توڑنے سے عاجز ہے۔ وہ حسین صیاد مجھے دام گیسو میں باندھ کر چھوڑ گیا۔ اور خود چلا گیا۔ میری حالت بعینہ اس پرندے کی سی ہے۔ جسے دام میں پھانس کر شکاری بھول جاتا ہے۔ نہ معلوم میں کب تک یوں ہی دام در گلو رہوں گا۔

صنعت قدرت بھی کتنی نادرہ کار ہے۔ یوں تو ہر صورت بے نظیر ہے۔ مگر بعض بعض جگہ تو اس نے اس قدر فراوانی سے جمال انڈیل دیا ہے۔ کہ اس کا تصور بھی دل کو جمیل بنا دیتا ہے۔ اس پری وش کو ہی دیکھو۔ کیسی پیاری اور موہنی صورت پائی ہے چہرہ کیسا دلفریب ہے۔ اعضاء کیسے موزون ہیں۔ آنکھیں کیسی مست ہیں۔ صہبائے شباب کے گویا دو اچھوتے جام ہیں۔ جن میں تمام جہان کا کیف رقص کر رہا ہے۔ آواز کسقدر شیریں ہے ابھی تک اسکا زیر و بم میری تاب سماعت کیلئے بہشت بنا ہوا ہے۔ زبان کتنی صاف اور شستہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "کرشن جی" نے اُسے "گنگا جل" سے دھوکر اپنی اس گوپی کے منہ میں رکھدیا ہے۔ قد کس طرح جہان بھر کا تناسب لئے ہوئے ہے کہ سرو و صنوبر کی تمام رعنائیاں اس "سرو رواں" کے پاؤں پر لوٹ رہی ہیں۔ اس کے جمالِ دلنواز میں کسقدر جاذبیت ہے کہ اس کا تصور بھی میرے دلِ حسرت ناک کو کشاں کشاں اسکی یاد کی طرف لے جا رہا ہے۔ آہ اس حسن کی دیوی نے اپنا پرستار بنا کر مجھ پر "پرستاری" کی حقیقت آشکارا کردی ہے۔ اب تو دل یہی چاہتا ہے۔

بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

میں نے سمجھا ہوا تھا۔ کہ محبت اختیاری امر ہے۔ جی چاہا تو کر لی۔ جی چاہا تو چھوڑ دی۔ مگر آج معلوم ہوگیا ہے۔ کہ

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

یہ بات اختیاری نہیں غیر اختیاری ہے۔ جو لوگ اسے اپنے بس کی بات کہتے ہیں۔ اب وہ میرے خیال میں فلسفہ محبت

سے ناآشنا ہیں۔ کسقدر حقیقت شناس ہیں وہ لوگ جن کا یہ قول ہے کہ محبت بجلی بن کر دل پر گرتی ہے۔ اور سوائے "محبوب" کے ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ میں نے ہزار ہا "پیکرِ محبوبی" دیکھے ہیں۔ مگر میرا دل اور میری آنکھیں ہمیشہ میری ہی رہیں۔ لیکن اس ملائک فریب صورت نے اپنے سحر حسن سے مجھے اس طرح تمام عمر کے لئے مسحور کر لیا ہے۔ کہ اب نہ تو میرا دل ہی میرے اختیار میں ہے، اور نہ میری آنکھیں میرے بس میں ہیں۔

کسی کے دردِ محبت نے عمر بھر کے لئے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

اُس کے بغیر مجھے اب اپنی زندگی بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ میری وارفتگی نے مجھے اس سے پتہ دریافت کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ نہ معلوم وہ کون ہے کہاں کی رہنے والی ہے آہ طبیعت آئی بھی تو کس پر۔ اس کی نگاہِ غلط انداز نے میرے دل سے رونمائی کے عوض۔ مسرت۔ صبر۔ شکیب جو کچھ بھی اس کے پاس تھا۔ رکھوا لیا ہے۔ اور اس کی جگہ درد۔ درد بھی وہ درد جو ہر دم بے چین رکھے۔ مضطرب رکھے۔ کسی پہلو قرار ہی نہ لینے دے۔ عطا کر دیا ہے۔ اس کے تیر نگاہ کی پرواز بھی بلا کی پرواز تھی۔ اُدھر اس کی آنکھ اُٹھی۔ ادھر تیر سینے کے پار۔ اور زد بھی ایسی زبردست کہ ایک ہی وار میں قلب و جگر کو چھید کر رکھدیا۔

ہوئے زخمی مرے قلب و جگر اُسکے تصور سے
اسے کہتے ہیں پیکانِ نظر کا کارگر ہوتا

اے اُس زہرہ تمثال کے حسین و جمیل تصور! میرے برباد دل کی اب تجھ ہی سے آبادی ہے۔ میرے شہر آرزو کی ساری زینتیں تیرے دم سے وابستہ ہیں۔ میرے آئینۂ حیات کا اب تو ہی جوہر ہے۔ میرے آسمان محبت کی تمام ضیائیں اس وقت تیری تخلیق ہیں۔ تیری آمد میرے مہجور دل کے لئے ہر وقت دمِ عیسیٰ بہ جلو ہے۔ خدارا تو نے بھی اس پیکرِ خوبی کی طرح بے رُخی نہ برتنا۔ تو میرے لئے وجہِ تسکین ہے۔ میرا دل بیقرار تجھ میں وہ صورت دیکھ رہا ہے۔ جس پر فدا ہو کر اُسے تیری ہم آغوشی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اِک لحاظ سے تو مجھے اس "جہانِ حسن و ناز" سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ وہ مجھ سے دُور ہے۔ مگر تو میرے دل میں بیٹھ کر میرے سازِ ہستی کے وہ تار چھیڑ رہا ہے۔ جن کا ارتعاش نغمۂ حیات کو "شیریں تر" بنا دیا کرتا ہے!

مرادِ دین و دنیا گرچہ دیدِ بے جمالی ہے
بہشتِ آرزو ہے پر مجھے ان کا تصور بھی

بشیر کے سلسلۂ خیالات کو جو اُس کے خیال کے مطابق روح فرزا تھا۔ حیدر نے یہ کہکر توڑا۔

حضور پلنگ تیار ہے۔ آپ نے دوپہر کو بھی آرام نہیں کیا۔ اب بھی آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ آرام کریں۔ نیند آ جائے گی۔ تو درد کو بھی آرام ہو جائیگا۔

بشیر۔ (چونک کر) آہ درد سر نے سخت تنگ کر رکھا ہے

بشیر آرام کرسی پر سے اُٹھ کر پلنگ پر جو صحن میں ہی بچھا ہوا تھا۔ لیٹ گئے۔ وہ بستر جس پر آج سے پہلے گھوڑے بیچ کر سو جایا کرتے تھے۔ فراقِ یار میں کانٹوں کی سیج معلوم ہوتا تھا۔ اور خود

کباب سیخ ہیں اور کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

کا مضمون بنے ہوئے تھے۔ اپنی ناگہانی اسیری کا قصہ

زبان پر تھا۔ اور آہِ سرد لب پر۔ کہتے تھے کہ کوئی محرمِ راز بھی نہیں۔ جسے یہ افسانۂ غم سنا کر دل ہلکا کروں۔ اب کروں تو کیا کروں۔

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم
حدیثِ دل بکہ گویم عجب غمے دارم

(تھوڑی دیر کے بعد) ہاں کل پھر اس شمعِ حسن کو دیکھنے کے لئے مجھے تالاب پر جانا چاہیئے۔ شائد "گوہرِ مراد" مل جائے۔ اچھا صبح تو ہو۔ یہ کہہ کر تکیہ پر سر رکھا اور زبردستی آنکھیں بند کر لیں۔

(شاکر صدیقی)

کلامِ محبوبؔ

نہ اسپ بے عناں اچھا نہ شتر بے مہار اچھا
جو قابو پا سکے ان پر اُسے سمجھو سوار اچھا

جو خود کو خود ستائی سے ہو کہتا بار بار اچھا
حقیقت میں کبھی ہوتا نہیں وہ بد شعار اچھا

جو کام آتا ہو اوقاتِ مصیبت میں وہ یار اچھا
اسی کی دوستی اچھی اسی کا اعتبار اچھا

سوا تیرے نہیں ہے کوئی اے پروردگار اچھا
جو تو چاہے تو ہو سکتا ہے میرا حالِ زار اچھا

نہیں ملتا ہے ان کے زہر کا تریاق دنیا میں
جو مارِ آستیں ہوں یاراُن یار دل سے مار اچھا

اگر ملت فروشی کے عوض روٹی میسر ہو
تو انساں فاقہ مست و مفلس و بیروزگار اچھا

ہے قائم اس کے دم سے ہند میں اسلام کی عزت
ہزاروں تاجداروں سے دکن کا تاجدار اچھا

شہ برطانیہ کو ناز لندن پر مگر اس سے
نظام الملک آصف جاہِ ہفتم کا برار اچھا

فلک کے ظلم ہی سہتا رہوں جبتک ہوں زندہ
یہی مرضی ہے گر تیری تو اے پروردگار اچھا

نہ جب تک موجزن ہو جذبۂ ایمان سینے میں
نہ کوئی سرخپوش اچھا نہ کوئی خاکسار اچھا

دکھائے جو قلم کی شوخیٔ رفتار کے جوہر
مرے نزدیک ہے محبوبؔ وہ مضموں نگار اچھا

محبوب عالم قریشی لدھیانوی

کیا وقت نہیں ملتا؟

دولت چونکہ محنت اور مشقت سے حاصل ہوتی ہے اور دین و دنیا کے اکثر کام اسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ بڑی قابل قدر چیز ہے۔ مگر دولت اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکتی۔ جب تک وقت کی قدر نہ کی جائے۔ اسلئے وقت دولت سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ دولت ضائع ہوجانے کے بعد بھی کمائی جاسکتی ہے مگر وقت کا جو لمحہ ایک دفعہ گذر گیا۔ وہ دوبارہ کسی صورت میں نہیں آسکتا۔ دولت کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جس کی پسینے کی کمائی ہو۔ اور اس کے کسب میں اسے کئی طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہوں۔ اور وقت کی قدر اس شخص سے پوچھنی چاہیئے۔ جو بستر مرگ پر پڑا اپنی عمر کی آخری گھڑیاں گن رہا ہو۔ اور اپنی صحت کے اوقات کو بیکار رکھو دینے پر دست حسرت مل رہا ہو۔

جس طرح دولت کا بے محل اور بے اندازہ صرف کرنا اسراف کہلاتا ہے۔ اسی طرح وقت ضائع کرنے کو وقت کا اسراف کہنا چاہیئے۔ اور جس طرح دولت کا اسراف ہمیں روز بروز مفلس بنائے چلا جا رہا ہے۔ اسی طرح وقت کے اسراف سے ہم بدرجہ اولیٰ مفلس ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وقت کی قدر کرنا دولت حاصل کرنیکا ذریعہ تھا۔ اور جب ہم اس کی قدر نہیں کر رہے۔ تو یقیناً ہم اپنے افلاس کے اسباب مہیا کر رہے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا ہے۔ کہ کس طرح ہم دولت اور وقت کی بے قدری سے مفلس اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

آجکل مسلمان عموماً افلاس کا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس افلاس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کے پاس دولت سرے سے ہی نہیں۔ بلکہ صحیح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسلمان دولت کے صحیح مصرف سے بے خبر نہیں تو بے پروا ضرور ہیں۔ اگر روپے کو صرف جائز ضرورتوں میں صرف کیا جائے۔ اور اپنے اخراجات میں مناسب کتر بیونت کرکے اس امر کی کوشش کی جائے۔ کہ مقروض ہونے کی ذلت ہم پر مسلط نہ ہونے پائے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم دنیا میں مفلس ہوں۔ افلاس کا سبب زیادہ تر اسراف ہے۔ نہ کہ دولت کا فقدان مسلمانوں کو تو اس دریا دلی نے ڈبویا ہے۔ جس سے کام لیکر وہ عقیقہ۔ ختنہ۔ منگنی۔ بیاہ اور رسوم غم میں شریعت سے بے پروا ہوکر اس طرح دولت لٹاتے ہیں۔ کہ گویا وقت کے بادشاہ ہیں۔ اور حاتم کی قبر پر لات مارنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ خدا جانے ایسے موقعوں پر ان کا افلاس کہاں چلا جاتا ہے۔ اور اپنے پاس دولت نہ ہونے کی صورت میں کس برتے پر سینکڑوں روپیہ قرض لیکر ضائع اور برباد کر دیتے ہیں۔ بھلا جن کی زبان پر ہر وقت افلاس کا شکوہ ہو۔ انہیں طوائف نچوانا۔ آتشبازی چھوڑنا اور کسی کے مرنے پر پرتکلف دعوتیں کرکے برادری میں ناک سلامت رکھنے کی کوشش کرنا کہاں کی عقلمندی ہے یہ گھر پھونک تماشا دیکھنا نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں ان کا افلاس اس وقت ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ جب انہیں

کسی نیکی کے کام میں کچھ مالی قربانی اور ایثار کا ثبوت دینے کی ضرورت ہو۔ تو "سیروا فی الارض" پر عمل کیجئے۔ اور دیکھئے کتنے صاحب دولت ہیں۔ جن میں فریضہ حج ادا کرنے کی استطاعت ہے۔ مگر وہ حج کو نہیں جاتے۔ اور کتنے صاحب ہیں۔ جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔ مگر وہ ادا نہیں کرتے آخر جو لوگ نام و نمود کی خاطر بے دریغ روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ وہ انفاق فی سبیل اللہ کے وقت کیوں مفلس و قلاش ہو جاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ جس کام کو کوئی ضروری سمجھتا ہے۔ اس کے لئے ضرور کہیں نہ کہیں سے دولت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کام کی اس کے نزدیک چنداں اہمیت نہیں۔ اس کے لئے روپیہ ہو بھی تو گویا نہیں ہے۔ اور ایسے کام میں ایک کوڑی بھی خرچ کرنا طبیعت پر گراں گذرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ آدمی پہلے اچھی طرح غور کرے۔ کہ دولت کا کونسا مصرف مقدم ہے۔ اور دل میں فیصلہ کرلے۔ کہ فلاں جگہ خرچ کرنا ضروریات زندگی میں سے ہے۔ اور فلاں جگہ خرچ کرنا تضیع مال کے مترادف ہے۔ اس طرح معمولی آمدنی والا شخص بھی مفلس نہیں ہو سکتا کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ تونگری دل کی ہے۔ محض مال و دولت کا ہونا تونگری کی دلیل نہیں ہے۔

بعض دولتمند ایسے ہیں۔ کہ باوجود مال و دولت کی فراوانی کے اتنے بخیل ہیں کہ دولت کو سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ مگر کسی مفید مقصد کیلئے کچھ کرنا پڑے۔ تو انہیں بیحد قلق ہوتا ہے۔ آخر ایسی دولتمندی کس کام کی۔ دولت تو آدمی کو اس واسطے ملی ہے۔ کہ اس سے ضروریات زندگی پوری کرے۔ اور محتاجوں اور ناداروں کو بھیک مانگنے سے بچائے۔ اس واسطے دولت نہیں ملی۔ کہ یا تو وہ کسی تہ خانے میں جمع ہوتی رہے۔ یا خرچ کرنے پر آئے تو اندھا دھند لٹاتا ہی جائے۔ دولت کی قدر یہی ہے۔ کہ اسے جائز و مناسب مصارف میں لگایا جائے۔ اور خرچ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے۔ کہ یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج ہے تو کل نہیں۔ سبھی دن آدمی کے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس لئے آئندہ کے حالات سے بے پروا ہو کر جو کچھ پاس ہو لٹا دینا پرلے درجے کی غیر مآل اندیشی ہے۔

بعینہ یہی حال وقت کا ہے۔ جسے دیکھو یہی کہتا سنا جاتا ہے۔ کہ صاحب! کیا کریں۔ وقت نہیں ملتا۔ دنیا کے دھندوں میں کچھ ایسے پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ کیا اس فرصت نہ ملنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ پہلے زمانے میں سال، مہینے اور دن بڑے بڑے لمبے ہوتے تھے۔ اور اب آکر چھوٹے ہو گئے ہیں۔ نہیں وقت کی رفتار وہی ہے۔ جو پہلے تھی۔ اس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ معمولی سے معمولی کاروباری آدمی یہی کہتا ہے۔ کہ فرصت نہیں ملتی۔ کیا سچ مچ فرصت نہیں ملتی۔ یا یہ کسی کام سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے عذر لنگ ہے۔ جس آدمی کو فرصت نہ ملنے کی شکایت ہے۔ کیا اس کے سامنے دن رات کی گھڑیاں ایک ایک کرکے نہیں گزر رہیں۔ اور گھڑیاں گزرتے گزرتے کیا دن، مہینے اور سال نہیں گذر رہے۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ تو پھر آخر فرصت کس بلا کا نام ہے۔ جو عنقا ہو رہی ہے۔ مگر نہیں!

"مطلب سعدی دیگر است" فرصت ملتی ہے۔ اور یقیناً

ملتی ہے۔ مگر کس کام کے لئے؟

رات بھر سینما دیکھتے رہنے کیلئے دن بھر تاش کھیلتے رہنے کیلئے، دفتر میں قلم چلانے کے لئے اور پیٹ کے دھندوں میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کیلئے اور اگر فرصت نہیں ملتی تو کس کام کیلئے؟ نماز پڑھنے کیلئے، قرآن مجید کا درس سننے کیلئے اور اسلامی مکتب کا مطالعہ کرنے کیلئے، اصلاح اعمال کیلئے، اصلاح اخلاق کے لئے، تدبر و تفکر اور مآل اندیشی کے لئے،

مال و دولت کیلئے یہاں بھی حقیقت یہی ہے۔ کہ جس کام کو آدمی اہم سمجھے۔ اور اسے کرنے کا عزم مصمم ہو۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کیلئے فرصت نہ ملے۔ جس کام کیلئے فرصت نہ ملنے کا بہانہ کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ نہ تو اس کام کی کچھ اہمیت دل میں موجود ہے اور نہ اسے کرنے کا پختہ ارادہ۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ رات بھر سنیما، تھیٹر، ناچ دیکھنا ہو تو "لَا تَاخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ" کا نقشہ نظر آئے۔ اور جب رات کا کچھ حصہ وعظ سننے یا نماز تراویح ادا کرنے میں گذارنا پڑے تو یہ حالت ہو کہ "بوجھ سر پہ وہ پڑا ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں"

جن لوگوں کے دلوں میں وقت کی کچھ قدر تھی۔ ان کے کارنامے نمایاں دیکھ کر آدمی کو حیرت ہوتی ہے۔ کہ وہ کس بلا کے انسان تھے۔ اور اس باور کو کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ کہ ان کے لیل و نہار بھی ہمارے ہی لیل و نہار کی طرح تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ اور سوچئے۔ کہ ان کی عمر کیا تھی۔ کام کے لئے وقت کتنا ملا تھا۔ اور آپ کے سامنے کس قدر عظیم الشان تھا۔ ۲۳ سال میں آپ نے ایک حد سے زیادہ بگڑی ہوئی قوم کی حالت ایسی بدلی کہ اپنے پرائے آپ کے محیر العقول تدبر اور عزم و استقلال کے قائل ہیں۔ پھر آپ کے شبانہ روز مشاغل پر بھی غور کیجئے۔ رات کو اس قدر عبادت کرتے ہیں۔ کہ قدم مبارک سوج جاتے ہیں۔ اور دن کو کہیں امور خانہ داری سر انجام دے رہے ہیں کہیں مقدمات کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ کہیں احکام حق کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اور کہیں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والوں سے برسر پیکار ہیں۔

(فضل الٰہی عارف)

احساسات

از جناب خواجہ فیض صاحب لدھیانوی منشی فاضل

جو قوم عمل سے خالی ہے
اس قوم کا اللہ والی ہے
آحالی بن کر غور کریں!
اس درجہ کیوں بدحالی ہے

اقبال جسے بیدار کرے
اُس قوم کی خوش اقبالی ہے
بیداری جس کا شیوہ ہو
اُس قوم کا رُتبہ عالی ہے

انجام سے غافل رہنے کی
جس قوم نے عادت ڈالی ہے
اُس قوم کی قسمت میں آخر
پامالی ہی پامالی ہے

باتوں سے کام نکل آئے
اے فیض یہ خام خیالی ہے
خود تُونے آفت میں پڑ کر
کب قوم کی آفت ٹالی ہے

بصائر و عبر

چین کا دورِ ابتلا

۱۲۰ سنہ قبل مسیح سے عہد حاضر تک کی تاریخ

چین مغلوب و مفتوح ہو گیا۔ ہنکاؤ کی متعدد عمارتیں ڈائنامیٹ سے اڑا دیگئیں۔ جنرل چیانگ کا لشکر سمیت اپنے کسی نامعلوم مقام پر چلے گئے چینی افسر حسرت کے ساتھ اپنے مستقر چھوڑ رہے ہیں۔ گویا چالیس کروڑ آبادی کا یہ ملک چند کروڑ جاپانیوں کی ستمرانی کا شکار ہو گیا۔

تلک الایام نداولہا بین الناس

چین کی عدیم النظیر ترقی اور مردم شماری کے متعلق ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ اس کی آبادی چالیس کروڑ سے زائد تک پہنچ گئی۔ بحالیکہ ۱۷۵۶ء میں وہ صرف پانچ کروڑ نفوس پر مشتمل تھا۔ مورخ لکھتا ہے۔ کہ یہ آبادی اسقدر ہے۔ کہ اگر ہم کرۂ زمین کے گرد ایک سڑک فرض کر لیں۔ اور اس پر یکے بعد دیگرے چین کے لوگ چلنا شروع کر دیں۔ تو یہ رفتار کبھی ختم نہ ہو گی۔ کیونکہ جتنا وقت کل زمین کا دور کرنے میں صرف ہو گا۔ اتنے میں آنے والی نسل چلنے کیلئے تیار ہو جائے گی۔ لہذا یہ سلسلہ لامتناہی ہے لیعنے کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔

چین کی قدیم روایات کی بنا پر چینی تمدن کا دور زریں تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن محققین کا خیال ہے۔ کہ چینی تمدن کا زمانۂ عروج ایک ہزار سال قبل مسیح سے آگے نہیں بڑھتا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اہل چین ترقی و تمدن کے بلند ترین زینہ پر تھے۔ اور علوم و فنون، صنعت و حرفت اور بناء عمارت میں تمام ایشیائی اقوام سے آگے نظر آتے تھے۔

چین ابتداہی سے خانہ جنگی کا شکار رہا۔ شمالی و جنوبی باشندوں میں جنگ و جدل کا میدان ہمیشہ گرم رہا۔ ان میں بڑی بڑی لڑائیاں برپا ہوئیں۔ اور حسد و انتقام کی آگ رہ رہ کے سلگتی اور شعلے پیدا ہو کر تباہی و بربادی کا موجب ہوتی رہی۔ اور تاآنکہ جاپانیوں کے ہاتھوں تقدیر نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

چین کی تاریخ ۲۲۰ء قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ ایک شخص نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اجتماع اور تنظیم سے ایک سلطنت کی بنا ڈالی۔ اور خود شہنشاہ اول کا خطاب اختیار کیا۔ دیوار چین اسی حکمران کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ جزیروں کی تلاش کے لئے بحری بیڑا تیار ہوا۔ اور تانبے کا سکہ بنایا گیا۔ علوم اور آداب فلسفہ کے تجدید کے لئے اس تاجدار نے قدیم چینی تصنیفات جمع کر کے حکمت، نجوم اور زراعت سے متعلقہ کتب کے ماسوا تمام نذر آتش کر دیں۔

اس کی وفات کے بعد ۲۱۰ء قبل مسیح میں اس کا لڑکا جانشیں ہوا۔ اور شہنشاہ روم کے لقب سے ملقب ہوا۔ مگر وہ بہت جلد ایک کسان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جس سے بغاوت رونما ہوئی۔ جس کی وجہ سے تین سال متواتر چین بدامنی کے ہاتھوں پریشان حال رہا۔ آخر ۲۰۶ء قبل مسیح میں ہی کسان

بادشاہ قرار پایا جس کے خاندان میں دو سو سال قبل مسیح اور
دو سو سال بعد مسیح تک سلطنت رہی۔ پورے چار سو سال چین
سخت بے چین رہا۔ اور تاتاریوں اور کوریوں سے لڑائی ٹھنی رہی
اسی نقص و فساد میں چینیوں کو جاپان کے وجود کا علم ہوا
جو اس زمانہ میں نہایت غیر متمدن حالت میں تھا۔ چین نے سرکاری
طور پر جاپان کو ۵۷ء میں تسلیم کیا۔ اور پہلی مرتبہ جاپانی سفیر
کو ایوان شاہی میں باریابی کا موقعہ دیا گیا۔

۶۱۸ء میں زمام حکومت خاندان تانگ کے ہاتھ آئی۔ اور
تین سو سال تک ان کا طوطی بولتا رہا۔ چین نے اس اثنا میں بیشقدر
ترقیاں کیں۔ اسی عرصہ میں ملکہ وُو نے اپنے سوتیلے بیٹے سے حکومت
غصب کر لی۔ حالانکہ اس کے شوہر نے اس کو اپنے بیٹے کا وصی
مقرر کیا تھا۔ یہ ملکہ چالاکی اور خباثت میں مشہور ہے۔ یہ ملکہ شوہر
کے عہد حکمرانی میں ہی سیاسی امور سے گہرا شغف رکھتی تھی۔
اور پس پردہ شاہی دربار میں وزراء کی بحث سنا کرتی تھی۔ اسی
ملکہ نے آپ کو ملکہ الٰہی کا لقب اختیار کیا۔ اور پھر معبود قادر کے
نام سے مشہور ہوئی۔ عورتوں کو مردوں کے پہلو بہ پہلو کھڑا
کرنے کیلئے اس نے امکانی مساعی عمل میں لائیں۔ چنانچہ مناصب
حکومت میں عورتوں کو اس نے برابر کا حصہ دار بنا دیا۔

تانگ خاندان کا دور حکمرانی ۹۶۰ء تک جاری رہا۔
یہ عہد چین کے تمدن کا زریں عہد شمار ہوتا ہے۔ چینی تمدن کو
اسدرجہ ترقی و عروج کبھی نصیب نہ ہوا جسقدر اس زمانہ میں
۹۶۰ء کے بعد تاج و تخت حکومت خاندان سونگ
کی جانب منتقل ہوا۔ اور تین سو سال تک اس نے نہایت شائستگی
و قابلیت کے لئے فرائض جہانبانی ادا کئے۔ یہ دور بھی اپنے پہلے
دور کے نقش قدم پر جاری رہا۔ اور چین نے شاندار ترقیاں
حاصل کیں۔

واقعات کے مدّ و جزر اور حالات کے تغیّر و تبدل میں چین
تمدنی، معاشرتی اور تجارتی ترقی کرتا رہا۔ لیکن ان کی خانہ
جنگی اور خاندانی عداوت و کدورت میں سرِ مو اصلاح نہیں ہوئی
عادات و اخلاق اور رسم و رواج میں نمایاں اختلاف رہا۔ یہاں
تک کہ ملاقات اور گفتگو کے جو آداب ایک حصہ ملک میں رائج
و پسندیدہ تھے وہ دوسرے حصہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھے
جاتے ہیں۔ انہی اسباب و وجوہ کی وجہ سے چین پیہم انقلابات
کا تختہ مشق رہا۔ اور اس کی بنیادیں کمزور و کھوکھلی ہوتی گئیں۔
بارہویں صدی عیسوی کے ابتدا میں انہی کمزوریوں سے مغلوں
نے فائدہ اٹھاتے ہوئے چین پر متعدد حملے کر کے اسے تاخت و
تاراج کر دیا۔ اور چودھویں صدی کے وسط تک اس پر قابض
و متصرف رہے۔ آخر خاندان شو یوانگ چنگ کے مدبرین کی
سیاسی تدبیریں بروئے کار آئیں۔ اور وہ چین کو مغلوں کے اثر
و اقتدار سے نکالنے اور اپنا قدم جمانے میں کامیاب و فائز المرام
ہو گئے۔ شو یوانگ چنگ چین کے عظیم ترین بادشاہوں میں
شمار ہوتا ہے۔ اس نے اپنے عہد میں نظام حکومت میں خاص
اور قابل قدر اصلاحات کیں۔

اس کے بعد دولت منچوریا کا دور ہوا۔ جس کا خاتمہ
آخری انقلاب نے کر دیا۔ اور سلطنت جمہوری صورت اختیار
کر لی۔ اور اب تک جمہوری ہے۔

قیام جمہوریت کے بعد سے ایک غیر معیّن عرصہ کے لئے
چین کو چین کی گھڑیاں نصیب ہوئیں۔

چین کی گذشتہ تاریخ مظہر ہے کہ اقالیم عالم
اور ترقی پذیر رفتہ ممالک میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں ایشیا و یورپ کی بہت سی قوموں کا استاد تھا۔ لیکن کچھ عرصے سے اس کی حالت پست ہو رہی تھی۔ جاپان چین پر مدت سے دندان آز تیز کر رہا تھا۔ اس کی للچائی ہوئی نگاہیں بیدردانہ طریق پر کھلی رہتی تھیں۔

آخر میں جاپان کی دست درازیوں کی تاب نہ لا سکا اور بے تاب و تواں ہو کے رہ گیا۔ اب چین کا ستارۂ اقبال جاپان کی فتنہ پرور گھنگھور گھٹاؤں میں اوجھل ہو گیا۔ بلاشبہ چین کی بدبختی اور جاپان کی غیر متوقع کامیابی میں بصائر و عبر کا درس پنہاں ہے۔ اور یہ دست قدرت ہی کو زیبا ہے۔ کہ وہ کمزور ناتوان ہستیوں سے قوی ہیکل اور دیو پیکر انسانوں کو ذلیل و خوار کرا دے سکتی ہے۔ عِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

چین کے تختہ زمین کی پیداوار اور نشو و نما گرداب و بلا اور پیہم انقلابات میں ہوئی۔ تاخت و تاراج ہوتے رہنا اس کے لوحۂ تقدیر کا نوشتہ ہے۔ لہذا جاپان کی اس فتح و کامرانی کے زیادہ دیرپا ہونے کی بھی توقع نہیں کی جا سکتی،

چین کے گداگر

جہاں چینی باشندوں کے عادات و خصائل، رسم و رواج اور دیگر ظاہری و باطنی حالات اور تغیر و تبدل اور مد و جزر کے کوائف خالی از دلچسپی نہیں۔ وہاں گداگروں کے بے پناہ اختیارات اور حصول سرمایہ کا طریق بیحد دلچسپ ہے

جس ملک کے گداگروں کو حکومت نے اسقدر آزادی دے رکھی ہو کہ عوام الناس کو جبر و اکراہ کے ساتھ لوٹ سکیں دوکانداروں کی دوکانیں تباہ و برباد کر سکیں۔ قبائل کو مفلسی و قلاشی کے گھاٹ اتار سکیں اور حکومت گہری نیند سوتی دیکھا کرے۔ وہاں کا نظام حکومت درہم برہم ہو جانا کسی حیرت و تعجب کا مقام نہیں۔ ایک صاحب چینی گداگر عنوان سے لکھتے ہیں۔

چالاکی اور عیاری کے اعتبار سے چین کے گداگر ساری دنیا میں ممتاز ہیں۔ اگر آپ چین کے کسی شہر میں جائیں۔ تو سب سے پہلے جو ہنگامہ آپ کے کانوں کو متزلزل کرے گا وہ گداگروں کا شور ہوگا۔ جو گروہ کی صورت میں شراب خانے کے صحن سے مندر کی سیڑھیوں تک موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص سے کچھ نہ کچھ وصول کر کے دم لیتے ہیں۔ بعض اوقات گداگروں کا رویہ اس درجہ جابرانہ ہوتا ہے۔ کہ انکم ٹیکس کا بڑے سے بڑا افسر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ گویا وہ خیرات وصول نہیں کرتے۔ بلکہ اپنا حق مانگتے ہیں۔ بعض اوقات فقیر اس جوش میں آجاتے ہیں۔ کہ قانون و آئین کی قوتیں انہیں مجبور نہیں کر سکتیں۔ اس دلیری کی وجہ یہ ہے کہ چین کا قانون گداگروں پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اس بے اعتنائی کا باعث بدھ مت ہے۔ جو فقیروں کو کامل آزادی عطا کرتا ہے۔ اس ناروا آزادی کا اثر ہے۔ کہ چینی گداگروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اکثر لوگ محض ناجائز آزادی کے لئے اپنا کام کاج چھوڑ کر گداگر بن جاتے ہیں۔ یہ گداگر انکم ٹیکس آفیسر سے کم حیثیت نہیں رکھتے۔ انہوں نے ہر دوکاندار سے روزانہ

یا ہفتہ وار حصہ مقرر کر رکھا ہے۔ جو شخص اس کی ادائیگی میں پس و پیش کرتا ہے۔ اسے تنہا ایسی فوج کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جسے قانون نے قتل و غارت تک کے اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔

فرض کیجیئے۔ کہ ایک دوکاندار کسی فقیر کو اس کا مقررہ حصہ ادا کرنے سے انکار کر دے۔ یا ادائیگی کے وقت غم و غصہ کا اظہار کرے۔ تو گداگر اپنے ساتھیوں کو فوراً اطلاع دیتا ہے۔ جو جمع ہو کر دوکان کا محاصرہ کر لیتے ہیں۔ یہ مشتعل ہجوم دوکاندار کا سامان تک خراب کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اور دوکاندار اپنی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

چین کے گداگر ہر شہر میں موجود ہیں۔ جنہوں نے اپنی اپنی جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ یہ جماعت کا سوال و گداگری کا طریقہ دوسری جماعت سے مختلف ہے۔ اور ہر پارٹی کا ایک صدر ہے۔ جو پارٹی کے لئے طریق کار تجویز کرتا ہے۔ جب تک وہ اجازت نہ دے۔ پارٹی کے ممبر بھوکوں مر جائیں گے۔ مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں گے تمام ارکان کا اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ صدر کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ صدر کے پاس جتنی رقم آتی ہے۔ وہ قومی سرمایہ کے طور پر محفوظ رکھی جاتی ہے۔ جو محتاج گداگروں کو بوقت ضرورت بطور امداد دی جاتی ہے۔

مجھے بعض گداگروں کی جھونپڑیوں میں راتیں بسر کرنے کا موقع ملا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ جو سامان راحت ان خانماں برباد لوگوں کے پاس ہے۔ وہ کسی معمولی درجہ کے سرمایہ دار کو میسر نہیں آ سکتا۔

بعض گداگروں کے پاس ہزاروں روپے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ جو رئیسوں کی طرح اپنے مہمان خانے کے دروازے ہر غریب و مفلس پر کھلے رکھتے ہیں۔

گداگروں کے صدر اعظم کا نام وتھون ہے۔ جو بدھ مت کا پیرو ہے۔ اس نے تین بہت مدرسے جاری کر رکھے ہیں۔ جن کے اخراجات کے لئے وہ کسی کے آگے سوال نہیں کرتا۔ بلکہ تمام مصارف خود ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا مہمان خانہ سینکڑوں تباہ حال لوگوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے۔ یہ دولت اس نے کہاں سے حاصل کی؟ انہیں گداگروں سے جنہیں انسانی شرافت کا چلتا پھرتا مجسمہ خیال کیا جاتا ہے۔

بہی خواہانِ القریش

القریش کو جاری رکھنے کا اقتضا ہے کہ اس کی موجودہ اشاعت کو بڑھا کر کم از کم دوگنا کر دیا جائے۔ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ اس ضرورت کی اہمیت پر شذرات لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن یہاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اتار دے،

آپ کہتے ہیں کہ حیات قومی کیلئے القریش آبحیات سے کم نہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ توسیع اشاعت کی اپیل صدائے برنخواست ہو کے رہ جاتی ہے۔ اگر آپ کی توجہ کا یہی عالم رہا۔ تو القریش کا زندہ رہنا معلوم! کیا آپ کچھ کوشش کریں گے؟

(منیجر)

عَرَبی خط

تاریخی اہمیّت و تدریجی تغیّر

عربی کتابت اور فن خطاطی کی ترویج و اہمیّت پر تاریخی تبصرہ

(از مولینا حکیم حبیب الرحمٰن خاں شاہجہانپوری سابق پروفیسر تکمیل الطب کالج)

کتابت ان فنوں میں سے ہے۔ جو تہذیب و تمدن کے ساتھ ترقی پاتے ہیں۔ اور ان کی کمی یا معدوم ہونے سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل عرب بالکل صحرائی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کا شغلہ بکریاں چرانا یا اونٹ پالنا تھا۔ یا اس غرض کیلئے سبزہ زاروں اور چشموں کی جستجو اس وقت تجارت تھی لیکن صرف اسی قدر کہ سامان خورد و نوش یا ان سکہ کی خرید فروخت ہو سکے۔ جو غارتگری یا قافلوں کی حفاظت میں کام آ سکے۔ یا صحرائی بودوباش کی حالت میں ان کے ذریعہ سے درندوں سے حفاظت اور دوسرے جانوروں کا شکار ہوتا تھا۔

کتابت کی ایجاد

اس محدود زندگی اور مختصر معاشرت کیلئے نوشت و خواند سے واقف ہونا واقعی کوئی ضروری امر نہیں تھا۔ اس عہد بدویت میں اگر کوئی شخص سرزمین عرب پر لکھا پڑھا پایا جاتا ہے۔ تو وہ کسی دوسرے ملک کا باشندہ ہے۔ یا اگر عرب ہے تو اس نے کسی دوسرے ملک میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے۔ اور ایسا شخص شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے۔ جس نے عرب میں رہکر ان دونوں میں سے کسی ایک نے تعلیم پائی ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ فن کتابت قوموں اور ملتوں کو خدا کی طرف سے ہادیوں اور رسولوں کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اور اس میں بشری دماغ کا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ فن انہیں صناعات میں سے ہے جس کو تمدن و تہذیب کی ضروریات نے انسان ہی کو قوت دماغی سے ایجاد کرایا۔ اور تدریجاً موجودہ حالت تک پہنچایا ہے۔

تصویر کے ذریعہ سے کتابت

اس تدریجی ترقی کی تفصیل یہ ہے۔ کہ موجودہ خط نے چار دور طے کرنے کے بعد صورت کمال پائی ہے۔ دور صوری مادی اور دو صوری معنوی، دور صوری عرفی، دور حرفی محض، یعنی ابتدائے امر میں لوگ مختلف معانی کے واسطے مادی صورت بنا دیتے تھے۔ مثلاً جب وہ چاہتے کہ شیر کا مفہوم کسی کے ذہن نشین کریں۔ تو شیر کی صورت بنا کر بھیج دیتے تھے۔ یا عبادت خانے کے معنی مکتوب الیہ کو سمجھانا چاہتے تو عبادت خانے کی تصویر کھینچکر ارسال کر دیتے تھے۔ لیکن یہ تصویریں بطور ایک اصطلاح کے مستعمل تھیں۔ فن مصوری سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور جب انہیں یہ ظاہر کرنا ہوتا۔ کہ شاہ مصر نے اشورین پر حملہ کیا۔ اور غالب آ کر انہیں قید کر لیا۔ تو اپنی مقررہ مخصوص اصطلاح میں یوں تصویر کھینچتے کہ شاہ مصر معہ اپنی تمام فوج کے موجود ہے۔ اور اس کے مقابل شاہ اشور اور اس کی فوج ہے۔ جس کا کچھ حصّہ

زمین پر خود آلودہ پڑا ہے۔ کچھ گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا جا رہا ہے۔ کچھ بھاگتا نظر آتا ہے۔ کچھ پا بہ زنجیر ہے۔ جس کو مصری فوج کشاں کشاں لا رہی ہے۔

لیکن یہاں تک خط نہایت ناقص اور ناکافی تھا۔ کیونکہ ان معانی کے اظہار سے بالکل عاجز تھا۔ جن کے لئے کوئی مادی صورت نہیں ہے۔ مثلاً خوف، فرحت، غم اور نسبت اضافت و توصیفی وغیرہ۔

مفہوم کا دلچسپ طریق اظہار

ایک زمانہ کے بعد یہ طریقہ مروج ہوا۔ کہ جن معانی کیلئے مادی صورتیں موجود نہیں تھیں۔ ان کے لئے مادی صورتوں کے لوازم سے استدلال ہونے لگا۔ مثلاً کتابت کو قلم دوات کی تصویر سے ادا کرتے اور مفہوم غم کو بکھرے ہوئے بالوں سے سمجھاتے اور دولتمندی کو جسم کی فربہی سے۔

آثارِ قدیمۂ مصر کی شہادت

اس دور میں کتابت دو قسم کی تصویروں سے ترکیب پاتی تھی۔ ایک تو ان صورتوں سے جو اپنی محض مدلولات پر دلالت کرتی تھیں۔ دوسری ان تصویروں سے جو اپنے مادی معانی کے لوازم کو ثابت کرتی تھیں۔ مثلاً کوئی شخص مکہ معظمہ جاتا تو اس کے دروازے پر اس طرح ایک تصویر بناتے۔ کہ ایک اونٹ پر محمل رکھا ہوا ہے۔ اور اس کی مہار ایک اعرابی کے ہاتھ میں ہے۔ اور دوسرے اونٹ پر ایک سر۔ وہ رکھا ہوا ہے۔ اور کبھی یہ ظاہر کرنے کیلئے صاحب خانہ نے بحر و بر کا سفر کیا ہے۔ اونٹ کی ایک جانب ایک کشتی کی تصویر بھی بنا دیتے تھے۔ اس دور کتابت کے نشانات مصری آثار قدیمہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد دور حرفی کی نوبت آئی۔ اس زمانہ میں بھی تصویروں سے کام لیتے تھے۔ لیکن ان کے اسماء کا پہلا حرف مراد ہوتا تھا۔ مثلاً جب وہ لکھنا چاہیئے۔

فواکہات کی تقریریں

"غلبت الروم" (رومی غالب ہوئے) تو غ کیلئے غراب (کوا) ل کیلئے لیموں ب کیلئے باب (دروازہ) ت کے لئے تفاح (سیب) ا کے لئے ابریق (لوٹا) ل کے لئے لیموں ر کے لئے رحی (چکی) و کے لئے ورد (گلاب) اور م کیلئے مبرد (ریتی) کی صورت بنا دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ اشکال مختصر ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ خط کی موجودہ صورت پیدا ہوئی۔

قدیم کتابیں

آجکل دنیا میں جسقدر خطوط رائج رائج ہیں۔ گو وہ کثیر التعداد ہیں۔ لیکن ان کا تاریخی سلسلہ چند مبادیات پر ختم ہو جاتا ہے ان میں چار زندہ شہور و معروف ہیں۔ (۱) خط مسماری جو بابل اشور، اور ان کے اطراف میں مستعمل تھا۔ اب یہ خط مردہ ہو گیا۔ (۲) خط حبشی، پہلے شام میں اس کا رواج تھا۔ بعض یورپینوں (‏[illegible]) کا خیال ہے۔ کہ خط حمیری و حبشی اس کی فرع ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ (۳) خط چینی، یہ اب تک زندہ ہے۔ جاپانی و مغول اسی سے پیدا ہوئے۔ (۴) خط مصری، خط فینیقی اس کی ایک شاخ ہے۔ اور ماخذ کر (فینیقی) سے اکثر خطوط پیدا ہوئے۔ جو ایشیا، یورپ اور افریقہ میں رائج ہیں۔ ہمارے مضمون میں ان سب سے زیادہ اہمیت مصری خط کو حاصل ہے۔ کیونکہ وہ سلسلہ خط عربی کا حلقۂ اولی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) خط مصری مقدس جو کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کیلئے مخصوص تھا۔ (۲) خط خاصہ، یہ عدالتی اور دفتری خط (۳) خط عامہ۔ یہ عام طور پر مستعمل تھا۔ اور باقی اصناف سے زیادہ وسیع تھا۔

کنعانی کتابت

سلسلۂ خط عربی کا حلقہ ثانیہ فلینیقی ہے (فنیقیا جس کی جانب یہ خط منسوب ہے) ارض کنعان کو کہتے ہیں۔ جو بحر ابیض کے ساحل پر کوہ لبنان کے محاذ میں واقع ہے۔ یہاں کے رہنے والے تجارت پیشہ تھے۔ اور مصریوں سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مصری خط سیکھ کر اس میں سے پندرہ حروف معمولی ترمیم کے ساتھ لئے۔ اور باقی حروف خود وضع کئے جو اشتباہ اور تعقید سے خالی تھے۔ اور ان کی کتابت میں ایک قسم کی آسانی تھی۔ اور وہ مراسلات تجارت میں بھی بغیر کسی دشواری کے استعمال کئے جا سکتے تھے۔

حروف کے لئے ایسے اسماء تجویز کئے گئے۔ جن کے اصلی مسمیات اشکال حروف سے بہت کچھ مشابہ ہیں۔ یورپ اور ایشیا میں اس طریقۂ کتابت نے شہرت بھی انہیں کے ذریعہ سے حاصل کی۔

کتابتوں کے مصادر

خط عربی کے سلسلہ کا تیسرا حصہ مسند حمیری یا آرامی ہے بنا پر اختلاف مورخین یورپ اور مورخین اسلام مغربی مورخین کی رائوں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ فینیقی سے چار خط پیدا ہوئے۔ اول قدیم یونانی خط اس سے قبطی اور کل یورپین خطوط پیدا ہوئے دوم عبری قدیم اس سے خط سامری پیدا ہوا۔ سوم مسند حمیری اس سے خط حبشی پیدا ہوا۔ چہارم آرمی اور اس سے چھ خط پیدا ہوئے۔ (۱) خط ہندی مع اپنی کل اقسام کے (۲) فارسی قدیم پہلوی (۳) عبری مربع (۴) تدمیری (۵) سریانی (۶) نبطی، خط عربی کی دو قسمیں ہیں۔ کوفی اور نسخی۔ پہلا (کوفی) سریانی کی ایک قسم سے ماخوذ ہے۔ جس کو اسطرنجیلی کہتے ہیں۔ اور دوسرا (نسخی) نبطی سے ماخوذ ہے۔

اس تفصیل کے بموجب خط عربی کے تیسرے حلقہ میں مسند حمری نہیں ہے۔ بلکہ اخیر حلقہ میں سریانی اور نبطی ہیں۔ اور یہ نسبوں کوفی اور نسخی پر تقسیم ہو گیا ہے۔

مورخین عرب کی رائے

حجاز میں تمدن و شہریت کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ کو ایک مخصوص اہمیت حاصل تھی۔ لہذا ان دونوں شہروں میں جن ذرائع سے کتابت پہنچی وہ یہ ہیں۔

مکّہ

مؤرخین کا اس پر اجتماع ہے۔ کہ حرب بن امیہ بن عبد شمس ہی وہ شخص ہے جس نے مکہ میں پہلے پہل کتابت رائج کی۔ اور اس نے اپنے مختلف سفروں میں چند شخصوں سے یہ فن سیکھا۔ جن میں سے ایک بشر بن سکتا۔ کہ ابھی ہے جو مکہ میں حرب کے ساتھ آیا تھا۔ اور اس کی لڑکی صہبا سے عقد کر لیا تھا۔ بشر نے مکہ کے چند لوگوں کو کتابت کی تعلیم دی تھی۔ لیکن اس نے مکہ میں قیام نہیں کیا تھا۔

ان دونوں (حرب اور بشر) سے جن لوگوں نے کتابت حاصل کی۔ ان میں سے عمر بن الخطابؓ عثمان بن بن عفانؓ طلحہ رض ابو عبیدہ رض، معاویہ بن سفیان رض اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں۔

مدینہ

اہل تاریخ کے نزدیک یہ حقیقت ثابت ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ تو وہاں ایک یہودی بچوں کو کتابت کی تعلیم دیتا تھا اور چند لوگ اور بھی کتابت سے واقف تھے۔ جن میں سے

بعض کے نام یہ ہیں۔ سعید بن زرارہ، منذر بن عمر، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک اور اوس بن خولی لیکن کتابت کو رواج عام اس وقت نصیب ہوا ہے۔ جب کہ غزوہ بدر ستر سے زائد آدمی گرفتار ہو کر آئے اور اسیروں میں جو مالدار تھے۔ وہ فدیئے لیکر چھوڑ دیئے گئے تھے اور جو لوگ فن کتابت میں دخل رکھتے تھے۔ ان کی آزادی کے لئے یہ شرط لازم قرار دیگئی تھی۔ کہ ان میں سے ہر شخص مدینہ کے رہنے والے دس دس بچوں کو کتابت کی تعلیم دے۔ اس طرح مدینہ کے بہت سے بچے فن کتابت سے واقف ہو گئے۔ اور پھر ان کے ذریعہ سے دوسرے شہروں اور قصبوں کے لوگ بھی اس دولت سے مالا مال ہوئے۔

ایک شاعر کا طعنہ

چونکہ بشر بن عبد الملک نے حرب بن امیہ اور اہل مکہ سے چند لوگوں کو کتابت کی تعلیم دی تھی۔ اس لئے اہل دومۃ الجندل میں سے قبیلہ کندہ کا ایک شاعر قریش کو طعنہ دیتا ہے۔ اور احسان جتاتا ہے۔ ؎

لا تجحدوا نعماء بشر علیکم

بشر کے انعامات کو فراموش نہ کرو

فقد کان میمون النقیبۃ ازھرا

وہ ایک شریف النفس اور کریم انسان تھا

اتاکم بخط الجزم حتیٰ حفظتموا

تمہیں خط جزم سکھایا جس سے تم نے

من المال ما قد کان شتیٰ مبعثرا

اپنی پراگندہ دولت محفوظ کر لی

واتقنتمو ما کان بالمال مھملا

اور تم نے بیکار اشیاء کو مال کے ساتھ

وطامنتمو ما کان منہ منفرا

درست اور پراگندہ اشیا کو جمع کر لیا

فاجریتم الاقلام عودا وبداۃ

تم نے پیہم خامہ فرسائی کی۔

وضاھیتمو کتاب کسریٰ وقیصرا

اور کسریٰ و قیصر کے کاتبوں کے مثل ہو گئے

واغنیتمو عن مسند القوم حمیر

اور خط مسند حمیری اور

وما زبرت فی الکتب اقیال حمیرا

اقوال حمیر سے بے نیاز ہو گئے

واضع خط عربی

خط عربی کے واضع اول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ قبیلہ بولان جو بنی طے سے تھے کے قبیلہ سے تین شخص ہیں۔ جو انبار میں رہنے لگے تھے انہیں نے وہاں کے رہنے والوں کو کتابت کی تعلیم دی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ۔ اور عامر بن جدرہ۔ ان میں سے پہلے نے حروف وضع کئے۔ دوسرے نے بعض حروف کو بعض سے جوڑا۔ اور بعض کو جدا کیا۔ تیسرے نے نقطے وضع کئے۔ اور اس کا نام خط جزم رکھا۔ کیونکہ یہ مسند حمیری سے جدا کیا گیا ہے۔

ایک دوسری روائت جناب ابن عباس رضؓ سے منقول ہے۔ کہ اہل انبار نے اہل حیرہ سے کتابت کی تعلیم حاصل کی۔ اور دوسرے لوگ روائت کرتے ہیں۔ کہ اہل حیرہ نے اہل انبار سے حاصل کی۔ ہمارے خیال میں ان دونوں شہروں کے

رہنے والے ایک دوسرے سے سیکھتے ہوں گے۔

مسعودی سے روایت ہے۔ کہ بنی محصن بن جندل بن یعصب بن مدین نے فن کتابت عام طریقہ سے سکھایا ہے اور ان کے نام ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص اور قرشیات ہیں۔ اور یہ لوگ مدین و مصر کے بادشاہ تھے جو یوم الظلہ کی آگ سے ہلاک ہوئے۔ یہ آگ شعیب علیہ السلام کی بددعا سے آسمان سے نازل ہوئی تھی۔

اولاد اسمٰعیل کا پہلا کاتب

مکحول روایت کرتے ہیں۔ کہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے نفیس و نصر و تیما و دومہ خط عربی کے واضع اول ہیں۔

عمر بن شبہ نے بنی مخلد کے ایک شخص کو واضع اول مانا ہے۔

سیرۃ حلبیہ کی روایت کے موافق نزار بن سعد بن خندل واضع اول ہیں۔

دوسری روایت میں ہے۔ کہ اسمٰعیل علیہ السلام واضع اول ہیں۔ اور حروف تمام متصل لکھے جاتے تھی کہ اور سب بھی اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد آپ کی اولاد میں سے قیدار اور ہمیسع نے حروف کو علیحدہ علیحدہ لکھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ پہلا پہلا نے خط مسند منفصل کاتب ہود علیہ السلام سے سیکھے۔

عبدالرحمن کی روائت

عبدالرحمن بن زیادہ بن انعم اپنے والد سے روائت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے عباس سے دریافت کیا۔ کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل گروہ قریش نے خط حربی کس سے حاصل کیا؟" آپ نے فرمایا "حرب بن امیہ سے اور حرب نے عبداللہ بن جدعان سے اور عبداللہ نے اہل انبار سے۔ اہل انبار نے اہل حیرہ سے، انہوں نے ایک نووارد سے جو قبیلہ بنی کندہ کا ایک فرد اور یمن کا باشندہ تھا۔ اور اس نے ہود علیہ السلام کے کاتب وحی خلفجان سے۔

روایات کا خلاصہ

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اہل حجاز کو کتابت حیرہ اور انبار (جہاں کے مرامر اسلم اور عامر ہیں) کے رہنے والوں سے بذریعہ عبداللہ بن جدعان اور بشر بن عبدالملک اساتذہ حرب بن امیہ حاصل ہوئی۔ اور دونوں شہروں کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو سکھاتے تھے۔ اور ان میں کتابت کندہ کے عرب نبط میں سے شاہان مدین و فلسطین دوران سے پہنچی ہے۔ چونکہ یہ لوگ صغر سنی میں تعلیم کے وقت ابی جاد ہوز حطی، کلمون، سعفص، قرشیات کی تکرار کرتے تھے۔ اس لئے بعض عوام نے یہ گمان کیا۔ کہ یہ ان کے نام ہیں۔ اور اس وہم میں بعض راویان اخبار بھی بغیر تحقیق مبتلا ہو گئے جیسا مسعودی کی روائت میں آچکا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ

تعلمت بابی جاد وال مرامر
وسودت سربالی ولست بکاتب

"میں نے ابوجاد اور آل مرامر کی تعلیم حاصل کی، اور اپنی ازار سیاہ کر لی۔ حالانکہ میں کاتب نہیں ہوں۔"

ایک اعرابی کا واقعہ

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک اعرابی سے آپ نے دریافت کیا۔ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔ اس نے کہا۔ "ہاں!" آپ نے فرمایا "ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھو" اس

نے کہا مجھے لڑکیاں ہی پسند نہیں ہیں۔ ماں کا کیا ذکر! عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درّہ مارا۔ اور معلم کے سپرد کر دیا۔ کہ تعلیم حاصل کرے۔ وہ چند روز کے بعد بھاگ گیا۔ اور جب گھر پہنچا تو یہ شعر پڑھے ؎

اتیت مہاجرین فعلمونی ثلاثۃ احرف متتابعات

میں مہاجرین کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے حروف متتابع سکھاتے

وخطوالی اباجاد وقالوا تعلم سعفصا وقریشیات

انہوں نے میرے لئے ابوجاد لکھا اور کہا کہ سعفص اور قریشیات سیکھ

وما انا والکتابت والتھجی وما خط البنین والبنات

حالانکہ مجھے خط بنین و بنات اور کتابت و ہجی سے کیا واسطہ

واضع اول کون ہے

ہماری رائے میں مورخین عرب کی روائتوں میں جس اولیت کی نسبت مختلف اشخاص کی جانب کی گئی ہے۔ وُہ اضافی ہے۔ یعنے جس نے اسمٰعیل علیہ السلام کو واضع اول قرار دیا۔ اس نے غلطی نہیں کی ممکن ہے۔ کہ اس نے آپ کو آپ کی قوم یا اس سرزمین کے اعتبار یا اصلاح و تنقیح کتابت کے لحاظ سے واضع اول قرار دیا ہو۔ اور جس نے خلفجان کاتب ہود علیہ السلام یا حمیر یا نفیس یا نضر یا نزار یا مرامر کو فن کتابت کا واضع اول ثابت کیا ہے۔ وہ بھی انہیں وجوہ مذکورہ کی بنا پر صحیح ہو سکتا ہے۔

نعت

(از ابوالاعجاز پیر شیر محمدؐ صاحب شوکت صدیقی ساکن گھانگہ خورد۔ ضلع فیروز پور)

خداوندِ عالم کے ہیں آپ ممدوح
طلسمِ ضلالت نہ کیونکر ہو مفتوح

لگائے نہ زخموں پہ جرّاح پھاہا
میں ہوں ناوکِ عشق حضرت کا مجروح

صبا کملی والے کے روضے پہ جاکر
خدا کیلئے کر مرا حال مشروح

قفس میں تپاں جیسے ہو مرغ بسمل
ہے یوں مضطرب غم سے حضرت مری روح

ندا آئی یہ غیب سے میرے دل میں
نہ گھبرا ہوا بابِ غم اب تو مفتوح

یوں نکلا سفینہ مرا بحرِ غم سے
لگی کوہِ جُودی پہ جوں کشتیٔ نوحؑ

نہ کردے کہیں بوالہوس ڈر لگا ہے
یہ شمشیرِ حرص و ہوا تجھ کو مذبوح

کریں حضرتِ عشق گر راہبری کچھ
نکل جائیں دل سے خیالاتِ مقبوح

ترے حسن کے نور سے شاہِ عالم
ملک حور و غلماں بنے کیسے مملوح

میسّر ہو گر خاکِ کوئے محمدؐ
تو مرہم بنائے یہ بیمارِ مجروح

زہے بخت ہوں اُمتی انکا شوکت
کہ جو ہیں خدا کے دو عالم کے ممدوح

مدنی بزرگوں کا دائرہ عمل

(از جناب مولانا عبدالقیوم صاحب ندوی)

یوں تو دنیا میں جسقدر انبیاء اور رسل علیہم السلام تشریف لائے۔ ہر ایک کے کچھ نہ کچھ انصار اور حواری پیدا ہوئے کہ جنہوں نے اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کی امداد اور اعانت کی اور ان کی تکلیف و مصیبت اور رنج و راحت میں برابر کے شریک و سہیم رہے۔ مگر ہمارے نبی امی صلّی اللہ علیہ وسلم کے انصار اور حوارین نے اپنے رسول کی امداد و اعانت اور اس کے پیارے دین کی حفاظت اور صیانت میں جو جو قربانیاں اور جانبازیاں دنیا کی آنکھوں کے سامنے پیش کیں۔ عالم کی پوری تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر اور بالکل ہی قاصر ہے برف کی برف باریاں ہوں۔ کہ آگ کی شعلہ انگاریاں زہرآلود تلواریں ہوں کہ دشمنوں کے نیزے اور برچھیاں ہر مقام اور ہر ساعت میں وہ اپنے رسول صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمائت و نصرت سے باز نہ رہے۔ یہ قربانیاں اور یہ جاں نثاریاں یہ فدویت اور یہ جاں بازیاں، یہ امداد اور یہ غمخواریاں۔ کیا آپ کو کسی دوسرے مذہب کے لوگوں میں بھی دکھلائی دے سکتی ہیں۔ اور کیا دوسرے انبیاء و رسل علیہم الف الف صلوٰۃ کے حوارین اور انصار ان کا ادنیٰ سا نمونہ پیش کر سکتے ہیں تاریخ عالم شاہد ہے۔ کہ بعض انبیاء پر جب کٹھن وقت پڑا۔ تو ان کے سچے انصار اور دن رات کے صادق خدمتگزار ان کو تن تنہا مصائب اور آلام کی آگ میں جلتا اور بھنتا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر ہمارے نبی صلعم کے انصار ہیں۔ کہ ان کے نبیؐ پر معمولی سا بھی وقت پڑا تو جان سے، مال سے، عزیز سے، عزت سے، آبرو سے اور دُنیا کی ہر محبوب سے محبوب تریں چیز سے ان کی نصرت اور حمائت کی اور اس وقت تک باز نہ آئے جب تک کہ ان کو اور ان کے برحق مذہبِ اسلام کو اطمینان اور سکون نہ نصیب ہو لیا۔ اور ان کی قوم وملّت کو دنیا کی تمام باطل قوموں اور ملتوں پر غلبہ نہ حاصل ہو لیا۔ آج کی صحبت میں ہم انہیں چند بزرگوں کے ایثار اور قربانی جوش اور قوتِ ایمانی کے واقعات لکھنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ تاکہ غافل مسلمان ان کو دیکھ کر اپنی اپنی زندگیوں کا چشمِ اعتبار اور قلب سلیم کے ساتھ مطالعہ کریں چنانچہ ملاحظہ ہو۔

حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضؓ

حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضؓ ایک جلیل القدر بدری صحابی ہیں۔ ایمان کے جوش سے آپ کے دل میں تلاطم بپا رہتا تھا۔ ایک دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے دریافت فرمایا۔ کہ اے حارثہ! صبح کیسی ہوئی؟ بولے کچھ نہ پوچھئے۔ رات کو چشم رواں اور دن کو تشنۂ دامن رہتا ہوں۔ بس اب اسلام پر مرمٹنے کا ایسا سودا سوار ہے کہ چین نصیب نہیں ہوتا آرزو ہے کہ اس پر زندہ رہوں۔ اور اس پر قربان ہوں۔ دعا فرمایئے۔ کہ مجھکو جلد از جلد شہادت نصیب ہو۔

کہ اب بھی تمنا اور یہی حوصلہ ہے۔ آنحضرت صلعم نے دعا دی۔ اور غزوۂ بدر میں قبول ہوئی۔ اور آپ نے شرف شہادت سے مشرف ہو کر ابدی زندگی اختیار کی؟

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

غزوۂ بدر میں جب یہ شہید ہوئے۔ تو ان کی ماں آنحضرتؐ کی خدمت مبارک میں بے قرار پریشان دوڑتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں۔ کہ یا رسول اللہ! حارثہ میرا بہت لاڈلا بیٹا تھا مجھ کو اس سے جس غائت درجہ محبت تھی۔ الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ پس اگر وہ جنت میں گیا ہو تو صبر کر دوں گی۔ ورنہ آپ خود دیکھیں گے۔ کہ جو کچھ میں کروں گی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کیا کہہ رہی ہو۔ ایک جنت نہیں جنت تو بہت ہیں۔ اور حارثہ رضہ تو جنت الفردوس میں ہیں یہ سننا تھا کہ وہ باغ باغ ہو گئیں۔ اس کی کل مصیبتیں اور پریشانیاں آرام اور راحتوں سے بدل گئیں۔ اور اس کے چہرے پر تبسم و مسکراہٹ کی لہریں لوٹنے لگیں۔ بولیں۔ بخ بخ یا حارثہ (یعنی واہ واہ یا حارثہ) اسد الغابہ جلد

بیٹا اور وہ بھی اکلوتا اور لاڈلا بیٹا کس تکلیف اور مصیبت میں شہید کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بدن کے ٹکڑے کاٹ کر بدر کے میدان میں بکھیر دیئے جاتے ہیں۔ بوڑھی ماں ہے اس کے سامنے یہ اندوہناک منظر ہے۔ اس کی زندگی کا سہارا اور پیری کا عصا ٹوٹا پڑا ہوا ہے۔ گھر میں اب پانی دینے والا نہیں رہ گیا ہے۔ لیکن واہ رے جذبہ اور ولولہ ایمان کہ ماتھے پر شکن تک نہیں۔ کہ بجائے اس کے فرحت و مسرت کے آثار چہرے پر عیاں تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ

آپ کے جذبۂ ایمان کا تو یہ عالم تھا۔ کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے بدن کو قیمہ کرانے کو تیار رہتے۔ جنگ موتہ ۸ھ میں واقع ہوئی۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو موتہ کی جانب غسان شہزادہ سے انتقام لینے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ کہ زید بن حارثہ رضا سوقت سردار ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر طیارؓ رضہ اور پھر ابن رواحہ رضہ امیر الجیش ہوں گے عبداللہ بن رواحہ نے وہاں جذبۂ ایمانی کا جو عملی نمونہ پیش کیا۔ دنیا کے کسی مذہب میں اس کی مثال تلاش کرنا بالکل بیکار اور لغو محض ہے۔

حضرت ثابت بن وحداح رضہ

حضرت ثابت بن دحداح رضہ کی تو یہ حالت تھی۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ۔ اَلْاٰیہ۔

"کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے کہ وہ اس کو دگنا کر دے" تو آپ آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ اور بولے کہ کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ آپ نے کہا۔ کہ ابن دحداح نے اپنا کل مال صدقہ کیا۔

ایک شخص اپنے باغ کا احاطہ کھچوانا چاہتا تھا۔ بیچ میں ایک شخص کا درخت حائل تھا۔ باغ والے نے آنحضرتؐ کے آستانہ مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! وہ درخت مجھ کو دلو دیجئے۔ آپ نے اسے بلوایا۔ اور اس سے درخت کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ آپ نے کہا۔ اس کے عوض جنت میں درخت لے۔ اب بھی وہ نہ مانا حضرت ابو دحداح رضہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو فوراً اس

شخص کے پاس گئے۔ اور کہا۔ مجھ سے دیوار لے لو اور درخت دے دو۔ وہ مان گیا۔ تو آپ نے آنحضرت صلعم کو اس سے آگاہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ابو دحداح رضہ کے لئے جنت میں بہت سے درخت ہیں۔

حضرت عمیر ابن الحمام انصاری رضہ

جو لوگ نشۂ اسلام سے چور اور بادۂ ایمان سے مست تھے۔ انہیں میں سے حضرت عمیر بن الحمام انصاری بھی تھے۔ آپ کے جذبۂ ایمانی کا کیا کہنا؟ بدر کا معرکہ پیش تھا مشرکین مکہ نے آگے بڑھکر حملہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا۔

" اٹھو۔ اور اس جنت کو لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اتنے میں جنت کے شیدائی دین و ایمان کے فدائی عمیر بول اٹھے۔ کہ یا رسول اللہ! آسمان و زمین کے برابر؟ ارشاد ہوا ہاں۔ بولے ۔ واہ وا۔ فرمایا: واہ وا کیوں کہتے ہو؟ اس امید میں کہ شاید میں داخل ہو سکوں۔ ارشاد ہوا۔ کہ تم داخل ہو گئے۔ فوراً آپ تلوار سونت کر میدان جنگ میں کود پڑے اور شہید ہو گئے۔

(واعظ)

دسمبر کا القریش

قومی دربار فاضلکا کے انتظامی و انصرامی امور میں مجھے چونکہ اواخر نومبر ہی سے مصروفیت ہو گی مجلس استقبالیہ کے جملہ اعلانات کی ترتیب و اشاعت کا فرض بھی مجھے ہی انجام دینا ہے۔ اسلئے دسمبر کا القریش ترتیب دینے کی مہلت نہ ہو گی۔ ناظرین انتظار نہ فرمائیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ کمی جنوری ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں پوری کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ قارئین کرام توسیع اشاعت کیلئے سعی بلیغ فرما کر عند القوم مشکور ہوں۔

خادم رونق

مجاہد اعظم مصطفیٰ کمال کے سوانح حیات

جرأت و مردانگی اور شجاعت و بسالت ہی انسانی ترقی کا زینہ ہے

یورپ اور ایشیا کے درمیان سب سے بڑا ریفارمر اور فوجی سپاہی غازی مصطفیٰ کمال پاشا ۱۸۸۱ء میں بمقام سالونیکا پیدا ہوا۔ آپ کے والد علی رضا جدید خیال کے تعلیم یافتہ بزرگ تھے۔ جو محکمہ محصولات میں ملازم تھے مگر بعد میں علی رضا نے لکڑی کی تجارت شروع کر دی۔

تعلیم و تربیت

غازی مصطفیٰ کمال اناطولوی کسانوں کے طبقہ سے متعلق رکھتے ہیں۔ اور صحیح معنوں میں اناطغرل کی اولاد سے ہیں۔ جب حکومت ترکی نے وسعت اختیار کی۔ تو آپ کے بزرگوں نے سالونیکا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ غازی موصوف کی والدہ نے آپ کو سب سے پہلے مسجد کے مدرسہ تعلیم القرآن میں داخل کیا۔ کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کو سرکاری مدرسہ میں بھیجدیا گیا۔

غازی مصطفیٰ کے آبا و اجداد مشرقی رومیلیا میں سکونت پذیر تھے۔ والد کے فوت ہونے کے بعد یہ سلسلہ درہم برہم ہوگیا۔ اور مصطفیٰ کمال اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے پاس گاؤں میں بھیج دیئے گئے۔ جہاں وہ گلہ چرانے کا کام کرتے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ اور برابر دو سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

فوجی تعلیم

دو سال بعد زبیدہ خانم (غازی موصوف کی والدہ نے دوسرا نکاح کر لیا۔ اور غازی کو دوبارہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سالونیکا میں بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ فوجی کالج میں داخل ہو گئے۔

مصطفیٰ کمال

غازی کا نام مصطفیٰ تھا۔ مگر آپ کے ریاضی کے استاد کا نام بھی مصطفیٰ تھا۔ اس لئے غلط فہمی ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کے استاد نے کہا۔ کہ تمہارا نام بھی مصطفیٰ ہے۔ اور میرا نام بھی مصطفیٰ ہے۔ لہذا اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے تمہیں اپنے نام کے ساتھ ایک لفظ کا اضافہ کر لینا چاہیئے۔ چونکہ تم کو علم الحساب میں کمال حاصل ہے۔ اس لئے تم اپنے نام کے ساتھ کمال کا اضافہ کر لو۔ چنانچہ اسی دن سے آپکا نام مصطفیٰ کمال ہو گیا۔

مدرسہ کی تعلیم کے بعد آپ مناسٹر کے کالج میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر قسطنطنیہ کی یونیورسٹی میں چلے گئے۔ یہاں طلبہ کے لئے سیاسی کتب کا مطالعہ ممنوع تھا۔ لیکن آپ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نامق کمال بک اور ان کے ہم خیالوں کی کتابیں اور رسالے وغیرہ پڑھتے رہے۔

انجمن حریت

جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ نے تربیہ کالج میں طلبہ کے ساتھ مل کر پوشیدہ طور پر ایک انقلابی انجمن قائم کر دی۔ جس کا نام "حریت" رکھا گیا۔ جس کے آپ مدیر اعلیٰ تھے۔ اور انجمن کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

آپ کی خفیہ سرگرمیوں کو جاسوسوں نے حکومت تک پہنچا دیا۔ اس پر حکومت نے پرنسپل کو ہدایت کی۔ کہ وہ انہیں ایسی حرکتوں سے باز رکھے۔ مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور زمانہ تعلیم میں اپنے مقاصد کی اشاعت کرتے رہے۔

گرفتاری

زمانہ تعلیم کے بعد آپ نے شہر کے باہر ایک خاموش حصہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔ ایک دن ایک شخص اور اس نے کہا کہ میں پہلے ترکی فوج میں افسر تھا مگر اب نان شبینہ تک سے محتاج ہوں۔ اس پر آپ نے ترس کھا کر اسے انجمن کے کمرے میں رہنے کی اجازت دے دی۔ دو دن کے بعد آپ کو تمام ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص سلطان کا جاسوس تھا۔

مجاہدانہ خدمات

ان دنوں (۱۹۰۵ء) میں آپ کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ چار ماہ بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ مگر رہائی عارضی تھی۔ دو ہفتے بعد آپ کو جلاوطن کر کے دمشق کی ترکی فوج میں پانچویں جیش کے سالار بنا کر بھیج دیا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں آپ کو غیر مسلم اشرار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی سرکوبی کیلئے مقدونیہ روانہ کیا گیا۔

باغی فوج کی رہنمائی

۱۹۰۸ء میں جن ترکی فوجوں نے سلطان کے خلاف مقدونیہ میں بغاوت کی تھی۔ آپ ان کے چیف آف جنرل سٹاف تھے۔ نیازی بے اور انور پاشا آپ کے ماتحت کام کر رہے تھے۔ سلطان عبدالحمید نے اپنی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ملک کو اصلاحات دے دیں۔ اور حریت کے، جس کا نام بعد میں تبدیل کر کے انجمن اتحاد و ترقی رکھ دیا گیا تھا۔ سرپرست بن گئے۔

شبہ درست تھا

مصطفےٰ کمال نے انجمن کی اس روش پر نکتہ چینی کی۔ جس پر آپ کو طرابلس الغرب تبدیل کر دیا گیا۔ سلطان عبدالحمید نے خلافت اور مذہب کے نام پر کامیابی حاصل کر کے انجمن اتحاد و ترقی کے شیرازہ کو منتشر کر دیا۔ ممبر بھاگ گئے۔ انجمن ٹوٹ گئی۔ اس وقت انجمن کے ممبروں کو احساس ہوا کہ مصطفےٰ کمال کا شبہ درست تھا۔

ترکی فوج کی دوبارہ بغاوت

ترکی کی انقلاب پسند پارٹی اپنی اس شکست کے بعد ازسرنو منظم ہو گئی۔ اور ترکی فوجیں ایک دفعہ پھر بغاوت کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ محمود شوکت باغی فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔ انور پاشا ایک چھوٹی سی فوج کے سالار تھے۔ باغی فوجیں اس سرعت کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچیں۔ کہ دنیا کی کوئی فوج اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اس طرح ۱۹۰۹ء میں سلطان کی حکومت کا تختہ الٹ کر دستوری حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جنگ طرابلس میں شمولیت

سنہ ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر اٹلی نے حملہ کیا۔ تو انجمن اتحاد و ترقی نے جس کے سرپرست سلطان المعظم تھے تجربہ کار فوجی ترکوں کو عربی کا بھیس بدلوا کر طرابلس بھیج دیا گیا۔ تاکہ عربوں کو مدافعت کے لئے تیار کریں ان میں ایک غازی ممدوح بھی تھے۔ آپ نے انور پاشا کی قیادت میں عزیزبے مصری کے ساتھ مل کر عربوں کو جدید فوجی طریق پر قواعد سکھائے۔ اور بہت جلد عربوں کی ایک جرار اور باقاعدہ فوج تیار کر دی۔ ان کی اس خدمت اور قابلیت کا ٹرکی اور یورپ نے خاص پر اعتراف کیا۔ محمود شوکت پاشا نے جو ان دنوں وزیر جنگ تھے آپکی بیحد تعریف کی۔

سزائے موت سے نجات

سنہ ۱۹۰۹ء میں جب آپ دمشق میں جلاوطن تھے۔ انقلابی افسروں کے پیغامات وصول کرنے پر ایک انگریز تاجر کے بھیس میں سالونیکا جا پہنچے۔ بٹالین سے غیرحاضری اور انقلابی جماعت میں حصہ لینے پر صدر دفتر میں رپورٹ پہنچی۔ جس پر آپ کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ لیکن اپنی بٹالین میں واپس آن پہنچنے پر آپ کو بچانے کیلئے اعلےٰ افسروں نے آپ کی غیرحاضری کی شہادت دی۔ جس پر آپ کی جان بخشی ہوئی۔ اور لفٹیننٹ میجر کے عہدہ پر ترقی دے کر آپ کو سلونیکا تبدیل کر دیا گیا۔

جنگِ عظیم

جنگ عظیم کے دوران میں آپ نے بغداد اس شرط پر لینے کا دعویٰ کیا۔ کہ جرمن افسر فوج سے واپس بلا لئے جائیں۔ اور انہیں مختارِ مطلق کے طور پر کام کرنے نہ دیا جائے۔ فلسطین کے محاذ پر آپ نے دفاعی حکمت عملی کی تجویز پیش کی۔ مگر جرمن افسروں نے جارحانہ حملہ کا فیصلہ کیا۔ آپ نے شکست کی پیشگوئی کر دی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن بعد میں آپ نے جس حکمت عملی سے فوج کو معمولی نقصان کے ساتھ پیچھے ہٹا لیا۔ اس پر دنیا ششدر رہ گئی درۂ دانیال کی جنگ میں بھی جب جرمن کمانڈر لیمان دان ساندرس نے ۸ گھنٹے کے اندر اندر قسطنطنیہ خالی کر دینے کا حکم دیا ہوا تھا۔ آپ نے درہ دانیال کی کمان مختار مطلق کے طور پر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ قیامت تک دنیا کی کوئی فوج اسے شکست نہ دے سکیگی۔ چنانچہ جرمنوں نے آپ کو ذلیل کرنے کیلئے (اس سے بہتر موقع نہ دیکھا) کمان آپ کے سپرد کر دی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ دشمنوں کی متحدہ فوج کے متواتر حملے اور طویل جنگ غازی مصطفےٰ کمال کا قدم پیچھے ہٹانے میں ناکام رہی۔ یہ جنگ متواتر ایک سال تک جاری رہی۔

جب آپکو ولی عہد ٹرکی کے ساتھ جرمن (برلن) بھیجدیا گیا۔ تو وہاں پر بھی آرام نہ کیا۔ اور تمام جرمن جرنیلوں سے ملاقاتیں کیں۔ لوڈنڈراف اور ہنڈن برگ سے گفتگو جنگ کے متعلق خوب خوب تسلی دیتے رہے۔ مگر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو ان طفل تسلیوں سے قطعاً اطمینان نہ ہوا۔ بلکہ آپنے کوئی ٹھوس بات معلوم کرنی چاہی۔ آپکو مشکوک دیکھ کر جرمن افسروں نے مغربی محاذ کی کیفیت جنگ آپکے سامنے پیش کی۔ تو آپنے فوراً ہی ایک ادق فوجی سوال جنرل لوڈنڈراف کے سامنے پیش کر دیا کہ مغربی محاذ پر جارحانہ پیشقدمی کے دوران میں آپ کس لائن تک پہنچنے کی توقع رکھتے ہیں۔ (باقی دارد) سردار محمد

تذکرۂ برادری

حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی متوجہ ہوں مکرمی پیر غلام احمد صاحب لاہور سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "القریش مطبوعہ ستمبر کے افتتاحیہ میں دہلی کی جمعیتہ القریش "کے عنوان سے ایک شذرہ میں اس مرکزی انجمن کا ذکر کیا گیا تھا۔ جو نام کے اعتبار سے ہندوستان کے قریشیوں کی واحد نمائندہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کام کے لحاظ سے نہ اس سے کوئی واقف اور نہ کسی سے وہ آشنا، اس عجیب و غریب معمہ اور مرکزی گورکھ دھندہ کی حقیقت و اصلیت پر روشنی ڈالنے کیلئے قبلہ حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی شاہی طبیب کی توجہ معطوف کرائی گئی تھی۔ مگر بعد میں پتہ نہیں چلا۔ کہ آخر اس استمداد کا حشر کیا ہوا۔ کیا حضرت مولینا حکیم صاحب ہی خاموش ہیں یا یہ دلچسپ مسئلہ جناب ایڈیٹر صاحب کی بے التفاتی کا شکار ہو گیا۔ ہم تو بڑی بے صبری کے ساتھ حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے بیتاب ہیں۔ آخر رازِ درون پردہ کیا ہے"؟

اس کے متعلق دو تین اور حضرات کے خطوط بھی موصول ہو چکے ہیں۔ مولانا حکیم صاحب کو شائد فرصت نہ ہوئی ہو۔ ان کا اس وقت تک تو کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ آپ کے لئے اصلیت کی ٹوہ کچھ مشکل نہ تھی۔ ہم باصرار حضرت حکیم صاحب سے مستدعی ہیں۔ کہ وہ اس مسئلہ پر بہت جلد کھلی ہوئی روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ اکثر احباب کو اس معاملہ سے خاص دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ بار بار یاد دہانیوں کی تکلیف فرما رہے ہیں۔

القریش کی برکات قریشی خورشید احمد صاحب خورشید ایم۔ اے جمشید پوری نے "قوم اور قومی مرکز" کے تحت ایک طویل مراسلت ارسال فرمائی ہے۔ جس میں آپ نے "قوموں کے عروج و زوال" پر مورخانہ روشنی ڈالتے ہوئے برادران قریش سے پر زور استدعا کی ہے۔ کہ وہ آئندہ قومی دربار کو نہ صرف کامیاب بنانے کیلئے بلکہ قوم کے لئے بہر پہلو مفید ترین بنانے کی امکانی مساعی عمل میں لائیں۔ وہ قوم کبھی عزت کی زندگی زندہ نہیں رہ سکتی۔ جس کا قومی مرکز اور قومی آرگن نہ ہو۔ آپنے اس مراسلہ میں چند تجاویز مفیدہ بھی تحریر کی ہیں جن میں اول تجویز یہ ہے۔ کہ "القریش" کی ماہانہ اشاعت کو ہفتہ وار کرنے کیلئے ایثار عمل سے کام لینے کی تحریک جلسہ میں بالضرور پیش کی جائے۔ قومی آرگن کی ضرورت و اہمیت کے سلسلہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

" اگر القریش جاری نہ ہوتا
" تو قومی اجلاس کی ہرگز توقع نہ ہوتی"
" تنظیم و شیرازہ بندی کا خیال پیدا
ہونے کی بجائے تفریق و انتشار کا
غلبہ ہوتا"

" القریش امرتسر سے نکلتا ہے۔ اور
ہم متعارف ہو رہے ہیں غیر ممالک
کے قریشی بھائیوں سے"

" قوم کے اجزائے منتشرہ کو اتحاد و اتفاق

کی ایک سٹیج پر مجتمع کرنا قومی آرگن ہی
کی طاقت میں ہے"۔ وغیرہ وغیرہ ؎

اخیر پر آپ اس امر کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ کہ ریزولیوشن جلسہ میں باقاعدہ طریق پر پیش کیا جائے۔ افسوس اور سخت افسوس ہے کہ میں مقام جلسہ سے ہزاروں کوس دور پڑا ہوں۔ طویل مسافت اور کثیر مصارف، ورنہ خود حاضر ہو کر قومی دربار کی شان اپنی آنکھوں دیکھتا۔ اور مسرت و سرور محسوس کرتا۔ اور اپنی تجویز اپنی زبانی پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا۔

آپ لکھتے ہیں۔ کہ اصلاحی مرکز کے قیام کی شدید ضرورت ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے بھی وہاں ایک کمیٹی قائم کر رکھی ہے۔ جو گذشتہ سال سے اپنے محدود حلقہ کے اندر کام کر رہی ہے۔ اس کمیٹی کے ارکان نے اسی خط میں فاضلکا کے جلسہ پر اظہار مسرت کرتے ہوئے داعیان جلسہ (اراکین مجلس استقبالیہ) کو ہدیہ تبریک پیش کیا ہے۔ وہ بارگاہ صمدی میں دست بدعا ہیں۔ کہ سادات قریش کا یہ قومی مرکز اسقدر ترقی کرے کہ جمشید پوری قریشی بزرگان اسے جلسہ کی دعوت دیکیں

ہمارے غائبانہ کرم فرما خورشید صاحب القریش کے پرانے مدد و معاون ہیں۔ آپ قوم کے اصلاحی امور میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ پہلو میں دردمند دل ہے۔ اور قوم کے عروج و ارتقا کے متمنی ہیں علاوہ ازیں آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اوائل جنوری میں جو کچھ ہو سکا قومی فنڈ کیلئے ارسال کریں گے۔ دعا ہے کہ خدا برتر و اکبر آپ کو بیش از پیش توفیق عطا کرے۔ آمین!

چند خطوط

(۱) مکرمی مولانا کشفی شاہ صاحب نظامی چشتی رنگون سے تحریر فرماتے ہیں۔ قومی جلسہ کے انعقاد کی خبر سے گونہ مسرت ہوئی۔ خداوند کریم کامیاب کرے۔ میں وطن آسکا تو کانفرنس میں شرکت کرونگا۔ ورنہ جو ہو سکیگا ارسال خدمت کرونگا۔ خداوند کریم آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

اس گرامی نامہ میں آپ نے ان مقامی حالات پر بالاختصار خامہ فرسائی کی ہے۔ جو گذشتہ دنوں برمیوں کی انسانیت سوز حرکات کے نتیجہ میں رونما ہوئے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آپ اس ہولناک فضا میں خدائے حافظ و ناصر کے حفظ امن میں رہے۔ آپ کا نام نامی کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ قومی و ملی امور میں آپ عزیز سے عزیز متاع قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ امید ہے۔ کہ اپنے وعدہ کے موافق قومی فنڈ میں ایک معقول رقم کی ترسیل سے عند القوم مشکور و عنداللہ ماجور ہوں گے۔

---

(۲) مکرمی خانصاحب پیر علی اصغر صاحب ہاشمی ڈپٹی کلکٹر نہر، انعقاد اجلاس کو قومی خوش بختی سے تعبیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اب قوم کے دن پھر جائیں گے۔ یہ سب القریش کی بدولت ہے۔ الحمدللہ آپ کی مساعی مشکور ہو رہی ہیں۔

داعیان اجلاس پیر محمد سرور صاحب اور دیگر اراکین مجلس استقبالیہ قابل تبریک ہیں۔ اور قوم کے دلی شکریہ کے مستحق۔

افسوس میں اس قومی تقریب کی شرکت سے معذور ہوں۔ انہی ایام میں میرے لڑکے کی شادی ہے۔ اور مجبوری کی وجہ سے تاریخوں کا تصادم ہوا ہے۔

آپ نے قریشی برادران کی ایک فہرست بھی ارسال فرمائی ہے۔ اور فرمائش کی ہے۔ کہ ان تمام حضرات کو جلسہ کے دعوتی رقعے بھجوا دیئے جائیں۔

آپ نے اعتراف خدمات کے سلسلہ میں القریش کیلئے ایک بھائی کے نام القریش جاری کرنے کی بھی فرمائش کی ہے جس کے لئے ہم آپ کے بصدق دل مشکور ہیں۔

کرمی قاضی امان الحق صاحب صدیقی بی اے۔ بی ٹی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"فاضلکا کے قومی اجلاس سے متعلقہ دعوتی رقعہ جات کے اجرا کیلئے انشاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب ایک مفصل و مکمل فہرست ارسال کرونگا اور ضرور شامل جلسہ ہونگا۔ کچھ زائد رقعہ جات میرے نام ضرور ارسال کریں تاکہ حلقہ احباب میں تقسیم کردوں۔ قوم میں احساس بیداری ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے محسنوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے۔ آمین! ایک ریزولیوشن پیش کرنے کی اطلاع قبل ازیں دے چکا ہوں۔ والسلام"

ضلع گوڑگانواں کی صدیقی برادری کے آپ چشم و چراغ ہیں۔ دل میں قوم کا درد ہے۔ قوم کی ترقی کے متمنی ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ آپ قوم کا کوئی مفید کام آپ کے ہاتھوں انجام پائے۔ القریش کی توسیع اشاعت کیلئے کوشش کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ امید ہے کہ آپ کی مساعی مشکور ہونگی۔

کرمی منشی محمد یوسف علی صاحب وکیل ۳ نومبر کے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فہرست ارسال کر رہا ہوں اور اسماء بھی بھجواؤنگا۔ دعوتی مراسلات ان تمام کی خدمت میں ضرور جاری کرا دیں۔ ملاقات کے وقت زبانی بھی میں قریشی حضرات کو شرکت اجلاس کی ترغیب دیتا رہتا ہوں اضلاع جالندھر، امرتسر، لدھیانہ، ہوشیارپور میں قریش کی اقتصادی و زرعی حالت خصوصیت کے ساتھ قابل رحم ہے اراضی بھی برائے نام ہے۔ قصبات میں اگرچہ یہ صورت نہیں لیکن دیہات کی حالت بیحد قابل توجہ ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ میں جلسہ کی شرکت کا فخر حاصل کرونگا امید ہے۔ کہ اس تحصیل سے دیگر کئی احباب بھی تشریف لائینگے فہرست موصول ہوگئی ہے۔ آپ کی زبانی ترغیب و تحریک کا سلسلہ نہائت پسندیدہ و مفید ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر حلقہ کے متقدرین آپ کا تتبع کریں۔ اور قوم کو جلسہ کی شرکت کے فوائد سے مطلع کریں۔ اور تاکید کریں۔ کہ احباب کثرت کے ساتھ قومی دربار میں شریک ہوں۔ اس قسم کی تمام فہرستیں رمضان مبارک کے بعد استقبالیہ کے دفتر میں بھجوا دی جائیں گی۔ جہاں دعوتی مراسلات جاری ہونگے۔ دیگر احباب بہت جلد فہرستوں کی ترسیل سے مشکور کریں۔

قومی اجلاس کی تاریخیں

۲۸-۲۹-۳۰ دسمبر ۱۹۳۸ء یاد رکھئے۔ احباب کو شرکت کے لئے آمادہ کرکے جلسہ کی شان کو دوبالا کرنے سے عند القوم مشکور ہوں۔

(ایڈیٹر)

کانگرسی علماء

مولانا ابوالکلام آزاد، مولینا احمد سعید ایسے ایسے بلند پایہ عالم ذاتی مفاد یا کسی خاص شخصی مصلحت کے پیش نظر جمہور اسلام سے کٹ کر کانگرس میں جاذب ہو گئے ہیں۔ چونکہ کانگرس مسلم مفاد کی دشمن ہے۔ اس لئے اس نے مسلمانوں کی وحدیت ملی کو فنا کرنے کیلئے ان بزرگوں کو آلہ کار بنا رکھا ہے۔ اس پر مولینا ظفر علی خاں نے ذیل کے دردناک خیالات نظم کئے ہیں۔ نظم کا ایک ایک مصرعہ ملت اسلامیہ کی بیکسی کا نوحہ ہے۔ اور اپنے اندر خاص اثر رکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کیا پوچھتے ہو ہند میں دین ہدیٰ کا حال ۔۔۔ ویراں ہے خانقاہ تو مسجد ہے پائمال
خود عالمانِ دین بھی پھنسے اسکے جال میں ۔۔۔ جس کا نہیں ہے توڑ وہ ہے کانگرس کی چال
یہ سچ ہے حق پرست بھی کچھ ان میں ہیں مگر ۔۔۔ آتے ہی نظر ہیں جو وہ ہم کو تو خال خال

کافر بھی مومنوں کے اولی الامر[۵۱] بن گئے ۔۔۔ کل تک جو تھا حرام، ہوا آج سے حلال
لذت تھی جن کے خوان کی عجل حنیذ سے ۔۔۔ ہے آج کل پسند انہیں کیوٹی کی دال

چھوڑا جہاد اور اہنسا کیا قبول ۔۔۔ جو شیر تھے، پہننے لگے لومڑی کی کھال

اسلام کے چمن میں صنم سردار[۵۲] کے ۔۔۔ پھرتے ہیں پات پات پھدکتے ہیں ڈال ڈال
قرآں کے ترجمان ہیں کیوں بت کی طرح چپ ۔۔۔ حالانکہ ہے مدینہ کے ناموس کا سوال

کیا انقلاب ہے کہ اساطین شرع کو ۔۔۔ دم مارنے کی گاندھی کے آگے نہیں مجال
کچھ جانتے بھی ہو کہ ہیں کیوں آج ہم ذلیل ۔۔۔ ہم پر ان علماء کا پڑا وبال

ہاں اے خدا بچا ہمیں ان کی گرفت سے
اور بھیج دے یہاں بھی کوئی مصطفےٰ کمال

[۵۱] ہائے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ [۵۲] کاش ہمیں شرم آئے۔ (القریش)

واقعات و حوادث

عالم اسلام کا اہم ترین اندوہناک واقعہ غازی اتاترک مصطفیٰ کمال صدر جمہوریہ ترکیہ کی وفات کا ہے جو ۱۰ نومبر کو ساڑھے ۱۲ بجے دن وقوع میں آیا۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

دنیائے اسلام کے طول و عرض میں یہ اطلاع بہ ہیجان و اضطراب کے ساتھ سنی جائے گی۔ کہ انتدابی افواج نے مسجد اقصیٰ پر گولیاں چلاکر اور بم باری کرکے مسجد کی شدید ترین بے حرمتی و توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ مسجد کا محاصرہ کر لیا گیا اور فرزندانِ اسلام کو اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ انکے گھروں کے گرد گھیرا ڈال کر انہیں گھروں سے باہر نکال دیا گیا۔ اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جو باقی بچے ان پر کھانا پانی بند کر دیا گیا۔ بیت المقدس کے باشندے خوف وہراس سے سہمے ہوئے ہیں۔ مسلم تاجداران سے مداخلت کی دردمندانہ اپیل کی گئی ہے۔

ایک تازہ اطلاع مظہر ہے۔ کہ خاکسار جماعت کے وہ تین مطالبات جن کا ذکر گذشتہ دنوں اخبارات میں شدّ و مد سے ہو رہا تھا۔ حکومت پنجاب نے کسی قدر ترمیم کے بعد منظور کر لئے ہیں۔ علامہ مشرقی نے بھی ترمیم کو قبول کر لیا ہے۔

پنجاب اسمبلی میں ملتان کے گذشتہ فرقہ وارانہ فساد پر گرما گرم بحث ہوئی۔ اخیر پر وزیر اعظم نے اعلان کیا۔ کہ میں نے ملتان کو فساد زدہ رقبہ قرار دیدیا ہے۔ وہاں سخت تعزیری پولیس مقرر کر دی جائے گی۔ تاآنکہ ملتان کی فضا صاف نہ ہو جائے۔

یوپی گورنمنٹ نہایت منتظم اور نازک مزاج واقع ہوئی ہے پہلے آنریری مجسٹریٹی کا قلع قمع کیا۔ اور اب پٹواریوں کا صفایا کرنے پر غور کر رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ وہاں کے ۲۵ ہزار پٹواری علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ اس طرح حکومت ۶۰ لاکھ روپیہ بچائے گی۔

معلوم ہوا ہے۔ کہ آسام میں کانگرسی مخلوط وزارت بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسمبلی کی مخالف جماعتوں کے متعدد جلسے منعقد ہو چکے ہیں۔ صوبہ کے ذمہ دار کانگرسی ارکان بھی سرگرم عمل ہیں۔

دریائے ینگسی کو عام جہاز رانی کے لئے کھلا چھوڑنے سے متعلقہ امریکہ اور برطانیہ کی درخواست کو جاپان نے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

دریافت طلب امور کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

نَدوَۃُ القُریش

مجلس عاملہ کا اہم اجلاس

۱۲ر نومبر ۱/۲ ۹ بجے صبح دفتر القریش شریف گنج امرتسر میں قومی مرکز "ندوۃ القریش" کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اور حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے منظور ہوئے۔

۱۔ یہ اجلاس اسلام کے بطل جلیل، پیکر حریت، مجاہد اعظم جمہوریہ ترکیہ کے صدر کمال اتاترک کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ اور دنیائے اسلام کیلئے آپ کی رحلت ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ ونیز بارگاہِ غفور الرحیم میں بخشوع وخضوع داعی ہے۔ کہ وہ کریم ورحیم آپ کی روح کو اعلیٰ علییین میں جگہ دے۔ اور دولت ٹرکیہ کو کسی بہترین قائد کے زیر قیادت بدستور ترقیاں عطا کرے۔

الف۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے۔ کہ اپنے آیندہ قومی اجلاس میں جو فاضلکا کے مقام پر تعطیلات کرسمس میں منعقد ہونے والا ہے۔ اس رزولیوشن کا اعادہ کیا جائے۔

۲۔ یہ اجلاس افتخار الملک کرنل شیخ مقبول حسن صاحب قریشی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ آر، آئی، اے، ایچ منسٹر فار لا اینڈ جسٹس (وزیر عدل) دولت عباسیہ بہاول پور کی حیثیت قومی کا بخلوص دل اعتراف کرتا ہوا آپ کی اس برادر نوازی کی قدر کرتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے قومی جلسہ کی صدارت قبول کرنے سے کی ہے۔ یہ جلسہ آپ کی اخوت و مروت پر آپ کی خدمت میں تحفہ تبریک کی پیشکش اپنا اولین فرض سمجھتا ہے۔ اور دعا کرتا ہے۔ کہ آپ ایسے پُر خلوص بھائی کو خدائے برتر واکبر دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ اور آپ کو اپنے حفظ امن میں رکھے۔

۳۔ یہ اجلاس فخر قوم پیر محمد سرور رئیس اعظم بہک اسٹیٹ کی اس اولوالعزمی پر جو انہوں نے فاضلکا میں قومی اجلاس کی دعوت اور اس کے جملہ انتظامات کا بار اپنے ذمہ لینے میں کی ہے۔ خصوصاً اور دیگر قریشی بزرگان کی خدمت میں جنہوں نے مجلس استقبالیہ کی رکنیت قبول کرکے اس قومی خدمت میں آپ کا ساتھ دینے میں کی ہے۔ عموماً ہدیہ تبریک وتحسین پیش کرنے کی مسرت حاصل کرتا ہے اور دعا کرتا ہے۔ کہ خدائے قادر و توانا آپ کا اور آپ کی جماعت کا معین و مددگار اور حامی وناصر ہو۔

۴۔ یہ اجلاس عام برادران قریش دور و نزدیک کی خدمت میں مخلصانہ درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے قومی فلاح و ارتقا سے متعلقہ امور پر متفقہ غور و فکر کرنے کیلئے ۲۸-۲۹ دسمبر کے قومی دربار کو شاندار بنانے کیلئے فاضلکا (فیروزپور) کے مقام پر بالضرور تشریف لائیں۔ یہ اجلاس قوم کے مقتدر و معزز بھائیوں سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے قرب وجوار کے قریشی حضرات کو ان تواریخ سے مطلع کرکے شرکت اجلاس کی تاکید کرنا اپنا اولین فرض خیال فرمائیں۔

وزیر ہند پریس واقعہ ہال بازار امرتسر میں محمد علی ترونق پرنٹر و پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھپوا کر دفتر القریش واقعہ شریف گنج امرتسر سے شائع کیا۔ (ایڈیٹر محمد علی ترونق)